اخبار الاخیار
اردو
مصنف
ابوالمجد شیخ عبدالحق محدث دہلوی
www.jannatikaun.com

اخبار الاخیار (اُردو)

مصنف

ابوالمجد شیخ عبدالحق محدث دہلوی

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مشہور و معروف تصنیف اخبار الاخیار جو کہ ہندو پاک کے تقریباً تین سو اولیائے کرام و صوفیائے عظام کے مشہور و مستند تذکار پر مشتمل ہے۔ جس میں علماء و مشائخ کی پاکیزہ زندگیوں کی دل آویز داستانیں پوری تحقیق سے لکھی گئی ہیں۔ یہ کتاب ایک قابل قدر تاریخی و علمی شاہکار ہونے کے علاوہ حکمت و نصائح اور پاکیزہ تعلیمات کا بیش بہا ذخیرہ ہے

مترجمین

حضرت علامہ مولانا سبحان محمود صاحب

حضرت علامہ مولانا محمد فاضل صاحب

نام کتاب .... اخبار الاخیار (اردو)

مصنف .... حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ

مترجمین .... حضرت مولانا سبحان محمود صاحب

.... حضرت مولانا محمد فاضل صاحب

تعداد ۵۰۰

کمپوزنگ .... عبدالسلام/قمرالزمان رائل پارک لاہور

تاریخ اشاعت .... اگست ۲۰۰۴ء

فہرست مضامین

مختصر حالات

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

۹۵۸ھ............................۱۰۵۲ھ

شیخ کے خاندانی حالات

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے اجداد بخارا کے رہنے والے تھے، ان کے اجداد میں سب سے پہلے آغا محمد ترک تیرھویں صدی عیسوی یعنی سلطان علاؤ الدین خلجی کے دور حکومت میں ۱۲۹۶ء ہندوستان تشریف لائے سلطان نے ان کی بڑی قدر و منزلت کی اور ان کو اپنے امراء کی جماعت کے ساتھ گجرات کی مہم پر روانہ کر دیا۔ آغا محمد گجرات کی فتح کے بعد وہیں مقیم ہو گئے، آغا محمد ترک کے ایک سو ایک ۱۰۱ بیٹے تھے لیکن ایک حادثہ میں سو ۱۰۰ لڑکے انتقال کر گئے، صرف ایک لڑکا معز الدین باقی بچا جس سے اس خاندان کا سلسلہ چلا اس صدمہ سے نڈھال ہو کر آغا محمد ترک پھر دہلی تشریف لائے اور شیخ صلاح الدین سہروردی کی خانقاہ میں معتکف ہو گئے۔

آپ نے ۱۷- ربیع الآخر ۷۳۹ ہجری کو انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے، ملک معز الدین سے ہی اس خاندان کا سلسلہ چلا، ان کے بعد ان کے بیٹے ملک موسیٰ نے بڑی عزت و شہرت حاصل کی، ان کے کئی بیٹے تھے ان میں شیخ فیرور نے خاندان کو زیادہ عزت بخشی، یہ تمام علوم و فنون میں یکتائے روزگار تھے، شیخ فیروز ۸۶۰ ہجری میں بہرائچ کے کسی معرکہ میں شہید ہوئے جبکہ ان کی بیوی حاملہ تھیں، کچھ عرصہ بعد ان سے شیخ سعد اللہ حضرت شیخ کے دادا پیدا ہوئے، جو اپنے زمانے کے کامل شیخ ہوئے۔ ۲۲- ربیع الاول ۹۲۸ ہجری کو ان کا انتقال ہوا اور انہوں نے اپنے پیچھے دو لڑکے چھوڑے شیخ رزق اللہ اور شیخ سیف

الدین، آپ کے انتقال کے وقت شیخ سیف الدین کی عمر ۸ سال کی تھی اور پھر یہی آٹھ سالہ بچہ دہلی کا نہایت باعزت انسان کہلایا اور پھر اس کے گھر میں علم کا وہ آفتاب طلوع ہوا جس کے حالات ہم یہاں لکھنا چاہتے ہیں۔

حضرت شیخ محدث کی ولادت و تعلیم و تربیت

حضرت شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ اسلام شاہ سوری کے عہد ۹۵۸ ہجری میں دہلی پیدا ہوئے، آپ کی تعلیم و تربیت آپ کے والد بزرگوار نے بڑی شفقت اور دلسوزی سے کی۔ ابتدائی تعلیم قرآن پاک کی آپ نے خود ہی دی جس کی برکت یہ ہوئی کہ صرف تین ماہ میں حضرت شیخ نے پورا کلام پاک ختم کرلیا اس کے بعد ایک ماہ میں آپ نے لکھنا سیکھ لیا، اس قدر کم عرصہ میں لکھنا پڑھنا سیکھ لینا حضرت شیخ کی غیر معمولی فراست و ذہانت کی دلیل ہے۔

اس کے بعد والد کی زیر سرپرستی آپ نے فارسی عربی کی تعلیم شروع کی اور جس علم کی طرف بھی توجہ کی بہت جلد اس کو حاصل کرلیا، بارہ تیرہ سال کی عمر میں شرح شمسیہ اور شرح عقائد پڑھ لی اور پندرہ سولہ سال میں مختصر و مطول، غرض اٹھارہ برس کی عمر میں آپ تمام علوم عقلیہ و نقلیہ حاصل فرما چکے تھے اس دوران میں آپ نے علماء ماوراء النہر سے بھی اکتساب علم کیا۔

عبادت و ریاضت کی ابتداء

شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے علوم ظاہر کے ساتھ ساتھ علوم باطن کا بھی پورا خیال رکھا، شیخ سیف الدین نے ان کے قلب میں ایک ایسی روح پھونک دی تھی جو آخر عمر تک ان کے قلب و جگر کو گرماتی رہی، عبادت و ریاضت کے ساتھ اپنے وقت کے علماء و مشائخ کی صحبت میں رہنے لگے، عام لوگوں کی صحبت اور میل جول سے ہمیشہ متنفر رہے، یہ شہنشاہ اکبر کا زمانہ تھا جبکہ شرع کی بے حرمتی اور بدعات اپنے عروج پر تھیں اکبر بادشاہ اور اس کے امراء نے بہت کوشش کی کہ وہ بھی ہمارے ساتھ لگ جائیں لیکن جس کی قسمت میں تجدید علوم اسلامی لکھی ہوئی تھی وہ اس ماحول میں کیسے ٹھہر سکتا تھا، بالآخر اس دور کے مذہبی حالات سے گھبرا کر شیخ

حجاز تشریف لے گئے۔

شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ کا سفر حجاز

حضرت شیخ اڑتیس سال کی عمر میں ۹۹۶ ہجری میں حجاز کی طرف روانہ ہوئے، اور رمضان سے کافی عرصہ پہلے آپ مکہ معظمہ پہنچ گئے، چنانچہ رمضان ۹۹۶ ہجری تک انہوں نے وہاں کے محدثین سے صحیح بخاری و مسلم کا درس لے لیا تھا اور پھر شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہاں انہوں نے علم کی تکمیل کرائی اور علم طریقت و سلوک سے آشنا کیا، شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خوش قسمتی تھی کہ آپ کو ایسا رہبر کامل مل گیا، غرض شیخ عبدالوہاب متقی سے پورا پورا اکتساب علم کیا اور ان سے حد درجہ متاثر ہوئے، انہی کے ساتھ رمضان گزارا اور فریضہ حج بھی ساتھ ہی ادا کیا، بعدازاں آپ اپنے شیخ کے حکم سے ان کے زیر نگرانی حرم کے ایک حجرہ میں عبادت و ریاضت کرتے رہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شیخ کو عشق تھا جب دیار محبوب میں پہنچتے تو برہنہ پا ہو جاتے، چار بار زیارت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے اور حجاز میں تین سال قیام فرمایا۔

حجاز سے ہندوستان کو واپسی

علم و عمل کی تمام وادیوں سے گزارنے کے بعد شیخ عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ عبدالحق کو ہندوستان واپس جانے کا حکم فرمایا لیکن حضرت شیخ ہندوستان کے حالات سے ایسے دل برداشتہ تھے کہ طبیعت واپس ہونے کو نہیں چاہتی تھی لیکن شیخ کے حکم سے مجبور ہو گئے اور یہ ارادہ کیا کہ بغداد کے راستہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کر کے ہندوستان واپس ہوں لیکن شیخ نے اس کی بھی بعض وجوہات کی بناء پر اجازت نہیں دی، آخر شوال ۹۹۹ ہجری میں آنکھوں میں آنسو اور دل میں حسرت لیے اس مقدس سرزمین سے رخصت ہوئے

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد　　　روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد

شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۰۰ ہجری میں ہندوستان تشریف لائے یہاں آکر دیکھا تو

اکبر کے مذہبی افکار دین الٰہی کی شکل اختیار کر چکے تھے، اسلامی شعار کی تضحیک کی جا رہی تھی ایسے روح فرسا حالات میں شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دارالعلوم کی بنیاد ڈالی اور قرآن و حدیث کے درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور یہ سلسلہ زندگی کے آخری لمحات تک جاری رہا۔

شیخ محدث کے روحانی پیشوا

شیخ نے ابتداء میں اپنے والد ماجد مولانا سیف الدین سے روحانی تعلیم و تربیت حاصل کی، حضرت سید موسیٰ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ جو سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ ہیں ان سے شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ کو بہت عقیدت تھی چنانچہ ۶ - شوال ۹۸۵ ہجری میں سید موسیٰ سے وابستہ ہوئے اور انہوں نے اپنی خلافت سے نوازا۔ شیخ عبدالوہاب متقی سے مکہ معظمہ میں تعلیم حاصل کی جن سے شیخ کی ملاقات کا ذکر اوپر گزر چکا، حضرت خواجہ باقی باللہ مشہور ترین بزرگ ہیں جن کی پوری زندگی احیاء سنت و اماتت بدعت میں گزری، شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے دست حق پرست پر بھی بیعت کی۔

شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ کا وصال

۲۱ - ربیع الاول ۱۰۵۲ ہجری کو یہ آفتاب علم جس نے چورانوے سال تک فضائے ہند کو منور رکھا غروب ہو گیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ آپ کی وصیت کے مطابق حوض شمسی کے کنارے سپرد خاک کیا گیا اور شیخ نورالحق رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی، آپ کی تاریخ ولادت شیخ اولیاء اور تاریخ رحلت ''فخر عالم است'' ہے۔

حضرت شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف

شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ کی چورانوے سال کی عمر ہوئی اس عمر کا بیشتر حصہ تصنیف و تالیف میں بسر ہوا ہر علم و فن پر آپ نے کتابیں لکھی ہیں جن کی تعداد ۶۰ ساٹھ ہے اور اگر مکاتیب و رسائل کو بھی شامل کر لیا جائے تو یہ تعداد ۱۱۶ تک پہنچتی ہے ان میں سے مشہور مطبوعہ کتابیں درج ذیل ہیں۔

نمبر شمار	نام کتاب	موضوع	زبان	کیفیت
۱	اخبار الاخیار فی احوال الابرار	سیر وتذکرہ	فارسی	مطبوعہ-اُردو ترجمہ مولانا محمد فاضل صاحب
۲	آداب الصالحین	اخلاق	'	مطبوعہ-اردو ترجمہ نواب قطب الدین دہلوی
۳	آداب اللباس	"	'	مطبوعہ-اردو ترجمہ
۴	اشعۃ اللمعات فی شرح مشکوٰۃ	حدیث	فارسی	مطبوعہ
۵	ترجمہ زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار	سیر	'	مطبوعہ
۶	تکمیل الایمان وتقویۃ الایقان	عقائد	'	مطبوعہ (اردو ترجمہ بھی شائع ہوا)
۷	توصیل المرید الی المراد بہ بیان	تصوف	'	مطبوعہ (اُردو ترجمہ بھی شائع ہوا)
۸	جذب القلوب الی دیار المحبوب	تاریخ	فارسی	مطبوعہ (اُردو ترجمہ بھی شائع ہوا)
۹	شرح سفر السعادت		"	مطبوعہ
۱۰	شرح فتوح الغیب	تصوف	"	مطبوعہ
۱۱	فہرس التوالیف	ذاتی	فارسی عربی	مطبوعہ
۱۲	کتاب المکاتیب والرسائل	مکاتیب	فارسی	مطبوعہ (اردو ترجمہ بھی شائع ہوا)
۱۳	ماثبت بالسنہ فی ایام السنہ	حدیث	عربی	مطبوعہ
۱۴	مدارج النبوۃ	سیر	فارسی	مطبوعہ

(اردو ترجمہ بھی شائع ہوا)

۱۵	مرج البحرین	تصوف	"	مطبوعہ (اردو ترجمہ بھی شائع ہوا)
۱۶	نکات الحق والحقیقت	"	"	مطبوعہ

حضرت شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے معاصرین

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ	فیضی
حضرت شاہ ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ	ملا عبد القادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ
شیخ عبد اللہ نیازی رحمۃ اللہ علیہ	مرزا نظام الدین احمد بخشی رحمۃ اللہ علیہ
نواب مرتضٰی خاں شیخ فرید	میر سید طیب بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ
عبد الرحیم خان خاناں	محمد غوثی شطاری رحمۃ اللہ علیہ

شیخ محدث کی اولاد

شیخ محدث کے تین فرزند ہوئے، سب سے بڑے فرزند شیخ نور الحق مشرقی ہیں جو اپنے والد محترم کی طرح صاحب علم وفضل ہوئے خود حضرت شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ آپ سے بے حد خوش تھے اور اپنا وجود ثانی کہتے تھے، شیخ نور الحق رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں تیسرا القاری کے نام سے چھ جلدوں میں بخاری شریف کی شرح بھی شامل ہے آپ نے اپنے والد کی حیات میں ہی شاہجہاں کے عہد میں اکبرآباد کی قضا کا عہدہ قبول کرلیا تھا اور جب شیخ محدث کا انتقال ہوا تو شیخ نور الحق نے اپنے باپ کی مسند ارشاد کو سنبھال لیا۔ شیخ عبد الحق کے دوسرے فرزند شیخ علی محمد جید عالم اور بزرگ تھے، آپ نے بھی متعدد کتابیں تصنیف فرمائی تھیں، تیسرے فرزند شیخ محمد ہاشم ہیں۔ یہ علم حدیث میں خاص مناسبت رکھتے تھے، محمد ہاشم کے لڑکے محمد عاصم سے حضرت شیخ محدث کو بہت محبت تھی۔

....

مقدمہ اخبار الاخیار

از حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس خدائے بزرگ و برتر و واہب العطیات کا شکر ہے جس کی عطائیں غیر محدود اور جس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا دائرہ امکان سے خارج ہے۔

نعمت وجود اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں میں سب سے مقدم نعمت وجود ہے اس کے بعد دوسری نعمتوں کا نمبر ہے، چونکہ نعمت وجود دائمی ہے اس لیے دائمی طور پر ہر لمحہ اس نعمت کا شکر ادا کرنا ضروری ہے لہٰذا اس نعمت وجود کا شکر ادا کر کے دوسری نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

قطعہ

عقل در اندیشہ فرو شد مگر — شکر خداوند تعالیٰ کند

دید کہ ہرگز نتواند کہ آں — لائقِ آں درگہ والا کند

تا ابد الدہر ز شرمندگی — سر نتو انست کہ بالا کند

نعمت نفس اللہ تعالیٰ کی ان لامحدود نعمتوں سے جن کا ہر لمحہ انسان پر بے چون و چرا فیضان ہو رہا ہے یعنی سانس کی نعمت ہے جس کی آمد و شد میں اتنی لاکھوں نعمتیں موجود ہیں جن کے شمار و احاطہ کی عقل میں طاقت نہیں، اندر داخل ہونے والے سانس سے سینکڑوں کام نکلتے ہیں، یہ سانس ایسا آب حیات ہے جو رگوں پٹھوں وغیرہ کی نالیوں میں داخل ہو کر اعضا واطراف کے برگ و بار کو سرسبز رکھتا ہے، حلق کی نالی میں سانس داخل ہو کر اس کے میل کچیل اور کثافت و خشکی کو دور کر کے لطیف و نرم بناتا ہے پھر اس کا جوہر پھیپھڑے کے ذریعہ گلزار دل میں داخل ہو کر بدن کے تمام رگوں پٹھوں اور مسامات میں پہنچتا ہے اور حرارت غریزی کو معتدل بناتا ہے گویا ہر لمحہ نیا لباس زندگی اور ہر لحظہ تازہ شربت زیست بہم پہنچاتا ہے، باہر نکلنے والا سانس انہی منزلوں اور راہوں سے جن سے وہ داخل ہوا تھا باہر آتا ہے، اور اندر کے

تمام فضلات اور کثافتیں باہر نکال پھینکتا ہے اور طبیعت میں فرحت ونشاط پیدا کر کے حبس و ضیق دم کی تکلیف سے نجات دیتا ہے۔

سانس کا حساب لگانے والوں سے پوچھو کہ صبح سے شام تک کتنی مرتبہ اس کی آمد وشد ہوا کرتی ہے اور اس کے ضمن میں کیسی کیسی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں لہٰذا ان نعمتوں میں سے کسی ایک کا حق ادا کرنا کس طرح ممکن ہے فسبحان من جلت قدرته و دقت حکمته

مثنوی

ہر نفس نو کہ وصول آورد　　　مائدۂ تازہ نزول آورد

جو نیا سانس حاصل ہو رہا ہے گویا ایک تازہ دستر خوان نازل ہو رہا ہے۔

روح ازو تازہ غذائے برو　　　دل نفس باد ہوائے خورد

اس سے روح کو تازہ غذا ملتی ہے اور دل تازہ تازہ ہوا کھاتا ہے۔

ہر نفست زندگی آید پدید　　　بل ھم فی لبس من خلق جدید

ہر سانس سے زندگی ظاہر ہو رہی ہے لیکن لوگ اس حیاتِ جدید سے اشتباہ میں مبتلا ہیں۔

ہر نفسے تازہ حیات دگر　　　واسطۂ صبر و ثباتِ دگر

ہر تازہ سانس نئی حیات اور نئے صبر واستقلال کا وسیلہ ہے۔

ہریک ازاں مروحہ جنبان شش　　　روح مزاج دل ازو کردہ خوش

ہر سانس تمام پہلوؤں کے لیے پنکھا ہے کہ اس سے مزاج قلب باغ باغ ہو جاتا ہے۔

حجرۂ جاں مترنم ازو!　　　پنجرۂ دل متنسم ازو!

روح کی آواز اسی کے باعث نغمہ ریز اور دل کا پنجرہ اسی کے سبب آباد ہے۔

بر سرِ مو در بدن آدمی　　　یافت ازو تازگی و خرمی

بدن انسانی کا رواں رواں اسی سے تازگی وخرمی حاصل کرتا ہے!

آدمی بے ہنر و بے زباں　　　حمد خدا راچہ تو اند بیاں

یہ بے زبان وعاجز انسان اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

نعمت رزق اس کی نعمتوں میں سے ایک نعمت رزق ہے جو شب و روز بلا ناغہ تم کو حاصل ہو رہی ہے، ذرا دیکھو اور اس کے اسباب و آلات پر غور و فکر کرو کہ وہ ایک دانہ گندم پیدا کرنے میں کتنے اسباب ایجاد فرماتا ہے، اس کی صورت کی ایجاد، کھیتی باڑی کے اسباب اور اس کی قوتوں کی فساد سے حفاظت فرماتا ہے اور عجیب ترتیب و تکمیل کے ساتھ، پھر اس کے پیسنے، گوندھنے، پکانے، کھانے، چبانے اور ہضم و جذب میں ایسی عجیب و غریب نعمتیں اور حکمتیں ظاہر فرماتا ہے جن کو وہ حکیم مطلق ہی جانتا ہے پھر اس کو غذائے صالح بناتا ہے

"فسبحان من تمت حکمته و عمت نعمته"

قطعہ

سبحان قدیرے کہ بہ یک ذرۂ شکرش — خاصان درش کردہ رہ عقل و خرد گم!
از خرمنِ او دانہ گندم زدہ آدم — پروردہ ہمہ خلق بآں دانہ گندم
گم در شکم دانہ دل انجم و افلاک! — چوں دانہ چندیست فتادہ بتہ خم

اس کے علاوہ دوسری نعمتیں مثلاً کھانا، پینا، لباس، مجلس و مکان، آمدورفت کے مقامات، بستیاں اور تمام ارضی و سماوی، علوی و سفلی، روحانی و جسمانی اور ظاہری و باطنی نعمتوں کو دیکھو اور علیم و قدیر کی تخلیق و تقدیر اور تربیت و تدبیر پر غور و فکر کرو تو سکوت جبروت اور عاجزی و بندگی کے علاوہ کچھ بھی نظر نہ آئے گا۔

آسمان و کواکب کی عجیب و غریب طریقہ پر تخلیق و رفتار ثوابت و سیارات کے تمام احوال و صفات، عناصر و ارکان کی عجیب و غریب ترتیب، وسیع و عریض زمین کا بچھونا، مضبوط و مستحکم پہاڑوں کی ایجاد، چشموں کا پھوٹنا، نہروں کا بہنا مختلف االانواع جمادات و نباتات و حیوانات کی تکوین، ان اجسام کی تخلیق میں عجیب و غریب حکمتوں کو ملحوظ رکھنا اور تمام کے ظاہر و باطن میں ان بڑی بڑی نعمتوں کا عطیہ جن کا مجمل ذکر بھی نہ کسی کے بس کی بات ہے اور نہ ان کا ذکر بڑی بڑی کتابوں میں سما سکتا ہے، اے انسان! یہ سب تیرے لیے ہیں تاکہ تو اس کی یاد سے غافل نہ ہو، اور اس کی جستجو میں مشغول رہے۔ فسبحان من لاحصر لا لانه ولا احصاء لنعمائه۔ یعنی پاک ہے وہ ذات جس کی نعمتیں بے حساب اور احسانات بے شمار ہیں۔

قطعہ

احصاء و حصر نعمت حق قدرت تونیست | فکر اندراں خیال چہ باید ترا گماشت

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حساب و شمار تمہارے بس سے باہر ہے، اس فکر میں تمہیں نہیں پڑنا چاہئے،

کار تو ایں بود کہ بدانی کہ ایں ہمہ | بہرِ تو آفرید و ترا بہرِ خود نگاشت

تمہارا تو صرف یہ کام ہے کہ اتنا سمجھ لو کہ یہ سب کچھ تمہارے لیے پیدا کیا ہے اور تمہیں اپنے لیے۔

ایں منبسط بساط زمیں بہر تو نہاد | وایں سائبانِ سبز فلک بہرِ تو فراشت

اس زمین کا فرش تمہارے لیے اس نے بچھایا ہے اور آسمان کا یہ سبز سائبان تمہارے لیے پھیلایا ہے۔

چندیں نعم بہ بزم ظہور آشکار کرد | چندیں دگر بعالم دیگر نگاہ داشت

بہت سی نعمتیں تو اسی دنیا میں ظاہر فرمادیں اور بہت سی دوسری نعمتیں آخرت کے لیے محفوظ فرمالیں۔

غافل مشوز ذکر خداوند روز و شب | آں دم کہ آشِ شام خوری یا غذائے چاشت

کسی وقت بھی اللہ کے ذکر سے دن رات میں غافل نہ ہو، چاہے وہ شام کے کھانے کا وقت ہو یا دوپہر کے۔

مذکورہ بالا نعمتوں میں تو انسان وحیوان سب مشترک ہیں، لیکن وہ مخصوص نعمتیں جو صرف انسان کو عطا کی گئی ہیں جیسے فہم وفراست، نطق وفکر، علم وزیرکی، شوق ومحبت ذوق و معرفت، قرب وولایت، نبوت ورسالت اور تکریم وتعظیم ان کا شکر ادا کرنا مشکل ہے اور ان مخصوص نعمتوں کی بدولت اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ رتبہ بلند عطا فرمایا ہے کہ تمام مخلوقات ارضی کے سر پر اس کے پاؤں ہیں اور مخلوقات سماوی سے اس کا سر اونچا ہے۔

قطعہ

پاکی کہ خاک را سراز برفلک رسید　　　بلکہ فلک زپرتوِ آں خاک نور یافت

پاک ہے وہ ذات جس نے خاک سے بنائے ہوئے سر کو فلک پر پہنچا دیا بلکہ فلک نے اس خاک کے سایہ سے نور حاصل کیا۔

بنمود ہرچہ بود بگنج ازل نہاں !　　　آں دم کہ نور آدم خاکی ظہور یافت

جب آدم خاکی کا نور جلوہ گر ہوا تو جو کچھ خزانہ ازل میں تھا اسے ظاہر فرما دیا

بیروں در فرشتہ بکارے مؤکل است　　　ایں آدم اختصاص ببزم حضور یافت

باہر فرشتہ ہر خدمت کے لیے متعین و کمربستہ ہے، حضرت آدم کو یہ خصوصیت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ملی ہے۔

از بوئے او ریاض بہشت بریں شگفت　　　وز روئے او سفیدی رخسار حور یافت

آپ کی خوشبو سے بہشت کا باغ شگفتہ ومعطر ہو گیا اور آپکے چہرۂ انور سے حور کے رخسار کو ملاحت ملی۔

نور صفا اگرچہ زروئے صفا ظہور　　　چوں از درخت شعشہ نار طور یافت

نورِ صفا اگرچہ صفا کی جانب سے ظاہر ہوا جس طرح درخت شعشہ سے طور کو آگ حاصل ہوئی۔

داند کہ نور کیست زرخسار او عیاں　　　آں کس کہ روشنائی نور شعور یافت

لیکن جس کو نور شعور کی ملی ہے وہ جانتا ہے کہ اس کے چہرہ سے کس کا نور ظاہر ہو رہا ہے

نور محمدی ست کہ اول زذات بحت　　　در عقل ونفس آمدہ زیں جا عبور یافت

یہ نور محمدی ہے جو ذات محض سے پہلے عقل ونفس میں اسی راستہ سے گزر کر ظاہر ہوا ہے

حرف نخست ابجد ایجاد ذات اوست　　　کاں حرف کاتب ازل اصل سطور یافت

ابجد کا پہلا حرف آپ کی ذات کی ایجاد ہے، اس حرف نے کاتب ازل سے اصل

سطور کا مقام پایا ہے

فرقان وصف اوست کہ توریت کردہ طے　　　انجیل در نوشتہ زبر بر زبور یافت

فرقان آپ کا ایسا وصف جسے توریت نے طے کر دیا اور انجیل و زبور میں بھی یہی لکھا ہوا ملا۔

عقل از کمال اوست چواز آفتاب چشم　　　نزدیک خیرہ رہ نتواندز دور یافت

عقل آپ کے کمالات میں ایسی ہے جیسے سورج کے سامنے آنکھ کے نزدیک ہو کر خیرہ ہو جاتی ہے اور دور سے استفادہ کرسکتی ہے۔

جس طرح خالق موجودات کا شکر ادا کرنا انسان کی طاقت وامکان سے باہر ہے اس طرح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا، تشریح وزیادتی سے بالاتر، جو کچھ حدا احدیت کے سوا متعین ہے، ذات محمدی اس کا بیان اور جو صفات مبہم ذات احدیت میں ہیں، ذات محمدی ان کے لیے باعث ظہور ہے، غرضیکہ جتنے بھی علوی یا سفلی انوار ہیں سب آپ کے پرتو نور سے ظہور پذیر ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ذات حق کی صفات کا ادراک وعرفان اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کنہ ذات سے واقفیت نہ ہو۔

قطعہ

حق را بچشم اگرچہ ندید ند لیکنش　　　از دیدنِ جمال محمد شنا ختند

اگرچہ حق تعالیٰ کو کسی نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال سے پہچانا ہے۔

اورا بچشم دیدو نشنا ختند ازاں　　　کز صورتش غشادۂ معنیش بساختند

اسے کسی نے اپنی آنکھ سے نہیں پہچانا، کیونکہ اس کی صورت سے اس کے مضمون کا لفافہ بنایا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ذات خداوندی کے لیے ماعبدناك (اے اللہ ہم نے تیرا حق عبادت ادا نہیں کیا) فرماتے ہیں اور تمام انسان آپ کے حق میں ماعرفناك (ہم نے آپ کو نہیں پہچانا) کہتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دربار خداوندی میں عرض کرتے ہیں لا احصی ثناء علیك

انت کما اثنیت علی نفسک (ہم تیری تعریف نہیں کر سکتے، تو ایسا ہی ہے جیسے تو نے اپنی تعریف کی ہے) اور دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ اے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ پر درود نہیں بھیج سکتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر درود بھیجا ہے۔

قطعہ

خیرالوریٰ امام رسل مظہر اتم　　او از خدا و ہرچہ از و منتشی ازد!

آپ بہترین مخلوق امام الانبیاء اور مظہر کامل ہیں، آپ خدا سے ہیں اور دوسری چیزیں آپ سے ہیں

او جان جملہ عالم وحق جان جاں شمار　　حق را بغیر واسطہ ذات او مجو!

آپ کو تمام کائنات کی روح اور حق تعالیٰ کو جان روح سمجھو، حق تعالیٰ کو آپ کی ذات گرامی کے واسطہ کے بغیر طلب مت کرو۔

حق در ازل برابر آئینہ وجود　　آئینہ حقیقتش آورد روبرد!

روز ازل میں حق تعالیٰ آپ کے آئینہ وجود کے مقابل ہو کر آپ کے آئینہ حقیقت کو سامنے لایا۔

آئینہ را مقابل آئینہ چوں نہند　　اینجا لطیفہ است اگر بشنوی نکو

اگر آئینہ کو آئینہ کے سامنے رکھ دیں تو یہاں ایک لطیفہ ہے اگر تم سننا چاہو!

از اول آنچہ در دوم افتد بود بعکس　　گردد درست باز ازیں چوفتد درد

پہلے آئینہ سے دوسرے میں جو عکس پڑتا ہے اس وقت درست اور سیدھا ہوتا ہے جب اس میں پڑے۔

نقش وجود راست نشنیدے بایں طریق　　بشناس ایں رقیقہ مزن دم بہ گفتگو

اس طریقہ سے وجود کے نقش راست کو نہیں سنا گیا، اس نکتہ کو پہچانو اور زیادہ گفتگو مت کرو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا میں تخلیق کائنات کا سبب اور آخر میں بنی آدم کی ہدایت کا وسیلہ ہیں، باطن میں تربیت کنندہ ارواح اور ظاہر میں تکمیل کنندہ اجسام ہیں، ارکان مذاہب کو منہدم کرنے والے، ادیان سابقہ کو منسوخ کرنے والے، انگشتری وجود کا نگینہ، اور

نگینہ معرفت و شہود کا نقش ہیں، پابند تصور اخلاق کا مقصود، سالکین اہل زمین کا مطلوب مکارمِ اخلاق کے تکمیل کرنے والے، کاملوں کو درجہ کمال تک پہنچانے والے، وجود و عدم کی منزلوں کو دیکھنے والے، دربار حدوث و قدم کا سنگم، امکان و وجوب کے جامع، طالب و مطلوب میں واسطہ، مملکتِ خداوندی کے خدیو اور حکومت الٰہی کے بادشاہ ہیں، حقیقت خلوث کے مظہر، صورت رحمانیت کے جلوہ، عالم لاہوت کے راز سربستہ، خزانہ جبروت سے واقف، ارواح ملکوتیہ کو تر و تازگی بخشنے والے اور اجسامِ ناسوت کو رونق دینے والے ہیں۔ ولایت کے رہنما، دائرہ نبوت کی انتہا، مظہر کامل، رحمت عالم، عقل اول، ترجمان اولیں، نوروں کے نور، سرتا پا راہنما، تمام رسولوں کے سردار، اللہ کے سب سے زیادہ محبوب، سب سے زیادہ برگزیدہ سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم۔

قطعہ

شاہ رسل شفیعِ اُمم خواجہ دو کون　　　نور ہدیٰ حبیب خدا سیّد انام

رسولوں کے بادشاہ، امتوں کے شفاعتی، دونوں جہان کے سردار، نور ہدایت، اللہ کے محبوب اور مخلوق کے سردار۔

مقصود ذات اوست دگر ہا ہمہ طفیل　　　منظور نور اوست دگر جملگی ظلام

آپکی ذات اقدس مقصود اصلی باقی سب طفیلی ہیں، آپ کا نور ہی اصل ہے اور باقی سب تاریکی ہے۔

ہر مرتبہ کہ بود درا مکان او بروست　　　ہر نعمتے کہ داشت خدا شد برو تمام

جو مرتبہ بلند بھی ممکن ہو آپ اس پر فائز ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جتنی بھی نعمتیں ہیں وہ آپ پر تمام ہیں

برداشت از طبیعتِ امکاں قدم کہ آں　　　اسریٰ بعبدہ است من المسجد الحرام

آپ نے عالم امکان سے اوپر قدم اٹھایا جیسا کہ وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس محبوب بندہ کو مسجد حرام سے راتوں رات۔

متا عرصہ وجوب کہ اقصائے عالم ست　　　کانجانہ جاست نے جہت نے نشان و نام

درگاہ وجوب تک جو منتہائے عالم ہے لے گیا، کہ وہاں نہ مکان ہے نہ جہت نہ نشان

اور نہ نام

سرے ست بس شگرف دریں جا کہ پیچ ہا　　از آشنائے عالم جاں پرس ایں مقام

عجیب و غریب پیچیدہ راز ہے، روح کون و مکان کے واقف سے اس مقام کو دریافت کرو

اشعار

رسولٌ کریمٌ نبیٌّ نبیہ　　رفیعٌ شفیعٌ عزیزٌ وجیہ

رسول ہیں، کریم ہیں، نبی ہیں، عاقل کامل ہیں، بلند مرتبہ، شفاعت کرنیوالے، باعزت ووجاہت

بشیرٌ نذیرٌ سراجٌ منیر　　رحیمٌ فخیمٌ عظیمٌ خطیر

بشارت دینے والے، ڈرانیوالے، چراغ روشن، رحم کرنے والے، بلند مرتبہ صاحب عظمت اور عظیم المرتبت ہیں

رضیٌّ وصیٌّ تقیٌّ نقی　　سخیٌّ بہیٌّ علیٌّ ملی

پسندیدہ، نصیحت کرنے والے، پاک وصاف، سخاوت کرنیوالے، صاحب جمال، بلند و بالا اور بڑے غنی ہیں

عطوفٌ رؤفٌ کریمٌ رحیم　　علیمٌ رحیمٌ سلیمٌ کلیم

مہربان، شفیق، کریم، صاحب رحم، صاحب علم و رحمت، بے عیب اور اللہ سے گفتگو کرنے والے

....

خسف القمر　　عجز البشر　　نطق الحجر بجلالہٖ

بجمالہٖ　　بکمالہٖ

آپ کے جمال سے چاند بے نور ہو گیا　　انسان آپکے سامنے عاجز ہے　　آپ کی عظمت سے پتھر بھی بول پڑے

صلوا علیہ وسلموا

آپ پر درود و سلام بھیجو

ملأ الخلاء بخیرہٖ	خرق السماء لسیرہٖ	ما ساغ ذاك لغیرہٖ
آپ نے اپنی خیر و برکت سے کائنات کو بھر دیا	تشریف لیجا کر آسمان کے دروازے کھول دیئے	آپ کے سوا کسی کو یہ شرف نہیں ملا

صلوا علیہ وسلموا

آپ پر درود و سلام بھیجو

شرق المکان بنورہٖ	سر الزمان بسورہٖ	نسخ الملل بظھورہٖ
آپ کے نور سے ہر جگہ روشن ہوگئی	زمانہ آپکی آمد سے خوش ہوگیا	تمام مذاہب آپکے ظہور سے منسوخ ہوگئے

صلوا علیہ وسلموا

آپ پر درود و سلام بھیجو

کشف الشبہ ببیانہٖ	رفع العلٰی بمکانہٖ	اکرم برفعة شانہٖ
آپ نے تمام شبہات اپنے بیان سے حل کر دیئے	بلندیوں کو آپکی وجہ سے رفعت ملی	آپکی رفعت شان ہے اسکو عظمت ملی

صلوا علیہ وسلموا

آپ پر درود و سلام بھیجو

فلتھدوا الشریعة	ثم اقتدوا الطریقتہ	فتحققوا لحقیقتہ
سو آپ کی شریعت سے ہدایت حاصل کرو	پھر آپ کی طریقت کی پیروی کرو	پھر آپ کی حقیقت پر جم جاؤ۔

صلوا علیہ وسلموا

آپ پر درود و سلام بھیجو

اللھم صل علٰی محمدٍ وّعلٰی اٰل محمد وّاصحابہٖ

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کامل کے کمالات، صحابہ کرام کی تمام صفات اور ائمہ عظام کے احسانات کا حساب و شمار طاقت بشری کے امکان میں نہیں ہے درحقیقت یہ تمام حضرات دریائے نبوت کی نہریں اور آسمان رسالت کے چاند ہیں، جس

فیض کو فروغ ملا یا جو نور دین میں ظاہر ہوا وہ انہی بزرگوں کے طفیل ہوا ان میں ہر نہر کا پانی جدا اور ہر چاند کی روشنی الگ ہے ان میں سے ہر بزرگ کتاب فضیلت کا ایک مستقل باب اور مستقل فصل ہے، کوئی صدق وراستی میں مشہور ہے، کوئی عدل وانصاف میں معروف، کوئی لباس حیا سے مزین اور کوئی علوم بے پایاں کا ماہر، غرضیکہ خاتم نبوت کے خلفاء کا اختتام خاتم ولایت کی مہر سے ہوا۔

قطعہ

اصحاب پیمبر ہمہ مستغرق نور اند ! در شعشعۂ ذات چہ از دور چہ نزدیک

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام نور میں غرق ہیں، اگر چہ ذات کے اعتبار سے دور ہوں یا نزدیک ہوں۔

اے در رہ ظلمات خلافت شدہ حیراں بے نور ہدایت مرو اندر شب تاریک

اے راہ خلافت کی پیچیدگیوں میں پریشان ہونیوالے، اندھیری رات میں نور ہدایت کے بغیر نہ چل

خوش راہ غریبی ست عجب مشکل وآساں چوں جسر صراط ست بسے روشن وباریک

راہ غریبی بہت خوب ہے لیکن عجیب ہے، کتنی مشکل کتنی آسان، جیسے پل صراط کہ بے انتہا روشن اور بے انتہا باریک۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ جن پر شجر ولایت کی انتہا ہوگئی، اس شجر سے درخت طوبیٰ کی طرح بہت سی شاخیں نکل کر تمام عالم کو اپنے نور سے چمکا رہی ہے اور تمام دنیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نور جمال ولایت سے روشن ہو رہی ہے خصوصاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد امجاد، اور عالی نژاد نواسوں نے ان کمالات سے وراثتِ حقیقی اور نسبت ذاتی کے سبب پوری طرح فیض حاصل کیا اور اپنی ذاتی عصمت کی وجہ سے باطنی حکومت کا جھنڈا بلند کرتے ہوئے ظاہری حکومت کو دوسروں کے سپرد کر دیا۔

رباعی

نواب نبی ﷺ بملک نبی ایشانند حکام ولایت یقین ایشانند

مملکت دین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب وہی حضرات ہیں، حکومت ایمان کے حکام وہی حضرات ہیں۔

از کشتی نوح و بحر موسیٰ گوئی　　　مقصود و مراد حق ہمیں ایشا نند

حضرت نوح کی کشتی ہو یا حضرت موسیٰ کا سمندر، سب میں اللہ کا مقصود و مراد یہی حضرات ہیں۔

نور ولایت خاندان نبوت سے کبھی جدا نہیں ہوتا اور نہ آسمان ولایت ان قطبوں کے بغیر کسی اور چیز پر قائم رہ سکتا ہے۔

قطعہ

ظاہر از اہل بیت نور نبی　　　ہمچو در ماہ نور خورشید است

اہل بیت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور جلوہ ہے جس طرح چاند میں آفتاب کا نور ہوتا ہے۔

از ازل تا ابد بود ظاہر　　　زانکہ ایں نور نور جاوید است

ازل سے ابد تک اس کا ظہور ہے کیونکہ یہ نور نور جاودانی ہے۔

خاندان نبوت میں سے اللہ تعالیٰ نے جسے چاہا قطب الاقطاب، بنی آدم کا غوث اور جن وانس کا مرجع بنا دیا حتیٰ کہ شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ مجدد دین ہو گئے، اگرچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال تمام اولاد میں درخشاں ہے لیکن حضرت شیخ میں اور ہی قسم کا جمال و کمال ہے اور حضرت شیخ کا جمال دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال اور ان کا کمال درحقیقت رسالت پناہ کا کمال ہے۔

اللھم صل علیٰ محمدٍ وّعلیٰ اٰل محمد

اشعار

عالم ظہور نور کمال محمد است　　　آدمؑ مثال حسن جمال محمد است

تمام عالم نور کمال محمدی کا مظہر ہے، آدمؑ حسن و جمال محمدی کا نمونہ ہیں

از آفتاب روز قیامت چہ غم بود　　　آں را کہ در پناہ ظلال محمد است

اس شخص کو جو سایۂ محمدی کی پناہ میں ہو قیامت کے روز آفتاب کا کیا غم ہوگا

اے غرقۂ گناہ زطوفان غم مترس کشتی نوح عصمت آل محمد است

اے غریق گناہ طوفان غم سے نہ ڈر کیونکہ عصمت آل محمد تیرے لیے کشتی نوح ثابت ہوگی۔

حمد وثناء کے بعد فقیر حقیر، خدائے قوی وقادر کا عاجز بندہ عبدالحق سیف الدین ترک بخاری دہلوی عرض رساں ہے کہ اہل عقل وبصیرت اور باشعور حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ حالات کی بہترین اثر اندازی بلکہ افضل ترین عبادت، اہل کمال حضرات کی رفاقت اور مقربان دربار الٰہی کی مجالست ہے کیونکہ ان کی استقامت کو دیکھ کر سالک کے لیے راہ عبادت کی بڑی بڑی تکالیف آسان ہو جاتی ہیں بلکہ وہ شکوک وشبہات جو بعد وحجاب کا سبب ہیں محض ان کی زیارت سے زائل ہو جاتے ہیں، اگر بفرض محال کسی آدمی میں اتنی صلاحیت و استعداد ہی نہ ہو کہ وہ کسی بزرگ کی صحبت سے استفادہ کر سکے لیکن اس بات کے شواہد موجود ہیں کہ اہل ولایت وکمال جو وجود کی لذت اور کمال مخصوص رکھتے ہیں اپنے پاس آنے جانے والے نااہلوں کو بھی نعمت خداوندی سے نوازتے رہتے ہیں کیونکہ ایسا افادہ بھی ولایت کی ایک قسم ہے۔

اشعار

اے کہ از کشمکش قال و مقال نیست حالت ارباب کمال

اے قال ومقال کی کشمکش میں مبتلا، تجھے اہل کمال کی حالت کی خبر ہی نہیں ہے

ہیچ نا یافتہ در خود اثرے نہ شنیدہ زکساں جز خبرے

اپنے اندر کچھ بھی اثر حاصل نہیں کیا اوروں سے باتوں کے علاوہ کچھ نہیں سنا

قابلِ کار نہ معذوری یا خود از کوشش آں بس دوری

کام کے قابل ہے معذور نہیں ہے، یا اپنی طرف سے کوشش محض دُوری وبعد ہے

باش کیں راہ گزارے دگراست ہر کسے قابل کارے دگراست

اس طرح رہو کہ یہ دوسری رہ گزر ہے، ہر آدمی ایک کام کے لائق ومناسب ہوتا ہے

لیکن اندر پے انکار مرد ! از جہاں منکرِ ایں کار مرد !

لیکن ڈھٹائی اور انکار کے راستہ پر نہ چلو اور دنیا سے اس کام کے منکر رہ کر نہ جاؤ،

بنگر ایں حالت درویشاں را کوشش و سوزش عشق ایشاں را

درویشوں کی اس حالت کو غور سے دیکھو اور ان کے عشق کی سوزش و کوشش کو بھی دیکھو

کہ دریں رہ چہ طلبہا دارند در طلبہا چہ تعبہا دارند

کہ وہ اس راستہ کی کتنی طلب رکھتے ہیں اور اس طلب میں کتنی تکالیف برداشت کرتے ہیں۔

زیں طلب گر خدا نیافتہ اند ایں ہمہ بہر چہ بشتافتہ اند

اگر انہیں اس طلب میں خدا نہیں ملا ہے تو یہ سب کچھ کس مقصد سے وہ کر گزرے ہیں

در طلب ایں ہمہ جانبازی چیست مال و اسباب فدا سازی چیست

راہ طلب میں یہ جانبازی پھر کیونکر ہے اور مال و اسباب کی یہ قربانیاں کیسی ہیں

کشف اگر نیست قیاس تو کجاست عقل کو درک حواس تو کجاست

اگر تمہیں کشف نہیں ہوتا تو قیاس و تخمین کہاں ہیں اور تمہاری عقل کا ادراک و حواس کہاں ہے

بارے او نیست تر وجدانے معتقد باش و بیار ایمانے

اور اگر ذوق و وجدان سے تم محروم ہو تو معتقد ہو کر ایمان لے آؤ

لیکن جب انسان اہل کمال کی صحبت اور عارفوں کے دیدار جمال سے بے بہرہ ہو جائے تو اس وقت ان بزرگوں کے حالات سے باخبر رہنا بھی باعث ہمت افزائی اور تاریکیوں کو ختم کرنے والا ہے، ان کے حالات سے واقف ہونے سے بھی وہی اثر ہوتا ہے جو ان کی صحبت سے کیونکہ درحقیقت یہ بھی ان کے صحبت میں رہنے کے مترادف ہے اس لیے کہ جمال کدورت انسانی اور صورت عنصری کے حجاب سے زیادہ صاف ستھرا ہے، اگر حسن عقیدت ہو تو ہر چیز مشاہدہ بن جاتی ہے، اسی وجہ سے ہر زمانے میں بزرگوں کے اخلاق و عادات کو ضبط تحریر میں لا کر محفوظ کر لیا جاتا ہے ان کو ہر محفل و مجلس میں پڑھا جاتا ہے جس سے انکار جمال اور

زیادہ مزین ہو جاتا ہے، علاوہ بریں اس سے طمانیت اور عبرت و نصیحت کے علاوہ اور بھی بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں جن میں سب سے پہلا یہ ہے کہ اولیائے کرام کا وجود ایک ہمہ گیر رحمت اور عام نعمت ہے اور بموجب حکم خداوندی واما بنعمة ربك فحدث (اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرو) ان بزرگوں سے حالات کو بیان کرنا ضروری ہے جو دراصل اس عظیم نعمت کا شکر ہے اور ان بزرگوں سے عقیدت رکھنا اور محبت کرنا ضروری ہے۔

رباعی

ہر کس کہ کمال اولیا رانہ شناخت　　　ایں نعمت خاص بے بہارانہ شناخت

جس نے اولیائے کرام کے کمالات کو نہیں پہچانا اس نے اس مفت کی خاص قسم نعمت کی قدر و قیمت نہ جانی

پس شکر نہ گفت و حب ایشاں نگزید　　　میداں بیقین کہ او خدارانہ شناخت

اس نے نہ تو شکر ادا کیا اور نہ ان کی محبت کو اپنایا، یقین رکھو کہ اس نے خدا کو بھی نہیں پہچانا

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ بندوں کا تذکرہ باعث رحمت قربت ہے اس لیے کہ عاشق کو اپنے محبوب کا تذکرہ اچھا لگتا ہے اور محبوب بھی عاشق کا ذکر پسند کرتا ہے غرضیکہ ان بزرگوں کا تذکرہ ایک ایسی عبادت ہے جسے ہر آدمی محنت و مشقت کے بغیر ہر حال میں ادا کرسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب اس طرح اسے نصیب ہوسکتا ہے، ویسے بھی ماضی و حال کے واقعات اور قصے کہانیاں سننا لوگوں کی عادت میں داخل ہوگیا ہے، پس بزرگوں کے حالات کا سننا جو باعث سعادت دارین بھی ہے زیادہ اچھا ہے تاکہ طبیعت کی یہ خواہش بھی پوری ہو جائے اور عبادت بھی ہو جائے۔
دوسرے یہ کہ ذاکر و مذکور میں ایک ایسی نسبت ومحبت کی ضرورت ہے جو باعث ذکر ہو، اور بزرگوں کے حالات و اقعات سننے سے قلب میں بہت جلد ایسی ہی ایک امتیازی نسبت حاصل ہوتی ہے اور یہ فطری بات ہے کہ بزرگوں کے حالات سن کر ہر شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ ان کو یہ سعادت ابدی صرف اس لیے

حاصل ہوئی کہ وہ حسن عمل کے پیکر تھے، جس سے خود اس کے دل میں لامحالہ حسن عمل کی طرف قدم بڑھانے کا ایک لازوال جذبہ پیدا ہو جائے گا، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ یہ پاکیزہ ارواح ہمارے اس طرح یاد کرنے سے خوش ہوں اور اس کے عوض میں وہ ہمیں بھی عالم آخرت میں یاد کرلیں اور مدد کے لیے اپنے دروازہ کو طالب کے لیے کھول دیں، علاوہ ازیں یہ بات بھی ہے کہ جب انسان بزرگوں کو خیر سے یاد کرے گا تو اس سے بھی دوسرے لوگوں کا یہ معاملہ ہوگا کیونکہ کما تدین تدان یعنی جیسا تم اوروں کے ساتھ معاملہ کرو گے تمہارے ساتھ بھی وہی معاملہ ہوگا رب ھب لی حکمًا وّالحقنی بالصالحین ٥ واجعل لی لسان صدقٍ فی الاخرین (اے پروردگار مجھے عقل وحکمت عطا فرما اور مجھے زمرۂ صالحین میں رکھ، اور مجھے آنیوالوں میں صدق بیانی عطا فرما)

قطعہ

چو من بخیر کنم یاد رفتگاں وارم آمید آنکہ مراہم بخیر یاد کنند !

جب میں گزرے ہوئے لوگوں کو خیر کیساتھ یاد کرونگا تو امید ہے کہ دوسرے بھی مجھے خیر کیساتھ یاد کرینگے

چو شادی کنم ارواح دیگراں شاید کساں رسند ومزا نیز روح شاد کنند

جب میں دوسرے کی روح کو خوش کروں گا تو ہوسکتا ہے کہ لوگ میری روح کو بھی خوش کریں

ان اسباب وحقائق کے پیش نظر مجھ جیسے کتاب نادانی کے قاعدہ خواں کو یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ان بزرگوں کے مناقب وفضائل میں لب کشائی کروں اور حضرات مشائخ قدس اللہ اسرارہم سے تعاون کی درخواست کرتے ہوئے انہیں پیرو دستگیر وفریادرس بنی آدم کے دربار میں وسیلہ بناؤں اس لیے کہ میری کوشش کی ابتدا وانتہا آپ پر ہے اور دنیا وآخرت میں آپ کی عنایات وتوجہات میرا وسیلہ ہیں، اگرچہ مجھ جیسا گنہگار روبد کردار یہ حوصلہ نہیں کرسکتا، کہ ان اللہ والوں کا نام نامی اپنی زبان پر لاؤں اور خود کو ان کی تعریف بیان کرنے والوں میں

شریک کروں۔

رباعی

ہیہات من از کجاو ایں کار کجا   درخور من ضعیف ایں بار کجا

بھلا میں کہاں اور یہ پاکیزہ کام کہاں، اور مجھ جیسے ضعیف میں یہ بوجھ اٹھانے کی طاقت کہاں

اوصاف بزرگاں زشمار افزون ست   در طاقت تقریر من زار کجا

بزرگوں کے اوصاف تو بے حساب ہیں، مجھ بیچارہ کی تقریر میں یہ طاقت کہاں

چونکہ علاقہ عرب و ایران کے اولیاء کے حالات تو ارباب معارف کی کتب و رسائل میں مدون ہیں اس لیے دل میں یہ خیال آیا کہ حضرت پیر دستگیر شیخ العالم غوث الاعظم، فرد احباب، قطب الاقطاب غوث الثقلین شیخ محی الدین ابو محمد عبدالقادر الحسنی الجیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ کے بعد ہندوستان کے مشائخ کے حالات سپرد قلم کیے جائیں کیونکہ ہمارا ملک محبان خدا اور اولیاء اللہ کا خاص مرکز رہا ہے اور اگرچہ بعض مشائخ کے حالات بقید تحریر آ چکے ہیں لیکن اکثر علماء صلحاء اور اتقیا جو فتح اسلام کے ابتدائی دور سے اس ملک میں پیدا ہوئے اور اپنے زمانہ کے مشہور بزرگوں میں ہیں ان کے تفصیلی حالات میں کوئی مخصوص کتاب نہیں ہے بلکہ بعض ملفوظات میں یا خاص و عام کی زبان سے ان کا تذکرہ مل جاتا ہے نیز وہ مشائخ متاخرین جو ماضی قریب میں گزرے ہیں ان کے حالات و مناقب بھی ضبط تحریر میں نہ آ سکے بلکہ ان کے ہمعصروں کی زبان پر ہیں، اس لیے اس کتاب میں جو حقائق و اسرار کا ایک خزانہ ہے حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی دور سے ۱۰۰۰ ہجری تک (جو اس کتاب کی تصنیف کا زمانہ ہے) تمام اولیائے کرام اور ارباب یقین کے وہ احوال جو مشائخ چشتیہ کی کتب و رسائل میں مذکور اور معتبر راویوں سے منقول ہیں نہایت تحقیق و تفتیش کے بعد جمع کر رہا ہوں نیز ان صلحاء و علماء کے حالات بھی سپرد قلم کیے گئے ہیں جو اپنی امتیازی شان کے ساتھ مشہور تھے، طبقہ اسکندریہ کے ان اولیاء و صلحاء کے حالات و صلاح حال، تقویٰ، دیانت و امانت میں ضرب المثل تھے اور اطراف عالم کے وہ علماء جو ہندوستان میں مقیم

ہو گئے تھے اگرچہ بعض ایسے بھی ہیں جن کی ولایت وکرامت مشہور نہیں ہے لیکن اہل مجلس ان کا ذکر کرتے ہیں، یہ بھی کسی نہ کسی طرح ممتاز تھے اور اس مناسبت سے اسکا نام اخبار الاخیار فی اسرار الابرار رکھا گیا۔

ہر ایک کی تعریف کسی مبالغہ آرائی کے بغیر ان کے حالات کے ساتھ لکھی گئی ہے اور ان بزرگوں کی تصنیفات وتالیفات اور مکتوبات ورسائل میں سے جو مسائل طریقت، مکاشفات حقیقت یا وعظ ونصیحت نظر سے گزرا وہ بھی قدرے سپرد قلم کردیا ہے۔

بعض مقامات پر فوائد ومنافع کے پیش نظر مضمون طویل کردیا گیا ہے کیونکہ اس کے بغیر بات ادھوری رہ جاتی تھی، اور بعض جگہ اختصار سے اس لیے کام لیا گیا کہ اسی سے مقصود پورا ہو جاتا تھا۔

غرضیکہ اس کتاب کی تصنیف کا مقصود سالکان راہ طریقت اور طلب گاران راہ حقیقت کو فائدہ پہنچانا ہے، اس لیے اس میں ایسی مضمون نگاری سے جس سے پڑھنے والوں کی تضیع اوقات ہو یا اپنی قابلیت جتانا ہو، کام نہیں لیا گیا ہے، اور اگر لوگوں کے وقت کو بچانے کے لیے اختصار سے کام لیا جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

اگر ناظرین کو اس کتاب میں کوئی غلطی یا بھول چوک نظر آئے تو اس کی اصلاح فرما دیں کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرًا الْمُحْسِنِیْنَ (اللہ تعالیٰ نیکوں کاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتے) اللہ تعالیٰ کاتب الحروف کے اوقات کو انتشار وفتور سے محفوظ رکھے۔

یہ مسکین ان بزرگوں کے فرق مراتب کا لحاظ وقت وزمانہ کے اعتبار سے رکھنے کی پوری کوشش کرے گا اور مصلحت کے پیش نظر اس کے خلاف بھی ہوسکتا ہے، لہٰذا ان اولیائے کرام کے طبقات متعین کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

طبقہ اوّل - حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے ملک کے مشائخ عظام کے سربراہ اور سلسلہ چشتیہ کی پہلی شخصیت ہیں اور آپ کے ہم عصر مریدین ومشائخ کے حالات میں ہے۔

طبقہ دوئم - حضرت شیخ فرید الحق والدین اور آپ کے ہمعصر مشائخ ومریدین کے

احوال میں ہے۔

طبقہ سوئم - حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے ہمعصروں کے حالات میں ہے اس کے بعد اسی ترتیب کے ساتھ اپنے زمانہ تک کے بزرگوں کے حالات ذکر کئے گئے ہیں، پھر مجذوبوں اور نیک بیبیوں کے حالات کو بلا لحاظ ترتیب لکھا گیا ہے اور خاتمہ کتاب میں اپنے اسلاف کے اجمالی اور والد ماجد کے تفصیلی حالات بیان کئے گئے ہیں اور کتاب کو ایک ''مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات'' اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نعت پر ختم کر دیا گیا ہے۔

غرضیکہ یہ کتاب فقراء کے دل خوش کرنے کی اور سالکوں کے مقصد برآری کی صلاحیت رکھتی ہے، مجھے امید ہے کہ یہ کتاب بارگاہِ خداوندی میں مقبول اور میرے حصول مقصود میں ممد و معاون ثابت ہوگی۔

اشعار

دارم امید از خدائے جہاں — کہ دہداز قبول خویش نشان

مجھے خداوند عالم سے امید ہے کہ وہ اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں قبول کرنے کی کوئی نشانی عطا فرمائے گا۔

کند ایں را بلطف خویش قبول — بقبول خودش کند موصول

اپنے لطف وکرم سے اسے قبول فرمائے گا، اور اپنی قبولیت سے اس کو نوازے گا

سوئے اہل دلش رواں سازد — جائے او درمیان جاں سازد

اہل دل کی طرف اس کو لے جائیگا اور روح کے درمیان اس کی جگہ بنائے گا

اے خدا زارد دلفگارم من — بیکس و بے نوائے زارم من

اے خدا! میں پریشان حال، غمگین، بیکس، بے سہارا اور خستہ حال ہوں

بفقیرے چومن ضریرے نیست — جز توام ہیچ دستگیرے نیست

عالم فقیری میں مجھ جیسا کوئی مسکین و بیچارہ نہیں، تیرے سوا میرا کوئی دستگیر نہیں

مفلس و کمتریں گدائے توام — آرزو مند یک عطائے توام

تیرے دربار کا ایک مفلس و کمترین گدا ہوں، اور تیری عطا کا خواہشمند ہوں

نظر رحمتے بمن فرما بر دلم لطف خویشتن فرما

مجھ پر ایک نگاہ کرم اور میرے دل پر اپنی خصوصی رحمت نازل فرما

نیست جز لطف تو کسے مارا انت نعم الوکیل والمولیٰ

تیرے کرم کے علاوہ ہمارا کوئی سہارا نہیں تو ہی ہمارا بہترین کارساز اور آقا ہے

وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہٖ محمدٍ

وّاٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین الطیبین الطاہرین

....

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥

قطب الاقطاب، فرد الاحباب، غوث اعظم، شیخ شیوخ العالم،
غوث الثقلین، امام الطائفتین، شیخ الطالبین، شیخ الاسلام محی الدین

ابو محمد عبد القادر الحسنی الحسینی الجیلانی رحمتہ اللہ تعالیٰ

۴۷۰ھ/۴۷۱ھ.............۵۶۱ھ

آپ اہل بیت میں کامل ولی اور سادات حسینیہ میں بڑی بزرگی کے مالک ہیں، نسبی اعتبار سے آپ عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہیں، قصبہ ''جیل'' کی طرف جسے جیلان یا گیلان بھی کہتے ہیں آپ کی نسبت ہے، آپ کی ولادت ۴۷۰ ہجری اور ایک روایت کے مطابق ۴۷۱ ہجری میں ہوئی، آپ کی عمر مبارک کے ابتدائی تینتیس ۳۳ سال درس وتدریس اور فتویٰ دینے میں اور چالیس ۴۰ سال مخلوق خدا کی رشد و ہدایت اور نصیحت میں صرف ہوئے، اور نوے ۹۰ سال کی عمر پاکر ۵۶۱ ہجری میں آپ کی وفات ہوئی۔

۴۸۸ ہجری میں جبکہ آپ کی عمر مبارک اٹھارہ ۱۸ سال کی تھی آپ بغداد میں تشریف لائے، اور اس وقت کے شیوخ، ائمہ، بزرگان دین اور محدثین کی خدمت کا قصد فرمایا، اول قرآن کریم کو روایت و درایت اور تجوید وقرأت کے اسرار و رموز کے ساتھ حاصل کیا اور زمانہ کے بڑے محدثین اور اہل فضل وکمال ومستند علمائے کرام سے سماع حدیث فرما کر علوم کی تحصیل وتکمیل فرمائی حتیٰ کہ تمام اصولی، فروعی، مذہبی اور اختلافی علوم میں علمائے بغداد سے ہی نہیں بلکہ تمام ممالک اسلامیہ کے علماء سے سبقت لے گئے اور آپ کو تمام علماء پر فوقیت حاصل ہوگئی اور سب نے آپ کو اپنا مرجع بنالیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخلوق کے سامنے ظاہر فرمایا، آپ کی مقبولیت تامہ عوام وخواص کے قلوب میں ڈال دی اور آپ کو قطبیت کبریٰ اور ولایت عظیمہ کا مرتبہ عطا فرمایا، حتیٰ کہ چار دانگ عالم کے تمام فقہاء، علماء، طلباء اور فقراء کی توجہ آپ کے آستانہ کی

جانب ہوگئی، حکمت و دانائی کے چشمے آپ کی زبان سے جاری ہوگئے، اور عالم ملکوت سے عالم دنیا تک آپ کے کمال وجلال کا شہرہ ہوگیا، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ علامات قدرت و امارت، دلائل خصوصیت اور براہین کرامت آفتاب نصف النہار سے زیادہ واضح اور ظاہر فرمائے، اور بخشش کے خزانوں کی کنجیاں اور تصرفات وجود کی لگامیں آپ کے قبضۂ اقتدار و دستِ اختیار کے سپرد فرمائیں، تمام مخلوق کے دلوں کو آپ کی عظمت و ہیبت کے سامنے سرنگوں کردیا اور اس وقت کے تمام اولیاء کو آپ کے سایہ قدم اور دائرہ حکم میں دیدیا، کیونکہ آپ منجانب اللہ اسی پر مامور تھے، جیسا آپ خود فرماتے ہیں کہ "میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے" اور تمام اولیائے وقت حاضر و غائب، قریب و بعید اور ظاہر و باطن سب کے سب آپ کے مطیع و فرمانبردار اس وجہ سے ہوگئے کہ انہیں راندۂ درگاہ ہونے کا خوف اور زیادتی مراتب کا شوق اس پر مجبور کرتا تھا، چنانچہ آپ کی ذات گرامی قطب وقت، سلطان الوجود، امام الصدیقین، حجۃ العارفین، روح معرفت، قلب حقیقت، خلیفۃ اللہ فی الارض، وارث کتاب، نائبِ رسول، سلطان الطریق اور متصرف فی الوجود تھی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن جمیع الاولیاء۔

حلیہ مبارک: آپ نحیف البدن، میانہ قد، کشادہ سینہ، لمبی چوڑی داڑھی، گندمی رنگ، پیوستہ ابرو، بلند آواز، پاکیزہ سیرت، بلند مرتبہ اور علم کامل کے حامل تھے، صاحب شہرت دسیرت اور خاموش طبع تھے، آپ کے کلام کی تیزی اور بلند آوازی سننے والے کے دل میں رعب وہیبت زیادہ کرتی تھی، یہ آپ کی کرامت تھی کہ مجلس میں قریب و بعید بیٹھنے والے بے کم وکاست بغیر کسی تفاوت کے آپ کی آواز بآسانی یکساں طور پر سن لیتے تھے، جب آپ کلام کرتے تو ہر شخص پر خاموشی چھا جاتی، جب آپ کوئی حکم دیتے تو اس کی تعمیل میں سرعت و مبادرت کے سوا اور کوئی صورت نہ ہوتی، جب بڑے سے بڑے سخت دل پر نظر جمال پڑ جاتی تو وہ خشوع وخضوع اور عاجزی وانکساری کا مرقع بن جاتا، اور جب آپ جامع مسجد میں تشریف لاتے تو تمام مخلوق دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر درگاہ قاضی الحاجات میں دعا کرتی۔

حکایت: ایک دن آپ کو جامع مسجد میں چھینک آئی لوگوں نے چاروں طرف سے

یرحمك الله اور یرحم ربك کی آوازیں بلند کیں، خلیفۂ وقت مستنجد باللہ نے جو محراب مسجد میں بیٹھا تھا پریشان ہو کر دریافت کیا کہ یہ شور کیسا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ شیخ عبدالقادر کو چھینک آئی تھی جس پر لوگوں نے انہیں دعا دی ہے۔

کمال علمی

منقول ہے کہ ایک دن آپ کی مجلس میں کسی قاری نے قرآن کریم کی ایک آیت پڑھی آپ نے اس کی ایک تفسیر بیان کی، پھر دوسری پھر تیسری حتیٰ کہ حاضرین کے علم کے مطابق اس کی گیارہ تفسیریں بیان کیں، پھر دوسری تفاسیر کو شروع فرمایا حتیٰ کہ چالیس تفسیریں بیان فرمائیں اور ہر تفسیر کی سند متصل اور دلیل اور ہر دلیل کی ایسی تفصیل بیان فرمائی کہ اہل مجلس غرق حیرت و تعجب ہو گئے، اس کے بعد فرمایا کہ اب ہم قال کو چھوڑ کر حال میں آتے ہیں پھر آپ نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا، اس کلمہ توحید کا زبان سے نکلنا تھا کہ حاضرین کے دل میں شورش و اضطراب موجزن ہوا اور کپڑے پھاڑ کر جنگل کا رخ کیا۔

حکایت: مشہور ہے کہ حضرت غوث اعظم تمام علمائے عراق کے مرجع بلکہ دنیا کے طالبان علم کے مرکز تھے، اطراف عالم سے آپ کے پاس فتاویٰ آتے تھے جن کا غور وفکر اور مطالعہ کتب کے بغیر فوراً آپ صحیح جواب لکھتے، بڑے سے بڑے متبحر عالم کو آپ کے خلاف ذرا سا بھی لکھنے یا کہنے کی مجال نہ ہوتی۔

ایک مرتبہ عجم سے آپ کے پاس فتویٰ آیا جس میں تحریر تھا ''سادات علماء اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے یہ قسم کھائی کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت نہ کرے کہ افراد انسانی میں سے کوئی بھی کسی بھی جگہ اس عبادت میں اس کا شریک نہ ہو تو اس کی عورت پر تین طلاقیں، اب بتائیے کہ یہ شخص کونسی ایسی عبادت کرے جس سے اس کی قسم نہ ٹوٹے'' اس کا جواب لکھنے سے عراق و عجم کے تمام علماء عاجز ہو گئے تو آپ کے سامنے یہ فتویٰ پیش ہوا، آپ نے فوراً غور وفکر کے بغیر فرمایا کہ اس کے لیے خانہ کعبہ کو طواف کرنے والوں سے خالی کرالیا جائے، پھر یہ شخص تنہا طواف کے سات چکر کرے تو اس کی قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ خانہ کعبہ کا طواف ایسی عبادت ہے کہ اس وقت انسانوں میں سے کوئی بھی اس کا شریک نہ

ہو گا۔

ریاضت و مجاہدہ

طریق سلوک: آپ کا طریق شدت و لزوم کے اعتبار سے بے نظیر ہے، مشائخِ عصر میں سے کسی میں شدت ریاضت میں آپ کی برابری کرنے کی ہمت نہیں تھی، تفویض کامل، حول و قوت سے برأت، قلب و روح و نفس کی موافقت کے ساتھ مجاری تقدیر کے ماتحت بے بسی، اتحاد ظاہر و باطن، علیحدگی صفات نفس، شکوک و نزاع و تشویش کے بغیر فراغت قلب و خلوسر، اتحاد قول و فعل، لزوم اخلاص، ہر حال میں انقیاد و پیروی کتاب و سنت، ثبوت مع اللہ، خالص توحید، مقام عبودیت مع ملاحظہ کمال ربوبیت، اور احکامِ شریعت کی اسرارِ حقیقت کے مشاہدہ کے ساتھ پیروی کامل آپ کا طریق تھا۔

حکایت: ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ پچیس سال تک دنیا سے قطع تعلق کر کے میں عراق کے صحراؤں اور ویرانوں میں اس طرح گشت کرتا رہا کہ نہ میں کسی کو پہچانتا تھا اور نہ مجھے کوئی، رجال الغیب اور جنات کی میرے پاس آمد و رفت رہتی تھی اور میں انہیں راہ حق کی تعلیم دیا کرتا تھا۔

چالیس ۴۰ سال تک میں نے فجر کی نماز عشا کے وضو سے ادا کی ہے، اور پندرہ سال تک یہ حال رہا کہ نماز عشا کے بعد قرآن مجید اس طرح شروع کرتا کہ ایک پاؤں پر کھڑا ہو جاتا اور ایک ہاتھ سے دیوار کی میخ پکڑ لیتا، تمام شب اسی حالت میں رہتا حتیٰ کہ صبح کے وقت قرآن کریم ختم کر دیتا، تین دن سے چالیس دن تک بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ نہ کھانے پینے کو کچھ ملا نہ سونے کی نوبت آئی۔

گیارہ سال تک ''برج بغداد'' میں عبادت الٰہی کے اندر مصروف رہا حتیٰ کہ اس برج میں میری اس طویل اقامت کے باعث لوگ اسے ''برج عجمی'' کہنے لگے، اور اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ جب تک غیب سے کھانا نہ ملے نہ کھاؤں گا، مدت دراز تک یہی کیفیت رہی، لیکن میں نے اپنا عہد نہ توڑا اور اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا اس کی خلاف ورزی نہ کی۔

فرمایا کہ ایک مرتبہ سفر میں ایک شخص نے میرے پاس آ کر کہا کہ اس شرط پر مجھے اپنی رفاقت میں لے لیجئے کہ صبر بھی کروں گا اور حکم کے خلاف کچھ نہ کروں گا، ایک دفعہ اس نے

مجھے ایک جگہ بٹھایا اور یہ وعدہ لے کر کہ جب تک میں نہ آؤں آپ یہاں سے نہ جائیں چلا گیا، میں ایک سال اس کے انتظار میں بیٹھا رہا لیکن وہ شخص نہ آیا، ایک سال بعد آ کر مجھے اسی جگہ بیٹھا دیکھا اور پھر یہی وعدہ کر کے چلا گیا، تین مرتبہ اسی طرح ہوا۔ آخری مرتبہ وہ اپنے ساتھ دودھ اور روٹی لایا اور کہا کہ میں خضر ہوں اور مجھے حکم ہے کہ آپ کے ساتھ بیٹھ کر یہ کھانا کھاؤں، چنانچہ ہم نے کھانا کھایا، فارغ ہونے کے بعد حضرت خضر نے فرمایا کہ اب اٹھئے سیر و سیاحت ختم کیجئے اور بغداد میں جا کر بیٹھ جائیے، لوگوں نے پوچھا کہ ان تین سالوں میں کھانے پینے کی کیا شکل رہی؟ فرمایا ہر چیز سے پیدا ہو کر زمین پر پڑا ہوا مل جاتا تھا۔

حکایت: (آپ کے صاحبزادے) شیخ ضیاء الدین ابو نصر موسیٰ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد محترم حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے خود سنا ہے فرماتے تھے ایک سفر کے دوران میں ایسے بیابان میں پہنچا جہاں پانی کا نام و نشان تک نہ تھا، چند روز میں نے وہاں قیام کیا لیکن پانی ہاتھ نہ آیا، جب پیاس کا غلبہ ہوا تو حق تعالیٰ شانہ، نے ابر کا ایک ٹکڑا بھیجا، جس نے میرے اوپر سایہ کرلیا اور اس میں سے کچھ قطرات ٹپکے جنہیں پی کر تسکین ہوئی، اس کے بعد اچانک ایک روشنی ظاہر ہوئی جس نے پورے آسمان کا احاطہ کرلیا، پھر اس میں سے ایک عجیب و غریب شکل نمودار ہوئی اور آواز آئی کہ اے عبد القادر میں تیرا پروردگار ہوں جو دوسروں پر میں نے حرام کیا وہ تیرے اوپر حلال کرتا ہوں لہٰذا جو دل چاہے کر اور جو چاہے لے، میں نے کہا، اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، اے ملعون دور ہو، کیا بک رہا ہے، اچانک وہ روشنی تاریکی سے بدل گئی اور وہ صورت دھواں بن کر کہنے لگی کہ اے عبد القادر تم احکام خداوندی (یعنی شریعت) کے جاننے والے احوال منازلت سے واقف ہونے کی وجہ سے مجھ سے بچ گئے، میں نے ایسے ہی ہتھکنڈوں اور ترکیبوں سے ستر اہل طریقت کو ایسا گمراہ کردیا ہے کہ کہیں کا نہ چھوڑا، بھلا یہ کونسا علم و ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عنایت فرمایا ہے میں نے کہا کہ یہ سب فضل اللہ کا ہی ہے اور وہی ابتدا و انتہا میں ہدایت فرماتا ہے۔

وعظ و نصیحت

حضرت شیخ خود فرماتے ہیں کہ شروع شروع میں مجھے سوتے جاگتے کرنے اور نہ

کرنے والے کام بتائے جاتے تھے اور مجھ پر کلام کرنے کا غلبہ اتنی شدت سے ہوتا کہ میں بے اختیار ہو جاتا اور خاموشی کا یارا باقی نہ رہتا، صرف دو تین آدمی حاضر مجلس ہو کر میری بات سنتے، اس کے بعد میرے پاس لوگوں کا اتنا ہجوم و اجتماع ہو جاتا کہ مجلس میں جگہ باقی نہ رہتی، چنانچہ میں شہر کی عید گاہ میں چلا گیا اور وعظ کہنے لگا، وہاں بھی جگہ تنگ ہوگئی تو منبر شہر سے باہر لے گئے، اور بے شمار مخلوق سوار و پیادہ آتی اور مجلس کے باہر ارد گرد کھڑی ہو کر وعظ سنتی، حتیٰ کہ سننے والوں کی تعداد ستر ہزار کے قریب پہنچ گئی۔

حکایت: منقول ہے کہ آپ کی مجلس وعظ میں چار سو اشخاص قلم دوات لے کر بیٹھتے اور جو کچھ سنتے اس کو لکھتے رہتے، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شروع زمانے میں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ مجھے وعظ کہنے کا حکم فرما رہے ہیں اور میرے منہ میں انہوں نے اپنا لعاب دہن ڈالا، بس میرے لیے ابواب سخن کھل گئے۔

شرکائے وعظ: مشائخ سے منقول ہے کہ حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جب وعظ کے لیے منبر پر بیٹھ کر الحمدللہ کہتے تو روئے زمین کا ہر غائب و حاضر ولی خاموش ہو جاتا اسی وجہ سے آپ یہ کلمہ مکرر کہتے اور اس کے درمیان کچھ سکوت فرماتے، بس اولیاء اور ملائکہ کا آپ کی مجلس میں ہجوم ہو جاتا، جتنے لوگ آپ کی مجلس میں نظر آتے ان سے کہیں زیادہ ایسے حاضرین ہوتے جو نظر نہیں آتے تھے۔

آپ کے ایک ہمعصر شیخ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے جنات کی حاضری کے لیے وظیفہ پڑھا لیکن کوئی جن حاضر نہ ہوا بلکہ زمانہ معتاد سے دیر کی، مجھے بڑی حیرانی ہوئی کہ اس تاخیر کا سبب کیا ہے، پھر ان میں سے چند جن حاضر ہوئے، میں نے تاخیر کا سبب دریافت کیا، کہنے لگے کہ حضرت شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ وعظ فرما رہے تھے ہم سب وہاں حاضر تھے، اس کے بعد اگر آپ ہمیں بلائیں تو ایسے وقت نہ بلایا کریں جب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ وعظ فرما رہے ہوں، کیونکہ لامحالہ ہمیں تاخیر ہوگی، میں نے کہا، تم بھی ان کی مجلس وعظ میں حاضر ہوتے ہو، کہنے لگے آدمیوں کے اجتماع سے زیادہ وہاں ہمارا اجتماع ہوتا ہے ہم میں سے اکثر قبائل ان کے ہاتھ پر اسلام لائے اور اللہ کی طرف متوجہ ہوگئے۔

روایت ہے کہ مجلس وعظ یہود و نصاریٰ وغیرہ جو آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے اور ڈاکو، قزاق، اہل بدعت اور مذہب واعتقاد کے وہ کچے لوگ بھی اپنی بداعمالیوں سے آپ کے سامنے توبہ کر چکے تھے ایسے لوگوں سے خالی نہ رہتی تھی، پانچ سو سے زیادہ یہود و نصاریٰ اور لاکھوں سے زیادہ دوسرے لوگ آپ کے ہاتھ پر توبہ کر چکے اور اپنی بدعملیوں سے باز آئے تھے، تو مخلوق کے دوسرے لوگوں کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔

روایت ہے کہ جب آپ منبر پر تشریف لاتے تو مختلف علوم کا بیان فرماتے، تمام حاضرین آپ کی ہیبت وعظمت کے سامنے بالکل بت بن جاتے، کبھی اثنائے وعظ میں فرماتے کہ ''قال ختم ہوا اور اب ہم حال کی طرف مائل ہوئے'' یہ کہتے ہی لوگوں میں اضطراب وجد اور حال کی کیفیت طاری ہو جاتی، کوئی گریہ وفریاد کرتا، کوئی کپڑے پھاڑ پھوڑ جنگل کی راہ لیتا اور کوئی بیہوش ہو کر اپنی جان دیدیتا، بسا اوقات آپ کی مجلس سے شوق، ہیبت، تصرف عظمت اور جلال کے باعث کئی جنازے نکلتے، آپ کی مجلس وعظ میں جن خوارق، کرامات، تجلیات اور عجائب وغرائب کا ظہور بیان کیا جاتا ہے وہ بے شمار ہے، ولو ان مافی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ۔

مشہور ہے کہ آپ کی مجلس وعظ میں تمام اولیاء انبیاء جو زندہ تھے وہ اپنے جسموں کے ساتھ اور جو زندہ نہیں تھے وہ اپنی روحوں کے ساتھ موجود ہوتے تھے، اسی طرح آپ کی تربیت وتائید کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تجلی فرماتے تھے، علیٰ ہذا اکثر اوقات حضرت خضر علیہ السلام بھی آپ کی مجلس میں حاضر باشی کی نصیحت فرماتے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو اپنی کامیابی چاہتا ہے اسے اس مجلس میں ہمیشہ رہنا چاہیے۔

روایت ہے کہ ایک روز وعظ فرما رہے تھے اچانک چند قدم ہوا پر اڑ کر فرمایا کہ اے اسرائیلی ذرا توقف کرو اور ایک محمدی کا وعظ سنو، جب آپ اپنی سابقہ جگہ واپس آئے تو لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا معاملہ تھا، فرمایا کہ ابو العباس خضر ہماری مجلس وعظ سے تیزی سے جا رہے تھے تو میں ان کے پاس گیا اور کہا کہ تیزی سے نہ جائیے، کچھ ہمارا وعظ بھی سن جائیے۔

روایت ہے کہ جب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ منبر پر تشریف لائے تو فرماتے، اے

صاحبزادے ہمارے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد حاضری میں دیر نہ کیا کر، ولایت یہاں حاصل ہوتی ہے، اعلیٰ درجات یہاں ملتے ہیں، اے طلبگار تو بہ بسم اللہ ہمارے پاس آ، اے طالبِ عفو بسم اللہ تو بھی آ، اے اخلاص کے چاہنے والے بسم اللہ ہفتہ میں ایک بار آ، اگر ممکن نہ ہو تو مہینہ میں ایک مرتبہ، اگر یہ بھی مشکل ہو تو سال میں ایک دفعہ اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو عمر میں ایک مرتبہ آ، اور ہزار ہا نعمتیں لے جا، اے عالم ہزار مہینہ کی مسافت طے کر کے میرے پاس آ اور میری ایک بات سن جا، اور جب تو یہاں آئے تو اپنے عمل، زہد، تقویٰ اور ورع کو نظر انداز کرتا کہ تو اپنے نصیب کے مطابق مجھ سے اپنا حصہ حاصل کر سکے، میری مجلس میں مقرب فرشتے، مخصوص اولیاء اور رجال الغیب اس لیے آتے ہیں کہ مجھ سے بارگاہ اقدس کے آداب تواضع سیکھیں، اللہ تعالیٰ نے جتنے نبی اور ولی پیدا فرمائے ہیں وہ سب اگر زندہ ہیں تو اپنے جسموں کے ساتھ اور اگر زندہ نہیں ہیں تو اپنی روحوں کے ساتھ ضرور میری مجلس میں آتے ہیں۔

آپ فرماتے تھے کہ میرا وعظ ان رجال غیب کے لیے ہوتا ہے جو کوہ قاف کے ماوراء سے آتے ہیں کہ ان کے قدم دوش ہوا پر ہوتے ہیں لیکن خداوند عالم کے لیے ان کے دلوں میں آتش شوق و سوزش اشتیاق شعلہ زن ہوتی ہے، راوی کا بیان ہے کہ آپ نے جس وقت مجلس میں یہ بات فرمائی اس وقت آپ کے صاحبزادے سید عبدالرزاق منبر کے پاس آپ کے پاؤں کے قریب بیٹھے، انہوں نے سر اوپر اٹھایا، تھوڑی دیر حیران رہ کر بے ہوش ہو گئے، اور ان کے لباس و دستار میں آگ لگ گئی، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ منبر سے اترے اور آگ بجھائی اور فرمایا کہ اے عبدالرزاق تم بھی ان میں سے ہو، مجلس ختم ہونے کے بعد آپ نے شیخ عبدالرزاق سے اس حالت کی کیفیت دریافت فرمائی، انہوں نے جواب دیا کہ میں نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا تو مجھے رجال الغیب ساکت و مدحوش کھڑے ہوئے اس طرح نظر آئے کہ تمام آسمان ان سے بھرا ہوا ہے اور ان کے کپڑوں میں آگ لگی ہوئی ہے، ان میں سے بعض شور و غوغا کر رہے ہے، بعض وجد و حال میں مست ہیں اور بعض اپنی جگہ اور بعض زمین پر گرے پڑے ہیں۔

روایت ہے کہ آپ کے ایک ہمعصر شیخ جن کا نام صدقہ رحمۃ اللہ علیہ تھا آپ کی

خانقاہ میں آئے، دوسرے مشائخ بھی آپ کے باہر تشریف لانے کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے اچانک حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور سیدھے منبر پر چلے گئے، نہ تو آپ نے کچھ فرمایا اور نہ قاری سے کسی آیت کی تلاوت کو فرمایا لیکن لوگوں میں عجیب بے انتہا مستی وشورش پیدا ہوگئی، شیخ صدقہ نے اپنے دل میں کہا کہ تعجب ہے نہ شیخ نے کچھ فرمایا نہ قاری نے کچھ پڑھا پھر یہ وجد و حال کہاں سے پیدا ہوگیا اور یہ حالت کیسے ہوگئی، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ صدقہ کی جانب دیکھ کر فرمایا کہ شیخ صاحب! میرا ایک مرید اسی وقت بیت المقدس سے بیک قدم یہاں پہنچا ہے اور میرے ہاتھ پر توبہ کی ہے، تمام اہل مجلس اسی کی ضیافت میں لگے ہوئے ہیں، شیخ صدقہ رحمۃ اللہ علیہ نے پھر اپنے دل میں کہا کہ جو شخص بیت المقدس بیک قدم یہاں پہنچ سکتا ہے وہ کس چیز سے توبہ کرے گا، اور اسے پیر و مرشد کی کیا ضرورت؟ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے پھر ان کو دیکھ کر فرمایا کہ شیخ صاحب! ہوا میں اڑنے والے بھی اس لیے توبہ کرتے ہیں کہ باز آ جائیں اور وہ مجھ سے محبت الٰہی کا طریق سیکھنے کے محتاج ہیں۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ شمشیر برہنہ اور چڑھی ہوئی کمان ہوں، میرا تیر نشانہ پر لگنے والا، میرا نیزہ بے خطا اور میرا گھوڑا بے زین ہے، میں عشق خداوندی کی آگ، حال و احوال کا سلب کرنے والا، دریائے بیکراں، رہنمائی وقت اور غیروں سے باتیں کرنیوالا ہوں۔

ایک دفعہ آپ نے کیفیت حال میں فرمایا کہ میں ہوں محفوظ اور میں ہوں ملحوظ، اے روزہ دارو، اے شب بیدارو، اے پہاڑوں پر بیٹھنے والو، خدا کرے تمہارے پہاڑ بیٹھ جائیں اور اے خانقاہ نشینو، خدا کرے تمہاری خانقاہیں زمین دوز ہو جائیں، حکم خدا کے سامنے آؤ، میرا حکم خدا کی طرف سے ہے، اے رہروان منزل، اے ابدال، اے اقطاب و اوتاد اے پہلوانو، اور اے جوانو! آؤ اور دریائے بیکران سے فیض حاصل کرلو، عزت پروردگار کی قسم تمام نیک بخت اور بد بخت میرے سامنے پیش کیے گئے اور میری نظر لوح محفوظ میں جمی ہوئی ہے، میں دریائے علم و مشاہدہ الٰہی کا غوطہ خور ہوں، میں تم سب پر اللہ کی حجت رسول کا نائب اور اس کا دنیا میں وارث ہوں، پھر فرمایا کہ انسانوں کے بھی پیر ہیں، جنات اور فرشتوں کے

بھی لیکن میں تمام پیروں کا پیر ہوں۔

روایت ہے کہ حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرض الموت میں فرماتے تھے کہ میرے اور تمہارے درمیان کوئی نسبت نہیں، میرے اور مخلوق کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے مجھے کسی پر اور کسی کو مجھ پر قیاس نہ کرنا، فرماتے تھے کہ میری تخلیق تمام امور سے بالا ہے اور میں لوگوں کی عقل سے ماوراء ہوں، اے زمین کے مشرق و مغرب کے اور اے آسمان کے رہنے والو! حق تعالیٰ فرماتا ہے: وَاَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) میں ان میں سے ہوں جنہیں خدا جانتا ہے تم نہیں جانتے، مجھ سے دن اور رات میں ستر بار کہا جاتا ہے اَنَا اخْتَرْتُكَ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِىْ (یعنی میں نے تجھے پسند کرلیا، اور تاکہ تو پرورش پائے میری آنکھوں کے سامنے) مجھ سے کہا جاتا ہے کہ اے عبدالقادر میرے اس حق کی جو تجھ پر ہے تجھے قسم ہے ذرا بات تو کرتا کہ سنی جائے، مجھ سے کہا جاتا ہے کہ اے عبدالقادر تجھے میرے اس حق کی قسم جو تیرے اوپر ہے کھا اور پی اور بات کر، میں نے تجھے قسم توڑنے سے مامون بنادیا، خدا کی قسم جب تک مجھے حکم نہ ہو نہ کچھ کرتا ہوں نہ کچھ کہتا ہوں۔

آپ نے فرمایا کہ جب میں تم سے کوئی بات کہوں تو تم پر اس کی تصدیق ضروری ہے کیونکہ میری بات ایسی یقینی ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں، گویا جب مجھے حکم ہوتا ہے تو میں کہہ دیتا ہوں، جب مجھے دیا جاتا ہے تو بخشش کر دیتا ہوں اور جب مجھے امر ہوتا ہے تو کرلیتا ہوں، ذمہ داری تو اس پر ہے جس نے مجھے حکم کیا ہے (کیونکہ قاعدہ ہے) الدية علي العاقلة (یعنی خون بہا رشتہ داروں پر ہے) میری تکذیب تمہارے لیے زہر قاتل ہے، دین کے لیے اور دنیا و آخرت کی تباہی کا سبب ہے میں تلوار باز اور قاتل ہوں اور اللہ تمہیں ڈراتا ہے، اگر شریعت نے میرے منہ میں لگام نہ ڈالی ہوتی تو میں تمہیں بتادیتا کہ تم نے گھر میں کیا کھایا ہے اور کیا رکھا ہے، میں تمہارے ظاہر و باطن کو جانتا ہوں کیونکہ تم میری نظر میں شیشہ کی طرح ہو۔

روایت ہے کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ آخری ایام میں بہت ہی نفیس لباس زیب تن فرماتے تھے، ایک روز آپ کا ایک خادم ابوالفضل بزاز کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے وہ کپڑا چاہئے جو ایک اشرفی گز ہو، نہ کم نہ زیادہ، اس نے پوچھا کہ کس کے لیے خرید رہے ہو خادم

نے جواب دیا کہ اپنے آقا شیخ عبدالقادر جیلانی کے لیے، بزاز کے دل میں خیال گزرا کہ حضرت شیخ نے تو بادشاہ کے لیے بھی کپڑا نہ چھوڑا، ابھی اس کے دل میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ غیب سے ایک کیل اس کے پاؤں میں چبھ گئی اور ایسی کہ مرنے کے قریب ہوگیا، لوگوں نے اس کے نکالنے کی بہت کوشش کی لیکن کچھ نہ ہوسکا، آخر اس بزاز کو اٹھا کر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لائے، آپ نے فرمایا اے ابوالفضل تم نے اپنے دل میں ہم پر کیوں اعتراض کیا تھا، پروردگار کی قسم میں نے یہ کپڑا اس وقت تک پہننے کا ارادہ نہیں کیا جب تک مجھ سے یہ نہیں کہا گیا کہ تجھے اس حق کی قسم جو میرا تیرے اوپر ہے وہ کپڑا پہن جو ایک اشرفی فی گز ہو، اے ابوالفضل یہ کپڑا میت کا کفن ہے اور میت کا کفن اچھا ہوتا ہے، یہ ہزار موت کے بعد ملا ہے اس کے بعد آپ نے اپنا دست مبارک تکلیف کے مقام پر رکھا تو جو کچھ تکلیف تھی سب ایسی رفع ہوگئی گویا کچھ تھا ہی نہیں، پھر فرمایا کہ اس نے جو ہم پر اعتراض کیا وہ کیل کی شکل اختیار کرگیا، اور اسے جتنی تکلیف پہنچنی تھی پہنچ گئی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کرامات

حضرت شیخ کی وہ کرامتیں جو ہر وقت ظاہر ہوتی رہتی تھیں ان کا احاطہ وشمار قوت تقریر و تحریر سے باہر ہے، اور یقین جانو کہ اس میں بناوٹ اور مبالغہ آرائی نہیں کیونکہ آپ کی ذات اقدس بچپن اور جوانی سے ہی مظہر کرامات ہے، اور نوے سال تک جو آپ کی عمر ہے آپ سے ہمیشہ مسلسل کرامتوں کا ظہور ہوتا رہا ہے۔

روایت ہے کہ آپ پیدائش کے بعد رمضان میں دن کے وقت اپنی والدہ کا دودھ نہیں پیتے تھے، حتیٰ کہ سب میں مشہور ہوگیا کہ سادات کے فلاں گھرانے میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوا ہے جو رمضان میں دن کے وقت دودھ نہیں پیتا۔

روایت ہے کہ لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ آپ ولی اللہ ہیں، فرمایا کہ دس سال کی عمر تھی جب میں مدرسہ جاتا تو راستہ میں فرشتوں کو اپنے اردگرد چلتے ہوئے دیکھتا اور جب مکتب میں پہنچ جاتا تو فرشتوں کو یہ بات بچوں سے کہتے ہوئے سنتا کہ اے بچو! اللہ کے ولی کے لیے جگہ کشادہ کرو۔

ایک روز مجھے ایسا شخص دکھائی دیا جو پہلے کبھی نظر نہ آیا تھا، اس نے ایک فرشتہ سے

پوچھا کہ یہ بچہ کون ہے جس کی تم اتنی تعظیم کر رہے ہو، فرشتہ نے جواب دیا کہ یہ اللہ کا ایک ولی ہے جس کا بہت بڑا مرتبہ ہوگا، اس راہ میں وہ شخص ہے کہ جسے بے حساب عطایا، بے حجاب تمکین و اقتدار اور بغیر حجت تقرب ملے گا، چالیس سال کے بعد میں نے پہچانا کہ وہ شخص اپنے وقت کے ابدال میں تھا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں چھوٹا سا تھا، ایک روز عرفہ کے دن شہر سے باہر آیا اور کھیتی باڑی کے ایک بیل کی دم پکڑ کر بھاگنے لگا، بیل نے پلٹ کر مجھے دیکھا اور کہا، اے عبدالقادر تجھے اس کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے نہ اس کا حکم دیا ہے، ترساں ولرزاں میں اپنے گھر واپس آیا، اور مکان کی چھت پر پہنچ گیا تو وہاں سے لوگوں کو میدان عرفات میں کھڑے ہوئے دیکھا، بس میں اپنی والدہ کی خدمت میں آ کر کہنے لگا کہ مجھے تحصیل علم کی اور زیارت اولیاء کے لیے بغداد جانے کی اجازت دیجیے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی میں نے چھوٹے بچوں کے ساتھ کھیلنے کا ارادہ کیا تو یہ آواز آتی کہ اے بابرکت ہستی ہمارے پاس آئی، یہ آواز سن کر خوف کی وجہ سے دوڑتا ہوا اپنی والدہ کی گود میں آ کر چھپ جاتا، اور اب بھی اپنی خلوت میں یہ آواز سنتا ہوں۔

روایت ہے کہ شیخ علی بن ہیتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے زمانہ میں شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ کرامت والا کوئی نہیں دیکھا، جس وقت جس کا دل چاہتا آپ کی کرامت کا مشاہدہ کر لیتا اور کرامات کبھی آپ سے ظاہر ہوتیں کبھی آپ کے بارے میں اور کبھی آپ کی وجہ سے۔

روایت ہے کہ شیخ ابو مسعود بن ابوبکر خزیمی اور شیخ ابو عمرو عثمان صرفنی نے فرمایا کہ حضرت شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کی کرامتیں اس ہار کی طرح ہیں جس میں جواہر تہ بر تہ ہیں کہ ایک کے بعد دوسرا ہے، ہم میں سے جو بکثرت روزانہ آپ کی کرامتوں کو شمار کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بادشاہ طریقت اور موجودات میں تصرف کرنے والے تھے اور منجانب اللہ آپ کو تصرف

کرامتوں کا ہمیشہ اختیار حاصل رہا۔

امام عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ آپ کی کرامتیں حد تواتر تک پہنچ گئی ہیں اور بالاتفاق سب کو اس کا علم ہے، دنیا کے کسی شیخ میں ایسی کرامتیں نہیں پائی گئیں۔

غرض کہ آپ سے لاتعداد کرامتیں ظاہر ہوئیں، مخلوقات کے ظاہر و باطن میں تصرف کرنا، انسان اور جنات پر آپ کی حکمرانی، لوگوں کے راز اور پوشیدہ امور سے واقفیت، عالم ملکوت کے بواطن کی خبر، عالم جبروت کے حقائق کا کشف، عالم لاہوت کے سربستہ اسرار کا علم، مواہب غیبیہ کی عطا، باذن الٰہی حوادث زمانہ کا تصرف وانقلاب، مارنے اور جلانے کے ساتھ متصف ہونا، اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرنا، مریضوں کی صحت، بیماروں کی شفا، طے زمان ومکان، زمین وآسمان پر اجرائے حکم، پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا، لوگوں کے تخیل کا بدلنا، اشیاء کی طبیعت کا تبدیل کردینا، غیب کی اشیاء کا منگانا، ماضی ومستقبل کی باتوں کا بتلانا، اور اسی طرح کی دوسری کرامات مسلسل اور ہمیشہ عام وخاص کے درمیان آپ کے قصد وارادہ سے بلکہ اظہار حقانیت کے طریقہ پر ظاہر ہوئیں اور مذکورہ کرامتوں میں سے ہر ایک سے متعلق اتنی روایات وحکایات ہیں کہ زبان وقلم ان کے احاطہ سے قاصر ہیں، مشائخ نے اس پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں، لیکن امام عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں ان سے پر ہیں۔

وہ مشائخ واقطاب وقت بلکہ بعض مشائخ متقدمین جنہوں نے کشف والہام کے ذریعہ آپ کے وجود مبارک کی خبر دی وہ بھی آپ کی تعظیم وتکریم، بلندی مرتبہ عظمت شان کے معترف ہونے کے ساتھ آپ کی اطاعت وفرمانبرداری اور آپ کے قول ''میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے'' کی سچائی کا یقین کرنے اور آپ کو منجانب اللہ مامور سمجھنے میں اتنا آگے تھے جس سے زیادہ کا تصور ممکن نہیں میں نے تھوڑا بہت اس میں سے اپنی کتاب زبدۃ الآثار جو بہجۃ الاسرار کا انتخاب ہے میں تحریر کردیا ہے، اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی امید ہے۔

اخلاق

آپ کے اخلاق وعادات اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ کا نمونہ اور اِنَّکَ لَعَلٰی ھُدًی مُّسْتَقِیْمٍ کا مصداق تھے، آپ اتنے عالی مرتبت، جلیل القدر وسیع العلم ہونے اور شان وشوکت کے باوجود ضعیفوں میں بیٹھتے، فقیروں کے ساتھ تواضع سے پیش آتے، بڑوں کی

عزت، چھوٹوں پر شفقت فرماتے، سلام کرنے میں پہل کرتے اور طالب علموں اور مہمانوں کے ساتھ کافی دیر بیٹھتے، بلکہ ان کی لغزشوں اور گستاخیوں سے درگزر فرماتے، اگر آپ کے سامنے کوئی جھوٹی قسم بھی کھاتا تو آپ اس کا یقین فرمالیتے اور اپنے علم و کشف کو ظاہر نہ فرماتے، اپنے مہمان اور ہمنشین سے دوسروں کی بہ (نسبت) انتہائی خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے، آپ کبھی نافرمانوں، سرکشوں، ظالموں اور مالداروں کے لیے کھڑے نہ ہوتے نہ کبھی کسی وزیر و حاکم کے دروازے پر جاتے، القصہ مشائخ وقت میں سے کوئی بھی حسن خلق، وسعت قلب، کرم نفس، مہربانی اور عہد کی نگہداشت میں آپ کی برابری نہیں کرسکتا تھا۔

روایت ہے کہ ایک روز آپ خلوت میں بیٹھے کچھ لکھ رہے تھے آپ کے لباس و دستار پر چھت سے مٹی گری، تین مرتبہ تو آپ نے مٹی کو جھاڑ دیا، چوتھی مرتبہ آپ نے نظر اٹھا کر اوپر دیکھا تو ایک چوہا چھت کاٹ رہا ہے، محض نظر پڑنے سے ہی چوہے کا سر ایک طرف اور دھڑ دوسری طرف گرا، آپ لکھنا چھوڑ کر رونے لگے، راوی کہتا ہے کہ میں نے رونے کا سبب دریافت کیا، فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ کسی مسلمان سے میرے دل کو تکلیف پہنچے اور اس کی بھی وہی حالت ہو جو اس چوہے کی ہوئی۔

ایک روز ایک مدرسہ میں وضو کر رہے تھے اچانک ایک چڑیا نے ہوا میں اڑتے ہوئے آپ کے لباس پر بیٹ کردی، آپ کے نظر اٹھاتے ہی وہ چڑیا زمین پر گری، وضو سے فارغ ہوکر لباس سے بیٹ کر دھویا اور جسم سے اتار کر فرمایا کہ اسے لیجا کر فروخت کردو اور اس کی قیمت فقیروں کو خیرات کردو کہ اس کا یہی بدلہ ہے۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ اپنی شہرت کے زمانہ میں حج کے ارادہ سے نکلے، جب بغداد کے قریب ایک موضع میں جس کا نام حلہ تھا پہنچے تو حکم دیا کہ یہاں کوئی ایسا گھر تلاش کرو جو سب سے زیادہ ٹوٹا پھوٹا اور اجڑا ہوا سا ہو، ہم اس میں قیام کریں گے، اگرچہ وہاں کے امیروں اور رئیسوں نے بڑے اچھے اچھے مکانات آپ کے سامنے قیام کرنے کے لیے پیش کئے لیکن آپ نے انکار فرمادیا، تلاش بسیار کے بعد ایسا ایک مکان مل گیا جس میں بڑھیا، بڈھا اور ایک بچی تھی، آپ نے بڑے میاں سے اجازت لے کر رات اس مکان میں

گزاری، اور وہ تمام نذرانے اور ہدایا جو نقد، جنس اور حیوانات کی صورت میں آپ کو پیش کیے گئے آپ نے یہ کہہ کر کہ میں اپنے حق سے دستبردار ہوتا ہوں وہ تمام کے تمام بڑے میاں کو دیدیئے، حاضرین نے بھی آپ کی موافقت میں تمام مال واسباب ان بڑے میاں کو دیدیا اللہ تعالیٰ نے اس بوڑھے کو آپ کے مبارک قدموں کی برکت سے ایسی دولت عطا فرمائی کہ ان اطراف میں کسی کو نہ ملی۔

روایت ہے کہ آپ کی خدمت میں ایک تاجر نے آکر عرض کیا کہ میرے پاس ایسا مال ہے جو زکوٰۃ کا نہیں اور میں اسے فقراء و مساکین پر خرچ کرنا چاہتا ہوں لیکن مستحق و غیر مستحق کو نہیں پہچانتا، آنجناب جس کو مستحق سمجھیں دیدیں، آپ نے جواب دیا کہ مستحق و غیر مستحق میں سے جس کو چاہو دیدو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں بھی وہ چیزیں دے جس کے تم مستحق ہو اور جس کے مستحق نہیں ہو۔

روایت ہے کہ آپ نے ایک روز ایک فقیر کو شکستہ خاطر ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا دیکھا دریافت فرمایا کہ کس خیال میں ہو اور کیا حال ہے، عرض کیا کہ میں دریا کے کنارے گیا تھا، ملاح کو دینے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں تھا کہ کشتی میں بیٹھ کر پار اتر جاتا، ابھی اس فقیر کی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ ایک شخص نے تیس اشرفیوں سے بھری ہوئی ایک تھیلی آپ کی نذر کی، آپ نے وہ تھیلی فقیر کو دے کر فرمایا کہ اسے لیجا کر ملاح کو دیدو۔

بعض مشائخ وقت نے آپ کے اوصاف میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ عبدلقادر رحمۃ اللہ علیہ بڑے بارونق ہنس مکھ، خندہ رو، بڑے شرمیلے، وسیع الاخلاق، نرم طبیعت کریم الاخلاق پاکیزہ اوصاف اور مہربان وشفیق تھے جلیس کی عزت کرتے اور مغموم کو دیکھ کر امداد فرماتے ہم نے آپ جیسا فصیح وبلیغ کسی کو نہیں دیکھا۔

بعض مشائخ نے اس طرح وصف بیان فرمایا ہے کہ حضرت شیخ محی الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ بکثرت رونے والے، اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والے تھے، آپ کی ہر دعا فوراً قبول ہوتی، نیک اخلاق، پاکیزہ اوصاف، بدگوئی سے بہت دور بھاگنے والے اور حق کے سب سے زیادہ قریب تھے، احکام الٰہی کی نافرمانی میں بڑے سخت گیر تھے لیکن اپنے اور غیر اللہ کے لیے کبھی غصہ نہ فرماتے، کسی سائل کو اگرچہ وہ آپ کے بدن کے کپڑے ہی لے جائے واپس نہ

فرماتے، توفیق خداوندی آپ کی رہنما اور تائیدایزدی آپ کی معاون تھی، علم نے آپ کو مہذب بنایا، قرب نے آپ کو مؤدب بنایا، خطاب الٰہی آپ کا مشیر اور ملاحظہ خداوندی آپ کا سفیر تھا، انسیت آپ کی ساتھی اور خندہ روئی آپ کی صفت تھی، سچائی آپ کا وظیفہ، فتوحات آپ کا سرمایہ، بردباری آپ کا فن، یادِ الٰہی آپ کا وزیر، غور وفکر آپ کا مونس، مکاشفہ آپ کی غذا اور مشاہدہ آپ کی شفا تھے، آدابِ شریعت آپ کا ظاہر اور اوصاف حقیقت آپ کا باطن تھا رضی اللّٰہ عنہ وعن جمیع الصالحین وعن محبیھم اجمعین۔

اصحاب ارادت وانتساب

حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین ومنسلکین کی فضیلت بھی بے انتہا ہے اور کیوں نہ ہو کہ آقا کی فضیلت سے خادم میں بھی فضیلت آتی ہے، چنانچہ ایک شیخ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، عرض کیا، یا رسول اللہ، دعا فرمایئے کہ مجھے قرآن کریم اور آپ کی سنت پر موت آئے، آپ نے ارشاد فرمایا، ایسا ہی ہوگا، اور کیوں نہ ہو جبکہ تمہارے شیخ شیخ عبدالقادر ہیں، وہ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم سے تین مرتبہ یہی درخواست کی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی ارشاد فرمایا، یہ واقعہ طویل اور عجیب ہے اختصاراً اتنا ہی ذکر کیا گیا ہے۔

روایت ہے کہ مشائخ کی ایک جماعت نے فرمایا، کہ حضرت شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک اپنے مریدوں کے سلسلہ میں اس بات کی ذمہ داری لی ہے کہ ہر ایک کی موت توبہ پر آئے گی۔

روایت ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مرتبہ مشائخ نے دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص آپ نے آپ کو آپ کی طرف منسوب کرے لیکن بیعت نہ کرے اور نہ آپ کے ہاتھ سے خرقہ پہنے تو وہ آپ کے مریدین میں شمار اور ان جیسے فضائل حاصل کرنے والا ہوگا یا نہیں؟ ارشاد فرمایا، جو شخص خود کو میری طرف منسوب کرے اور مجھ سے عقیدت رکھے تو حق تعالیٰ اسے قبول فرمالے گا اور اس پر رحمت فرمائے گا اور اگرچہ اس کا طریق مکروہ ہوا سے توبہ کی توفیق بخشے گا ایسا شخص میرے مریدوں میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم

سے وعدہ فرمالیا ہے کہ میرے مریدوں، سلسلہ والوں، میرے طریق کا اتباع کرنے والوں اور میرے عقیدت مندوں کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

نیز آپ نے فرمایا کہ ہم میں کا ایک انڈا ہزار میں ارزاں اور چوزہ کی قیمت تو لگائی نہیں جاسکتی نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک لکھا ہوا دفتر دیا جس میں قیامت تک آنے والے میرے احباب اور مریدوں کے نام درج تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سب کو میں نے تیری وجہ سے بخش دیا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے داروغہ جہنم سے جن کا نام مالک ہے دریافت کیا میرے مریدوں میں سے تمہارے پاس کوئی ہے، جواب دیا، عزت پروردگار کی قسم کوئی بھی نہیں، دیکھو میرا دستِ حمایت میرے مریدوں پر ایسا ہے جیسے آسمان زمین کے اوپر، اگر میرا مرید اچھا نہیں تو کیا ہوا، میں تو اچھا ہوں، جلال پروردگار کی قسم جب تک میرے تمام مرید بہشت میں نہیں چلے جائیں گے میں بارگاہ خداوندی میں نہیں جاؤں گا، اور اگر مشرق میں میرے ایک مرید کا پردۂ عفت گر رہا ہو اور میں مغرب میں ہوں تو یقیناً میں اس کی پردہ پوشی کروں گا۔

روایت: شیخ عدی بن مسافر نے فرمایا کہ دوسرے مشائخ کے مرید اگر مجھ سے خرقہ طلب کرتے ہیں تو بلا تامل دیدیتا ہوں، لیکن حضرت شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں کو دینے کی ہمت نہیں ہوتی۔ کیونکہ آپ کے مرید دریائے رحمت میں غرق ہیں اور قاعدہ ہے کہ کوئی شخص دریا کو چھوڑ کر سقادہ اور سبیل کی طرف نہیں آتا۔

روایت

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حسین بن منصور حلاج کے زمانہ میں کوئی ان کی دستگیری کرنے والا اور جس لغزش میں وہ مبتلا ہوئے اس سے کوئی بچانے والا نہیں تھا، اگر میں ان کے زمانے میں ہوتا تو ان کی دستگیری کرتا اور نوبت یہاں تک نہ پہنچتی، قیامت تک میں اپنے مریدوں کی دستگیری کرتا رہوں گا اگر چہ وہ سواری سے گرے، اور فرمایا کہ ہر طویلہ میں میرا ایک ناقابل مقابلہ سانڈ اور ایک ناقابل مسابقت گھوڑا رہتا ہے اور فرمایا کہ ہر لشکر پر میرا ایسا تسلط ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں کرتا اور ہر منصب میں ایسا خلیفہ ہے جسے ہٹایا نہیں

جا سکتا۔

فرمایا کہ جب بھی اللہ سے کوئی چیز مانگو تو میرے وسیلہ سے مانگو تا کہ مراد پوری ہو، اور فرمایا جو کسی مصیبت میں میرے وسیلہ سے امداد چاہے تو اس کی مصیبت دور ہو، اور جو کسی سختی میں میرا نام لے کر پکارے اسے کشادگی حاصل ہو، اور جو میرے وسیلہ سے اللہ کے سامنے اپنی مرادیں پیش کرے تو پوری ہوں۔

آپ نے فرمایا کہ جو شخص دو رکعت نماز پڑھے، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے اور سلام کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور میرا نام لے کر اللہ سے دعا مانگے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کی حاجت بر آری کرے (ایک روایت میں ہے کہ گیارہ قدم عراق کی جانب چل کر میرا نام لے کر دعا مانگے، لیکن یہ روایت ثابت نہیں ہے)

کلام ذی شان

آپ کا کلام اللہ تعالیٰ کے علم لامتناہی میں سے ایک دریا ہے جس کی عبارات و اشارات کا کماحقہ احاطہ ناممکن ہے، یہاں آپ کے بعض مکتوبات فارسی جن میں قرآن کریم کی آیات بھی ہیں اور حکمت و موعظت سے بھرپور بھی ہیں نقل کیے جاتے ہیں، چونکہ آپ عجمی تھے اس واسطے فارسی میں بھی کلام فرماتے تھے، اگرچہ مجالس وعظ وغیرہ میں اکثر عربی زبان بولتے تھے اسی لیے آپ کو ذوالبیانین، ذواللسانین اور امام الفریقین بھی کہتے ہیں۔

مکتوب: برادر عزیز! جب آسمان شہود پر ابر فیض کے پھٹ جانے سے یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ (یعنی جس کو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف ہدایت فرماتا ہے) چمکنے لگے اور عنایت یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ (یعنی جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص فرمالیتا ہے) کے رخ سے وصول کی ہوائیں چلنے لگیں اور گلشن قلب میں انس کے پھول کھلنے لگیں اور گلستان روح میں ذوق و شوق کی بلبلیں یَا اَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ (یعنی ہائے یوسف) کے نغمات سے ہزار داستان کی طرح ترنم ریز ہوں اور اشتیاق کی آگ عالم سرائر میں مشتعل ہو اور طیور فکر فضائے عظمت میں انتہائی پرواز کے باعث بے بال و پر ہو جائیں، اور بڑے بڑے اہل عقل وادی معرفت میں پیہم گم ہوتے رہیں، اور عقل و خرد کے ستون

ہیبت وجلال کے صدمہ سے لرز جائیں، اور عزائم کی کشتیاں مَا قَدَرُوا اللہَ حَقَّ قَدْرِہٖ (یعنی انہوں نے اللہ کی وہ قدر نہ کی جو اس کا حق ہے) کے سمندروں میں وَھِیَ تَجْرِیْ بِھِمْ فِیْ مَوْجٍ کَالْجِبَالِ (یعنی اور وہ کشتی انہیں موجوں میں پہاڑ کی طرح لے کر تیر رہی تھی) کی ہواؤں کے ساتھ حیرت کی موجود میں بیٹھنے لگے تو یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ (یعنی وہ انہیں چاہتا ہے اور وہ اسے چاہتے ہیں) کے دریائے عشق کی موجیں متلاطم ہوتی ہیں، ہر ایک بزبان حال یہ پکارنے لگتا ہے رَبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبَارَکًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ (یعنی اے پروردگار ہمیں اتار مبارک اتارنا اور تو بہترین اتارنیوالا ہے) اور اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی (یعنی جن کے لیے ہماری جانب سے اچھائی پہلے مقدر ہو چکی ہے) عنایت حاصل ہوتی ہے اور انہیں فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ (یعنی اچھے ٹھکانے ہیں) کے ساحل حوذ پر اتارتا اور مستان بادۂ الست کی مجلس میں پہنچاتا ہے اور لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَۃٌ (یعنی نیکی کرنے والوں کے لیے نیک بدلہ اور اس سے زیادہ ہے) کے دسترخوان نعمت کو سامنے بچھاتا ہے، اور خمخانہ قرب بِاَیْدِیْ سَفَرَۃٍ (یعنی پاکیزہ فرشتوں کے ہاتھوں سے) اور وَسَقَاھُمْ رَبُّھُمْ شَرَابًا طَھُوْرًا (یعنی ان کا پروردگار انہیں شراب طہور پلائیگا) کے جامِ وصول کا دور چلاتا ہے اور وَاِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا وَّمُلْکًا کَبِیْرًا (یعنی اور جب تم دیکھو گے تو دیکھو گے وہاں نعمتیں اور ملک عظیم) کی حکومت ابدی اور دولت دائمی کا مشاہدہ ہوگا۔

مکتوب: عزیز من! قلب سلیم پیدا کرتا کہ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ (یعنی اے آنکھوں والوں عبرت حاصل کرو) کے رموز معلوم ہوسکیں، اور کامل آخرت کو حاصل کرتا کہ سَنُرِیْھِمْ اٰیَاتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْ اَنْفُسِھِمْ (یعنی ہم انہیں اپنی نشانیاں دنیا میں اور ان کے نفوس میں دکھائیں گے) کے دقائق کا ادراک کر سکے، اور یقین صادق پیدا کرتا کہ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ (یعنی ہر چیز اللہ کی حمد و تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے) کے شواہد معرفت کو دل کی آنکھوں سے دیکھے اور وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (یعنی جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں دریافت کریں تو میں قریب ہوں، ہر دعا مانگنے

والے کی دعا کو جب وہ پکارے قبول کرتا ہوں) کے اسباب وصول سامنے آئیں اور اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ (یعنی کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تم کو بس یونہی بیکار و بے مقصد پیدا کر دیا ہے اور تم ہمارے پاس واپس نہ آؤ گے) کے تازیانہ کے باعث وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (یعنی انہیں غافل کر دیا آرزوں نے سو عنقریب انہیں پتہ چل جائیگا) کی خواب غفلت سے بیدار ہو اور وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (یعنی اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی دوست ہے نہ مددگار) کے مضبوط حلقہ کو ہاتھ سے پکڑو، اور فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ (یعنی اللہ کی طرف دوڑو) کی کشتی میں سوار ہو، اور وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ (یعنی میں نے جن اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے) کے دریائے معرفت میں مردانہ وار غوطہ زنی کرو، پھر اگر گوہر مطلوب ہاتھ آ گیا تو فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا (یعنی زبردست کامیابی حاصل کی) اور اگر اسی طلب میں جان جاتی رہی تو فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (پس تحقیق اس کا اجر اللہ کے یہاں واقع ہو گیا)

مکتوب: اے عزیز! جب اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (یعنی اللہ جسے چاہتا ہے اپنا منتخب بنالیتا ہے) کے جذبات کی فوجیں ولایت دل پر حملہ کرتی ہیں اور نفس امارہ کی خواہشات کو وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (یعنی اللہ کی راہ میں مکمل طور پر جہاد کرو) کی ریاضت کے لگام سے مطیع و مسخر بنا دے اور فرعونوں اور جابروں کو مجلس تقویٰ میں مجاہدہ کی زنجیروں میں کشاں کشاں لے آئے تو آرزوؤں کو وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (یعنی اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو) کے طوق میں جکڑ کر باہر کر دے اور وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (یعنی جو ذرہ برابر نیکی کرے گا تو اسے دیکھ لیگا) کے تازیانہ سے افعال ارادی و اختیاری کو سزا دے اور رسوم و عادات کی تعمیروں اور تلبیس و طاعات کے ستون کو درمیان سے بالکل نکال دے اور زبان حال سے اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً (یعنی بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ و برباد کر دیتے اور اس کے باعزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں) کی صداقت کا اعلان کرے، اور جب صفائے دل کی پسندیدہ زمین شہوات کی کدورتوں سے گزر جائے اور

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ (یعنی جو اسلام کے علاوہ دوسرا دین چاہے وہ اس سے قبول نہ کیا جائیگا) سے صاف وشفاف ہو جائے، اور گلستان روح مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ (یعنی جسے اللہ ہدایت دے تو وہی ہدایت یافتہ ہے) کی نسیم الطاف سے سراسر معطر ہو جائے اور اوراق سرائر پر اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ (یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان نقش فرما دیا) کے نقوش لطائف تحریر ہوں تو شہود يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ یعنی جس روز یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی، صفت حال ہو جائے اور شوق کے پہاڑ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا کی طرح ہوا میں اڑ جائیں اور بزبان حال کہے وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ (یعنی تم پہاڑوں کو جما ہوا سمجھ رہے ہو حالانکہ وہ تو بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں) عشق کا اسرافیل صور پھونک رہا ہے اور فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ (یعنی تمام زمین وآسمان والے مدہوش ہو جائیں گے) کی بجلی کی تاثیر ظاہر ہو رہی ہے، اور اقبال لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ (یعنی انہیں عظیم گھبراہٹ کا کوئی غم نہ ہوگا) کا نقیب آکر ان کو قرار ورسوخ دے رہا ہے اور فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ (یعنی قدرت والے بادشاہ کے پاس اچھے ٹھکانے ہیں) کے علیین کی طرف بلا رہا ہے اور رضوان جنت بشرلکم الیوم (یعنی آج تمہارے لیے بشارت ہے) صدا لگا کر جنت نعیم کے دروازے کھول کر کہتا ہے سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ (یعنی تم پر سلام، تم مبارک ہو، سو جنت میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ) اور وہ لوگ کہتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ (یعنی اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے وعدہ کو سچا کر دیا اور ہمیں جنت عطا فرمائی کہ اس میں جہاں چاہیں رہیں، سو عمل کرنیوالوں کا یہ اچھا بدلہ ہے)

مکتوب: عزیز من! وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِهٖ (یعنی خواہشات نفسانی کے پیچھے نہ پڑو کہ راہ حق سے بھٹک جاؤ گے) جیسی خواہشات سے اعراض کر اور وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا (یعنی ان کی اطاعت نہ کیجئے جن کے دل ہمارے ذکر سے غافل ہیں) کے مطابق مواقع غفلت سے باز آ، اور فاسق وفاجر کی صحبت اختیار نہ کر کہ

فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللهِ (یعنی جن کے دل اللہ کی یاد سے سخت ہیں ان کی ہلاکت ہے) اور اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللهِ (یعنی اپنے پروردگار کی بات مانو اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جو ٹل نہیں سکتا) کے منادی کی اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللهِ (یعنی کیا ابھی ایمان والوں کے لیے اس کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر اللہ کے لیے جھک جائیں) کی ندا گوش ہوش سے سنیں اور اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى (یعنی کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے بیکار چھوڑ دیا جائیگا) کی تنبیہ کی وجہ سے تمام رات خواب غرور سے بیدار رہ کر وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللهِ الْغُرُوْرُ (یعنی تمہیں دھوکہ نہیں نہ ڈال دے اللہ سے دھوکہ بازی) اور اہل حضور کے مراتب کے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ (یعنی وہ ایسے لوگ ہیں جنہیں اللہ کے ذکر سے نہ تجارت غافل کرتی ہے نہ خرید وفروخت) معلوم کرتا رہ، اور کعبۂ مقصود حاصل کرنے کے لیے سر کے پاؤں بنا کر دشت سر میں یکسو ہو جاؤ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا (یعنی اس کی طرف یکسو ہو جا) اس کے بعد قُلِ اللهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ (یعنی آپ کہہ دیجئے کہ صرف اللہ، پھر باقی کو چھوڑ دیجئے) کی تجرید کر کے وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْ اِلَى اللهِ (یعنی میں اپنے کام اللہ کو سونپتا ہوں) کی تفویض کی سواری پر سوار ہو کر اہل صدق کہ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (یعنی سچوں کے ساتھ رہو) کے قافلہ کے ساتھ مسافر ہو جا، اور آرائش دنیا کے مساکن کو کہ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا (یعنی جو کچھ زمین پر ہے اسے ہم نے زمین کی زینت بنا دیا) عبور کرتے ہوئے مہالک فتنہ کے کہ اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (یعنی تمہارے مال و اولاد فتنہ ہیں) راستوں میں سلامتی کے ساتھ ہدایت کی شاہراہوں کہ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا (یعنی یہ نصیحت ہے سو جو چاہے اپنے رب کا راستہ اختیار کرے) سامنے رکھ اور زبان اضطرار سے کہ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ (یعنی کیا کوئی ہے جو مضطر و مجبور کی دعا کو قبول کرے) تضرع وزاری کے ساتھ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (یعنی ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت فرما) کے دسترخوان پر عنایت قدیم اَلَا اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (یعنی اللہ کے دوستوں کو نہ خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے) کے مبشر کے ہمراہ تحیت سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ (یعنی سلام ہو

یہ بات پروردگار رحیم کی جانب سے ہے) کی بشارت کے ساتھ آگے بڑھتا رہ، اور نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ (یعنی اللہ کی مدد اور قریبی فتح حاصل ہوگی) کی سواری پر سوار ہو کر فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَفَضْلٍ (یعنی وہ اللہ کی نعمت اور فضل وکرم کو لے کر واپس آئے) کی بارگاہ خلد کا داعی ہو، ہر طرف سے عزت ووصال کی ہوائیں چلنے اور ساقیان غیب کے ہاتھوں سے شراب محبت کے جام چلنے کا مشاہدہ ہو، اور اِنَّ ھٰذَا کَانَ لَکُمْ جَزَآءً وَّکَانَ سَعْیُکُمْ مَّشْکُوْرًا (یعنی یہ ہے تمہاری جزا اور تمہاری کوشش بارآور ہوئی) کی صدائیں بلند ہوں، اور اس مقام انس میں وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا (یعنی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے کلام فرمایا) کی فسانہ گوئی شروع ہو، اور فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ (یعنی جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی) کا دیباچہ طولانی ہو اور چشم بصیرت کا نور وَخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا (یعنی موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے) کی سکرات حالات کی خبر دے اور وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ (یعنی بہت سے چہرے اس روز تروتازہ اپنے رب کو دیکھ رہے ہونگے) کا مشاہدہ کرے اور اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہوئے زبان حال سے لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ (یعنی نگاہیں اسے نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے) کہہ کر بینا ہو جائے،

اب ہم مشائخ ہند کا تذکرہ شروع کرتے ہیں، وباللہ التوفیق فی المبدأ والمعاد۔

طبقۂ اول

حضرت خواجہ معین الدین حسن الحسینی سنجری قدس سرہٗ

۵۲۷ھ..................۶۳۳ھ

آپ برصغیر ہندو پاک میں بڑے بڑے مشائخ کے سرحلقہ اور سلسلہ چشتیہ کے بانی ہیں، بیس ۲۰ سال تک سفر وحضر میں خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے، اور آپ کے سونے کے لباس کی نگرانی فرماتے تھے، خواجہ عثمان نے اس کے بعد نعمت خلافت سے آپ کو نوازا۔

آپ پتھورارائے کے دورِ حکومت میں اجمیر (ہندوستان) تشریف لائے اور عبادت

الٰہی میں مشغول ہوگئے، پتھورارائے اس زمانہ میں اجمیر میں ہی مقیم تھا، ایک روز اس نے آپ کے ایک مسلمان عقیدت مند کو کسی وجہ سے ستایا، وہ بیچارا، آپ کے پاس فریاد لے کر پہنچا، آپ نے اس کی سفارش میں پتھورارائے کے پاس ایک پیغامبر بھیجا، لیکن اس نے آپ کی سفارش قبول نہ کی اور کہنے لگا کہ یہ شخص یہاں آکر بیٹھ گیا ہے اور غیب کی باتیں کرتا ہے، جب خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ بات معلوم ہوئی، تو ارشاد فرمایا کہ ہم نے پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے حوالہ کردیا، اسی زمانہ میں سلطان معزالدین سام عرف شہاب الدین غوری کی فوج غزنی سے پہنچی، پتھورا لشکر اسلام سے مقابلہ کے لیے آیا اور سلطان معزالدین کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا، اسی تاریخ سے اس ملک میں اسلام پھیلا اور کفر کی جڑیں کٹ گئیں۔

مشہور ہے کہ خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد آپ کی پیشانی پر یہ نقش ظاہر ہوا کہ حبیب اللہ مات فی حب اللہ (یعنی اللہ کا حبیب اللہ کی محبت میں دنیا سے گیا)

روایت بعض کے نزدیک حضرت خواجہ کی وفات ۶ رجب ۶۳۳ ہجری اور بعض کے نزدیک ماہ ذی الحجہ میں ہوئی لیکن پہلا قول صحیح ہے اور اجمیر میں جہاں آپ کی اقامت تھی وہیں مزار ہوا، آپ کا مزار مبارک ابتدا اینٹوں سے بنایا گیا، پھر اس کو علی حالہ باقی رکھ کر پتھر کا ایک صندوق اس کے اوپر بنایا، اسی وجہ سے آپ کے مزار میں بلندی پیدا ہوگئی، سب سے پہلے آپ کے مزار کی عمارت خواجہ حسین ناگوری نے بنوائی، اس کے بعد دروازہ اور خانقاہ مندر کے کسی بادشاہ نے تعمیر کرائے۔

کلام

آپ کے کلام و ملفوظات دلیل العارفین میں حضرت خواجہ بختیار کاکی اوشی نے جمع کردیئے ہیں اس میں تحریر ہے کہ آپ نے فرمایا:

عاشق کا دل محبت کی آگ میں جلتا رہتا ہے، لہٰذا جو کچھ بھی اس دل میں آئیگا جل جائے گا اور نابود ہو جائے گا، کیونکہ آتش محبت سے زیادہ تیزی کسی آگ میں نہیں،......

فرمایا...... بہتی ندیوں کا شور سنو، کس طرح شور کرتی ہیں، لیکن جب سمندر میں پہنچتی ہیں بالکل خاموش ہوجاتی ہیں۔

......فرمایا...... میں نے خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے خود سنا ہے فرماتے

تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے اولیاء بھی ہیں کہ اگر اس دنیا میں ایک لمحہ بھی اس سے حجاب میں آ جائیں تو نیست و نابود ہو جائیں ......فرمایا...... میں نے خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے سنا ہے، فرماتے تھے کہ جس شخص میں تین باتیں ہوں تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اسے دوست رکھتا ہے، اول، سمندروں جیسی سخاوت، دوئم، آفتاب جیسی شفقت، سوئم، زمین جیسی تواضع۔

......فرمایا...... نیک لوگوں کی صحبت نیکی کرنے سے بہتر اور برے لوگوں کی صحبت بدی کرنے سے بدتر ہے......فرمایا...... مرید اپنی توبہ میں اس وقت راسخ اور قائم سمجھا جائے گا جب کہ اس کی بائیں طرف والے فرشتہ نے بیس سال تک اس کا ایک بھی گناہ نہ لکھا ہو۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہ بات اکابر متقدمین سے بھی منقول ہے اور بعض متاخرین صوفیاء نے اس بات کی حقیقت اس طرح بیان فرمائی ہے کہ مرید کے لیے ہر وقت توبہ و استغفار کرنا ضروری ہے، اور توبہ و استغفار کے ہوتے ہوئے گناہ نہیں لکھا جاتا، یہ مطلب نہیں کہ گناہ اس سے بالکل سرزد ہی نہ ہو، اسی وجہ سے مشائخ کرام اپنے مریدوں کو سوتے وقت استغفار کی تاکید کرتے ہیں تاکہ دن بھر کے وہ گناہ جو ابھی تک رحمت الٰہی کی وجہ سے نہیں لکھے گئے ہیں، کتابت وظہور میں نہ آئیں۔

......فرمایا...... میں نے خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنا، فرماتے تھے کہ انسان مستحق فقر اس وقت ہوتا ہے، جب کہ اس عالم فانی میں اس کا کچھ بھی باقی نہ رہے، محبت کی علامت یہ ہے کہ فرمانبردار رہتے ہوئے اس بات سے ڈرتے رہو کہ محبوب تمہیں دوستی سے جدا نہ کردے۔

......فرمایا...... عارفوں کا بڑا بلند مقام ہے، جب وہ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو تمام دنیا و مافیہا کو اپنی دو انگلیوں کے درمیان دیکھتے ہیں۔

......فرمایا...... عارف وہ ہے کہ جو کچھ چاہے وہ فوراً اس کے سامنے آجائے اور جو کچھ بات کرے تو فوراً اس کی جانب سے اس کا جواب سن لے۔

......فرمایا......محبت میں عارف کا کم سے کم مرتبہ یہ ہے کہ صفات حق اس کے اندر پیدا ہو جائیں، اور محبت میں عارف کا درجہ کامل یہ ہے کہ اگر کوئی اس کے مقابلہ پر دعویٰ کر کے

آ ئے تو وہ اپنی قوت کرامت سے اسے گرفتار کر لے۔

......فرمایا...... ہم برسوں یہ کام کرتے رہے لیکن آ خر میں ہیبت کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آیا، فرمایا، کہ تمہارا کوئی گناہ اتنا نقصان نہیں پہنچائے گا جتنا کسی مسلمان کی بے عزتی کرنے سے پہنچے گا۔

......فرمایا...... پاس انفاس اہل معرفت کی عبادت ہے، اور معرفتِ خداوندی کی علامت یہ ہے کہ مخلوق سے بھاگے اور معرفت میں خاموش رہے۔

......فرمایا...... عارف کو معرفت حاصل نہیں ہوسکتی تاوقتیکہ معارف کو یاد نہ کرے، اور عارف وہ ہے جو اپنے دل سے غیر اللہ کو نکال باہر کرے تا کہ وہ بھی اسی طرح اکیلا ہو جائے جیسے اس کا محبوب یکتا ہے،

......فرمایا...... بدبختی کی علامت یہ ہے کہ گناہ کرتا رہے پھر بھی مقبول بارگاہ ہونے کا امیدوار ہو، اور عارف کی علامت یہ ہے کہ خاموش اور غمگین رہے گا، فرمایا......جس نے بھی نعمت پائی وہ سخاوت کی وجہ سے پائی۔

......فرمایا...... درویش وہ ہے کہ جس کے پاس جو بھی حاجت لے کر آ ئے تو اسے خالی ہاتھ اور معدوم واپس نہ کرے اور عارف راہ محبت میں ایسا شخص ہے جو دو عالم سے دل ہٹالے،

......فرمایا......اس دنیا میں درویشوں کا درویشوں کے ساتھ بیٹھنا عزیز ترین چیز ہے، اور درویشوں کا درویشوں سے جدا ہونا بدترین چیز ہے، کیونکہ یہ جدائی علت سے خالی نہیں۔

......فرمایا...... درحقیقت متوکل وہ ہے جس کو مخلوق سے تکلیف و اذیت حاصل ہو لیکن نہ وہ کسی سے شکایت کرے نہ کسی سے ذکر کرے، اور سب سے بڑا عارف وہ ہے جو سب سے زیادہ حیران ہو،

......فرمایا...... عارف کی علامت یہ ہے کہ موت کو پسند کرے، عیش و راحت کو چھوڑ دے اور یاد الٰہی سے انس حاصل کرے،

......فرمایا...... جب اللہ تعالیٰ اپنے محبین کو اپنے انوار سے زندہ فرمائیں، تو یہی رویت ہے،

......فرمایا...... اہل محبت وہ ہیں جو استاد کے بغیر دوست کی باتیں سنیں، فرمایا...... عارف وہ ہے جو صبح اٹھے تو رات کی یاد اسے نہ آئے، فرمایا...... سب سے بہتر وقت وہ ہے جب دل وسوسوں سے پاک ہو۔

......فرمایا...... علم ایک بے پناہ سمندر ہے اور معرفت اس کی ایک نالی، سو کہاں خدا، کہاں بندہ، علم اللہ کے لیے ہے اور معرفت بندہ کے لیے،

......فرمایا...... اہل معرفت ایسے آفتاب ہیں جو تمام عالم پر درخشاں ہیں، اور تمام عالم ان کے نور سے روشن ہے،

......فرمایا...... لوگ منزل گاہ قرب کے نزدیک صرف اس وقت جا سکتے ہیں جب نماز میں مکمل فرمانبرداری کریں، کیونکہ مومن کی معراج یہی نماز ہے،

مشہور ہے کہ ''اجمیر'' کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک ہندو راجہ کا نام جس کی حکومت حد غزنیں تک تھی ''آجا'' تھا، نیز ''آجا'' ہندی میں آفتاب کو بھی کہتے ہیں، اور ''میر'' ہندی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں، ہندوؤں کی تاریخ میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں پہاڑوں پر تعمیر ہونے والی دیواروں میں سب سے پہلے یہی دیوار تعمیر ہوئی، جو اجمیر کے پہاڑ کے اوپر ہے اسی طرح سرزمین ہند میں جو سب سے پہلا حوض بنایا گیا وہ ''پھکر'' کا حوض ہے جو اجمیر سے آٹھ میل ہے اور ہندو اس کی پوجا کرتے ہیں اور ہر سال چھ روز کے لیے ''تحویل عقرب'' کے وقت وہاں جمع ہو کر غسل کرتے ہیں، اپنی عمر عزیز اور اولاد کو ایک باطل مذہب کی بدولت برباد کرتے ہیں، ان میں سے جو قیامت کے قائل ہیں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ قیامت بھی اسی حوض سے شروع ہوگی، اور ''آجا'' نام جو اس ملک میں ہندو تھے پہلے سے رکھتے تھے، پتھورا سب سے آخری راجہ ہے جس سے مسلمانوں نے ملک ہند حاصل کیا،

''ناگور'' کا اکثر حصہ پتھورا کا آباد کردہ ہے جس کا قصہ یہ ہے کہ پتھورا نے اپنے ایک افسر سے جو جانوروں کے گھاس دانہ کی نگرانی کرتا تھا، کہا، کہ گھوڑوں کے طویلہ کے لیے کوئی مناسب اور اچھا مقام تلاش کرو، وہاں شہر بھی آباد کروں گا، وہ افسر بہت گھوما پھرا، جب وہ اس جگہ پہنچا جہاں اب شہر ناگور ہے تو اس نے ایک دنبی کو دیکھا کہ اس کے بچہ پیدا ہوا ہے اور ایک بھیڑیا اس بچہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو دنبی نے اپنے بچہ کو پیچھے کر کے اس بھیڑیے پر

حملہ کی تیاری شروع کی، اس نے یہ کیفیت دیکھ کر کہا کہ یہ مردانہ جگہ ہے اور اس جنگل کا آب و گیاہ گھوڑوں کے لیے مفید ہے، چنانچہ وہاں ایک شہر آباد کر کے اس کا نام ''نوانگر'' یعنی نیا شہر رکھا، سلطان شہاب الدین غوری رحمۃ اللہ علیہ جب یہاں پہنچے اور پتھورا مارا گیا تو ان کی ترک فوجوں کے زمانہ میں یہ لفظ ''ناگور'' بن گیا، واللہ اعلم بالصواب

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس سرہٗ

۵۰۵ھ.....................۶۳۳ھ

آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر خلفاء، اکابر اولیاء اور عظیم القدر صوفیا میں سے تھے اور بڑے مقبول بزرگ تھے، ترک دنیا اور فقر و فاقہ میں ممتاز تھے اور یاد الٰہی میں بڑے مستغرق اور محو تھے، اگر کوئی آپ سے ملنے کے لیے آتا تو تھوڑی دیر کے بعد افاقہ ہوتا اور آپ اپنے آپے میں آتے، اس کے بعد آنے والے کی طرف متوجہ ہوتے، اپنی یا آنے والے کی بات کہہ سن کر فرماتے کہ اب مجھے معذور رکھو، اور پھر یاد الٰہی میں مشغول ہو جاتے اگر آپ کی کوئی اولاد فوت ہو جاتی تو اس وقت خبر نہ ہوتی تھوڑی دیر کے بعد آپ کو خبر ہوتی۔

روایت: منقول ہے کہ آپ کے پڑوس میں ایک بنیا رہتا تھا، شروع شروع میں آپ اس سے قرض لیتے تھے اور اس سے فرما دیتے کہ جب تمہارا قرض تیس درہم تک ہو جائے تو اس سے زیادہ نہ دینا، جب آپ کو فتوحات حاصل ہوتیں تو آپ قرض ادا فرما دیتے، اس کے بعد آپ نے پختہ ارادہ فرمالیا کہ کبھی قرض نہ لوں گا، اس کے بعد اللہ کے فضل و کرم سے ایک روٹی مصلے کے نیچے سے نکل آتی اسی پر تمام گھر والے گزارا کر لیتے، اس بنیے نے خیال کیا کہ شاید حضرت شیخ مجھ سے ناراض ہو گئے جو قرض نہیں لیتے، اس نے اپنی بیوی کو جستجوئے حالؐ کے لیے حضرت خواجہ کے گھر بھیجا، حضرت شیخ کی اہلیہ محترمہ نے صحیح صحیح حالت اس کی بیوی کو بتا دی، اس کے بعد سے وہ روٹی ملنا بند ہو گئی (چونکہ آپ کو منجانب اللہ مصلے کے نیچے سے روٹیاں ملا کرتی تھیں جس پر آپ کے گھرانے کی گزر اوقات تھی اس لیے آپ کو کاکی کہتے ہیں کہ کاک افغانی زبان میں روٹی کو کہا جاتا ہے، اور چونکہ آپ بلاد

ماوراء الہند کے قصبہ اوش کے رہنے والے تھے اس لیے آپ کو اوشی کہا جاتا ہے)

شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے، فرماتے ہیں کہ شیخ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کو پانچ سو درہم تک قرض لینے کی اجازت دیدی تھی، لیکن جب آپ درجہ کمال پر پہنچے تو اس سے بھی دست برداری فرمالی۔

روایت: منقول ہے کہ خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے ابتدائی دور میں نیند کے غلبہ کے بعد تھوڑا سو لیتے تھے لیکن آخری زمانہ میں یہ بھی بیداری سے تبدیل ہو گیا۔

شیخ محمد نور بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''سلسلۃ الذہب'' میں آپ کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ ''بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ بڑے ولی، سالک، مجاہدہ و ریاضت میں ممتاز اور خلوت و عزلت کو پسند کرنے والے، اپنے چلوں میں کم خواب، کم خور، کم گو اور ہمیشہ یاد الٰہی میں رہنے والے اور باطنی حالات و مکاشفات میں بڑے بلند پایہ تھے۔

روایت: منقول ہے کہ آپ ہر رات تین ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنے کے بعد سویا کرتے تھے، انہیں ایام میں آپ کا نکاح ہوا، اور تین روز تک درود شریف نہ پڑھ سکے، ایک شخص نے جس کا نام رئیس تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ فرما رہے تھے کہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو ہمارے سلام کے بعد کہنا کہ تم ہر رات جو تحفہ ہمیں بھیجا کرتے تھے، تین رات سے وہ ہمیں نہیں پہنچا۔

روایت: منقول ہے کہ شیخ علی سکزی رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر صحبت احباب گرم تھی، خواجہ بختیار رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں موجود تھے، اور شیخ علی ایک بزرگ حضرت خواجہ معین الدین حسن رحمۃ اللہ علیہ کے رشتہ دار اور خواجہ قطب الدین کے ہمسایہ تھے ان کا مزار بھی خواجہ صاحب کے مزار کے قریب ہے، اس محفل سماع میں قوال نے شیخ احمد جام رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھا

کشتگان خنجر تسلیم را ! ہر زماں از غیب جان دیگر است

(خنجر تسلیم و رضا کے شہیدوں کو ہر گھڑی غیب سے ایک نئی زندگی عطا ہوتی ہے)

خواجہ صاحب پر اس شعر سے ایک وجد طاری ہوا اور چار شبانہ روز اسی شعر سے عالم تحیر میں مبتلا رہ کر پانچویں رات رحلت فرما گئے، میر حسن دہلوی نے اسی زمین کی غزل میں اس

قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

جاں بریں یک بیت دادہ است آں بزرگ   آرے ایں گوہرز کانے دیگر است

(اسی ایک شعر پر اس بزرگ نے جان دیدی، یقیناً یہ موتی کسی دوسری کان کا ہے)

کشتگان خنجر تسلیم را !   ہر زماں از غیب جان دیگر است

(خنجر تسلیم و رضا کے شہیدوں کو ہر گھڑی غیب سے ایک نئی زندگی عطا ہوتی ہے)

یہ واقعہ ربیع الاول کی چودھویں رات ۶۳۳ ہجری کا ہے اور اسی سال ۱۴ شعبان کو سلطان شمس الدین التمش رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی۔

خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''دلیل العارفین'' میں لکھا ہے کہ جمعرات کے دن اجمیر کی جامع مسجد میں مجھے اپنے شیخ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا، مجلس میں درویش، مرید اور عزیزان اہل صفہ حاضر تھے، ملک الموت کے بارے میں بات چیت ہو رہی تھی تو آپ نے فرمایا ''موت کے بغیر دنیا کی ذرہ برابر قیمت نہیں'' دریافت کیا یہ کیسے؟ فرمایا ''اس لیے کہ موت ایک پل ہے جسے عبور کر کے حبیب حبیب سے ملتا ہے'' پھر فرمایا کہ دوستی دل سے ہوا کرتی ہے نہ کہ زبان سے، اور جو چیزیں تمہیں معلوم ہیں ان سے خاموشی اختیار کرو تو عرش کے گرد طواف کرنے لگو۔

فرمایا، کہ عارف کی مثال چمکنے والے آفتاب کی طرح ہے جس کے نور سے پوری دنیا روشن ہے۔ پھر فرمایا، کے اے درویش! ہمیں یہاں لایا گیا ہے، ہماری قبر بھی یہیں ہوگی، اور چند روز کے اندر ہم سفر آخرت کریں گے، اس کے بعد شیخ علی سنجری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ ایک تحریر لکھو کہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ دہلی روانہ ہو جائے، ہم نے خلافت سجادہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کو دیدی اور ان کا مقام دہلی ہوگا، جب حکمنامہ مکمل ہوگیا تو اس فقیر (خواجہ بختیار رحمۃ اللہ علیہ) کو عنایت فرمایا، اس فقیر نے سر تسلیم جھکا دیا، پھر فرمایا، ذرا قریب آجاؤ، میں قریب ہوا تو دستار و کلاہ میرے سر پر رکھ کر خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کا عصا عطا فرمایا، اور خرقہ پہنا کر قرآن کریم، جانماز اور نعلین عطا فرمائے اور فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ امانت مشائخ چشت کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے تم بھی اسے جاری رکھنا تاکہ قیامت کے دن مشائخ کے سامنے شرمندگی اٹھانا نہ پڑے، اس فقیر نے سر جھکا دیا، پھر دو

رکعت نماز ادا کی، اس کے بعد حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا، اب جاؤ، سپردِ خدا، اللہ تعالیٰ تمہیں منزل پر پہنچائے۔

پھر فرمایا کہ چار چیزیں نفس کا جوہر ہیں، اول درویشی میں تونگری کرنا، دوئم بھوک میں سیر نظر آنا، سوئم غم میں مسرور معلوم ہونا، چہارم دشمن سے بھی درستی کا معاملہ کرنا، پھر فرمایا جہاں بھی جاؤ کسی کا دل نہ دکھانا، اور جہاں بھی جاؤ مردوں کی طرح رہنا۔

میں دہلی میں آ کر مقیم ہو گیا اور تمام حکام و عوام مجھ فقیر کی جانب رجوع ہونے لگے، چالیس روز نہیں گزرے تھے کہ ایک قاصد یہ پیغام لایا کہ حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ آپ کے روانہ ہونے کے بیس ۲۰ روز کے بعد واصل بحق ہو گئے۔ رحمہا اللہ تعالیٰ

شیخ الاسلام بہاؤ الدین ابو محمد زکریا ملتانی قرشی اسدی رحمۃ اللہ علیہ

۵۶۰ھ.................۶۶۱ھ

آپ شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، آپ کا شمار ہندوستان کے اکابر اولیاء میں ہوتا ہے، ظاہری کمالات، بلند مراتب اور اعلیٰ برکات و فیوض سے آراستہ تھے، ''نزہۃ الارواح'' کتاب کے مصنف میر حسینی سادات رحمۃ اللہ علیہ اور ''لمعات'' کے مصنف شیخ فرید الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی خدمت میں رہے اور آپ کی تربیت سے فیض پایا۔

روایت: منقول ہے کہ آپ جس وقت صاحب کمال و برکات ہو کر ملتان تشریف لائے تو اکابر ملتان میں کچھ حسد ظاہر ہوا اور بطور کنایہ آپ کی خدمت میں دودھ سے لبالب بھرا ہوا ایک پیالہ بھیجا، مطلب یہ تھا کہ اس شہر میں کسی کی گنجائش نہیں ہے، شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشارہ کا مطلب سمجھ کر دودھ کے پیالہ پر ایک پھول رکھ کر واپس فرما دیا، مقصود یہ تھا کہ ہمارا مقام اس شہر میں اس طرح رہے گا جس طرح دودھ پر یہ پھول رکھا ہوا ہے، اکابر ملتان اس حسن ادا پر حیران رہ گئے اور آپ کی کرامات کے معترف و مطیع ہو گئے۔

شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ ایسے مستغنی اور شاکر تھے کہ اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان جو حضرت

ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ وَاٰتَیۡنَاہُ فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً وَّاِنَّہٗ فِی الۡاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ (یعنی ہم نے انہیں دنیا میں بھی اچھائی عطا فرمائی اور وہ آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہیں) وہ آپ پر پوری طرح صادق آتا ہے،

آپ کے ہمعصر ایک شیخ نے آپ سے فقر وغنا کے بارے میں گفتگو کی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا اپنے تمام اسباب کے ساتھ بھی کوئی قیمت نہیں رکھتی قُلۡ مَتَاعُ الدُّنۡیَا قَلِیۡلٌ ، (یعنی آپ فرما دیجئے کہ دنیا کی بہار چند روزہ ہے) اور ظاہر ہے کہ اس تمام دنیا میں سے ہمارے پاس کتنا ہے (یا ظاہر ہے کہ یہ تمام دنیا ہماری نظر میں کیا قیمت رکھ سکتی ہے)

فرمایا کہ سانپ کا ساتھ رکھنا اس شخص کو ضرر پہنچاتا ہے جو اس کے کاٹے کا منتر نہ جانتا ہو، فرمایا کہ غنا ہمارے رخسارۂ حال کا تل ہے۔

اصحاب سیرت کا بیان ہے کہ آپ کے اور شیخ فریدالدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان بڑی گہری محبت تھی اور سالوں اسی طرح رہے، یہ بھی ایک قول ہے کہ یہ دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی تھے،

ایک مرتبہ آپ کی جانب سے شیخ فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ کو ایسا پیغام بھیجا گیا، جو شیخ فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس کے خلاف تھا، شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی معذرت میں ایک رقعہ لکھا، اس میں یہ بات بھی لکھی کہ ہمارے اور آپ کے درمیان عشق بازی ہے ''بازی'' نہیں ہے۔

روایت : حضرت شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ بابا شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ بڑے روزہ دار تھے، حتیٰ کہ بخار اور فسد کھلوانے کی حالت میں بھی روزہ ترک نہ فرماتے اور شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ روزہ تو زیادہ نہ رکھتے تھے البتہ بڑے عبادت گزار اور شریعت کی بڑی اطاعت کرنے والے تھے اور حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ یہ آیت کریمہ پڑھتے یاایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا (یعنی اے جماعت انبیائے کرام! حلال و پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو) اور فرماتے کہ شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں یہ آیت صحیح طور پر صادق ہے۔

شیخ محمد نور بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''سلسلۃ الذھب'' میں آپ کا ذکر کرتے

ہوئے لکھا ہے،

''بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس اللہ سرہٗ ہندوستان کے رئیس اولیاء تھے، آپ علوم ظاہری کے زبردست عالم اور صاحب احوال و مقامات اور صاحب مکاشفات و مشاہدات تھے، آپ ایسے مرشد کامل تھے جن سے اکثر اولیاء کے سلسلہ نکلتے ہیں، آپ کا کفر سے ایمان ،معصیت سے، اطاعت اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف ہدایت کرنے میں بڑا مقام ہے۔''

''مجمع الاخبار'' میں شیخ بہاؤ الدین کی نصیحتوں کے باب میں تحریر ہے:

''ہر بندہ پر لازم ہے کہ صدق و اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، اور یہ کیفیت اس وقت حاصل ہوگی جب عبادت و ذکر میں غیر اللہ کی نفی اور دوسروں کا مٹا دینا ہو، اور یہ حالت ہے احوال کی درستی اور اقوال و افعال میں محاسبہ نفس پر موقوف ہے، لہٰذا بغیر ضرورت کے نہ کوئی بات ہو نہ کام، اور ہر قول و فعل سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف التجا و تضرع اور اسی سے استعانت ہو، تا کہ اللہ تعالیٰ اسے نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے۔''

ایک مرتبہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مرید کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ

''ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول رہو، کیونکہ ذکر سے طالب اپنے مطلوب تک پہنچتا ہے اور محبت ایسی آگ ہے جو ہر قسم کے میل کچیل کو جلا ڈالتی ہے اور جب محبت مستحکم ہو جاتی ہے تو ذکر مشاہدہ مذکور کے ساتھ ہوتا ہے، اور یہی وہ ذکر کثیر ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے فلاح و کامیابی کا وعدہ فرمایا ہے، ارشاد ہے: وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (یعنی بکثرت اللہ کا ذکر کرو، تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ،)

آپ نے اپنے ایک مرید کو ایک خط میں تحریر کیا کہ

''میں نے سنا ہے کہ شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ ابو النجیب عبد القاہر رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حرم کعبہ میں تھے، شیخ ابو النجیب رحمۃ اللہ علیہ عالم اسرار میں پہنچ گئے، حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے لیکن شیخ نے ان کی طرف التفات نہ فرمایا، حضرت خضر علیہ السلام تھوڑی دیر کھڑے رہ کر واپس چلے گئے، جب شیخ ابو النجیب رحمۃ اللہ علیہ کو افاقہ ہوا تو ان سے شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے ہمت کر کے دریافت کیا کہ حضرت!

یہ کیا ہو گیا تھا کہ ایک نبی آپ کی ملاقات کو آئے لیکن آپ نے ان کی طرف بالکل التفات نہ فرمایا، شیخ ابو النجیب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی طرف دیکھا اور چہرہ سرخ ہو گیا، پھر فرمایا، افسوس، تمہیں کیا پتہ، اگر حضرت خضر علیہ السلام آ کر واپس چلے گئے تو پھر آ جائیں گے، لیکن ہمارا یہ وقت حق کے ساتھ مشغول تھا، اگر یہ چلا جاتا تو پھر ہاتھ نہ آتا اور اس کی ندامت قیامت تک باقی رہتی، ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت خضر علیہ السلام تشریف لے آئے، شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کھڑے ہو کر استقبال کیا، اور خاطر تواضع کی۔"

لہٰذا مرید کو اپنے اوقات کی نگرانی و حفاظت کرنا چاہیے، غیر اللہ کو دل سے دور کر دینا مخلوق سے میل جول اپنے اوپر حرام کر لینا اور ذکر حق سے انسیت حاصل کرنا چاہیے، اور اگر اس کو ذکر سے انس حاصل نہ ہو گا تو حق تعالیٰ کی محبت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔

ایک دوسرے خط میں ایک مرید کو تحریر فرمایا کہ

"کم کھانے سے جسم تندرست رہتا ہے، گناہوں کے ترک کر دینے سے روح کو سلامتی ملتی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے سے دین سلام رہتا ہے۔"

شیخ بہاؤ الدین نے ۷ صفر ۶۶۱ ہجری کو وفات پائی۔ رحمتہ اللہ علیہ،

سلطان نور الدین مبارک غزنوی رحمۃ اللہ علیہ

۵۵۵ھ..................۶۳۲ھ

آپ شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ، روحانی مقتدا اور دہلی کے شیخ الاسلام تھے، سلطان شمس الدین کے زمانہ میں آپ کو "میر دہلی" کہا جاتا تھا۔

فوائد الفواد میں لکھا ہے کہ ایک روز شیخ نظام الدین ابو المؤید رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگی میں گفتگو ہوئی کہ ایک دفعہ بارش نہ ہوئی، آپ کو لوگوں نے پکڑ لیا کہ دعائے باراں کیجئے، آپ منبر پر تشریف لائے اور بارش کے لیے دعا کی، پھر آسمان کی طرف منہ کر کے کہا کہ اے اللہ اگر تو نے بارش نہ برسائی تو میں اس سے پہلے کسی بھی آبادی میں نہ جاؤں گا، یہ کہہ کر منبر سے نیچے اتر آئے، حق تعالیٰ نے بارش نازل فرما دی، اس کے بعد سید قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی آپ سے ملاقات ہوئی، سید صاحب نے آپ سے کہا کہ آپ کے بارے میں ہماری

عقیدت بہت پختہ ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کو نیاز کامل حاصل ہے، لیکن آپ نے یہ کیوں فرمایا کہ ''اگر تو نے بارش نہ برسائی تو میں اس سے پہلے کسی بھی آبادی میں نہ جاؤں گا۔'' حضرت شیخ نظام رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ چونکہ مجھے یقین ہوگیا تھا کہ بارش برسے گی، اس لیے میں نے کہہ دیا، سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت کیا کہ آپ کو یہ یقین کیسے حاصل ہوگیا، فرمایا کہ ایک دفعہ دشت نشینی کے سلسلہ میں میرا اور سید نورالدین مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا نزع سلطان شمس الدین برازی کی خدمت میں پیش ہوا، میں نے کوئی ایسی بات کہہ دی جس سے سید نورالدین کبیدہ خاطر ہوگئے، اسی وقت مجھ سے دعائے بارش کے لیے فرمایا، میں نے کہا آپ تو مجھ سے رنجیدہ خاطر ہیں، اگر آپ مجھ سے راضی ہو جائیں تو دعا کروں گا ورنہ نہیں کروں گا، ان کے خلوت خانہ سے آواز آئی کہ میں تم سے راضی ہوں، جاکر دعا کرو۔

شیخ نصیرالدین محمود قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ مشہور یہ ہے کہ سید نورالدین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بڑے بزرگ شیخ محمد اجل شیرازی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض نعمت حاصل کیا ہے، فرمایا کہ شیخ شیرازی کے مریدوں میں ایک سوداگر تھا، ایک روز اس نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے آکر عرض کیا کہ میرے گھر میں ایک لڑکا تولد ہوا ہے جو آپ کا غلام زادہ ہے، اسے فیض نعمت پہنچایئے، شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اچھی بات ہے، کل صبح جب میں نماز فجر سے فارغ ہو جاؤں تو اپنے بچہ کو میری داہنی جانب سے لاکر سامنے پیش کرنا۔

اسی دن سید نورالدین مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ہوئی، آپ کے والد بھی اس مجلس میں موجود تھے، اور یہ بات انہوں نے سن لی تھی، انہوں نے اپنے دل میں کہا کہ میں بھی اپنے نومولود بچہ کو شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لاؤں گا۔

دوسرے روز جب نماز فجر کا وقت ہوا تو اس تاجر کو دیر ہوگئی، سید مبارک غزنوی کے والد علی الصبح اٹھے مؤذن نے تکبیر کہی اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز پوری کی، سید مبارک کے والد نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی داہنی جانب سے آکر اپنے بچہ کو شیخ کے سامنے کردیا، شیخ نے ان پر نظر کرم فرمائی، یہ تمام نعمتیں اسی نظر فیض کا اثر ہیں، اس کے بعد وہ تاجر آیا تو شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ نعمت تو سید زادہ کی قسمت میں تھی۔

فرمایا کہ غزنی میں ایک مرتبہ بارش نہ ہوئی، لوگ شیخ محمد اجل رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ بارش کے لیے دعا کیجئے، شیخ رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر گھر سے باہر آئے ایک مخلوق آپ کے پیچھے تھی، شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ایک باغ آیا، آپ باغ میں تشریف لے گئے، باغبان ایک درخت کے نیچے پڑا سو رہا تھا، آپ نے اسے بیدار کیا اور فرمایا کہ درخت خشک ہو رہے ہیں، اٹھ اور درختوں کو پانی دے، باغبان نے جواب دیا کہ باغ بھی میرا اور درخت بھی میرے، جب ضرورت ہوگی پانی دیدوں گا، شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا کہ پھر اس مخلوق کو ہمارے پیچھے آنے سے منع کیوں نہیں کرتا، ہم اللہ کے بندے ہیں اور یہ زمین خدا کی ہے، جب حق تعالیٰ چاہیں گے بارش ہو جائے گی، آپ یہ بات فرما کر واپس ہوئے، تھوڑی دیر بعد بے انتہا بارش ہوئی، سید مبارک غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ دہلی میں حوض شمسی کے مشرقی جانب ہے آپ نے ۶۳۲ ہجری میں وفات پائی۔
رحمۃ اللہ علیہ

شیخ حمید الدین صوفی قدس سرہٗ

۵۷۰ھ............۶۷۳ھ

آپ کو سعید ناگوری سوالی بھی کہتے ہیں، سلطان التارکین آپ کا لقب اور ابو احمد کنیت تھی، حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر خلفاء میں سے تھے، ترک دنیا اور خلوت نشینی میں بڑا اونچا مقام تھا، اللہ کے خاص بندوں میں سے تھے، آپ کی بلند ہمتی دنیا و آخرت سے بھی بلند و بالا تھی اور شخوص ثلثہ کے علاوہ کسی طرف بھی آپ کی نظر التفات نہیں پڑتی تھی، تصوف میں شان بلند اور قواعد طریقت کے بیان میں اونچا مقام رکھتے تھے، آپ سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں جو عشرۂ مبشرۂ میں شمار ہوتے ہیں، آپ ہندوستان کے متقدمین مشائخ میں ہیں اور آپ نے بڑی لمبی عمر پائی ہے، خود فرماتے ہیں کہ فتح دہلی کے بعد مسلمان گھرانوں میں سب سے پہلے میری ولادت ہوئی ہے، حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ سے شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی زمانہ تک آپ حیات رہے ممکن ہے کہ آپ کی ملاقات نظام الدین اولیاء سے بھی ہوئی ہو،

واللہ اعلم، حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے ملفوظات آپ کی تصانیف سے منتخب کر کے اپنے دست مبارک سے لکھے تھے اور مصنف سیر الاولیاء نے ان کو سلطان المشائخ سے نقل کیا ہے۔

روایت : ایک روز خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ بڑے مسرور تھے، فرمانے لگے جس کو جو مانگنا ہو مانگ لے کیونکہ دراجابت کھلا ہوا ہے، کسی نے دنیا طلب کی، کسی نے آخرت، حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت خواجہ قطب الدین کی طرف رخ کر کے یہی ارشاد فرمایا، انہوں نے عرض کیا بندہ کو کوئی اختیار نہیں جو کچھ ارشاد ہو آپ کو اختیار ہے، حضرت خواجہ نے اس کے بعد فرمایا کہ حمید الدین صوفی جو تارک دنیا اور مستغنی آخرت ہے، سلطان التارکین ہے اسی وقت سے آپ کا لقب سلطان التارکین ہو گیا۔

روایت : شہر ناگور میں سوال نامی ایک موضع ہے وہاں شیخ حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس روز طناب مزروعہ زمین تھی، جس میں آپ اپنے ہاتھ سے ہل چلاتے اور تخم ریزی فرماتے، اور اس سے اپنے اہل وعیال کی روزی کا سامان فراہم کرتے تھے، آپ کی وفات ۲۹ ربیع الاول ۶۷۳ ہجری میں ہوئی، شہر ناگور میں آپ کا مزار ہے۔

شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے فقر وغنا کے باب میں آپ کی بہت خط وکتابت رہی ہے، ان میں سے ایک خط کا مضمون یہ ہے کہ

''نصوص احادیث اور مشائخ کا اس اجماع ہے کہ دنیا اور متاع دنیا وصول الی اللہ میں آڑے آتا ہے، جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے بعض مشائخ کے پاس دنیا کا کافی ساز وسامان ہے اور اس کے باوجود ان سے خوارق وکرامات کا ظہور بھی ہوتا ہے تو اس مسکین کو اس سلسلہ میں بڑی حیرت ہوتی ہے، اگر جناب عالی ازراہ کرم اس اشکال کو حل فرما دیں تو عین عنایت ہو گی۔''

ایک دوسرے مکتوب میں آپ نے تحریر فرمایا کہ

''اس احقر نے ایک عریضہ شیخ بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ارسال کیا تھا، اور احقر کو جو اشکالات تھے ان کے جواب کی استدعا کی تھی، جناب والا نے نہ معلوم کیوں اس کا جواب نہیں لکھا، اور اگر لکھا ہے تو تشفی بخش نہیں ہے، آخر اس حقیر نے بارگاہ خداوندی

میں تضرع وزاری سے درخواست کی کہ اس بندے کی مشکل آسان فرمادے اور اس مقصود کی کوئی نشانی ظاہر فرمادے، رب العزت نے بندہ کی دعا قبول کرلی، اور یہ ظاہر ہوا کہ ارباب شریعت جو ثواب آخرت کے طلبگار ہیں، حصول ثواب کے لیے خیرات وصدقات اور صلات وقربات تو کرتے رہتے ہیں لیکن وہ ان حقائقِ تقویٰ اور دقائق نفس سے جو ارباب طریقت کو معلوم ہیں محروم ہیں، اسی طرح اربابِ طریقت اسرارِ قرب اور تجلی ذات سے، جو طالبانِ مولیٰ کا مقصود ہے اور ان کے سامنے ذات حق کے ماسوا ہر چیز اگرچہ کشف ومشاہدہ ہو موجب حجاب ذات ہوتا ہے، محروم ومعذور ہیں، لہٰذا جو شخص ذات حق کے ماسوا کسی بھی چیز کے ساتھ درماندہ ہے، درحقیقت محجوب ومحروم ہے اگرچہ اس کو اپنے محجوب ہونے کا علم نہ ہو۔"

آپ نے ایک مکتوب میں شیخ فریدالدین شکرگنج کو تحریر فرمایا کہ

"مشہور ہے کہ اگر ذکر الٰہی میں مشغول لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان سے اللہ کا کتنا قرب فوت ہوگیا ہے تو ہنسیں گے کم اور روئیں گے زیادہ، اور اگر قرب الٰہی میں مشغول لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان سے کچھ فوت ہوا ہے تو وہ خون روئیں گے، اور اگر انس الٰہی میں مشغول لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ

ذات حق سے کیا فوت ہوا ہے تو ان کے کلیجے پھٹ جائیں۔"

آپ کی تصانیف ومکتوبات اور اشعار بکثرت موجود ہیں، آپ کی سب سے مشہور تصنیف اصول الطریقۃ ہے، اسی میں ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

راہ سلوک کے جوانمرد جن کا مقصود بارگاہ رب العزت ہے، تین قسم کے ہیں، چنانچہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے، الذین اصطفینا من عبادنا فمنھم ظالم لنفسہٖ ومنھم مقتصد ومنھم سابق بالخیرات باذن اللہ (یعنی وہ لوگ جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں چن لیا ہے ان میں بعض تو اپنے اوپر (گناہ کرکے) ظلم کرنے والے ہیں، اور بعض درمیانہ ہیں اور بعض وہ ہیں جو نیکیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں) یعنی ظالم کو معذور، مقتصد کو مشکور اور سابق کو فانی کا لقب دیا جاتا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ

معذور وہ ہیں کہ ذات باری اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں

اور حق تعالٰی کی وحدت و توحید کا اقرار و اعتراف کرنے کے بعد آپ کے دربار میں (بارادۂ عبادت) حاضری نہیں دیتے، اور اگر کبھی آتے ہیں تو ان کے آنے کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ان کے آنے میں کاہلی و دیر کو بہت بڑا دخل ہوتا ہے، اور اللہ کے فرمان: سَارِعُوْا (جلدی آؤ) سے یکسر غافل رہتے ہیں، اور

مشکور وہ ہیں جو ایمان کی قید میں مقید اور اپنے قول و اقرار پر لیل و نہار عامل ہیں (یعنی خداوند کریم کے تمام احکام بدل و جان تسلیم کرتے اور ان میں عمل کرتے ہیں) اور

فانیان وہ ہیں جو خطاب الست بربکم کو ہمیشہ یاد رکھتے ہیں اور کسی وقت بھی اس کو اپنے دلوں سے زائل نہیں کرتے اور پھر اس کے جواب قالوا بلٰی پر عمل پیرا رہتے ہیں، یہ وہ طائفہ ہے جو اس جہان کے معرض وجود میں آنے سے پہلے خطاب ازلی اور جواب لم یزلی کو قبول کر چکا ہے، اور ابتدا ہی میں رموز الٰہیہ کی طلب کے لیے میدان عمل میں کمر بستہ ہو کر کود چکا ہے، ان میں سے اکثر لوگ ایسے بھی تھے جو اس جہان سے اس طرح گزر گئے کہ ان کا کسی کو علم بھی نہ ہو سکا، اور ان میں کے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کا نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تعارف کرایا ورنہ کسی کو ان کا نام و نشان تک معلوم نہ ہونے پاتا، ان لوگوں میں سے پہلے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جن کا ہمارے سردار محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ بگوشوں میں داخل ہو کر اپنے درد کا علاج کیا، اور ایک امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے جو بچپن ہی میں اسلام قبول کرنے کے لیے تیار ہو گئے، اور انہیں لوگوں میں سے ایک حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ تھے، اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے تعارف کے سلسلہ میں کچھ ارشاد نہ فرماتے تو ان کا نام کسی رسالہ میں نہ ہوتا اور نہ ہی ان کی زندگی کے کوائف کسی کتاب میں درج ہوتے یہ کیسے خوش بخت تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں باعزت تھے (یہ نبی علیہ السلام کی اتباع اور محبت ہی کا ثمرہ تھا) کہ آپ نے دنیا سے نہ کچھ رکھا اور نہ کچھ لے گئے، آزاد تشریف لائے اور فرحاں گئے، اور اسی زمرہ کے ایک فرد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تھے کہ اسلام کی دعوت و اعلان سے پہلے ہی طلب ہدایت و رشد کے لیے کوشاں تھے جنہوں نے عہد اَلَسْتُ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے حق و صداقت کو تلاش کیا، جب میں اس مقام پر پہنچا تو دل نے کہا کہ فانی لوگوں کی قدرے مزید

تفصیل درکار ہے، سواس کے متعلق یہ گزارش ہے کہ فانی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی تمام اوصاف میں سے اس وصف پر غور وخوض کیا کہ خدا کی ذات کو فنا نہیں تو یہ لوگ اس فنا کے طلبگار ہونے میں لگ گئے جو معدوم وغیر موجود ہے، اس طرح معدوم کی طلب میں قدم رکھا اور سرگردان بن گئے، اور انہوں نے تختہ یاس وناامیدی کو پڑھا جس کو پڑھنا نہ چاہئے تھا اور راہ فنا میں الف کی مثل اس طرح منفرد وجدا ہو گئے کہ اپنے وجود ورائے فنا دونوں سے بے نیاز ہو کر عین فناء میں داخل ہو گئے، اور اسی عین فناء کو ابد وبقا کہتے ہیں اسی لیے بزرگان ملت اور فقراء امت کہتے ہیں کہ ''ملک مارا زوال نیست'' کیونکہ فناء ایک سلبی اور منفی امر ہے جس میں ایجاب واثبات نہیں اور قاعدہ ہے کہ نفی ایجاب کی ہوتی ہے سلب چونکہ خود منفی ہے اس لیے اس کی منفی نہیں ہوا کرتی (اور اگر نفی کی نفی کی جائے، تو اس سے بھی ایجاب وبقاء ہی نکلتا ہے، کیونکہ مشہور قاعدہ ہے کہ نفی سے نفی فائدہ اثبات کا دیتی ہے از مترجم) یہ ایک سر ونکتہ ہے جو مشکل سے سمجھ میں آتا ہے۔

اس کا یقین رکھئے کہ آزاد سینے بھیدوں کی قبریں ہیں (یعنی جیسے قبر میں چیز کو دفن کردیا جاتا ہے اور اس سے پھر نکلنے کی امید نہیں رہتی اسی طرح احرار کے سینے بھیدونکی قبریں ہیں۔ از مترجم) اور جو خزانے معمور وبھرے ہوئے ہوتے ہیں ان کو ہمیشہ پوشیدہ اور چھپا کے رکھا جاتا ہے اور جو خزانہ خراب ہوتا ہے اس کی دولت برباد ہو جاتی ہے۔

نیز شیخ فرماتے ہیں کہ پیٹ میں جو حمل ہوتا ہے وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ بصورت بچہ پیدا ہوتا ہے یا ساقط ہو جاتا ہے، اور اگر ساقط ہو جاتا ہے تو قدرت میں محفوظ ہتا ہے، اور اگر پیدا ہوتا ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو زندہ پیدا ہوگا یا مردہ، اگر وہ مردہ پیدا ہوا ہے تو آیا اس کے اندر اوصاف انسانی نمودار ہو چکے تھے اور اس کے بعد مرگ طبعی سے فوت ہوا ہے یا اس سے پہلے بصورت اول وہ کامل تھا یا ناقص، اگر ناقص طور پر مردہ پیدا ہوما ہے تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے بوجہ اس کی کمی اور نقصان کے' اگر کامل مردہ پیدا ہوا تو وہ موت اجتہاد باطنی کے طور پر مردہ ہوگا یا موت اجتہاد ظاہری کے طور پر بصورت اول وہ جنت کے اعلیٰ مقامات پر جائے گا اور بصورت دیگر اپنی بلندی کے مبداء ومرکز تک کسی مقام پر ٹھہرے بغیر پہنچ جائے گا، بعض بزرگ کہتے ہیں کہ بعض محققین کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو طلب

کرنا چاہئے اور بعض ارباب تحقیق کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سبحانہ، کو طلب نہیں کرنا چاہئے، جاننا چاہئے کہ ان دونوں اقوال میں سے کسی قول کو خراب وفرسودہ تصور نہ کیا جائے بلکہ یہ دونوں قول درست اور سچے ہیں اگرچہ سطحی طور پر دیکھنے سے ایک دوسرے کی ضد معلوم ہوتے ہیں مگر ایسا ہرگز نہیں، البتہ جب ایک ہی زمانہ میں ان کا ایک سبب ہو تو اس وقت واقعتاً ایک دوسرے کے مخالف ہوں گے (دونوں اقوال کی تشریح) ''اللہ کو طلب کیا جائے'' کا مطلب یہ ہوا کہ اگر طلب نہ کرو تو تعطل لازم آتا ہے، اور اگر طلب کرو تو تشبہ لازم آئے گا حالانکہ اللہ کی ذات پاک ان دونوں معنوں سے منزہ ومبراء ہے اور آپ کے حق میں یہ دونوں معنیٰ لائق ومناسب نہیں، اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اربابِ تحقیق کہتے ہیں کہ خدا کو طلب کیا جائے یا نہ کیا جائے، اگر طلب کرتے ہیں تو تشبیہ لازم آتی ہے اور اگر نہیں کرتے تو تعطل باری تعالیٰ لازم آتا ہے جو ہر دونوں نامناسب اور شرعاً جائز نہیں تو پھر کرنا کیا چاہئے سو اس کا جواب یہ ہے کہ تشبیہ دینے اور معطل کرنے والوں کی طرح طلب اور ترک طلب نہ کرو یعنی ترک طلب بھی ہو، اللہ تعالیٰ کسی خاص ومتعین جہت وسمت میں نہیں ہیں کہ تم اس کی طلب کو اس جانب حرکت کرو، اور نہ وہ کسی خاص جگہ میں رہتے ہیں کہ تم اس جگہ کو لازم پکڑو، وہ آنے والے بھی نہیں کہ اس کو آہ وبکاء گریہ وزاری کر کے اپنے پاس بلایا جائے، وہ دور بھی نہیں کہ اس کے قریب پہنچنے کی کوشش کی جائے، وہ کھویا ہوا بھی نہیں کہ اس کو تلاش کیا جائے، وہ کوئی زمانہ نہیں کہ اس زمانہ کا انتظار کیا جائے، وہ کوئی مکان نہیں کہ اس مکان کا طواف کیا جائے اور اسی جگہ ڈیرا لگایا جائے، یہ تمام صورتیں طلب کی نفی کی ہیں اور حالانکہ وہ موجود ہے، اس کے ثبوت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ تم اپنی ذات اور تمامتر اوصاف کی نفی کرو، بشریت کے تمام اوصاف ترک کرو، اور ملوکیت کے صفات سے کنارہ کشی کر کے تمام اشیاء سے علیحدگی اور بیگانگی اختیار کرو تاکہ جس طرح اللہ تعالیٰ لیس کمثلہٖ شیءٌ ہے اسی طرح تمہاری طلب وجستجو بھی بے مثل وبے نظیر ہو جائے یہ صورت طلب کے اثبات کی ہے جس کا دل چاہے کرے اور آزمائے۔

جو شخص آئینہ میں اپنی شکل وصورت کو دیکھنا چاہتا ہے، وہ اولاً آئینہ کو صاف کرتا ہے، اگر اسے صاف نہیں کرتا تو اسے اپنی صورت کو دیکھنا محال وناممکن ہوتا ہے، اسی طرح طلب

حق کے سلسلہ میں جو شخص اپنے قلب کے چہرے کو بشری اوصاف سے صاف نہیں کرتا وہ ایک امر محال و مشکل کی تلاش کرتا ہے، اور جو شخص اپنے دل کی تختی کو نقوش (بشریت) سے پاک و صاف نہیں کرتا (اور کہتا ہے کہ میں وصل کا طلبگار ہوں تو) وہ بیہودہ بکواش کرتا ہے، طلب کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس ذات کا اثبات کیا جائے، بلکہ طلب کے یہ معنی ہیں کہ خود کو فنا اور محو کردو، طلب اسے نہیں کہتے کہ اس کے لیے دوڑتے چلے جاؤ، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی ہستی اور ذات سے ہاتھ دھولو (پھر کہتا ہوں) کہ طلب یہ نہیں ہے کہ حق سبحانہ، کو ڈھونڈلو، بلکہ طلب تو یہ ہے کہ اپنی ذات سے ''انا'' ختم کردو، خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب آپ اپنے آئینہ کو صاف کرلیں گے تو اس میں لازماً وجود کا عکس پڑے گا۔

رباعی

رہ رو باید کہ در رہ راست رود — وانگہ دراں راہ چوزہ راست بود

کج رو کہ بگویمت ہمیں راست شود — کج آں باشد کہ پرپئے خواست رود

(طلب گار کو سیدھا راستہ چلنا چاہئے اور اس راہ میں علیلہ کی مانند سیدھا رہے ٹیڑھا راستہ چلنے والا اپنے راستہ کو سیدھا کہتا ہے، اچھی طرح سن لو ٹیڑھے راستہ پر چلنے والا وہ ہے جو خواہشاتِ نفسانی کی اتباع کرتا ہے) نیز شیخ موصوف نے فرمایا ہے کہ طریق سلوک کے منجملہ مدارج و درجات میں پہلا درجہ علم ہے کیونکہ علم کے بغیر عمل کے مقررہ طریقوں سے بھٹک جانے کا ہر وقت شدید خطرہ ہے۔ دوسرا درجہ سلوک کا عمل کرنا اور اس کو لازم پکڑنا ہے کیونکہ عمل کے بغیر نیت کا وجود کالعدم و بیکار ہے تیسرے اللہ درگاہ و دربار تک بذریعۂ عمل رسائی حاصل کرنے کے لیے نیت شرط ہے۔ پھر مطلق نیت سے یہ کام نہیں چلے گا بلکہ اس کے لیے نیت صحیح ہونی چاہئے، کیونکہ بلا درستگی نیت اعمال صالحہ کی بجائے اعمال باطلہ صادر ہوتے ہیں۔

چوتھا مرتبہ و درجہ صدق و سچائی ہے کیونکہ صدق کے بغیر عشق تک رسائی امر محال ہے پانچویں مرتبہ عشق ہے۔ اس راستہ پر چلنے والے کو عاشق ہونا چاہئے اس لیے کہ بغیر عشق کے سالک خداوند کریم کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا۔ چھٹا مرتبہ توجہ ہے، یہ اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر طریق سلوک ملتا ہی نہیں۔ ساتواں مرتبہ سلوک ہے۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ

اس کے بغیر خدا تعالیٰ کی حضوری کا دروازہ نہیں کھلتا۔ آٹھواں مرتبہ حضوری ہے اس لیے کہ حضوری ہے اس لیے کہ حضوری کے بغیر انسان مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور سلوک کا اول مرتبہ یہ ہے کہ دو عالم سے بے خبر ہو کر خدا سے لو لگائی جائے اس لیے کہ ارشاد باری ہے کل شیئ ھالكٌ الا وجھهٗ (کہ تمام چیزیں بجز اللہ کی ذات کے ہلاک ہونے والی ہیں) جب تمام چیزیں ہلاک ہونے والی ہیں تو پھر کیوں نہ اس سے صرف نظر کر کے قائم و دائم سے جمیع تعلقات کو وابستہ کر لیا جائے، آج اسے بھی پڑھ لے۔

رباعی

کارے است ورائے علم رو آنرا باش
در بند گہر مباش روکاں را باش
دل ہست مقام گاہ بگذار و بیا
جاں منزل آخر است رو جانرا باش

(علم سے بالاتر و بلند تر ایک کام ہے اس کے بن جاؤ، موتیوں کے فکر میں نہ ہو جاؤ بلکہ ان کی کان میں چلے جاؤ، دل کو مقام و مستقر بنا کر آمد و رفت کرتے رہو اور آخرت کے حقائق و معارف کو پہچان کر اسی کے ہو جاؤ، یعنی اس کی فکر کرو) آپ کے سامنے ایک باریک وطویل راستہ ہے اور تمہیں جو عمر دی گئی ہے وہ تاریک ہونے کے علاوہ بہت قلیل اور تھوڑی ہے، اور اسی تھوڑی سی عمر میں تمہیں اس طویل راستے پر چلنے کا حکم کیا گیا ہے، دنیا کی شب اگرچہ تاریک (سیاہ) ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ الدنیا کلھا ظلمة (کہ دنیا تاریکیوں سے لبریز اور مجسمہ ظلمت ہے) لیکن اس ظلمت کدہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے تیرے لیے ایک درخشندہ مہتاب کو منور کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ابتدا مخلوقات کو تاریکی میں پیدا کیا لیکن پھر اپنے نور کا ان پر چھڑکاؤ کیا اللہ نور السموت والارض واشرقت الارض بنور ربھا (زمینوں اور آسمانوں میں اللہ ہی کا نور جلوہ گر ہے اور اسی کے نور سے تمام زمینیں منور و روشن ہیں) اٹھو اور جلدی کرو اور اس درخشندہ و تابندہ مہتاب کو غنیمت سمجھو! اس تھوڑی سی عمر میں خود کو گزشتہ جان کر مردہ تصور کر لو، اور اگر اپنے کو مردہ تصور نہ کر سکیں تو کم از کم اپنے کو مرنے والا ضروری تسلیم کر لیں اور ہمیشہ اس شعر کو پڑھ کر اس کے مفہوم کو دل کی گہرائیوں میں جگہ دیں۔

بیت

جانی است ہر آئینہ بخواہد رفتن　　　　اندر غم عشق تو رود اولے تر

(جان تو ایک روز لازماً چلی ہی جائے گی اس لیے تم غم عشق میں چلو اور اسے اپنا مشغلہ بنالو) لیکن بے خبر آدمی اپنے بسترِ غفلت پر پڑا ہوا خوش کن خواب میں مسرور ہے اور یہ نہیں جانتا کہ محبت کا دعویٰ کس نے کیا ہے؟ اور جو شخص محبت کا دعویٰ کرتا ہے وہ اپنے محبوب کے پاس بیدار رہتا ہے اور اس خوف سے سوتا نہیں کہ کہیں اس کا نام جھوٹے قسم کے مدعیوں کے دفتر میں نہ لکھ دیا جائے، اور واقعہ اور حکم بھی یہی ہے کہ وہ شخص بڑا ہی کاذب ہے جو ہماری محبت کا بھی دم بھرتا ہے اور جب رات آتی ہے تو سویا رہتا ہے۔

سوال: جب کوئی مر جاتا ہے اور اس کی جان اس کے جسم عنصری سے پرواز کر جاتی ہے تو پھر اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے یا نہیں الجواب: جان اپنے اصل کی طرف اس وقت تک لوٹتی ہے جب تک کہ اس کا نام زندگی میں حیات طبیعی ہو اس وقت یہ اپنے مرجع کو پہچانتی اور اس کے جمیع حجابات کو جانتی ہے اس کے عوائق و علائق سے واقف رہتی ہے، پھر اس دنیا کا عشق اس میں ظاہر ہو کر اس کے شوق کا معین و مددگار ہوتا ہے جس کی وجہ سے جمیع حجابات اٹھ جاتے ہیں اور عوائق و علائق سب ختم و منقطع ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ جان (ان تمام حالات سے گزرتی ہوئی) تمام موجودات سے بلند تر ہو کر اپنے موجد و خالق حقیقی کے سامنے پیش ہوتی ہے پھر پروردگار اس کو اس کے اعمال کے موافق و مناسب جو مقام ہوتا ہے اس میں بھیج دیتے ہیں اور موت طبعی سے پہلے ہی موت حقیقی کو فوت کر دیا جاتا ہے مگر جس شخص کو مندرجہ بالا عمل کرنے کی ہمیشہ توفیق ہوئی اور اسی پر اس کو موت آگئی تو وہ اپنے اصل کی طرف لوٹتا ہے اور وہاں لذتوں کی مسرتوں سے محظوظ و ہمکنار ہوتا ہے۔ سوال: دنیا کیا ہے؟ جواب: اللہ تعالیٰ اور حق باری تعالیٰ سبحانہ، کے ماسوا جو کچھ ہے وہ دنیا ہے۔ آج کی دنیا تمہارے قریب ہے اور جو کچھ اس کے قریب ہے وہ دنیا ہے، آج کی دنیا تمہارے نفس کے قریب اور نزدیک ہے اور کل (آخرت) کی دنیا کل ہوگی جس کو اس شعر میں بیان کیا گیا ہے۔

بیت

امروز، پری و دے و فردا　　　　ہر چار یکے بود تو فردا

(آج-کل- پرسوں اور گزشتہ کل، یہ چاروں ایک ہو جائیں گے اور تو تنہا ہوگا) کل کے بارے میں جس پر ہمارا ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **لقد جئتمونا فرادیٰ کما خلقناکم اوّل مرہ** (ہم تمہیں تنہا تنہا بلائیں گے جس طرح تم کو پہلی مرتبہ ایک ایک کر کے پیدا کیا) جب وہاں تنہا ہو جاتا ہے تو اسی دنیا میں تنہا کیوں نہیں ہو جاتے تاکہ وہاں کی خوش نصیبی حاصل کرسکو، صورت حال یہ ہے کہ دنیا نفس کا مستقر و گھر ہے جس میں آلات جنگ کھلے اور اسباب حرب تیار ہیں اور یہ گھر قوت کے سازوسامان سے لیس اور دوستوں کی مدد سے تیار ہے اب رہا تمہاری روح کا معاملہ جو اس دنیا میں اپنے کو احباب سے جدا ہوئے مرکز سے دور بہت بعید ہے وہ کیسے کچھ کرسکتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ سبحانہ، کی مدد ساتھ نہ ہو کوئی کام پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ **سوال:** اللہ کی مدد کب اور کس طرح مل سکتی ہے؟ **جواب:** جس کے لیے وہ مقرر کردی گئی ہے اور اس کا تقرر و تعین انہیں لوگوں کے لیے ہوتا ہے جو صمیم قلب سے اس کے متمنی اور خواہشمند ہوتے ہیں۔ **سوال:** اللہ تعالیٰ جس کی صفت جواد مطلق ہے اس کا فیض دائم الوجود اور ہمیشہ ہے (پھر کسی پر فیض ہو اور کسی پر نہ ہو یہ تفاوت کیوں ہے؟) **جواب:** یہ تفاوت جو آپ دیکھ رہے ہیں یہ تفاوت حقیقتاً اللہ کی جانب سے نہیں ہے کیونکہ اللہ کی طرف سے فیض کا فیضان بلاتفریق ہوتا ہے البتہ فیض قبول کرنے والوں اور اس کے قبول کرنے میں تفاوت و فرق ہے (یعنی ہر ایک اپنی استعداد و قوت کے مطابق اس فیض سے مستفیض ہوتا ہے اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں قبول فیضان کی طاقت و استعداد ہی مقصود ہوتی ہے اس لیے محروم رہ جاتے ہیں)

سوال: آپ نے جو یہ فرمایا کہ خدا کے فیض میں کوئی تفاوت نہیں بلکہ اس کا فیضان بلاامتیاز و بلاتفریق تقسیم ہوتا ہے، البتہ مورد فیضان کے متفاوت ہونے سے فیضان فیض میں سطحی طور پر تفاوت معلوم ہوتا ہے تو اس کا ہم کیسے اندازہ کرسکتے ہیں کہ فلاں اس کے قابل و لائق ہے اور فلاں نہیں؟ **جواب:** اس میں فرق اس طرح کیا جاسکتا ہے جس طرح مٹی اور

پتھر میں فرق ہے، ایک کا مادہ صاف ہے اور دوسرے کا مکدر وخراب، جس میں مادہ صاف ہوتا ہے وہ بغیر کسی واسطہ کے قبولیت کی استعداد رکھتا ہے جیسے انبیاء، اولیاء، حکماء وعلماء کاملین کا ہو یا قبولیت کے لیے واسطہ مجاہدہ و ریاضت درکار ہے اور جس میں مادہ مکدر وخراب ہوتا ہے وہ کسی بھی صورت میں قبولیت کی استعداد نہیں رکھتا اگرچہ بعض لوگ تقلیداً قبول کر لیتے ہیں مگر حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ سوال: جن لوگوں میں مادہ مکدر ہوتا ہے وہ اپنے اختیار وارادہ قلبی سے کام کرتے ہیں یا نہیں؟ جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ بلا ارادہ واختیار تو کوئی کام نہیں ہوتا، یہاں تک کہ بلا اختیار و ارادہ تو درختوں کے پتے تک نہیں گرتے اور زمین سے گھاس تک نہیں نکلتی۔ سوال: اللہ تعالیٰ نے جو بعض کو مادہ صاف وستھرا عنایت کیا اور بعض کو مادہ مکدر وخراب سے پیدا کیا اس میں اللہ سبحانہ، کی کیا حکمت ہے؟ جواب: اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں فاعل مطلق اور مختار مطلق ہے، اور یہ بھی مسلمہ بات ہے کہ اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں اور اس کے کاموں میں مخلوق کو لم اور علت میں بحث کرنے کی مجال وطاقت نہیں جیسے ارشاد ہے **لایسئل عما یفعل وھم یسئلون** (اللہ سے اس کے کاموں میں سوال نہیں کیا جا سکتا البتہ بندے اپنے کاموں میں سوال کیے جاتے ہیں) اس نے روز ازل میں ایک کو قرب وکرامت کے لائق سمجھا چنانچہ اس کو اسی سے نوازا اس میں کسی قسم کا جور وظلم نہیں، تم ایسی چیزوں سے دستبردار ہو کر تمام معاملات اسی کے سپرد کر دو۔

رباعی

دنیا نہ خوش است رو بہ عقبیٰ خوش باش — آخر کہ ترا گفت بدنیا خوش باش
در ہمت عالیست بر آید روزے — بگذر تو ہر دور بمولیٰ خوش باش

(اگر دنیا سے دل نہیں لگتا تو آخرت کے کام کر کے خوش رہو، آخر تجھ سے کس نے کہا ہے کہ دنیا سے دل لگا اور اس سے شاداں رہ، اگر تجھ میں کسی دن ہمت عالیہ موجزن ہو تو دو عالم سے دور ہو کر خدا ہی سے دل لگا لے) ایک جابر وشاطر دنیاوی مرادیں حاصل کر کے خوش رہتا ہے، اور ایک عادل و درمیانی راہ چلنے والا عقبیٰ کی مرادیں حاصل کر کے سرور و مسرت حاصل کرتا ہے اور اشک مشتاق رضائے الٰہی ہے جو اللہ کے وصل کو حاصل کر کے مسرور وشاداں ہے۔

سوال: مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ ہم کو جس سے واسطہ وتعلق ہے وہ دو چیزیں ہیں ایک دین، اور دوسری دنیا، دنیا کی حقیقت اور اس کے مالہٗ وماعلیہ سے آپ نے نقاب کر کے اس کی تفصیل سے آگاہ کیا، اب فرمائیے کہ دین کیا اور اس کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: دنیا میں تین قسم کے آدمی ہیں۔ ۱-ظالم ۲-مقتصد اور اوسط قسم کے لوگ، ۳-سابقون ظالم لوگوں کا دین بھاگنا اور چپک جانا ہے، جس کی تفصیل یوں ہے کہ وہ لوگ گناہوں سے بھاگتے اور نیکیوں سے چپک کر ان کو اختیار کرتے ہیں (تعبیر بتعبیر دگر کہ ان لوگوں کا دین گناہوں کو ترک کرنا اور نیکی کو اختیار کر کے اس میں مشغول ومصروف ہو جانا ہے۔ بندہ محمد فاضل ۔۱۲) اور اوسط درجہ کے لوگوں کا دین بھی دو چیزیں ہیں۔ ۱-بریدن و ۲-آرمیدن، یعنی دنیا سے قطع تعلقات کر کے علیحدہ اور جدا رہنا، اور دوسری چیز آرام طلب کرنا، یعنی دنیا میں نیک کام کرنا تاکہ عقبیٰ وآخرت میں آرام وراحت کی زندگی بسر کریں، اسی طرح سابقون کا دین بھی دو چیزیں ہیں، ۱-تبری و۲-تولی ۔یعنی غیر اللہ اور ماسوئ اللہ سے کٹ جانا اور اللہ کو دوست بنالینا، جیسے ارشاد باری ہے۔ قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون (کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے پھر ان کو اپنی بیہودگی کے مشغلوں میں چھوڑ دیجئے)

سوال: اس تقریر وتفصیل سے معلوم ہوا کہ دین کی کئی قسمیں ہیں (حالانکہ دین ایک ہی ہے)

جواب: دین کے کئی اقسام نہیں، دین کی تو ایک ہی قسم ہے اور دین ایک ہی ہے، ماسبق تقریر سے جو دین کے اقسام اور اس میں تفاوت نظر آرہا ہے، وہ تفاوت دراصل دین میں نہیں بلکہ وہ لوگوں کا تفاوت اور لوگوں کے اقسام ہیں، بہرکیف دین ایک ہی ہے، بظاہر ان تینوں قسموں کا سبب جانب اور سمت کی نشاندہی کرنا ہے، لیکن حقیقت شناس جانتے ہیں کہ اینما تولوا فثم وجھہ اللہ (کہ تم جدھر رخ کرو ادھر اللہ کو پاؤ گے) سوال: ہم شریعت اور طریقت کو کس طرح ایک سمجھیں؟ جواب: جس طرح تم اپنی جان اور جسم کو ایک سمجھتے ہو اسی طرح طریقت کو شریعت کی جان سمجھو۔ سوال: (جیسا کہ اہل تصوف کہتے ہیں) کہ اللہ ہی اللہ ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں (جس کو اردو کے ایک شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے۔

سبھی حق ہی حق ہے نہ میں ہوں نہ تو ہے ۔۔۔ انا - انت کی لغو یہ سب گفتگو ہے

تو امر ونہی کس کے لیے ہیں جواب: (اللہ کے اثبات سے مراد یہ ہے کہ وہ خالق اور

منصرف ہے اور غیر اللہ کی نفی سے مراد یہ ہے کہ یہ چیزیں ان کے قبضہ قدرت میں نہیں۔ فاضل-۱۲) جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے **الا لہ الحکم و لامر** (کہ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے تخلیق و امر)اس نے امر تو احکام کی تکمیل کے لیے فرمایا ہے اور نہی اپنی مخلوق کو گناہوں سے روکنے کے لیے، میں یہ نہیں کہتا کہ مخلوق کا وجود ہی نہیں، بلکہ میں تو یوں کہتا ہوں کہ یہ تمام مخلوق اسی کے پیدا کرنے سے معرض وجود میں آئی ہے اپنی تخلیق میں چونکہ اس کو کوئی دخل ہی نہیں، اس لیے یہ کالمعدوم ہے اور جو ہے وہ اللہ کی ذات ہے۔ (یہ مفہوم و مراد ہے اہل تصوف کی مسئلہ وحدۃ الوجود سے۔ فاضل ۱۲) **سوال**: (مذکورہ بالا تقریر سے) ہم نے جان لیا کہ دین کیا ہے اور یہ بھی پہچان لیا کہ دنیا کیا ہے اب فرمایئے کہ بہشت و دوزخ کیا چیز ہے؟ **جواب**: جنت و دوزخ کی حقیقت سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ تمہارے اعمال ہیں۔ **فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ** (جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا اسی طرح جو شخص ذرہ برابر برائی کرے گا وہ بھی اسے دیکھ لے گا) تیرے دنیاوی اعمال کو قیامت کے روز ایک شکل وصورت دی جائے گی، اگر آپ نے اس دنیا میں نیکی کی تھی تو قیامت کے روز اس نیکی کی شکل و صورت کو ملائم و موافق کردار کے ساتھ پیش کیا جائے گا (اس کا نام جنت ہے، اور اگر عمل خراب ہوئے تو اِن کی صورت قیامت کے روز خراب و بھیانک پیش کی جائے گی جس کا نام دوزخ ہے۔ فاضل ۱۲)

سوال: راہ کیا ہے اور منزل کسے کہتے ہیں؟ **جواب**: آپ نے ایک ایسا سوال کیا ہے جو اسرار سے لبریز ہے اور تمام اہل سلوک کو درکار ہے اس کا جواب سوائے اس ذات کی مدد کے جس کے بارے میں ارشاد ہے **امن یجیب المضطر اذا دعاہ** (کہ کون ہے جو مصیبت زدہ کی دعا کو سن لے) نہیں دیا جا سکتا، یہ ایک ایسا موتی ہے جس کو پرونے میں دنیا کے تمام عقلاء و حکماء عاجز و بے بس ہیں، اس موتی کو باتوں اور لفظوں میں پرویا نہیں جا سکتا، اس کے کہنے کے لیے زبان حال چاہئے اور سننے کے لیے حال کے کان درکار ہیں (یعنی اس کی تفصیل اہل اللہ ہی بیان کر سکتے ہیں اور اہل اللہ ہی اس تفصیل کو سمجھ سکتے ہیں، زبانِ قال اور گوشِ قال سے اس کی گفت و شنید بعید از قیاس ہے۔ فاضل ۱۲) اور اگر یہ میسر نہ ہو تو کم از

کم اتنا تو ضرور چاہئے کہ اس بات کو دل کی گہرائیوں سے کہا جائے اور دل ہی سے سنا جائے، اور ظاہر ہے کہ میں اور تو ان دونوں قسموں میں سے نہیں ہیں، جب ہماری حالت یہ ہے تو ہمارے لیے اس سے بہتر اور کچھ نہ ہوگا کہ ہم کہنے اور سننے سے انکار ہی کر دیں (اور کہہ دیں کہ اس کا جواب ہمارے بس میں نہیں کیونکہ ہم اس کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے) **سوال:** اگر تمام کے کہنے کی طاقت نہیں تو کم از کم تھوڑا سا ہی بیان کر دیں اور ہم سن لیں تا کہ دل کا اضطراب ختم ہو جائے اور دل کی مایوسی امید سے بدل جائے؟ **جواب:** ہم اللہ کی مدد و اجازت سے ضرور بیان کر دیں گے مگر آپ کونسی منزل دریافت کرنا چاہتے ہیں، آیا منزل اہل شریعت یا راہ اہل طریقت؟ **سوال:** میں دونوں کے بارے میں دریافت کرنا چاہتا ہوں؟ **جواب:** اہل شریعت کا سرمایہ حیات اور منزل مقصود یہ ہے کہ نفس و مال کو ختم کر کے نعیم دائمی یعنی جنت میں داخل ہونا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے **ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسهم و اموالهم بان لهم الجنة** ۔الایۃ (کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی جان و مال کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے) اور منزل اہل طریقت یہ ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے **وتبتل الیه تبتیلا** ۔الایۃ (کہ اس کی جناب میں پارہ پارہ ہو جانا) یعنی اپنے دل و جان کو خدا کے حوالہ و سپرد کر دینا اور وحدت کی بلند ترین چوٹی پر چڑھ جانا جیسا کہ ارشاد ہے **والی ربك المنتهیٰ** ۔الایۃ (منتہیٰ و مرکز پروردگار ہی ہے) اے درویش یہ باتیں میں تجھے اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ تو مسافر ہے اور دوسرے مقیم ہیں شریعت کے مسافر کے لیے اقامت کی نیت درست نہیں، اس لیے کہ مسافر شریعت کی توجہ مال و ملک کی طرف نہیں ہوا کرتی اور مسافر طریقت کی توجہ محض ذات باری کی طرف ہوتی ہے۔ **سوال:** خدا تعالیٰ کہاں ہیں تا کہ اسی کی طرف دل کا رخ کیا جائے؟ **جواب:** وہ کونسا مقام ہے جہاں وہ نہ ہوں **این ما تولوا فثم وجه اللہ** (تم جدھر رخ کرو گے وہیں اس کو پاؤ گے) جواں مرد وہ ہے جو دنیا اور آخرت کے حصہ سے دستبرداری کر کے حظوظ نفسانیہ کو بھی ترک کر دے، جہاں رہے اللہ ہی کے ساتھ رہے اور جہاں جائے اللہ کی جانب رخ کیے رہے، جو کچھ کہے خدا ہی سے کہے (یعنی اپنی تمامتر مشکلات کو خدا ہی سے کہے اس لیے کہ وہی مشکلات کو حل کرنیوالا ہے۔ فاضل ۱۲) جو کچھ چاہے اسی سے چاہے بلکہ خود اسی کی ذات ہی کو چاہے، کسی کو یہ خیال نہ کرنا

چاہئے کہ خدا کی ذات اس سے دور ہے بلکہ انسان خود بوجہ ارتکاب معاصی اس کی ذات سے دور ہو جاتا ہے اور جب انسان اپنے بدن و وجود کی ظاہری آرائش سے صرفِ نظر کر کے اس کے اندرونی و باطنی کارخانہ میں ہمہ تن متوجہ ہو کر خالقِ کائنات کی کرشمہ سازیوں پر نظر کرتا ہے تو (اس پر حقائق و اسرار باری کا) دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور یہ وہ دروازہ ہے جو کسی پر نہیں کھولا جاتا محض انسان ہی پر اس کو کھول کر اسے اس کی منزل مقصود دکھائی جاتی ہے۔ سوال: جس نے اللہ کو دیکھا ہو وہ مجھے دکھا دے؟ جواب: اللہ تعالیٰ کو بادیدہ (آنکھ والا) دیکھ سکتا ہے، نہیں نہیں اللہ تعالیٰ بادیدہ بھی نہیں بلکہ بے دیدہ دیکھ سکتا ہے۔

رباعی

تادیدہ بود دیدہ کجا آید دوست	خواہی کہ شود دیدہ بروں آئی زپوست
از دیدہ و دیدنی چو تو بگذشتی	دانی کہ کسے نیست بہ بینی ہمہ اوست

(اے دوست نادیدہ کا دیدہ ہونا کیسے ہو سکتا، اور اگر آپ اس ذات کو دیکھنے کے بہت ہی مشتاق و متمنی ہیں تو اپنی کھال نکال کر پھینک دو، جب اس آنکھ اور مادی دیدنی سے دور ہو جائے گے تو اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کوئی ایسا نہیں جسے تو دیکھے بس ہر طرف اللہ ہی اللہ کی ذات رہ جائے) سوال: یہ معنی بہت مشکل ہیں جو سمجھ میں نہیں آتے؟ جواب: (بعض مفہوم و معانی ایسے ہوتے ہیں جن کا سمجھنا) وہم کے ختم کرنے پر موقوف ہوتا ہے اس لیے کہ وحدت باری تعالیٰ مطلق ہے اور وحدت نقش وصورت سے منزہ ومقدس ہے اور وہم نقش پذیر اور صورت انگیز ہے (تو گویا کہ وہم اشکال شتی ونقوش متفرقہ کے ایجاد کرنے کا کارخانہ ہے جو کئی صورتوں اور شکلوں کو پیدا کرتا رہتا ہے) اور وحدت و کثرت باہم دگر ضد ہیں (اس لیے ان کا اجتماع غیر ممکن ہے) کیونکہ دو متضاد چیزیں ایک جگہ جمع نہیں ہوا کرتیں، اسی کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ فرماتے ہیں۔

من عبد مايدخل فی الوهم فهو كافر حتىٰ يعبد مالم يدخل فی الوهم	جس نے قول وہم میں داخل ہونے والی چیز کی عبادت کی وہ کافر ہے تاوقتیکہ اس کی عبادت نہ کرے جو قوت وہم میں داخل نہیں ہو سکتی۔

یہ وہ مقام ہے جس کی حقیقت وکنہہ کے بیان کرنے کی کسی میں طاقت ومجال نہیں بجز

اس شخص کے جسے اللہ منتخب کر لے، راستہ اس قدر نازک و باریک اور رات اس قدر سیاہ و تاریک ہے اس کے باوجود لوگ سوئے ہوئے ہیں اور اسی کو کافی سمجھتے ہیں کہ ہم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے پیروکار ہیں، افعال و کردار کو کام میں لاؤ اور اس سے آگے نہ بڑھو اور اقبال مندی کو سامنے رکھو تا کہ کل قیامت کے دن تمہارے اعمال کا اچھا بدلہ مل سکے، اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کا (اس معاملے میں) کیا مسلک ہے، یوم تبلی السرائر فماله من قوةٍ وّلا ناصر (جس روز سب کی قلعی کھل جائے گی پھر اس کو نہ تو خود مدافعت کی قوت ہوگی اور نہ اس کا کوئی حمایتی ہوگا) سوال: جب اللہ تعالیٰ خود پردہ پوش ہیں تو پھر وہ قیامت کے روز انسانوں کی کیسے پردہ دری کریں گے؟ جواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من القی جلباب الحیاء فلا غیبة له (جو حیاء کی چادر اتار دے تو اس کی غیبت گناہ نہیں) اس حدیث میں تمہارے سوال کا مکمل جواب ہے، اگر اس سے سمجھ گئے تو فبہا، ورنہ خوب ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ کل قیامت کے دن اس دنیا کے خلاف کارروائی کی جائے گی، اس دنیا کا ظاہر۔ باطن اور باطن ظاہر کر دیا جائے گا، اوپر کی چیز کو نیچے اور نچلی چیز کو اوپر کر دیا جائے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یوم یحشر الظالم یوم القیامة علی صورة الذر (قیامت کے دن ظالموں کو چونٹیوں کی شکل میں اٹھایا جائے گا) اس لیے اپنے باطن کو خالص توبہ کے ساتھ مزین کرو تا کہ قیامت کے روز ذلت و خجالت کا منہ نہ دیکھنا پڑے کیونکہ دنیا کی ذلت و رسوائی سے آخرت کی خجالت و ندامت سخت اور بدتر ہو۔ سوال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ الموت کفارة (یعنی موت گناہوں کا کفارہ ہے) جب موت کے ذریعہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے تو آخرت کی ندامت و فضیحت کے کیا معنی؟ جواب: بعض گناہ ایسے ہیں جن کا محض موت ہی کفارہ بن جاتی ہے اور بعض گناہوں کا کفارہ قبر کا عذاب ہے، اور بعض گناہ وہ ہیں جن کا کفارہ دوزخ میں جانے اور آتش دوزخ میں سوختہ ہونے کے علاوہ اور کچھ نہیں، اس آخری کفارہ سے کوئی فائدہ نہیں، ہر مرد مسلم کے لیے یہ بات لابدی ہے کہ وہ دنیا سے جاتے وقت اپنے ساتھ ایک ایسا نور (ایمان) لے جائے جس سے آتش دوزخ ٹھنڈی ہو جائے اس لیے ہر مسلمان کو ضروری ہے کہ وہ دنیا میں اچھے کام کرے تا کہ اچھے کاموں کے ذریعہ دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ کو

ٹھنڈا کیا جا سکے۔ سوال: دنیا کی بھوک و افلاس میں ہم کچھ اس طرح مبتلا ہو گئے ہیں (اور پیٹ کی خاطر ایسے کام کر رہے ہیں جس کی وجہ سے) دوزخ ہمارے مقدر میں ہو چکی ہے۔

من سوختہ ام بآتش بریانی . مر سوختہ را دوبارہ بریاں نکنند

میں بریانی (ایک قسم کا کھانا ہے) میں جلا ہوا ہوں اور (یہ قاعدہ ہے) کہ جلے ہوئے کو لوگ دوبارہ نہیں جلایا کرتے، مطلب یہ ہے کہ جب دنیا ہی میں افلاس وغیرہ کی آگ میں مجھے جلا دیا گیا ہے تو دوبارہ دوزخ میں مجھے کیونکر جلایا جائے گا اس لیے کہ لوگ جلی ہوئی چیز کو دوبارہ جلانا عبث سمجھتے ہیں؟ جواب: عمدہ غذائیں مثلاً بریانی و زردہ وغیرہ کی آگ و آتش میں جلنے کی خدا کے ہاں کوئی قدر و منزلت نہیں (لہٰذا اس میں جلا ہوا خدا کے ہاں جلا ہوا متصور نہ ہوگا، البتہ عشق بازی میں جلنا عند اللہ جلنا تصور کیا جاتا ہے اور اس کے جلے ہوئے پر آتش دوزخ حرام ہے اور یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ دنیا کی آگ میں جلے ہوئے لوگوں کی مثال تو اس جلی ہوئی چیز کی سی ہے جس کو آگ جلدی سے پکڑ لیتی ہے اور آتش عشق میں جلے ہوئے وہ لوگ ہیں جن کو محض دیکھ لینے سے دوزخ کی آگ ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔

سوال: دوزخ کی آگ کو درویشوں سے کیا تعلق دوزخ تو مغرور و متکبر اور فرعون صفت لوگوں کے لیے ہے جیسے کہ خود ارشاد خداوندی ہے، **النار مثوی المتکبرین** (کہ دوزخ مغرور لوگوں کی جگہ ہے) جواب: درویشوں سے دوزخ کی آگ کا کوئی علاقہ دوستی و دشمنی نہیں، آگ کی کیا مجال ہے کہ درویشوں کو کسی قسم کی گزند و تکلیف پہنچائے، درویش جب دنیاوی عیش و راحت ہی نہیں رکھتا تو دوزخ کی آگ اس کے پاس کیسے اور کس طرح آئے گی، فقر کس کے پاس اور فقیری کہاں ہے، فقر تو چہروں کی سیاہی ہے (دنیا داروں کے نزدیک) فقیر کو دنیا کی سیاہ روٹی سے گریز کرنا چاہئے تا کہ فقر اس کے سینہ کی سرائے میں جلوہ فگن ہو، علاوہ ازیں درویش کو باطنی صفات کا حامل ہونا چاہئے تا کہ فقر کا حسن و جمال اس کی رونمائی کر سکے، اور فقر و افلاس کے بارے میں ارشاد ہے، **کاد الفقر ان یکون کفرا**

سوال: درویش جس حال و صفت میں ہو کیا وہ درویش ہی ہے؟ جواب: ہرگز نہیں، ہر فقیر کو درویش، اور ہر کمزور کو حقیر و ذلیل نہ سمجھنا چاہئے کیونکہ افعال ذمیمہ اور صفات شنیعہ دراصل عدم امکان کے پردے میں مضمر و پوشیدہ ہیں جیسا کہ مولانا نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے عدم

قوئ وقدرت کا شکر مولانا شمس الدین سنجری رحمۃ اللہ علیہ سے اس طرح فرمایا الحمد اللہ علی عدم الامکان (کہ عدم امکان پر تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں) اور فارسی زبان میں یوں کہا،

مبادا کہ آدمی را ناخن انگشت دراز شود کہ اگر ناخن خود را دراز بیند خواہد کہ شکم برادرِ مسلمان پارہ کند	کوئی آدمی اپنے ناخن بڑے بڑے نہ رکھے، اگر وہ اپنے ناخن بڑے بڑے دیکھے گا تو ان سے اپنے کسی مسلمان بھائی کا پیٹ پھاڑ ڈالے گا۔

اب بتاؤ کہ فقر کی کس میں طاقت ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ کسی مصیبت پر برسہا برس تک صبر کر لینا بہ نسبت فقر پر صبر کرنے کے بہتر ہے، امکان فقر و اظہار فقر کے لیے پیغمبرانہ قوت و طاقت درکار ہے اور فقر اختیار کرنے میں بڑا عیب یہ ہے کہ اس سے فخر پیدا ہوتا ہے۔ **سوال:** کیا فخر ہر حال میں (شرعاً) مذموم و برا ہے؟ **جواب:** فقر تو ایک معدوم چیز ہے جو چیز ثابت و موجود ہو اس پر فخر کرنا مذموم و مقبوح ہوتا ہے اور معدوم چیز پر فخر کرنا قابل صد تحسین و ستائش ہے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں اور خوبیوں کو حاصل کر لینے کے باوجود کسی چیز پر فخر نہیں فرمایا (کیونکہ وہ تمام چیزیں از قبیلہ ثبوت و وجود سے تھیں) لیکن جب فقر و فاقہ کے بیان کی نوبت آئی تو آپ نے بہانگ دہل اعلان فرمایا کہ **الفقر فخری** (یعنی مجھے اپنے فقر و فاقہ کی حالت پر فخر ہے) اس لیے کہ یہ از قبیلہ معدومات ہے۔

قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ

۵۱۵ھ ۶۴۵ھ

آپ کو محمد بن عطاء بھی کہتے ہیں، آپ کا ہندوستان کے متقدمین مشائخ کرام میں شمار ہے علوم ظاہری و باطنی میں مکمل دسترس رکھتے تھے، اگر چہ خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھی تھے لیکن آپ کی نسبت خواجہ قطب الدین کی نسبت سے علیحدہ خاندان سہروردیہ سے تھی اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ مجاز تھے۔

بعض مورخین کہتے ہیں کہ شیخ شہاب الدین سہروردی نے اپنے بعض مکتوبات میں اس

بات کو لکھا ہے کہ ہندوستان میں میرے خلفاء میں سے قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ بھی میرے ایک خلیفہ ہیں۔ واللہ اعلم۔ آپ کی طبیعت پر وجد و سماع غالب تھا، خصوصاً سماع کے آپ بڑے شائق تھے (سماع سے غزل و نعت اور قصائد وغیرہ کا سماع مراد ہے نہ کہ طبلہ و سارنگی۔ مترجم ۱۲) آپ کے زمانہ کے دیگر مشائخ کرام میں سے کسی کو آپ جیسا سماع کا شوق نہ تھا، علمائے وقت نے آپ کے خلاف ایک دستاویز تیار کر کے بادشاہ وقت کو پیش کی، آپ کے بعد شیخ نظام الدین اولیاء نے بھی سماع میں بڑے ذوق و شوق کا اظہار کیا تو علمائے وقت نے ان کے خلاف بھی تغلق بادشاہ کو ایک دستاویز پیش کرتے ہوئے اس محضر نامہ کا ذکر بھی کیا جو قاضی حمید الدین کے خلاف پیش کیا تھا۔ قاضی حمید الدین کی تصانیف بھی متعدد ہیں جن میں قاضی صاحب عشق کی مستی میں سرشار ہو کر کلام کرتے ہیں، ان تصانیف میں سے ''طوالع شموس'' آپ کی مشہور تصنیف ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء پر بحث کرتے ہوئے بڑی عجیب و بہترین باتیں لکھی ہیں جو دل مومن پر اثر کرتی ہیں۔ آپ علوم شریعت و طریقت کے حقائق پر مکمل دسترس رکھتے تھے، آپ کی طبیعت میں ظرافت اور خوش طبعی کا ذوق بھی تھا جس کی وجہ سے گاہے گاہے اپنے مصاحبین سے خوش طبعی کیا کرتے تھے، بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ ایک دن قاضی حمید الدین، شیخ برہان الدین اور اپنے زمانہ کے مشہور تر قاضی کبیر کے ہمراہ گھوڑوں پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے، آپ کا گھوڑا دوسرے دو ساتھیوں کی نسبت کوتک اور کوتاہ قد تھا، چنانچہ قاضی کبیر نے قاضی حمید الدین ناگوری سے کہا کہ آپ کا گھوڑا بہت چھوٹا ہے، آپ نے بطور ظرافت و خوش طبعی کے فرمایا کہ کبیر سے بڑا ہے (اشارہ تھا قاضی کبیر کی طرف کہ اگر چہ دوسرے گھوڑوں سے چھوٹا ہے لیکن آپ سے تو بڑا ہے، فاضل ۱۲) قاضی صاحب کی شیخ فرید الدین شکر گنج سے بڑی محبت و الفت تھی۔

حکایت: فوائد الفوائد (مصنفہ میر حسن دہلوی) میں شیخ فرید الدین کے سماع کے ذوق کی ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک دفعہ آپ نے سماع کی خواہش کی تا کہ کوئی غزل و نعت وغیرہ سنیں، لیکن اتفاقاً اس وقت کوئی نعت خواں اور غزل گو نہ تھا تو آپ نے بدر الدین اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ قاضی حمید الدین ناگوری نے جو میری طرف خط بھیجا ہے وہ لے آؤ، چنانچہ بدر الدین (اس جگہ سے اٹھ کر ایک حجرے میں گئے) اور وہ بیگ اٹھا کر شیخ

کے پاس لے آئے جس میں بہت سے خطوط موجود تھے اور شیخ کے سامنے رکھ کر اس میں ہاتھ ڈالا، تو سب سے اولاً ان کے ہاتھ میں قاضی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ کا خط آیا، چنانچہ بدر الدین نے وہ خط شیخ فرید الدین کی خدمت عالیہ میں پیش کر دیا شیخ موصوف نے بدر الدین سے فرمایا کہ اسے کھڑے ہو کر پڑھو، چنانچہ بدر الدین نے کھڑے ہو کر وہ خط پڑھنا شروع کیا، اس میں یہ لکھا تھا کہ فقیر حقیر، کمزور و ناتواں محمد عطاء جو درویشوں کا خادم و غلام ہے اور ان کے قدموں کی خاک کو اپنے سر اور آنکھوں پر برائے برکت ملتا ہے، بدر الدین نے ابھی خط کا اتنا ہی مضمون پڑھا تھا کہ شیخ فرید الدین پر حال و وجد کی کیفیت طاری ہوگئی، پھر خط کی یہ رباعی بھی پڑھی گئی،

رباعی

آں عقل کجا کہ در کمال تو رسد ۔۔۔ آں روح کجا کہ در جلالِ تو رسد
گیرم کہ تو پردہ بر گرفتی زجمال ۔۔۔ آں دیدہ کجا کہ در جمالِ تو رسد

(میں وہ عقل کہاں سے لاؤں جو تیرے کمال کی گہرائیوں تک پہنچ سکے اور وہ روح کہاں سے لاؤں جو تیرے جلال کی کنہہ اور حقیقت کو پا سکے، میں خوب سمجھتا ہوں کہ تو نے اپنے جمال سے پردہ اٹھالیا ہے لیکن وہ آنکھیں کہاں سے لاؤں جو تیرے جمال کو دیکھ سکیں)

قاضی صاحب کا مزار ایک اونچے چبوترے پر خواجہ قطب الدین کے مزار کے پاؤں کی سمت ہے، بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ نے اپنے مزار کا چبوترہ جو خواجہ قطب الدین کے پاؤں کی سمت ہے خواجہ صاحب کے علو مرتبت کی بناء پر خواجہ صاحب کے مزار سے نیچا رکھنا چاہا لیکن آپ کی وفات کے بعد آپ کی اولاد نے اس بات کو پسند نہ کیا اور آپ کے مزار کا چبوترہ خواجہ صاحب کے مزار سے اونچا بنوا دیا، آپ کی وفات ۶۲۵ ہجری میں ہوئی۔

حکایت: شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ اس شہر میں قاضی حمید الدین ناگوری نے سماع (غزل گوئی) کا سکہ بٹھا دیا ہے، اور جب قاضی المنہاج الدین جورجانی اس شہر کے حاکم وقت کی جانب سے قاضی مقرر ہوئے تو سماع کو ان کے وجود سے بڑی تقویت پہنچی کیونکہ وہ خود سماع (غزل سننے) کے رسیا تھے اور حمید الدین ناگوری سے ان کا مخالف گروہ (جن کو مسئلہ سماع سے قاضی حمید الدین سے اختلاف تھا)

سخت برہم اور دشمنی رکھتا تھا، چنانچہ ان لوگوں نے قاضی حمید الدین سے بہت کچھ کہا سنا، مگر قاضی صاحب اپنے مسلک سماع میں ثابت قدم اور برابر مصر رہے جس پر شہر کے قاضی نے یہ فیصلہ کیا کہ بجیریوں نے قاضی حمید الدین سے منازعہ کیا ہے (یعنی حمید الدین حق بجانب ہے) اس کا اثر یہ ہوا کہ مولانا اشرف الدین بجیری شیخ ناگوری سے رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہوگئے اور یہ اثر آخر دم تک رہا، چنانچہ مولانا اشرف الدین علیل ہو جاتے ہیں اور آپ کی عیادت اور بیمار پرسی کے لیے شیخ ناگوری رحمۃ اللہ علیہ ان کے گھر پر تشریف لیجا کر حاضر ہونے کی اجازت حاصل کرتے ہیں، تو مولانا اشرف الدین بجیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ وہی شخص ہے جو خدا کی ذات کو معشوق کہتا ہے یہ اس لیے تھا کہ عشق کی اللہ کی طرف نسبت کرنے کو علماء ممنوع کہتے ہیں اس لیے کہ عشق کی کیفیت میں بعض ایسی چیزیں ہوتی ہیں جن سے خدا تعالیٰ کی ذات منزہ و بری ہے، وہ چیزیں یہ ہیں جن کو کسی شاعر نے اس شعر میں جمع کر دیا ہے۔

عشق میں کچھ یاس کچھ امیدواری چاہئے کچھ تحمل چاہئے کچھ بیقراری چاہئے

چنانچہ مولانا بجیری رحمۃ اللہ علیہ نے ملنے سے انکار کر دیا، اس وقت مولانا بجیری کے پاس مشہور شاعر امیر حسن بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے فرمایا کہ قاضی صاحب کی معشوق سے مراد محبوب ہے غرضیکہ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ یہ قصہ بڑا طویل ہے۔

حکایت: شیخ نظام الاولیاء سے منقول ہے، آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ قاضی حمید الدین ہمارے ہاں مجلس سماع میں تشریف لائے باوجودیکہ غزل خواں باکمال لوگ تھے لیکن سامعین میں سے کسی پر وجد و حال کی کیفیت طاری نہ ہوئی تو صاحب سماع نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ سامعین کے مابین اگر کسی کے درمیان دشمنی اور ناراضگی ہے تو باہر جا کر باہمی مفاہمت و صلح و صفائی کر لیں تمام لوگوں نے یوں کیا اور پھر واپس آ کر سماع میں مشغول ہوئے لیکن پھر وجد طاری نہ ہوا تو صاحب سماع نے پھر کہا کہ اگر ہم میں کوئی اجنبی آدمی موجود ہے تو وہ اس محفل سے نکل جائے، یہ بھی کیا گیا لیکن اس کے بعد بھی سماع میں کوئی کیف و سرور نہ آیا، آخر کار سب لوگ محفل سماع ختم کر کے توبہ و استغفار میں مشغول ہو گئے، اسی دوران میں ایک صاحب کمال درویش وہاں تشریف لائے انہوں نے ایک شعر پڑھا

جس کے سنتے ہی سب پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی، اسی مجلس میں ایک صاحب پر تو اتنا اثر ہوا کہ اسی وقت اس نے جان جان آفریں کے سپرد کردی، قاضی حمید الدین کی مایہ ناز تصنیف ''طوالع شموس'' حقیقت میں ایسی کتاب ہے کہ جس کے اندر حقیقت کے اسرار کے مضامین موج در موج اور معانی طریقت فوج در فوج لکھے گئے ہیں اس کتاب میں اختصار و انتخاب مشکل ترین امر ہے، اس کے تمام تر مضامین اپنی متانت و حرارت، مشاکلت و مشابہت میں ایک انوکھے اسلوب سے رکھے گئے ہیں، کتاب کے اوائل میں اسم ''ھو'' کی بڑی تفصیل و بسط کے ساتھ شرح کی گئی ہے اور اس اسم کے اتنے معانی بیان کئے گئے ہیں جن کا کاتب احاطہ قلم میں لانے سے قاصر ہے، ان میں مشت نمونہ از خروارے چند معانی تحریر کرتا ہوں۔

مؤلف قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ''ھو'' حرفِ اشارہ ہے اور اشارہ مشار الیہ کو مشاہدہ کرنے کے بعد کیا جاتا ہے یا اس کے بارے میں کوئی خبر موصول ہو، اس تقریر کے بعد نتیجتاً یوں کہا جائے گا کہ جب ''ھو'' اسم اشارہ کو اللہ کی ذات کے لیے استعمال کرتے ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا ہر کام ایسا ہے جسے انسان دیکھ رہا ہے، جیسے عرف عام میں عموماً کہا جاتا ہے کہ اس نے کیا اور اچھا کیا، جیسے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوٰۃ والسلام علیہ وعلیٰ نبینا نے دو عالم سے اعراض فرماتے ہوئے جمیع ظواہر سے بایں الفاظ برأت کی کہ انی بریٔ مما تشرکون (جن کو تم خدا کا شریک سمجھتے ہو میں ان سے بری ہوں) اور قلب وجگر کی تمام تر کیفیات کو خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ کیا جس کو بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے انی وجهت وجهی للذی فطر السموت والارض (میں اپنا رخ اس ذات کی طرف کر چکا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے) ابراہیم علیہ السلام نے دو عالم سے علیحدگی وجدائی کے بعد پوری مودت و دوستی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب رخ کیا، جب لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کس کی جانب متوجہ ہو رہے ہیں تو آپ نے صاف صاف یوں فرما دیا کہ الی ربی الذی ھو یطعمنی ویسقین (اپنے اس پروردگار کی طرف جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے) اس ''ھو'' اسم اشارہ میں اگرچہ متعدد متفرق مواضع و مقامات ہیں لیکن حروف اضافات سب کے سب اس کی دلیلِ بین ہیں کہ یہ تمام تر مشار الیہ کے لیے آتے ہیں اسی لیے حضرت

ابراہیم علیہ السلام بارگاہ ایزدی کی شمع نورانی کے حال اور سلوک کی دونوں حالتوں میں جامہ خلعت پہن کر خلیل اللہ موسوم ہو گئے، اور صاف طور پر یوں فرمادیا کہ انی ذاھب الیٰ ربی (میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں) علاوہ ازیں مصنف علام نے لکھا ہے کہ کائنات کے، تمام ذرات عالم سلوک میں اللہ تعالیٰ ہی کی جانب ہمہ تن متوجہ رہتے ہیں، کیونکہ ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ میں کمال حاصل کرلوں اور کمال خدا کی ذات کے سوا کسی کو حاصل نہیں، اسی لیے اس نے ہر ایک چیز کو عدم سے پیدا فرمایا اور تمام کو اپنے نور کی جانب متوجہ کیا۔

لوگوں نے کسی دانا وحکیم سے پوچھا کہ دنیا کے تمام ذرات کس ذات کی جانب متوجہ ہیں تو حکیم نے جواب دیا، اس ذات کی طرف جو تمام چیزوں کو عدم سے وجود میں لاتی ہے۔

رباعی

گر روئے دلم بسوئے او خواہد شد   حال دل خستہ ام نکو خواہد شد

قصہ چہ کنم رشتہ امید دلم   یا اوچویکے شود دو تو خواہد شد

(اگر میرا دل اس کی طرف متوجہ ہو جائے تو اس کی خراب حالت درست ہو جائے، میں قصہ کیا بیان کروں، حقیقت یہ ہے کہ امید کا رشتہ میرے دل میں ہے اور جب اس سے ملکر ایک ہو جائیگا تو اس وقت تو وہ ہو جائیگا اور تیرا اپنا وجود نہ رہے گا)

شعر

لی حبیب خیالہ نصب عینی   واسمہ فی ضمائری مکنون

ان تذکرتہ فکلی قلوب   وان تاملتہ فکلی عیون

(میرا ایک دوست ہے جس کے تصور میں گم رہنا میری زندگی کی نصب العین ہے اور اس کا اسم گرامی میرے دل کی گہرائیوں میں محفوظ ہے (جب) اس کی یاد آتی ہے تو دل بے قرار ہو جاتا ہے اور اس کے بارے غور وفکر کرتا ہوں تو آنکھیں اس کے دیکھنے کے لیے بے چین ہو جاتی ہیں۔)

اے بھائی! سلوک کے راستہ پر چلنے کے لیے جمعیت خاطر بہر حال محال ہے (یا اللہ سے ملنا محال ہے۔ فاضل) جس کی دلیل انی ذاھب الیٰ ربی سیھدین ہے، اگر

سالک محض سلوک کے راستہ پر چل کر ہی خدا تک پہنچ جائے اور اس کو خدا کی امداد و خیل نہ ہوتو سیھدین کیوں فرماتے اور وجد و حال کی کیفیت میں خدا تعالیٰ تک رسائی محال نہیں بلکہ محال کہنا گمراہی ہے جن لوگوں نے انا الحق و انا سبحانی کہا اس کا سر یہی ہے کہ ان پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی تھی (اور خدا تعالیٰ نے انہیں یہ کہا کہ انا الحق، تو وہ وجد میں آ کر اس کلام کو خدا کی طرف منسوب کرنے کے بغیر کہنے لگے اور سننے والوں نے سمجھا کہ یہ اپنے بارے کہہ رہے ہیں حالانکہ وہ خدا کے کلام ہی کو دہراتے ہیں۔ فاضل ۱۲)

بخدا ''انا'' کہنے کے مقام پر ''ھو'' کہنا گمراہی ہے اور جس جگہ ''ھو'' کہنا ہو وہاں ''انا'' کہنا ناجائز و غیر مشروع ہے۔

نیز مؤلف ڈی وقار لکھتے ہیں کہ انا خیر کی جگہ پر اگر کوئی ہو خَیرٌ کہے تو احمق و ابلہ ہے، اور جب ''ھو'' کے بجائے انا کہا، تو اس طرح خطا کار رہا کہ تمام حاصل کردہ سرمایہ جاتا رہا، حسین اگر ''انا'' کے بجائے ہو کہے تو وہ خطا کاری میں سر کے بل گر کر سرمایۂ توحید سے عریاں ہوگیا، اور اگر ''انا'' کہے تو وہ جیت گیا اور ہزاروں درجہ بلند و برتر ہوگیا اور پھر اس کے لیے ارشاد ہوتا ہے کہ تو جس کو مارے گا میں اس کی دیت ہوں (یعنی اس کے تمام افعال حکم خداوندی کے تابع ہو جاتے ہیں اور ہر کام کو شریعت کے مطابق کرتا ہے۔ فاضل ۱۱)

بخدا، بوقت اشارہ تین چیزوں کا خیال ازبس اور ضروری ہوا کرتا ہے۔ ا اشارہ مشارالیہ۔ مشیر (اشارہ کرنے والا) ان تینوں چیزوں کا وجود اس لیے ضروری قرار دیا گیا ہے تاکہ اشارہ درست ہو جائے اور اس صورت کے اندر تینوں کا وجود تسلیم کرنا ہوگا جو وحدت کے منافی اور عیسائیوں کے مسئلہ تثلیث کے مطابق ہے، ان ثلاثہ کو تسلیم کرنے سے نتیجتاً توحید سے دوری اور بُعد ہوتا ہے، اسی لیے (بعض اہل تصوف کے نزدیک) اس کی طرف اشارہ کرنا شرک ہے اور اس کے علاوہ کسی اور کو مستحق عبادت سمجھنا جھوٹ و افترا ہے، اس کی حقیقت کو اس رباعی میں بیان کیا گیا ہے۔

رباعی

آنرا کہ بسوئے تو اشارت باشد — از معنی عزتت عبارت باشد

باماۂ بسیار ز سودِ توحید — بیچارہ ہمیشہ در خسارت باشد

(جو شخص تیری طرف اشارہ کرے اور اس کے اس اشارے سے تیری برتری ہی مراد ہو، تو وہ توحید کے سرمایہ سے سودمند ہونے کے باوجود خسارہ میں رہا)

اے بھائی! اشارہ چند چیزوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اشارہ تقریباً تین قسم پر ہے، اولاً اشارہ حسی جو محسوسات کے ساتھ، ثانیاً اشارہ وہمی جو موہومات کے ساتھ، ثالثاً اشارہ عقلی جو معقولات کے ساتھ کیا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور توحید کو ان تینوں قسموں سے کوئی علاقہ و تعلق نہیں کہ اس کی طرف اشارہ کیا جائے، اس صورت میں اس کی طرف اشارہ کرنے سے شرک کے علاوہ اور کیا ہوگا، پھر اشارہ کی دو قسمیں ہیں، یا تو اشارہ غائب کو کیا جاتا ہے یا حاضر کو، اب بتاؤ کہ تم اللہ کو کیا سمجھ کر اشارہ کرتے ہو، اگر اسے غائب سمجھ کر کرتے ہو تو یہ عقلاً اور نقلاً ناجائز اور غیر مسموع ہے اور اگر حاضر سمجھ کر کرتے ہو، تو حاضر نظر آتا ہے اور اللہ کی صفت یہ ہے لاتدرکه الابصار یعنی اس کو دیکھا نہیں جا سکتا، بلکہ اس نے ہم کو دیکھنے کی طاقت اور قوت عطا فرمائی ہے وہی ہم کو دکھاتا اور سمجھاتا ہے لہٰذا اس کی طرف اشارہ کرنا قلبی غفلت سے تعبیر کیا جائے گا، جس دل پر لا اله الا الله کی تجلی کی عظمتیں موجزن ہوتی ہیں وہ یادداشت کی قیود سے بالاتر ہو جاتا ہے اور جب دل سے اللہ تعالیٰ کی یاد نہ کی جائے تو لازماً زبان سے بھی اس کی یاد اور ذکر سے انسان غافل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے انسان ذلت و ہلاکت حوض میں آ جاتا ہے، کیونکہ جو اس کے ذکر سے دور ہو جاتا ہے وہ اس کی ذات سے بھی دور ہو جاتا ہے اس لیے کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا جائے ع

کسے سترش می داند زبان درکش زباں درکش

(اس کے اسرار و بھیدوں کو کوئی نہیں جانتا اس لیے زبان کو بند رکھا جائے)

اے بھائی! تو خاموش رہ اور اپنی ذات کو بھول جا، اس فراموشی کی یاد میں عجیب کیف و لذت ہے، ارشاد باری ہے واذکر ربك اذانسیت (تو اپنی ذات کو بھول جا اور خدا کی یاد میں مشغول ہو جا) ایک دن شبلی نے خود کو فراموش کر کے خاموشی اختیار کی اور لب پر لب کو رکھ لیا، اور اسی حالت میں ان پر ایک نماز کا وقت گزر گیا اور ہوش میں آئے تو اس کیفیت کا درد پرلطف تھا اور یوں کہہ رہے تھے

نسیت الیوم من عشقی صلاتی　　فلا ادری غدائی من عشائی
فذکرك سیدی وکلی و شربی　　ووجهك ان رأیت شفاء دائی

(عشق کی مستی کی وجہ سے آج میں ایک نماز کو بھول گیا، چنانچہ اسی وجہ سے مجھے صبح اور شام کا ہوش نہ رہا اے میرے آقا و مولیٰ آپ کا ذکر میرے کھانے پینے کے قائم مقام ہے اور آپ کے چہرۂ اقدس کا دیدار تمام امراض کے لیے مکمل شفاء ہے۔)

خوب سمجھ لو! کہ اسم ''ھُو'' ایک حرف ہے اس میں جو واؤ نظر آتی ہے وہ پیش کو کھینچ کر پڑھنے سے پیدا ہوئی ہے، اسی لیے بھی یہ اسم مکرم وحدت مسمیٰ کی دلیل ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے اسم میں ایسی مشابہت نہیں ہے۔

بخدا۔ یکتا شہنشاہ کا اسم اعظم بھی یکتا و یگانہ ہی ہونا چاہئے تا کہ اس کے بے حد و بے شمار معانی کا ادراک ہو سکے، حرف (ہ) جب الف سے ملتا ہے تو محبوب کی نداء کی طرف مضاف ہوتا ہے یعنی (ھا) یہ وہ آواز ہے جس کے ذریعہ محبوب اپنے محبّ کو آواز دیتا ہے، جیسا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یاایھا الذین امنوا (اے ایمان دارو!) حرف (ہ) کے بعد جب کوئی حرف علت آتا ہے تو وہ محبوب کی نداء کی طرف مضاف ہوتا ہے جیسے ''ھُو'' جس کے ذریعہ محبوب اپنے محبّ کو آواز دیتا ہے اور خدا کی نداء اپنے محبین کو وہ نداء ہے جو مصیبت زدہ عاشقوں کو اپنی طرف بلانے کے لیے ہوا کرتی ہے تا کہ وہ اللہ کے احکام کے امتثال کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو کر دوڑیں جس کے لیے عموماً اسم (ھا) آتا ہے۔

عاشق لوگ اپنے قلب میں خدا کو یاد کرتے ہیں تا کہ اس کے وصل کی خوشبو سے بہرہ ور ہوں تو ان کے دل سے اسم ''ھُو'' نکلتا ہے، اور جب عالم عشق میں ذوق و شوق کی جانبین سے زیادتی ہوتی ہے تو ہائے اور ھو کی صدائیں بلند ہوتی ہیں جو از خود عظیم و بلند ترین مقام ہے۔

رباعی

آنجا کہ زعشق یار بوئے باشد　　لابد باشد کہ گفتگوئے باشد
و آنجا کہ ز شوق جستجوئے باشد　　بی شبہ زہرد وہائے ہوئے باشد

(جس میں یار کے عشق کی بو ہوگی تو اس سے گفتگو بھی ضرور ہوگی، اور جہاں شوق کی جستجو ہوگی تو وہاں دونوں طرف سے ہائے و ھو کی صدا بھی ہوگی) جیسے کسی شاعر نے کہا ہے

الفت میں جب مزا ہے کہ دونو ہوں بیقرار   دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

اے عزیز خوب یاد رکھو! کہ اسم ''ھو'' موجودہ ازلی اور ہست لم یزلی کی جانب اشارہ ہے۔ جو مستجمع مجمیع صفات کمالیہ ہے اور ہمہ قسم کے نقائص وزوال سے پاک ہے وہ خدا اس طرح موجود ہے جس کے ازلی ہونے کی ابتدا نہیں اور ایسی ذات ہے جس کے ہمیشہ رہنے کی انتہا نہیں، اور یہی وہ پہلا اسم ہے جو اپنے تمام غیبی اسرار کے ساتھ معرض وجود میں آیا جیسا کہ سورۂ اخلاص میں **ھو اللہ احد** سے ظاہر ہے۔

''ھـــو'' وہ اسم اشارہ ہے جس کے انوار کی تجلیات سے خدا تعالیٰ کے خاص خاص اسرار ظاہر ہوتے ہیں، اور جب یہ اسم اشارہ تھا تو مشار الیہ کو بیان کی وضاحت کے لیے اسم اللہ کو اس کے ساتھ لگا دیا ''ھـو اللہ'' ہو گیا۔ ارداح خاصہ یہ اللہ تعالیٰ کے انوار کا پرتو اور عکس پڑتا ہے، اور جب انسانی عقل کی نورانیت پر خداوندی انوار غالب آتے ہیں تو بیان کی وضاحت کے لیے ھو کے بعد اسم **احـــد** کو بڑھا دیا جاتا ہے تا کہ اہل تحقیق کے دلوں پر وحدانیت کی تجلیاں رونما ہوتی رہیں، اور جب لوگوں کی انانیت (میں) اور تعلّی کو انوار وحدانیت نے جلا کر راکھ کر دیا تو اس کی وضاحت کے لیے اسم **صمد** کا اضافہ کر دیا، خلاصہ یہ ہے کہ اولیاء اللہ پر انوار صمدیت کی تجلیات وارد ہوتی رہتی ہیں، اور جب **صمد** سے لوگوں کی انانیت اور ان کے تمام رسوم کا قلع قمع ہوتا تھا تو اس کی مزید وضاحت کے لیے **لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد** (اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی بیٹا ہے اور نہ وہ اس کا باپ، اور نہ اس کا کوئی ہمسر و ہم پلہ ہے) کی حفاظت کا خود اس نے اضافہ کر دیا، اور جب کہ صفات مذکورہ بالا کی تجلیات اور انوار نے تمام مخلوق کو دائرہ عبودیت اور ان صفات نے تمام تر مخلوق کو بطیب خاطر دربار الٰہی میں پہنچا دیا تو سب کی منتہائے نظر ابتداء پر پڑی، تو انہوں نے ''ھا'' کا دائرہ دیکھا جو تمام کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہے، اگرچہ تحریر و عبارت کے اعتبار سے اللہ کے دوسرے اسماء بھی اسی کی طرح اسم ہی ہیں، لیکن بظاہر اسی ھا کے اسم کو دیکھ کر مخلوق نے کہا کہ یہ اسم اعظم ہے جو تمام اسماء کی اصل ہے اور جس طرح بوجہ ابتدا کے سورت فاتحہ کو ام الکتاب کہتے ہیں اسی طرح اس اسم کو ام الاسماء کہتے ہیں۔

آخری بار پھر ہم گوش گزار کرتے ہیں کہ اسم ''ہ'' پروردگار کے پرجلال خطاب کا دیباچہ

ہے، اور سورۂ فاتحہ اس کے تمامتر اوصاف وکمال سے لبریز ہے، اسم ھو کو یاد کرنے والا اگر صاحب بصیرت ہو تو اسے تمام اسرار کی خبر ہو جاتی ہے، غلبہ ہویت کے اعتبار سے اگرچہ وہ بظاہر حیران و پریشان نظر آتا ہے لیکن سرزمین عشق میں اتنا سرگرداں ہوتا ہے کہ اسے خود اپنا علم بھی نہیں ہوتا، بلکہ حاضر و غائب کی تمام قیود سے بالاتر ہو کر اسے اشارہ کرتا ہے اور اس کے اسرار کی نظر ہمیشہ اس کی طرف لگی رہتی ہے۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ مُـحَـمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ . ایک صاحب طریقت بڑے بزرگ کا ارشاد ہے کہ عشق خداوندی میں ایک سرمست کو دیکھ کر میں اس کے پاس پہنچا تو اسے دیکھا کہ وہ بحر شہود میں غرق اور بحر مشہود میں غوطے لگا رہا ہے، میں نے اس سے پوچھا آپ کا نام کیا ہے؟ جواب دیا، ھو میں نے پھر پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ جواب دیا ھو، پھر میں نے پوچھا کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں، جواب ملا ھو، میں نے پھر عرض کیا اب آپ کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں، جواب میں فرمایا ھو، ہر چیز کا جواب ھو سنتے سنتے آخر کار میں پریشان ہو گیا اور مجیب کی مراد کو نہ سمجھ سکا، تو پھر میں نے عرض کیا کہ ھو سے آپ کی مراد کیا ہے، کیا ھو سے مراد خدا تعالیٰ ہے جس کا ملک ہے اور ہمیشہ رہے گا، یہ سنتے ہی اس بزرگ نے ایک چیخ ماری، اور مردوں کی طرح اس طرح گر پڑا کہ پھر نعرہ نہ لا سکا اور ان کی جان دیدار شہنشاہ کے استقبال کے لیے روانہ ہو گئی (یعنی فوت ہو گئے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خداوند تعالیٰ کے نوری سمندر میں تیرتے (یعنی ذکر اللہ کرتے) تو عالم خودی سے دور ہو کر محبوب کے انوار میں مستور ہو جاتے اور جب آپ کو اس سمندر سے بڑی موجیں باہر لے آتیں اور آپ عالم شہود میں آتے تو اپنے پر غیریت کے اسباب کو رونما دیکھ کر یوں دعا فرمایا کرتے تھے،

اللھم اجعل فی قلبی نورًا وفی بصری نورًا وفی سمعی نورًا وفی فوقی نورًا وفی تحتی نورًا وفی امامی نورًا وفی خلفی نورًا واجعلنی نورًا فی نور	اے اللہ! میرے دل میں نور کر دے اور میری آنکھوں کو نورانی فرما دے، اور میرے کانوں کو نور دیدیے میرے اوپر، نیچے، سامنے، پیچھے نور ہی نور فرما دے اور مجھے تمام کو نور بنا دے۔

مصرعہ۔ سرتاپا ایم فدائے سرتاپایت (میں سرتاپا تیرے سرتاپا پر قربان ہوں) یعنی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور جبریل امین کے دروازے پر آئے بغیر یہ مقصود حاصل نہیں ہوسکتا۔

اے اللہ! اپنا رحمانیت کا دروازہ کھول دے، اور بارانی (کہ مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا) پر نظر فرمایئے تاکہ تیرے دیدار کے جلالی انوار کے پرتو میں جلنے سے پہلے ہم تیرے دیدار کی تسبیح سے مشرف ہوسکیں اور قبل اس کے کہ حالت بے خودی میں تیرے حضور پیش ہوں، تیرے صفحہ جمال کی چمک ودمک سے مجسمہ نور بن جائیں۔

اس مفہوم پر غور وادراک کے لیے ذوق سلیم کی ضرورت ہے تاکہ اللہ کا جمال نصیب ہوسکے، اے دوست! جس طرح اسم "ھو" کا مسمی تمام کیفیات سے منزہ اور ابتدا و انتہا کے وصف سے بالاتر ہے اسی طرح اسم "ھو" بھی تمام مخارج از قسم ابتدا و انتہا سے بالاتر ومقدس ہے، کوئی ابتدا اس تک رسائی حاصل نہیں کرسکتی اور کسی انتہا کی وہاں تک دسترس نہیں، اللہ کی سب سے بڑی صفت یہی ہے کہ اس کی اولیت سے تمامتر ابتدائیں عاجز اور اس کی انتہا سے ہمہ قسم کی نہایت وانتہا قاصر ہے،

اور دائرہ (ھ) ھو جب مل جاتا ہے تو بلا بدایت ونہایت پروردگار کی ہویت کی جلالت کا پتہ دیتا ہے اور اس وقت تک خبردار کرتا رہتا رہے گا جب تک کہ اس دائرہ ھ کی ابتدا اور انتہا ظاہر نہ ہوجائے، اور جب اس (ھ) کے دائرہ کو بغور دیکھو گے تو اس کے ہر جزو میں دوسرے دائرے بنانے کی صلاحیت کو اجاگر پاؤ گے، اور اسی جزو میں انتہا بھی موجود ہے اس لیے (ہ) کا پورا دائرہ اپنی صلاحیت کے لحاظ سے اولیت کا حقدار اور نہایت وانتہا کا مستحق ہے، اس نسبت کے اعتبار سے اول بھی ہے اور آخر بھی، اور حقیقت اجتماع کے پیش نظر غیر اللہ اور ماسوئ اللہ اولیت اور انتہا کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، اسی نہج وطریق پر بھی اسم ھو اصل اور عین مسمی، مگر یہ راز کی بات ہے جو اکثر لوگ کے سمجھنے کی نہیں،

آں حلقہ کہ اول است و آخر — واں نقطہ کہ باطن است وظاہر
خواہی کہ بہ بینی اے نکو روئے — در حلقہ ہانظر کن در آخر

(وہ حلقہ جو اول اور آخر ہے اور وہ نقطہ جو ظاہر و باطن میں وجود رکھتا ہے، اے نیک بخت اگر آپ اسے دیکھنا چاہتے ہیں تو (ہ) کے دائرہ وحلقہ کو دیکھ لو، حمد وثناء اللہ تعالیٰ ہی کے

لیے ہے، ہم اول سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آخر تک ہمارے ساتھ ہے، پروردگار عالم واجب الوجود ہے جس کے انوار وتجلیات کی روشنی عالم شہود میں ظاہر ہے (ہا) کا دائرہ اپنی صفت صلاحیت میں وہی (ھو) ہے جو اول و آخر میں موجود ہے، اس تقریر سے اسم ''ھوٗ'' کی عظمت وجلالت ظاہر ہوتی ہے۔

میں عالم بے خودی میں مضمون کی طوالت کی سیل رواں میں بہہ کر اصل مضمون سے ہٹ چکا ہوں اس لیے اب پھر اصل مضمون کی طرف عود کرتا ہوں، اے عزیز! دل کے کانوں سے سن اور اس بات کو یاد رکھ کہ ''ھوٗ'' اگرچہ حلق سے نکلتا ہے مگر حلق کو چھوتا نہیں، جب اس اسم کو حلق سے کوئی علاقہ نہیں، حالانکہ حلق ہی سے صادر ہو رہا ہے اسی طرح) اس کے پڑھنے والے کو بھی ضروری ہے کہ وہ اس جہان میں رہتے ہوئے اس سے کوئی تعلق نہ رکھے تاکہ وہ اس علیحدگی کی بدولت دیدار رب لایزال سے مستفیض ہو سکے، نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ عربی زبان میں کوئی اسم دو حرفوں سے کم کا نہیں ہوتا، اسی لیے ہمارے اس جہان میں فرد مطلق کا وجود نہیں ملتا، اور جب اہل بصیرت نے احدیت کے معنی اسم ''ھوٗ'' میں دیکھے تو اپنے دل کو اس کی جانب متوجہ کرنے کے بعد تو فوراً کہنے لگے کہ اس اسم کے معنی وہی فرد مطلق کے ہیں جس کا وجود ہمارے اندر نہیں پایا جاتا۔

بیت

حرفی کہ مراد ما از و او باشد   بردار نظر ز حرف تا او باشد

(یعنی جن حروف سے ہمارا مطلوب، محبوب ہی ہو تو پھر ان حرفوں سے نظر کو اٹھا لیا جائے تاکہ براہ راست محبوب کو دیکھا جا سکے) اس مناسبت سے معلوم ہوا کہ اسم اور مسمّی ہر دونوں بلاشک وشبہ ایک ہی ہیں، اے عزیز! حرف (ھ) ہماری جان سے نکل کر عالم اعلیٰ کی جانب چلا جاتا ہے اور پھر اسرار مخفیہ کے ساتھ اس دنیا کی جانب واپس آتا ہے، اس کا کسی جگہ حلول اور کسی مکان پر علاوہ لب اور زبان کے نزول نہیں ہوتا، اور لب وزبان جو دل کے وکیل ہیں وہ اس کلمہ کو نہیں کہتے جب تک کہ دل اس کے اسرار معلوم نہیں کر لیتا، عارفین انوار صمدیت کو اس بات کا معلوم کر لینا ازبس ضروری ہے کہ یہ اسم تمام قسم کے تغیر تبدل سے منزل ہے، اسی طرح اس کا مسمّٰی بھی کسی مکان کی آرائش اور کسی زبان کی زیبائش سے منزہ اور

بالاتر ہے، یہ بہت بڑا راز ہے۔

اے عزیز! ''ھوٗ'' اسم اشارہ ہے جس کا رخ ہمیشہ مشار الیہ کی جانب رہتا ہے، اور اسم اشارہ کا رخ مشار الیہ کے اوصاف اور محاسن کی جانب نہیں ہوا کرتا اور یہ بات اس بات کے ہم معنیٰ ہے جس کو عارفین اور سالکین بایں طور تعبیر کرتے ہیں کہ عشق اس کی ذات سے ہوتا ہے اس کی صفات سے نہیں، خاص کر وہ ذات جس کا کمال اس کی ذات سے زائد ہو (اور وہ اللہ ہی کی ذات ہے) اور یہ دقیق اور غامض مفہوم اہل تحقیق حضرات کی اس بات کے لیے ہے کہ اس کی ذات کا وجود صفات سے مقدم ہے اور ذات کا صفات پر مقدم ہونا اس طرح کا ہے جس سے ذات اور صفات میں غیریت اور دوئی ثابت نہیں ہوتی، بلکہ یہ تقدم دراصل وحدت کو ثابت کرتا ہے تاکہ اسرار توحید کے ذریعے اضافوں کا اسقاط ظاہر ہو جائے۔

اے عزیز! اسم ''ھوٗ'' وہ اسم ذات ہے جو ''مطلق'' معلوم اور کسی سے مشتق نہیں، کیونکہ مشتق وہ اسم ہے جو غیر کے اشتراک سے خالی نہ ہو اور جس چیز میں غیر کی شرکت اور اشتراک آ جاتا ہے تو اس میں وحدت کی بنیادیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں، تمام عشاق کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسم اعظم (ھ) کسی سے مشتق نہیں ہے (بدلیل مذکور۔ فاضل ۱۲) اور وحدت کی بناء پر مطلق بھی نہیں، اس نسبت سے بھی اسم اعظم ھو ہی ہوا۔ جیسے ہوا اور خوشبو ذٰلک رمزٌ لطیفٌ، برادر من! فرد مطلق وہ ہوتا ہے جس کی کسی چیز کے واسطہ سے صفت بیان نہ کی جا سکے اور یہ تمام دنیا کا تسلیم شدہ قاعدہ ہے کہ ہر چیز اپنی صفت ہی کی وجہ سے دوسری چیزوں سے ممتاز و مختلف ہوا کرتی ہے اور اسی وجہ سے موصوف اور صفت میں یہ فرق بیان کیا جاتا ہے کہ موصوف اپنی صفت سے مستغنی ہوتا ہے اور صفت اپنے موصوف کی محتاج ہوتی ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ کسی چیز کی عین ذات سے اس کے حالات بیان نہیں کئے جا سکتے، اسی چیز کو سمجھاتے وقت دوسری چیز سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس صورت میں تعدد اور کثرت لازم آتی ہے، اور تعدد و کثرت وحدت کے خلاف ہے۔

اے عزیز! جب ہماری بیان کردہ تقریر کو ذہن نشین کر لیا جائے گا تو یہ بات خود بخود واضح ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے کیف سے روشناس کرانے کے لیے تمام اسمائے مشتقہ اور تمام معلومات عاجز اور قاصر ہیں، اور صرف اسم اعظم ''ھوٗ'' فرد مطلق کی وحدانیت کی

حقیقت کی نقاب کشائی کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے برحق صمد بے نیاز ہونے کا یہی اسم (ھو) ہی مظہر ہے **لا الـٰه الا الله**، اے برادر! تمام اسمائے مشتقہ صفات پر دلالت کرتے ہیں اور صفات کو صرف اضافت کے ذریعہ سے پہچانا جاتا ہے مگر قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ تمام اضافتوں کو توحید ختم کر دیتی ہے۔

بیت

نکو گوئے نکو گفت است در ذات ٭ کہ التوحید اسقاط الاضافات

(کسی اچھے کہنے والے نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیا خوب کہا ہے کہ توحید ہی ایک وہ چیز ہے جو تمام اضافتوں کو ختم کر دیتی ہے) پر لطف بات یہ ہے کہ جو اسم کسی سے مشتق ہوتا ہے تو مشتق اور مشتق منہ دونوں پر طلب کے زمانے میں طلب گار کی نظریں پڑی رہتی ہیں اور عقل کا حق یہ ہے کہ جب اس کی کسی پر نظر پڑے جب تک اس کی حقیقت کا ادراک نہ کرے دوسری طرف اپنا رخ ہرگز ہرگز نہ کرے، اور اس دوسری چیز کو ذریعہ نجات نہ بنائے ورنہ غیر میں مشغول ہو جانے سے اصلی چیز پر پردہ پڑ جانے کا خطرہ ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ اسم ''ھو'' کسی سے مشتق نہیں تاکہ طلبگار کو دوربینی سکھائے، اور خود اپنے وہم و گمان پر یقین کرنے لگے، بلکہ اسم ''ھو'' اشتقاق سے منزہ ہے جو طلبگار کی آتش عشق کو بھڑکاتا اور ماسویٰ اللہ سے جدا کر کے مقصود حقیقی تک پہنچاتا ہے **لا الـٰه الا الله** کا پروردگار نے امر فرمایا ہے اور **قـل هـو الله احـد** (اس میں اللہ کے تین نام ہیں اسی طرح) طریق عشق پر چلنے والوں کے بھی تین درجے اور مقام ہیں (۱) ظالم، (۲) مقتصد (۳) سابق اور اسی طرح نفس بھی تین قسم پر ہے (۱) امارہ، (۲) لوامہ، (۳) مطمئنہ اور اسم ''ھو'' ان لوگوں کے نصیب میں ہے جو سابق بالخیرات کے مصداق ہیں اور نفس مطمئنہ کے اہل اور انوار احدیت کے پرتو میں آ کر خاکستر ہو چکے ہیں اور ماسویٰ اللہ کو دیکھنے سے انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں تمام دنیا سے بے خبر ہو کر عالم استغراق میں مست ہیں اور انوار الٰہی کی لطافتوں اور مہربانیوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں، ان میں کا ہر ایک فرد اپنے دوسرے سے بے خبر و بے تعلق ہے، وہ عزیزوں اور تمام انسانوں دنیا و مافیہا کو معدوم اور ختم ہونے والی جانتے ہیں کیونکہ اس جہان کی تمام چیزیں حادث ہیں جو بہت جلد ختم و ہلاک ہونے والی ہیں۔

اے بھائی! "ھو" کا ہمیشہ ورد رکھنا منتہی اور سابق بالخیرات لوگوں کا کام ہے جو ہزار جان سے خدا تعالیٰ کے عاشق ہیں کیونکہ اسم "ھو" اسم اللہ کا منتہی و خلاصہ ہے، اس حقیقت سے وہی لوگ آشنا و واقف ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عشق میں مستغرق ہیں،

اے عزیز! جس کو عالم ہیبت میں محبوب نے اجازت بخش دی وہ انانیت و تکبر سے کنارہ کش ہو کر مشاہدۂ جلال کے غلبوں سے اپنی ذات کو پگھلاتا اور مقام فنا تک پہنچ جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کے انوار کے سایہ تلے آجاتا ہے پھر مقامات و کرامات، بیہوش و ہوش نفی و اثبات، بقا و فناء امید و خوف، بسط و قبض، نفل و فرض، محبت و ہیبت خوف اور سرور کی نسبت اس طرف نہیں کی جاسکتی۔ جب محبوب بے نشان ہے تو تم بھی بے نشان ہو جاؤ اور پھول کی خوشبو کی طرح پھول میں پوشیدہ اور ظاہر نظر آؤ۔

حکایت: میرے ایک دوست نے جو طریقت اور حقیقت کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف تھے، انہوں نے مجھے اپنا چشم دید واقعہ سنایا کہ میں ایک دن ایک بتکدہ میں گیا وہاں میری ایک جوگی سے ملاقات ہوئی، وہ بڑی نرمی اور مہربانی سے مجھ سے ملے جو میری سرکار کے احوال بھی جانتے تھے، وہ مجھے ایک مقام پر لے گئے جہاں میں نے ایک آدمی دیکھا جو عاجزی و انکساری کرنے والوں کی طرح کھڑا ہے اور مشہود کو دیکھنے کے لیے آمادہ ہے میں اس کی ہیئت دیکھ کر خوفزدہ ہوا اور اپنے ساتھی جوگی سے پوچھا کہ یہ ماجرا کیا ہے، اس نے کہا کہ یہ شخص بارہ برس سے اسی طرح مشاہدۂ جلال کے انتظار میں کھڑا ہے اور اپنی دعاؤں کی قبولیت کا انتظار کر رہا ہے، اس جوگی نے کہا کہ کبھی کبھی صبح سویرے اس کے اسم "ھو" کہنے کی آواز مجھے سنائی دیتی ہے، جب یہ اسم "ھو" کہتا ہے تو اس کے منہ سے ایک نور کا شعلہ نکلتا اور آفتاب کی مانند اونچا ہو جاتا ہے۔

اے عزیز! ہر قدم پہ ہر وقت یہ حیران و پریشان رہتا ہے، جب محبوب بے نشان کے مشاہدہ میں مستغرق ہوتا ہے تو محبوب کی ذات اور ہویت اس کی انانیت اور خودی کو مضمحل کر دیتی ہوگی اور وہ اپنی تسبیحات کی وجہ سے اس انانیت کو ختم کر دیتا ہوگا، اور یہ طالب حق اگر مقام استغراق سے طلب ہلاکت کے مقام تک پہنچ جائے تو محبوب میں گم ہو کر بے نشان اور فنا ہو جائے اس کے بعد تمام تر بھید اور اسرار اس پر کھل جائیں، جس طرح بحر عشق کی موجوں

کا ایک قطرہ موجوں پر اشارے نہیں کرسکتا اسی طرح اندر کے اسرار کو الفاظ کے لباس میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ یہ منظر مشاہدہ جلال اگر مقام استہلاک سے مقامِ فنا میں گر پڑے تو دو عالم کی سلطنت لازماً اس کے قبضہ میں ہوگی۔

بیت

بندہ جائے رسد کہ محو شود بعدازاں کار جز خدائی نیست

(بندہ اس مقام پر پہنچ کر محو ہو جاتا ہے جہاں تمام کام ختم ہو جاتے ہیں اور خدا تعالٰی کی ذات کے علاوہ اور کچھ باقی نہیں رہتا) عزیز کے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اس مقام میں طلبگاروں سے جو سنا جائے وہ "انا" ہی ہوگا اور ہم اولاً بتا چکے ہیں کہ جو کوئی از خود اس کی طرف اشارہ کرکے "ھو" کہے اس سے وہ خود ہی کی طرف اشارہ کرتا اور کہتا ہے

آں عزیزے کہ راز مطلق گفت راست جنید کو انا الحق گفت

(جو انا الحق کہنے کے لائق ہے اسی کے لیے راز مطلق کو بیان کرنا بھی مناسب ہے) بعض شیوخ کا بیان ہے کہ من عرف کے معنی یہ ہیں کہ اسم ذات "ھو" کے علاوہ تمام اسموں کو بھول جانا ہے، مطلب یہ کہ جو کوئی اللہ تعالٰی کے معنی فردیت سے آگاہ ہونا چاہتا ہے تو وہ عالم وحدت پر ایک نظر ڈالے، اور کثرت واضافت سے پرہیز کرے اور یگانگت کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لے اور جب ایک کو ایک دیکھ لے تو وحدت کے شامیانہ پر اس طرح حاضری دے کہ لاشعوری کا حامل ہو جائے، پھر فرد وحدت میں غوطہ زن ہو جائے، اس وقت طالب کو خدا کے نام کے علاوہ کسی دوسرے نام کی یادداشت کی کیسے سکت و طاقت رہ سکتی ہے!

اے برادر! اس کو جو کوئی پہچانتا ہے، ہمیشہ بے چون و چرا پہچانتا ہے اور بیچوں کی طرف اشارہ کرنا محال ہے، اور بیچوں سے مراد گمراہی ہے اور یہ ایک بڑا راز ہے لا الٰہ الا اللہ اور قاعدہ یہ ہے کہ جس سے محبت ہوتی ہے اس کا تذکرہ بھی کثرت سے ہوتا ہے، لیکن ابتدائے عشق میں جب اس کے گلی کوچہ کا ذکر ہو تو ذرا صبر کرو، اور اگر عالم و فاضل بن کر اس تک رسائی کرنا چاہو گے، تو قاعدہ یہ ہے کہ جس کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے وہ ہمیشہ دور نہیں رہتا، اس لیے اپنا جمال ضرور دکھائے گا، اور بیچارہ عاشق اپنے درد دل کے ساتھ ہمیشہ یہی

کہتا رہتا ہے۔

گر عاقلے حدیث تو کم کنمے ! راہِ سر گفتگوئے محکم کنمے
پس سوختہ چند فراہم کنمے برگفتہ بگریے و ماتم کنمے

(اگر میں کچھ عقل رکھتا تو آپ کا تذکرہ کم کرتا، کاش اسرار خداوندی کی میں نے پختہ گفتگو کی ہوتی کچھ دل جلے لوگوں کو جمع کر لیتا، کاش میں نے اپنے کہے پر گریہ وزاری اور ماتم کیا ہوتا)

واہ اللہ! کی ذات پر نظر ڈالنے سے ہر ایک یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جس طرح تو نے اپنی تعریف فرمائی ہے میں اتنی تیری تعریف کرنے پر قدرت نہیں رکھتا، یہ بھی ایک راز ہے،

خدا کی قسم، اگر ابتدأ یہ معنی جس کا اظہار کشف کی انتہا میں بھی آدمی کو تھکا کر مردہ کر دیتا ہے (اس کا اگر ظہور ہونے لگے تو روزانہ ایک سو بار استغفار پڑھنا چاہیۓ، اور میں خود بھی سو مرتبہ یہی عمل کرتا ہوں، ننانوے بار تو ننانوے ناموں کے لیے اور ایک بار استغفار کے لیے،

اے بھائی! جو مقام تعریف میں چلنے کی طاقت نہیں رکھتا اس کو مقام توحید پر ہی اکتفاء کر کے رک جانا چاہیۓ تا کہ وہ یہ کہہ سکے کہ اے اللہ میں تیری تعریفیں پوری طرح بیان نہیں کر سکتا لا الہ الا اللہ شعر احب مناجات الحبیب باوجہ۔ ولکن لسان العاشقین کلیل (میں حبیب کی مختلف طریقوں پر تعریف کرنا محبوب رکھتا ہوں، ...... لیکن عاشقوں کی زبان بند ہے۔

شیخ جلال الدین تبریزی قدس سرہ

۵۳۲ھ ۶۲۳ھ

آپ کا شمار بڑے کامل شیوخ میں سے تھا، چشتی خاندان کے مشائخ کی کتابوں میں آپ کے حالات ومناقب لکھے ہیں جو دیکھے جا سکتے ہیں۔

فوائد الفوائد میں سلطان المشائخ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ شیخ ابو سعید تبریزی کے مریدوں میں سے تھے، آپ اپنے شیخ ابو سعید کی وفات

کے بعد شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں گئے اور ان کی اتنی خدمت کی کہ کسی دوسرے مرید اور ارادتمند کو یہ بات نصیب نہ ہوئی تھی، لوگ کہتے ہیں کہ شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ ہر سال حج کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے، چنانچہ بوڑھے اور کمزور ہوگئے تھے اور اشیاء خوردنی جو آپ کے ساتھ ہوتی تھیں بوجہ باسی ہوجانے کے آپ کے مزاج کے مواقع نہ ہوتی تھیں، اس لیے شیخ جلال تبریزی نے یہ ترکیب کی کہ ایک چولہا اور برتن اپنے ساتھ رکھتے تھے اور چولہے میں اتنی آگ جلاتے تھے جس سے اس کی گرمی کا اثر سر پر نہ ہوتا تھا اور ان کے مرشد جب کھانا طلب کرتے تو ان کے سامنے گرم گرم کھانا لاتے، خواجہ قطب الدین اور شیخ بہاؤالدین سے آپ کے دوستانہ مراسم تھے جن کا تذکرہ چشتیہ خاندان کے مشائخ کی کتابوں میں بکثرت موجود ہے، شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دوست خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے دہلی کے زمانہ میں دہلی آئے تھے، شیخ نجم الدین صغریٰ جو دہلی کے شیخ الاسلام تھے جن کی قبر برہان الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے پاس ہے، یہ شیخ الاسلام معلوم نہیں آپ کے کیوں مخالف ہوگئے اور آپ پر ایک بہت برے کام کی تہمت لگائی اور ایسی سازش کی جس کی وجہ سے آپ کو وطن ترک کر کے بنگال جانا پڑا، بنگال میں قیام کے زمانے میں آپ ایک دن دریا کے کنارے بیٹھے تھے کہ اچانک اٹھ کر تازہ وضو کرنے لگے، اور حاضرین سے فرمایا کہ آؤ شیخ الاسلام دہلوی کی نماز جنازہ پڑھ لیں جن کا حال ہی میں انتقال ہوگیا ہے، دہلی اور بنگال میں اتنی طویل مسافت کے باوجود شیخ جلال الدین تبریزی نے اپنی زبان میں شیخ الاسلام کی وفات کی اطلاع دی، اور شیخ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی، پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہوکر فرمانے لگے، شیخ الاسلام نے ہم کو دہلی سے نکالا اور ہمارے مرشد شیخ شہاب الدین سہروردی نے ان کو دنیا سے نکال دیا، (یعنی ان کے لیے مرجانے کی خدا سے دعا کی چنانچہ وہ مقبول ہوئی اور شیخ الاسلام فوت ہوگئے۔ (فاضل) نیز فوائد الفوائد میں بحوالہ سلطان المشائخ لکھا ہے کہ شیخ جلال الدین نے دہلی میں بہت کم عرصہ قیام کیا اور پھر وہاں سے چلے گئے، وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں جب دہلی آیا تھا تو خالص سونا تھا (یعنی خدا سے قوی رابطہ قائم تھا۔ فاضل ۱۲) اور اب چاندی ہوں معلوم نہیں آئندہ چل کر کیا بن جاؤں، اسی موقع پر یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ

علیہ بدایوں کے قیام کے زمانے میں ایک روز اپنے مکان کی چوکھٹ پر بیٹھے تھے اور سامنے ایک دہی بیچنے والا دہی کا مٹکہ اپنے سر پر رکھے ہوئے گزرا جو فی الواقع چور اور ڈاکو تھا اور اسکی جماعت کے دوسرے افراد بدایوں کے گردونواح میں رہا کرتے تھے، اس نے ایک نظر شیخ جلال الدین تبریزی کے چہرے کو دیکھا اور ایک ہی بار دیکھنے سے اس کا باطن تبدیل ہوگیا اور جب شیخ نے اس کو غور سے دیکھا تو وہ چور کہنے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایسے لوگ بھی ہیں، (جن کو ایک نظر دیکھ کر انسان کی اندرونی کیفیات تبدیل ہو جاتی ہیں۔ فاضل ۱۲) اور آپ کے دست اقدس پر فوراً مسلمان ہوگیا آپ نے اس کا پہلا نام بدل کر اسلامی نام ''علی'' رکھ دیا، وہ مسلمان ہونے کے بعد اپنے گھر گیا اور گھر سے ایک لاکھ جیتل (ایک قسم کا سکہ ہے) لایا اور شیخ کی خدمت میں پیش کیا، شیخ نے اس کا نذرانہ محبت قبول فرمایا اور حکم دیا کہ اس نقدی کو اپنے پاس رکھو اور میں جسے کہوں دیتے جاؤ، غرضیکہ آپ نے یہ نقدی تقسیم کرنا شروع فرمادی، کسی کو سو ۱۰۰، کسی کو پچاس، کسی کو کم کسی کو زیادہ اور پانچ جیتل سے کم کسی کو نہ دیتے تھے، تھوڑی ہی دیر میں تمام رقم ختم ہوگئی اور قاسم کے پاس صرف ایک جیتل باقی بچا، اس علی کا بیان ہے کہ میرے دل میں آیا کہ میرے پاس تو صرف ایک جیتل باقی بچا ہے اور شیخ پانچ سے کم کا کسی کو دینے کا حکم نہیں دیتے، اگر اب کے آپ کسی کو دینے کا حکم دیں گے تو کیا کروں گا (وہ کہتا ہے کہ) میں ابھی (یہی) سوچ رہا تھا کہ ایک فقیر نے آکر سوال کیا، اور شیخ نے مجھے حکم دیا کہ اسے ایک جیتل دیدو، اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ جب حج سے واپس تشریف لائے تو اہل بغداد کا آپ کے پاس ہجوم اکٹھا ہوگیا، اور ہر ایک نے اپنی اپنی ہمت و طاقت کے موافق زر، نقد و اجناس وغیرہ بہت کچھ آپ کی خدمت میں پیش کیا، اسی اثناء میں ایک بوڑھی عورت حاضر ہوئی اور اس نے شیخ کی خدمت میں ایک درہم پیش کیا جس کو اس بڑھیا نے شیخ کے سامنے اپنی پرانی چادر کی گرہ سے کھول کر نکالا تھا، شیخ نے بڑھیا کا پیش کردہ درہم تمام تحفوں کے اوپر نمایاں طور پر رکھ دیا، پھر تمام حاضرین سے مخاطب ہوکر فرمانے لگے آپ میں سے ہر ایک اپنی اپنی پسند کے موافق ان تحفوں کے ڈھیر میں سے جو چاہے اٹھالے چنانچہ سب آدمیوں نے اپنی اپنی پسند کے موافق زرونقد، روپوں کی تھیلیاں اور دوسری قسم کا اسباب اٹھالیا، اس

موقع پر شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے آپ کی جانب شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرماتے ہوئے کہا کہ آپ بھی کسی چیز کو پسند کر کے لے لیں، چنانچہ شیخ تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ درہم اٹھالیا جو بڑھیا نے شیخ کی خدمت میں پیش کیا، شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیکھ کر شیخ جلال الدین سے فرمایا کہ تم نے تو سب کچھ لے لیا۔

لوگوں کا بیان ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے باہم متعدد سفر کیے ہیں، ایک مرتبہ یہ دونوں بزرگ ایک شہر پہنچے تو اس شہر میں شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے، شیخ بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اصول تھا کہ جب کسی نئی جگہ میں تشریف لے جاتے تو وہاں پہنچنے کے بعد عبادت میں مشغول ہو جایا کرتے تھے اور شیخ جلال الدین تبریزی شہر کی سیر و سیاحت کو نکل جاتے۔ شیخ تبریزی، شیخ فرید الدین عطار کو ایک جگہ بیٹھا دیکھ کر ان کے انوار کمالات کو دیکھ کر ششدر و حیران رہ گئے، پھر اپنی قیام گاہ پر واپس آ کر شیخ بہاؤالدین سے کہا کہ آج میں نے ایک شاہباز دیکھا ہے جس نے مجھے از خود رفتہ و حیران کر دیا ہے جس کے جواب میں شیخ بہاؤالدین نے پوچھا کیا اس وقت تم نے اپنے شیخ و مرشد کے جمال باکمال کو سامنے رکھا تھا؟ تو جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس بزرگ کو دیکھ کر میں سب کچھ بھول گیا، اس دن کے بعد شیخ جلال الدین تبریزی اور شیخ بہاؤالدین ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔

اسی کتاب فوائد الفوائد میں یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خط میں یہ لکھا تھا، جو عورتیں بکثرت رکھتا ہے، وہ کبھی اپنی مراد تک نہیں پہنچتا اور جس کا دل صنعت گری میں لگا رہے وہ دنیا کا غلام ہے، حضرت سید محمد گیسو دراز نے اپنے ملفوظات ''جوامع الکلم'' میں لکھا ہے کہ شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر بچپن کے زمانے میں خدا کی یاد کثرت سے کیا کرتے تھے، آپ کے اسی استغراق کی وجہ سے لوگ آپ کو دیوانہ قاضی بچہ کہا کرتے تھے، ایک دفعہ شیخ جلال الدین ملتان تشریف لے گئے اور وہاں لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کوئی درویش ہے؟ لوگوں نے کہا کہ دیوانہ سا ایک بچہ تو ہے جو جامع مسجد میں پڑا رہتا ہے، شیخ تبریزی اس لڑکے کو دیکھنے کے لیے جامع مسجد تشریف لائے اور اپنے پاس سے ایک انار اس بچہ کو دے دیا، یہ لڑکا چونکہ اس دن روزے سے تھا اس

لیے اس نے انار کے دانے نکال کر لوگوں میں تقسیم کر دیئے اور ان دانوں میں سے ایک دانہ زمین پر گر گیا تھا اس کو اٹھا کر شام کو اسی سے روزہ افطار فرمالیا، اسی روز سے اس لڑکے روحانی مراتب میں ترقی ہوتی گئی، اس نے خود کہا ہے کہ اگر میں پورا انار کھالیتا تو مجھے متعدد فائدے نصیب ہوتے وہ لڑکا جب جوان ہوا تو شیخ الاسلام قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا مرید ہو گیا تو یہ واقعہ اپنے شیخ کو سنایا، شیخ الاسلام نے فرمایا، بابا فرید جو کچھ تھا صرف اسی ایک دانہ ہی میں تھا، جو تمہارے لیے رہ گیا تھا، سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ جس زمانہ میں شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ اور فرید الدین مسعود شکر گنج میں مکالمہ ہوا اس وقت شیخ گنج شکر کے تمام کپڑے پرانے اور پھٹے ہوئے تھے، جب ہوا تیز چلتی تو شیخ گنج شکر اپنی عبا (قمیص) کے دامن سے اپنے پھٹے ہوئے پاجامہ کو ڈھانک لیتے، شیخ تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے وجہ دریافت کی، تو بابا فرید نے جواب دیا کہ یہ فقیر جب بخارا میں تعلیم حاصل کر رہا تھا تو وہاں سات سال تک کوئی کپڑا نہیں پہنا، البتہ ایک تولیہ تھا جس سے اپنے جسم کو چھپائے رکھتا تھا، دل کو ایک مرکز پر لاؤ اور دیکھو مستقبل میں کیا ہوگا، سلطان المشائخ فرمایا کرتے تھے کہ بابا فرید گنج شکر سے شیخ جلال الدین کی دلی مرادیں پوری ہوئیں، شیخ تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار بنگال میں مرجع خاص وعام ہے۔

شیخ نظام الدین ابوالموید قدس سرہ،

۶۷۲ھ ۷۲۵ھ

آپ سلطان شمس الدین کے زمانہ کے مشہور بزرگوں میں سے تھے اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم زمانہ تھے، شیخ نظام اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ کو دیکھا ہے، میر حسن اپنی (مشہور) کتاب فوائد الفوائد میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ شیخ نظام الدین اولیاء سے پوچھا کہ آپ کبھی ابوالموئید کی مجلس وعظ میں تشریف لے گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں! مگر اس وقت میں کم عمر لڑکا تھا، اس لیے آپ کے وعظ میں مضامین کے مطالب کو اچھی طرح اخذ نہ کر سکتا تھا، ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں ان کی مجلس وعظ میں گیا، دیکھا کہ وہ جوتا پہنے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہیں، پھر انہوں نے اپنا جوتا

اتار کر اپنے ہاتھ میں لیا اور مسجد میں تشریف لاکر دو رکعت نفل ادا کئے، میں نے ان کی طرح کسی کو (اس سے پہلے اس طرح) اطمینان اور سکون سے نماز پڑھتے نہیں دیکھا تھا، انہوں نے پورے سکون اور اطمینان کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی، بعدہٗ منبر پر تشریف لائے، قبل اس کے کہ آپ اپنے بیان کا آغاز فرماتے، مشہور قاری قاسم نے خوش الحانی سے قرأت کی، بعدہٗ آپ نے اپنے کلام کا آغاز کیا (اور فرمایا) کہ میں نے اپنے بابا کی تحریر خود دیکھی ہے، آپ ابھی کچھ اور کہنے نہ پائے تھے کہ اسی بات کا حاضرین کے دل پر اثر ہوا اور وہ تمام گریہ وزاری کرنے لگے تب آپ نے یہ دو مصرع پڑھے

برعشق تو وبر تو نظر خوا ہم کرد　　جان درغم تو زیر ربر خواہم کرد

(میں آپ کے عشق اور آپ کو ایک بار دیکھوں گا، پھر آپ کے غم میں اپنی عمر برباد کروں گا) آپ نے بھی یہی کہا تھا کہ تمام حاضرین نعرے لگانے لگے (پھر سے رونے لگے) آپ نے انہیں دو مصرعوں کی تکرار سے دو تین بار پڑھنے کے بعد فرمایا، اے مسلمان! اس رباعی کے دو مصرع بھول گیا ہوں، اب کیا کروں، یہ جملے آپ نے کچھ اس طرح عاجزی اور انکساری سے فرمائے کہ سامعین پر پھر ایک خاص اثر ہوا، اس کے بعد مقررہ قاری نے وہ دو مصرعے یاد دلائے

پردرد دلے بخاک درخوا ہم شد　　پُر عشق سرے زگور بر خواہم کرد

(میں درد سے لبریز دل کے ساتھ خاک میں مل جاؤں گا اور عشق کا سودا لیے (قیامت کے دن) قبر سے نکلوں گا) آخر کار آپ یہ پوری مکمل رباعی پڑھ کر منبر سے اتر آئے، آپ کے دادا کا لقب شمس العارفین تھا، اور شیخ جمال کولوی جن کا مزار کول میں ہے آپ کی اولاد میں سے ہیں جن کی وفات ۷۲۵ ہجری میں ہوئی۔

شیخ برہان الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۰۹ء.........................۱۲۸۸ء

آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی ابوالخیر اسعد بلخی رحمۃ اللہ علیہ تھا، آپ شیخ غیاث الدین بلبن کے زمانہ کے بہت بڑے عالم تھے، علم وفہم میں کامل اور وجد وسماع کے رسیا تھے، علوم

شریف وطریقت کے جامع اور شعروشاعری سے بڑا لگاؤ رکھتے تھے، فقیری اور درویشی سے متعلق آپ کے اشعار میں سے ایک یہ شعر ہے۔

گر کرمت عام شد رفت زبرہان عذاب　　　در بعمل حکم شدہ کہ چہاد یدنیست

(اگر آپ کا کرم عام ہوگیا تو برہان کو عذاب سے نجات مل گئی، اگر کوئی اور حکم دینا ہے تو دیجئے دیکھنا کیا ہے)

شیخ برہان الدین محمود وہ بزرگ عالم تھے جنہوں نے ''مشارق حدیث'' اس کے مؤلف ہی سے پڑھی تھی۔

حکایت: شیخ برہان الدین محمود فرمایا کرتے تھے کہ جب میری عمر تقریباً چھ، سات برس کی تھی تو ایک مرتبہ میں اپنے والد محترم کے ساتھ کہیں جارہا تھا اتفاقاً راستہ میں ''صاحب ہدایہ'' علامہ برہان الدین مرغینانی کی آمد کی آواز سنائی دی تو والد صاحب مجھے چھوڑ کر قریب کی ایک گلی میں چلے گئے، ابھی میں وہیں کھڑا تھا کہ علامہ برہان الدین مرغینانی کی سواری آگئی، میں نے آگے بڑھ کر آپ کو بڑے ادب سے سلام کیا، آپ نے مجھے ذرا غور سے دیکھنے کے بعد فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بات کے کہنے کا حکم دیا ہے کہ یہ لڑکا آئندہ اپنے زمانے کا بڑا عالم و فاضل ہوگا۔'' یہ سن کر میں تھوڑی دور تک آپ کے ساتھ چلتا رہا، پھر آپ نے فرمایا کہ خدا مجھ سے کہلوا رہے ہیں کہ یہ بچہ آئندہ اتنا بڑا ہوگا کہ شاہان وقت اس کے دروازے پر (فیض حاصل کرنے کے لیے) آیا کریں گے۔

حکایت: شیخ برہان الدین محمود اکثر و بیشتر یہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ میرے کسی کبیرہ گناہ کی دریافت و تفتیش نہیں کریں گے، البتہ مجھ سے ایک گناہ کبیرہ ہوا جس کے بارے میں ضرور سوال فرمائیں گے، لوگوں نے پوچھا، آپ کا وہ کبیرا گناہ کونسا ہے؟ جواب میں فرمایا میرا کبیرہ گناہ ہے ستار سننا، اور حقیقت یہ ہے کہ میں نے ستار بہت سنا ہے، اگر اب بھی قابو پاؤں تو ضرور سنوں، آپ کا مزار حوض شمسی کی مشرقی سمت ہے جسے لوگ ''تختہ نور'' کہتے ہیں اور متبرک سمجھ کر زیارت کرنے آیا کرتے ہیں، نیز یہاں کے باشندے اپنے بچوں کو آپ کے مزار کی مٹی چٹاتے ہیں تاکہ حصول علم میں مزید خیر و برکت ہو، اسی وجہ سے آپ کی قبر نیچے کی طرف سے ٹوٹ جاتی ہے، جسے پھر از سر نو تعمیر کیا جاتا ہے۔

شیخ احمد نہروانی رحمۃ اللہ علیہ

۵۷۹ھ.................۶۶۱ھ

آپ قاضی حمید الدین محمد بن عطا، ناگوری کے خاص مرید اور کامل بزرگ تھے اور باعتبار پیشہ کے جولاہے تھے، شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے، اگر کوئی شیخ احمد نہروانی کے مشغول بحق ہونے کا اندازہ لگائے تو دس صوفیوں کے اشغال بالذکر سے کم نہ پائیگا، سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء نے فرمایا جس مجلس سماع میں بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو خاص واقعہ پیش آیا اس مجلس میں شیخ احمد نہروانی بھی موجود تھے۔

شیخ نصیر الدین محمود چراغ آپ کے بارے میں یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ شیخ احمد نہروانی کو کبھی کبھی کرگھے پر کام کرتے وقت حالت وجد طاری ہو جاتی تھی اور اس وجہ سے آپ کپڑا بننا چھوڑ دیتے تھے، لیکن کرگھا چلتا رہتا اور کپڑا خود بخود تیار ہوتا رہتا، ایک دفعہ قاضی حمید الدین ناگوری (جن کے حالات پہلے گزر چکے) آپ کے ہاں بغرض ملاقات تشریف لائے اور جاتے وقت فرمانے لگے شیخ احمد کب تک اس کام میں لگے رہو گے؟ یہ فرما کر قاضی صاحب تو تشریف لے گئے اور شیخ احمد نہروانی ان میخوں کو کسنے کے لیے اٹھے جو ڈھیلی پڑ گئی تھیں، ابھی ایک میخ کسنا ہی چاہتے تھے کہ آپ کا ہاتھ ٹوٹ گیا جس پر شیخ احمد نہروانی نے ہندی زبان میں فرمایا کہ پیر قاضی حمید الدین نے میرا ہاتھ توڑ دیا۔

اس واقعہ کے بعد آپ نے جولاہوں کا پیشہ ترک فرما دیا اور مکمل طور پر یاد الٰہی میں مصروف و مشغول ہو گئے، آپ کا مزار بدایوں میں ہے۔

شیخ محمد ترک نارنولی رحمتہ اللہ علیہ

۵۶۷ھ.................۶۴۲ھ

آپ کا اصل وطن ترکستان تھا وہاں سے آ کر نارنول میں سکونت پذیر ہوئے، لوگوں کا بیان ہے کہ آپ خواجہ عثمانی ہارونی کے مرید تھے، ملفوظات مشائخین میں ذکر دیکھنے میں نہیں آیا، نارنول کے رہنے والے لوگ آپ کے پیر ترک اور ترک سلطان کہا کرتے تھے، آپ کا مزار عام و خاص لوگوں کا مرجع ہے، نارنول میں ایک حوض کے کنارے آپ کا مزار تھا، وہ

حوض ٹوٹ پھوٹ گیا اور اب اس جگہ شہری آبادی ہے۔

جب آپ نارنول پہنچے ہیں تو اس وقت مجرد، متوکل اور عورتوں کی مجلس سے دور رہتے تھے، آپ کے کوئی بال بچہ بھی نہ تھا، آپ بیعت نہیں کیا کرتے تھے اسی لیے آپ کا کوئی شخص مرید نہیں۔

حکایت: اسلام کے ابتدائی دور میں نارنول میں کافروں کی بڑی قوت تھی، مسلمان بہت تھوڑی مقدار میں تھے اور ہندو موقع کی تاک میں رہتے، عید کے روز جب تمام مسلمان عید کی نماز پڑھ رہے تھے ہندوؤں نے یکدم اور اچانک حملہ کر دیا اور مسلمانوں پر بجلی کی طرح ٹوٹ پڑے، اس حملے میں اکثر و بیشتر مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا، اور شیخ محمد ترک بھی اسی دن شہید ہوئے۔ اکثر شہداء کو تہنہ پال کے حوض کے ایک کنارے سپرد خاک کیا گیا اور شیخ کو ان کی جائے سکونت میں دفن کیا گیا، اس گنج شہداء میں دو شہید اور بھی مدفون ہیں، ایک کا مزار بلندی پر ہے جن کو بلند شہید کہتے ہیں اور دوسرے کا مزار نیچے ہے جنہیں نشیب شہید کہتے ہیں، دونوں شہید قرآن کریم کے حافظ تھے، بعض بزرگوں نے ان دونوں شہیدوں کی قبروں سے قرآن کریم کی تلاوت کی آواز سنی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں قرآن کریم کا ورد کر رہے ہیں ایک پڑھ رہا ہے اور دوسرا سن رہا ہے اور دونوں کے دونوں قرآن کو دہرا رہے ہیں۔

حکایت: ایک مرتبہ شیخ محمود چراغ دہلوی کو کسی بادشاہ نے جبراً ٹھٹھہ کی طرف جانے کا حکم دیا، چنانچہ آپ نارنول سے ٹھٹھہ کی جانب روانہ ہوگئے، نارنول سے تقریباً دو ۲ میل دور گئے تھے کہ محافظان حکومت کی حراست سے نکل کر شیخ محمد ترک کے مقبرے کی جانب متوجہ ہوئے، مقبرے میں ان کی قبر کے سامنے ہی ایک پتھر لگا ہوا ہے، پہلے کچھ دیر اس پتھر کی جانب متوجہ رہے پھر آپ نے شیخ محمد ترک کی قبر کی جانب رخ فرمایا، جب زیارت سے فارغ ہوگئے تو لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ اس میں کیا راز تھا کہ ابتداً آپ نصب شدہ پتھر کی جانب اور پھر قبر کی طرف متوجہ ہوئے، آپ نے جواب دیا کہ وہ خادم بڑا ہی خوش نصیب ہے، جسے آقا اور مخدوم اس کے گھر خود نوازنے کے لیے تشریف لائے اور اسے سرفراز کرے، میں نے اس پتھر کے اوپر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت جلوہ نما

دیکھی، اور جب کشفِ معانی رہا میں نے اس پتھر کی جانب رخ کئے رکھا پھر جب کشف معانی میری نظروں سے اوجھل اور دور ہوگیا تو میں شیخ محمد ترک کی قربت کی طرف متوجہ ہوا، اس کے بعد چراغ دہلوی سرنگوں ہوکر مراقبہ میں مصروف ومنہمک ہوگئے ذرا دیر بعد مراقبہ سے سر اٹھاکر فرمایا جس کو کوئی مشکل درپیش ہو وہ اس روضہ کی جانب متوجہ ہو (اور خدا سے دعا کرے۔ فاضل ۱۲) تو امید ہے کہ اس کی مشکل آسان ہو جائے گی، ان نگراں سپاہیوں میں سے ایک گستاخ سپاہی نے کہا اب آپ خود مشکل میں مبتلا ہیں (اپنی مشکل تو آسان ہو نہیں رہی اور دوسروں کی مشکل کشائی کی رہنمائی کر رہے ہیں) آپ نے فرمایا، ہاں میرے کہنے کا بھی مطلب یہی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی برکت سے میری مشکل آسان فرمادیں گے (چنانچہ آپ مزار سے روانہ ہوگئے) ابھی آپ نارنول سے پانچ ہی میل آگے بڑھے ہوں گے کہ بادشاہ وقت کی مرگ کی اطلاع ملی اور شیخ چراغ دہلوی پھر واپس تشریف لے گئے، وہ پتھر (جس کا اوپر ذکر ہے) اب تک شیخ محمد ترک کے مزار کے سامنے موجود ہے اور لوگ اس کی زیارت کرنے آتے رہتے ہیں۔

شیخ ترک بیابانی رحمۃ اللہ علیہ

۷۱۸ھ.................۷۷۱ھ

آپ شاہ ترکمان کے لقب سے مشہور تھے، لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ شیخ شہاب الدین سہروردی کے مریدوں میں سے تھے، آپ کے کچھ بھی حالات معلوم نہ ہوسکے جو دائرۂ تحریر میں لائے جاتے، آپ کی قبر دہلی میں قلعہ کے پاس فیروز آباد کی جانب ہے۔

شیخ شاہی موئے تاب رحمۃ اللہ علیہ

۵۰۲ھ.................۶۵۸ھ

آپ بدایوں کے رہنے والے تھے، قاضی حمید الدین ناگوری آپ کو "شاہ روشن ضمیر" کہا کرتے تھے، آپ کو قاضی صاحب موصوف نے خرقہ پہنا کر "شیخ محمود موئینہ دوز کی طرف کہلا بھیجا، کہ آج میں نے یہ کام کیا ہے کہ ایک بادشاہ کو گودڑی پہنا دی ہے، امید ہے کہ یہ بات آپ کو پسند آئے گی، چنانچہ شیخ محمود موئینہ دوز نے قاضی صاحب کو جواب میں کہا کہ

آپ جو کچھ کریں قابل پسندیدگی ہے۔

حکایت: ایک دن شیخ شاہی موئے تاب کے کچھ دوست دھوپ میں اتنی دیر تک کھڑے رہے کہ ان کے بدن سے خون پسینہ بہنے لگا، اپنے دوستوں کی یہ حالت دیکھ کر شیخ نے اسی وقت ایک خون نکالنے والے کو بلوایا، لوگوں نے عرض کیا کہ آپ اس سے کیا کام لینا چاہتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ میرے دوستوں کا جتنا پسینہ نکلا ہے میں اتنا خون اپنے بدن سے نکلوادوں گا۔

خیرالمجالس میں یہ تمام واقعہ اس تفصیل سے لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ کے چند دوست آپ کو (کسی کام سے) کہیں باہر لے گئے وہاں ان لوگوں نے کھیر پکائی جب کھیر پک گئی، تو کھانے کے لیے دسترخوان بچھایا گیا شیخ نے کھانے کی طرف دیکھ فرمایا، اس کھانے سے خیانت کی بو آرہی ہے میں اسے ہرگز نہیں کھاؤں گا، تمام دوستوں نے حیران ہو کر عرض کی، ہم میں سے کسی نے بھی خیانت نہیں کی ہے، لیکن وہ دو ساتھی جو کھیر پکانے پر مقرر کئے گئے تھے، آگے بڑھے اور کہنے لگے کہ جب دودھ کو ابال رہا تھا اور جھاگ بہہ رہے تھے اس وقت ہمارے پاس دوسرا کوئی ایسا برتن نہ تھا جس میں کچھ دودھ نکال لیتے تاکہ وہ گرنے نہ پائے ہم نے مجبور ہو کر کچھ دودھ نکال کر پی لیا کہ گرنے سے تو یہی بہتر ہے، اس پر شیخ نے فرمایا کہ دوستوں کے سامنے کھانا رکھنے سے پہلے جو کوئی اس سے کھالیتا ہے وہ خیانت کرتا ہے، ان دونوں نے بہت عذر پیش کیا مگر آپ نے ان کی عذرخواہی قبول نہ کی اور ان دونوں کو شرمندہ ہونا پڑا، چونکہ گرمی کا زمانہ تھا اس لیے کھڑے کھڑے ان کو اتنا پسینہ آیا کہ بدن سے ٹپکنے لگا، یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ جاؤ اس مرتبہ تو معاف کیا آئندہ ایسا فعل نہ کرنا اس کے بعد خون نکالنے والے کو بلوایا اور فرمایا کہ میرے دوستوں کا جتنا پسینہ بہا ہے اتنا خون میرے بدن سے نکال کر زمین پر بہا دو، شیخ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ آپ کو اپنے دوستوں سے محبت اتنی تھی کہ اپنے بدن سے خون بہا دینے کا حکم دیتے ہیں اور شریعت کے آداب کا اتنا خیال کہ ان کی عذرخواہی قبول نہیں فرماتے۔

حکایت: ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اتفاق سے شیخ نظام الدین اولیاء بیمار ہو گئے تو آپ نے شیخ شاہی موئے تاب کو بلا بھیجا اور فرمایا ہمت کیجئے کہ میری بیماری صحت سے بدل

جائے، شیخ شاہی موئے نے عذر خواہی کے ساتھ کہا، آپ بزرگ اور مجھ سے یہ خواہش کرتے ہیں، میں تو ایک بازاری آدمی ہوں میں کیا کر سکتا ہوں، شیخ نظام الدین نے ان کا عذر قبول نہ کیا اور فرمایا کہ آپ میرے لیے دعا کریں اور ہمت باندھیں تاکہ میری بیماری صحت سے بدل جائے، تو شیخ موئے تاب نے کہا، اگر آپ مصر ہیں تو دو آدمی میرے پاس بلوا لیجئے چنانچہ دو آدمی بلوا لیے گئے جن میں سے ایک کا نام شرف تھا جو نیک اور بہت صالح آدمی تھا اور دوسرا درزی تھا، شیخ موئے تاب نے ان دونوں سے کہا کہ شیخ نظام الدین اولیاء نے مجھے اس کام کا حکم دیا ہے جو کام میں کہوں اس میں تم میری مدد کرو، شیخ کا جسم سر سے لے کر سینہ کے نیچے تک میرے سپرد ہے باقی ایک ایک ٹانگ تم میں سے ہر ایک کے حوالہ ہے، چنانچہ تینوں آدمی ازالہ مرض کے لیے مصروف کار ہو گئے اور شیخ نظام الدین اولیاء صحت یاب ہو گئے۔

شیخ بدرالدین موئے تاب رحمۃ اللہ علیہ

۴۹۹ھ............................۵۵۰ھ

آپ شیخ شاہی موئے تاب کے بھائی تھے، شاہی موئے تاب کی وصیت کے مطابق آپ خواجہ قطب الدین کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے تو خواجہ صاحب نے فرمایا آیئے شیخ بدرالدین آپ تو خود ولی ہیں، آپ کا مزار بدایوں میں نماز گاہ شمسی کے عقب میں واقع ہے، آپ پر اللہ کی رحمتیں ہوں۔

شیخ محمود موئینہ دوز رحمۃ اللہ علیہ

۵۸۸ھ............................۶۵۵ھ

آپ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں اور دوستوں میں سے تھے، خواجہ صاحب کی اکثر و بیشتر مجالس میں آپ شریک رہتے تھے، خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں آپ کا کثرت سے ذکر کیا گیا ہے، آپ کا مزار بھی خواجہ صاحب کے مقبرے کے نزدیک اس دروازے کے باہر ہے جو حوض شمسی کی جانب ہے، حاجت مند لوگ آپ کے مزار پر آ کر ایک پتھر اٹھا کر ایک جانب

رکھ دیتے ہیں، اور جب مراد پوری ہو جاتی ہے تو اس پتھر کے وزن کے برابر شکر بانٹتے ہیں۔

مولانا مجد الدین حاجی رحمۃ اللہ علیہ

۵۷۲ھ..........................۶۲۳ھ

بزرگوں کے وہ تمام ملفوظات جو ہمارے مطالعہ سے گزرے مولانا مجد الدین حاجی رحمۃ اللہ علیہ کا ان میں سے کسی ایک میں بھی ذکر نہیں، البتہ بعض بزرگوں سے زبانی سنا ہے کہ مولانا مجد الدین حاجی رحمۃ اللہ علیہ بھی ایک بزرگ تھے، اور سلسلہ سہروردیہ میں شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے، آپ نے بارہ حج فرمائے تھے اور دہلی میں رہتے تھے، اسی زمانہ میں سلطان شمس الدین التمش نے آپ کو دہلی کا وزیر انتظامات مقرر کر دیا، چونکہ آپ نے اس عہدہ کو بطیب خاطر اور برضا ورغبت قبول نہیں فرمایا تھا اس لیے دو سال تک وزارت متعلقہ کے جملہ کام احسن طریق اور بہترین نظم ونسق سے انجام دینے کے بعد سلطان کی خدمت میں عرض کیا کہ اب تو فقیر کو اس کام سے معذور تصور کرتے ہوئے معاف فرمائیں چنانچہ سلطان نے آپ کی بات کو تسلیم کرتے ہوئے آپ کو عہدۂ وزارت سے سبکدوش کر دیا، بقر عید کے تین دن جو عام طور پر کھانا کھلانے کے ہیں اس علاقہ کے رہنے والے شہر سے نکل کر حاجی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جمع ہوتے ہیں اور اس اجتماع کو مولانا مجد الدین کا ختم کہتے ہیں۔

شاہ خضر رحمۃ اللہ علیہ

۵۴۹ھ..........................۵۹۹ھ

آپ قلندر قسم کے بزرگ تھے، روم کے رہنے والے تھے، آپ سے بیشمار کرامتیں ظاہر ہوا کرتی تھیں، ابتداً آپ کسی کو اپنا مرید نہ فرمایا کرتے تھے، آپ خواجہ بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی ہی میں دہلی تشریف لائے تھے، چنانچہ آپ نے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کلاہ اور خرقہ شاہ خضر کی قیام گاہ پر بھجوا کر رخصت کیا، اس کے بعد شاہ خضر کو جونپور جانے کا اتفاق ہوا، جب آپ موضع سرہرپور پہنچے تو وہاں شاہ قطب رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مرید ہو گئے، آپ نے شاہ قطب کو

خلافت دینے کے بعد پھر اپنے اصلی وطن روم کا رخ کیا، اس وقت بھی ہندوستان میں آپ کا سلسلہ قائم ہے جس کو سلسلہ قطوریہ چشتیہ کہتے ہیں۔

شیخ بدرالدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ

۵۴۶ھ.......................۶۵۷ھ

آپ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ تھے اور سماع کے بڑے رسیا اور شوقین تھے آپ کے زمانے کے مشائخ آپ کی بزرگی کا اعتراف کیا کرتے تھے، آپ کا وعظ و پند بھی کیا کرتے تھے جس میں بہت عمدہ باتیں بہترین اسلوب سے بیان کیا کرتے تھے، آپ کی وعظ کی مجلسوں میں علاوہ دوسرے لوگوں کے شیخ فرید الدین گنج شکر کثرت سے شریک رہتے تھے، آپ ابتداً غزنیں سے لاہور تشریف لائے اور یہاں سے دہلی منتقل ہو کر وہیں سکونت پذیر ہو کر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہو گئے۔

سیر الاولیاء میں بحوالہ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء منقول ہے کہ شیخ بدر الدین غزنوی کی حضرت خواجہ خضر سے جان پہچان تھی ایک مرتبہ شیخ غزنوی کے والد ماجد نے غزنوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ خضر سے ہماری ملاقات بھی کرا دو تو بہتر ہوگا۔

شیخ غزنوی ایک مرتبہ مسجد میں وعظ فرما رہے تھے ایک آدمی مجمع سے دور ایک بلند جگہ پر بیٹھا ہوا تھا شیخ غزنوی نے اپنے والد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ شاہ خضر وہ بیٹھے ہوئے ہیں، شیخ غزنوی کے والد نے کہا کہ وعظ کے بعد ان سے ملاقات کروں گا چنانچہ جب وعظ ختم ہوا تو شاہ خضر بھی اپنی جگہ سے روپوش ہو گئے، سلطان المشائخ کا بیان ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ بدر الدین غزنوی کی زبانی سنا ہے کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ اکثر و بیشتر یہ دو ۲ بیت پڑھا کرتے تھے۔

رباعی

سودائے تو اندر دل دیوانہ ماست	ہر جا کہ حدیث تست افسانہ ماست
بیگانہ کہ از تو گفت آں خویش من ست	خویشی کہ نہ از تو گفت بیگانہ ماست

(ہمارے دیوانہ دل میں تمہارا عشق ہے، جہاں تمہارا ذکر ہے وہاں ہمارا افسانہ بھی ہے جو میرا رشتہ دار نہیں وہ تمہارا ذکر کرنے کی وجہ سے میرا رشتہ دار ہے اور جو میرا رشتہ دار ہے اگر وہ تمہارا ذکر نہیں کرتا تو وہ بیگانہ اور دشمن ہے) نیز سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ بدر الدین غزنوی بوڑھے ہونے کی وجہ سے بیحد کمزور ہو گئے تھے لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ بوڑھے ہو گئے (مگر تعجب ہے) کہ رقص کس طرح کرتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ بوڑھا رقص نہیں کرتا بلکہ عشق رقص کرتا ہے جہاں عشق ہوتا ہے وہاں رقص بھی ہوتا ہے، اس سوال و جواب کی وجہ سلطان المشائخ یہ لکھتے ہیں کہ شیخ بدر الدین بوڑھے ہو جانے کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے مگر جب محفل غزل خوانی کا انعقاد ہوتا تو وہاں آپ بعض اشعار سن کر قابو سے باہر ہو کر رقص کرنے لگتے تھے، آپ کا مزار خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے پائیں میں ہے۔

خواجہ بست رحمۃ اللہ علیہ

۴۰۰ھ............۴۹۵ھ

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار سے شمالی جانب ذرا اونچائی پر ایک قبر ہے جسے خواجہ بست رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کہتے ہیں، لوگوں میں مشہور ہے کہ دہلی فتح ہونے سے پہلے آپ یہاں دفن کیے گئے تھے، یہ اس وقت کی بات ہے جب خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ تعمیر نہ ہوا تھا، بہر حال خواجہ بست رحمۃ اللہ علیہ کے حالات (بڑی جستجو اور تتبع سے) ہمیں معلوم نہ ہو سکے واللہ اعلم بالصواب۔

مولانا ناصح الدین رحمۃ اللہ علیہ

۶۱۹ھ............۷۱۲ھ

آپ قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور سجادہ نشین تھے، سیر الاولیاء میں بحوالہ شیخ المشائخ منقول ہے کہ ایک شخص جسے لوگ عزیز بشیر کہا کرتے تھے خرقہ درویشی حاصل کرنے کی غرض سے بدایوں سے دہلی آیا، یہاں آتے ہی اس نے اسی نیت سے حوض سلطان پر لوگوں کو جمع کیا، اس اجتماع میں بہت سے درویش بھی موجود تھے، عزیز

بشیر جو طلب خرقہ کے لیے دہلی آیا تھا حوض سلطان کی طرف دیکھ کر کہا کہ یہ حوض معمولی ہے اور بدایوں کا حوض (المعروف باسم) حوض ساغر اس سے بہت اچھا ہے، اس اجتماع میں ایک شخص محمد کبیر نامی بھی موجود تھا، جب انہوں نے یہ بات سنی تو مولانا ناصح الدین سے عرض کیا کہ اسے خرقہ درویشی نہ دینا کیونکہ یہ شخص بڑا جھوٹا اور کذاب ہے۔

شیخ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ

۶۰۹ھ.........................۶۵۳ھ

آپ حضرت معین الدین چشتی کے لخت جگر اور فرزند ارجمند تھے، کھیتی باڑی آپ کا محبوب مشغلہ تھا، اجمیر کے قریب آپ نے ایک گاؤں ماندل آباد کیا، ملفوظات مشائخین چشت میں ہے کہ حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے لڑکے نے ایک گاؤں آباد کیا مگر اس وقت کا حاکم ان کو پریشان کرتا رہتا تھا جس کے دفعیہ کے لیے وہ دہلی آ گئے، اس عبارت سے شیخ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ ہی مراد ہیں، آپ اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد بیس سال تک زندہ رہے، اجمیر سے بتیس ۳۲ میل کے فاصلے پر آپ نے قصبہ سردار میں وفات پائی، اسی قصبہ کے ایک حوض کے پاس آپ کا مزار ہے۔

طبقہ دوئم

حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر اور ان کے معاصرین مریدوں اور خلفاء کے حالات میں

خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

۶۰۹ھ.......................۶۶۸ھ

آپ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور خواجہ اجمیری سے فیض یافتہ تھے، آپ کا شمار اکابر اولیاء کرام میں سے ہے۔ ریاضت، مجاہدہ، فقر اور ترکِ دنیا آپ کے محبوب ترین مشغلے تھے آپ کشف و کرامت کی علامت اور ذوق ومحبت کی درخشندہ نشانی تھے ہمیشہ سرِ خفی میں کوشاں رہتے، خود کو لوگوں کی نظروں سے چھپائے رکھتے اور ایک شہر سے دوسرے شہر کی جانب کوچ فرماتے رہتے، آخر کار اجودھن (موجودہ پاکپتن) تشریف لائے، یہاں کے باشندے تندخو، ظاہر پرست اور خاص کر فقیروں اور درویشوں کے دشمن تھے، آپ نے اس جگہ پہنچ کر فرمایا کہ یہ مقام میرے رہنے کے مناسب ہے چنانچہ وہیں رہنے لگے، آپ کا یہاں پر کوئی پرسان حال نہ تھا قصبہ کے باہر کریر کے درخت تھے، ان میں سے ایک گھنے درخت کے نیچے بیٹھ کر یادالٰہی میں مشغول ہوگئے، یہاں کی مسجد میں اکثر و بیشتر نماز پڑھتے اور عبادت کرتے، یہیں آپ کے فرزند پیدا ہوگئے اور یہیں آپ نے فاقے کئے اور یہیں مجاہدے اور ریاضت کی صعوبتوں کو برداشت کرتے رہے چونکہ زبردست روحانیت کے مالک تھے اس لیے پوشیدہ نہ رہ سکے۔

حکایت: ایک دفعہ آپ کا زیب تن لباس پارہ پارہ اور بوسیدہ ہوگیا ایک شخص آپ کی خدمت میں ایک کرتہ لایا آپ نے وہ کرتہ زیب تن فرمایا اور پھر فوراً ہی اتار کر شیخ نجیب

الدین المتوکل کو دیدیا اور فرمایا کہ جو لطف اور سرور مجھے اس پرانے کرتے میں ہے وہ نئے کرتے میں نہیں آتا۔

حکایت: حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ وہ اکثر و بیشتر شربت سے روزہ افطار فرمایا کرتے تھے، اسی عادت کے موافق جب افطار کا وقت ہوتا تو آپ کے سامنے ایک شربت کا گلاس جس میں منقی کے دانے ہوتے پیش کیا جاتا جس میں سے آدھا بلکہ دو تہائی تو حاضرین مجلس میں تقسیم فرما دیتے اور باقی خود نوش فرماتے اور بعض دفعہ اس میں سے بھی کچھ کسی طلبگار کو دیا کرتے تھے پھر دو روغنی روٹیاں آپ کے سامنے پیش کی جاتی تھیں جن میں سے ایک ٹکڑا نوش فرما کر باقی حاضرین مجلس میں تقسیم کر دیتے اس کے بعد دستر خوان پر مختلف الاقسام کے کھانے چنے جاتے جو تمام لوگ کھاتے اور آپ دوسرے دن افطار تک کچھ تناول نہ فرماتے سوتے وقت اسی کمبل کو جس پر دن کو بیٹھا کرتے تھے بچھونا بنا لیتے اور یہ کمبل اتنا چھوٹا تھا کہ اس کے بچھونے پر لیٹتے وقت آپ کے پاؤں اس سے باہر ہی رہتے تھے۔

حکایت: حضرت نظام الدین اولیاء فرمایا کرتے تھے کہ شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اکثر و بیشتر زنبیل کی روٹی کھایا کرتے تھے اور افطار کے وقت زنبیل میں سے ایک دو ٹکڑے لازماً آپ کے سامنے لائے جاتے تھے، شیخ فرید الدین محمود کا بیان ہے کہ میں نے ایک بڑی مدت تک شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی زنبیل گردانی کی ہے اور نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضری دیتے وقت کئی مرتبہ کہا ہے کہ ہم جس رات شیخ گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں دلیہ یا کریر کے پھول پیٹ بھر کر کھا لیتے اس دن ہماری عید ہو جاتی اور جو ہم سے بچتا وہ ہمارا ایک دوست چن لیتا جسے دوسرے سب لوگ کھا لیتے تھے البتہ جب دلیہ یا کریر کے پھول وغیرہ نہ ہوتے تو ہم زنبیل گردانی کرتے نیز شیخ فرید الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت نظام الدین اولیاء کے ہاں بھی کئی سال تک زنبیل گردانی کی ہے اور ان تمام حضرات نے یہی معمولی سی غذا کھا کر اتنے اعلیٰ اور بلند ترین مقامات حاصل کئے ہیں۔

حکایت: شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا نوکر ایک دن ایک پیسے کا نمک ادھار

لے کر آیا جب اس نے کھانا پکا کر شیخ کے پاس بھیجا تو آپ کو باطنی نور کے ذریعہ معلوم ہوا تو نوکر سے فرمایا کہ اس کھانے سے خیانت کی بو آ رہی ہے میرے لیے یہ کھانا جائز نہیں (چنانچہ وہ کھانا واپس کر دیا اور کھایا نہیں۔)

حکایت: ایک دفعہ آپ کی بیوی نے آپ سے آ کر عرض کیا کہ ایک لڑکا بہت سخت بیمار ہے (مطلب یہ تھا کہ اس کے علاج کی فکر کریں۔ فاضل ۱۲) اور بھوک کی شدت سے مر رہا ہے، شیخ گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے سر اٹھا کر جواب دیا کہ مسعود کیا کرے اگر موت آ جائے اور بھوک سے مر جائے اور دنیا سے سفر کر جائے تو اس کے پاؤں میں رسی باندھ کر باہر پھینک دو۔ (یہ بیوی کے ذہن کا علاج تھا کہ اسے ہر جانب سے مایوس کر کے خدا کی جانب متوجہ کرنا تھا۔ فاضل ۱۲)۔

حکایت: شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے جب مجاہدہ کرنا چاہا تو اس سلسلے میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا آپ نے فرمایا طے کا روزہ رکھو (طے کا روزہ وہ ہوتا ہے جس میں افطار صرف پانی سے کرتے ہیں اور یہ کم از کم تین دن کا ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک سال، اس طرح روزہ رکھنا صوفیائے کرام کے ہاں ایک عام رسم ہے اور اکابر علمائے اسلام میں بھی بعض حضرات رمضان میں افطار صرف چائے وغیرہ سے کرنے کے بعد اور کچھ نہیں کھایا کرتے تھے۔ رحمہم اللہ۔ فاضل ۱۲) چنانچہ شیخ گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے طے کے روزے رکھنے شروع کر دیئے، اور تین روز تک کچھ نہ کھایا، تیسرے روز افطار کے وقت ایک آدمی نے آپ کے سامنے چند روٹیاں لا کر رکھیں، آپ سمجھے کہ غیب سے آئی ہیں اور انہیں روٹیوں سے افطار کیا لیکن پیٹ نے انہیں قبول نہیں کیا اور کھایا پیا تمام باہر آ گیا، آپ نے یہ واقعہ اپنے پیر و مرشد سے کہا تو انہوں نے فرمایا کہ اے مسعود! تم نے تین روز روزہ رکھنے کے بعد ایک شرابی کا کھانا کھایا لیکن اللہ کی عنایت نے تمہاری دستگیری فرمائی کہ تمہارے معدے میں اس غذا کو رہنے نہ دیا، اب جاؤ اور پھر تین دن طے کا روزہ رکھو اور غیب سے جو کچھ ملے اس کو کھا کر گزر کرو چنانچہ شیخ گنج شکر نے پھر تین دن طے کا روزہ رکھا اور شام کو کوئی کھانا میسر نہ ہوا، یہاں تک کہ رات کا ایک پہر گزر گیا اور کمزوری بڑھ گئی بھوک کی حرارت سے بدن جلنے لگا، اس عالم بیتابی میں آپ نے ہاتھ

بڑھا کر زمین سے کچھ سنگریزے اٹھا کر منہ میں ڈالے تو وہ شکر ہو گئے آپ کو فوراً خیال آیا کہ ہوسکتا ہے یہ بھی شیطانی کرشمہ ہو اس لیے ان سنگریزوں کو تھوک دیا اور پھر یاد الٰہی میں مصروف ہو گئے جب آدھی رات ہوگئی تو کمزوری پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی آپ نے پھر زمین سے کچھ سنگریزے اٹھا کر منہ میں ڈال لیے وہ پھر شکر بن گئے آپ نے انہیں بھی تھوک دیا، آپ نے تین مرتبہ اس طرح کیا اور ہر مرتبہ یہی کرامت ظاہر ہوتی رہی تو یقین ہوا کہ یہ نعمت خداوندی ہے اس لیے انہیں کھالیا، پھر دوسرے روز خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دی پیر و مرشد نے فرمایا کہ اچھا کیا جو سنگریزوں سے افطار کیا وہ غیب سے آئے تھے اب جاؤ شکر کی طرح ہمیشہ شیریں رہو گے اس دن سے شیخ فرید الدین مسعود کو لوگ گنج شکر کہتے ہیں اور سیر الاولیاء میں بھی یہی واقعہ لکھا ہے، آپ کے گنج شکر ہونے کی وجہ تسمیہ کا ایک واقعہ یہ بھی مشہور ہے کہ کچھ سوداگر شکر لے کر جارہے تھے شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کچھ شکر مانگی۔ انہوں نے کہا شیخ آپ کو مغالطہ ہوا ہمارے اونٹوں پر شکر نہیں بلکہ نمک ہے، شیخ نے فرمایا نمک ہی ہوگا، سوداگروں نے اپنی منزل مقصود پر پہنچنے کے بعد جب مال کھولا تو وہ واقعی نمک ہی تھا (وہ سمجھے کہ شیخ کی بددعا سے ایسا ہوا، اس لیے دوڑے دوڑے شیخ کے پاس آئے اور عرض کرنے لگے کہ واقعتہً ہم سے غلطی ہوئی آپ اسے معاف فرمائیں اور دعا کریں کہ وہ شکر ہو جائے آپ نے فرمایا کہ شکر ہو جائے گا (چنانچہ وہ نمک پھر سے شکر ہو گیا۔)

خانخاناں نواب محمد بیرم خاں بڑے صاحب جاہ وجلال اور مراتب علیا پر فائز ہونے کے باوجود فقیروں اور درویشوں سے اچھا سلوک کیا کرتے تھے، اوامر خداوندی کی تعظیم کے پیش نظر مخلوق خدا پر مہربانی اور شفقت کے کامل مجسمہ اور پیکر تھے، وہ دنیا کی زندگی نیک بختی سے گزار گئے اور دنیا سے شہادت کی موت گئے کے مصداق تھے وہ (اس واقعہ شکر و نمک کے بارے میں فرماتے ہیں،

کان نمک جہان شکر شیخ بحر و بر　　　　آں کز شکر نمک کند داز نمک شکر

(نمک کی کان، شکر کا خزینہ، بحر و بر کا شیخ وہ ہے جس نے شکر کو نمک اور نمک کو شکر بنادیا)

رباعی

کان نمک و گنج شکر شیخ فرید   کز گنج شکر کان نمک کرد پدید
درکان نمک کرد نظر گشت شکر   شیریں تر ازیں کرامتے کس نشنید

(نمک اور شکر کا خزانہ شیخ فرید ہیں جنہوں نے شکر کے خزانے کو نمک کی کان سے تبدیل کر دیا اور نمک کی کان کو ایک ہی نظر میں شکر بنا دیا اس سے زیادہ بہتر کرامتیں کسی اور کی سننے میں نہیں آئیں۔) غرضیکہ شکر کو نمک اور نمک کو شکر بنانے کے بعد آپ نے مقام اُچہ میں جاج کی جامع مسجد میں معکوس کھینچا، چالیس دن تک اس طرح عبادت کی کہ روزانہ رات کے وقت اس درخت کے سہارے جو کنویں کے کنارے پر ہے اپنے کو کنویں میں لٹکا دیتے اور صبح کو باہر نکل آتے (اس طرح کی شریعت میں کوئی عبادت نہیں البتہ بعض بزرگان ملت اپنے نفس کو اس طرح سزا دے کر اس کا علاج کرتے ہیں۔ فاضل ۱۲)

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مشہور عقل مند اور فلسفی جس کا نام ضیاء الدین تھا اور جو منارہ کے نیچے پڑھایا کرتا تھا ان کی زبانی میں نے خود سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں خواجہ فرید الدین شکر گنج کے پاس گیا۔ میں ظاہری شریعت کے علوم کے علاوہ کچھ نہ جانتا تھا، میرے دل میں خیال آیا کہ اگر شیخ نے ظاہری علوم کے علاوہ کچھ اور پوچھا تو میں کیا جواب دوں گا، میں ابھی اسی خیال میں تھا کہ شیخ نے مجھ سے پوچھا تنقیح مناط کیا ہے؟ (تنقیح مناط کے معنی ہیں بے خودی کے اسباب جس کو اہل تصوف کی اصطلاح میں وجد و حال کہتے ہیں) چونکہ تنقیح مناط علم خلاف کا ایک خاص مسئلہ ہے، شیخ کے اس مسئلہ پوچھنے سے مجھے بڑی مسرت ہوئی اور میں نے اس مسئلہ کو بڑی وضاحت سے بیان کیا اور اس کے نفی و اثبات کے ہر پہلو کو اجاگر کیا۔ بابا فرید الدین گنج شکر نے اپنی زندگی کے انسٹھ برس پورے کر کے ۵ محرم الحرام ۶۶۵ ہجری میں وفات پائی۔

حکایت: پانچویں یوم کی شب کو شیخ پر مرض کی شدت طاری ہوئی باجماعت عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد بے ہوش ہو گئے، تھوڑی دیر کے بعد جب ہوش میں آئے تو حاضرین سے پوچھا کہ کیا میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے لوگوں نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا، ایک مرتبہ اور پڑھ لوں پھر کون جانے کیا ہوگا، چنانچہ آپ نے دوسری مرتبہ پھر عشاء کی نماز

پڑھی، اوراس کے بعد پھر بیہوش ہو گئے اور جب ہوش آیا تو پوچھا، کیا میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ آپ اس سے پہلے دو بار پڑھ چکے ہیں، آپ نے فرمایا ایک مرتبہ اور پڑھ لوں پھر معلوم نہیں کیا ہو، غرضیکہ آپ نے تیسری بار بھی عشاء کی نماز پڑھی اور نماز پڑھنے کے بعد ''یا حی یا قیوم'' کہتے ہوئے جان جان آفریں کے سپرد کی۔

حضرت شیخ گنج شکر کے بعض ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ملے ہیں جن میں لکھا ہوا ہے کہ چار چیزوں کے بارے میں سات سو مشائخ سے سوال کیا گیا تو سب نے ایک ہی جواب دیا،

(۱) گناہوں کو چھوڑ دینے والا ہی سب سے زیادہ عقل مند ہے۔

(۲) دانا اور حکیم آدمی وہ ہے جو کسی چیز پر غرور نہیں کرتا۔

(۳) قناعت کرنے والا ہی سب سے زیادہ مالدار اور غنی ہے۔

(۴) تارکِ قناعت ہی سب سے زیادہ محتاج اور غریب ہے۔

نیز لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس آدمی سے شرم آتی ہے جو بندہ اللہ کے دربار میں رہے، سوال دراز کرے اور وہ اسے خالی واپس کردے، فرماتے ہیں، ہونے کا غم نہیں اور نہ ہونے کا افسوس نہیں، نامرادی اور مایوسی کا دن دراصل مردان خدا کی معراج ہے، لوگوں کی سرد کلامی کی وجہ سے اپنی سرگرمی نہیں چھوڑنی چاہئے، شیخ جلال الدین رومی فرمایا کرتے تھے کہ باتوں کا دل پر اثر ہوتا ہے اس لیے اولاً ہر بات کے اول و آخر کو خوب جانچو اور پرکھو، اگر وہ کام اور بات اللہ کے لیے ہے تو بات کرو ورنہ خاموش رہو، فقیر جب کوء ینیا کپڑا پہنے تو وہ یہ سمجھے کہ اس نے کفن پہن لیا ہے، تم جیسے (اندر میں) ہو ویسے (باہر میں) نظر آؤ، ورنہ تمہاری اصل اور حقیقت خود بخود ظاہر ہو جائے گی، اچھے اور پاکیزہ جذبات و نظریات ثقلین کی عبادت سے بہتر ہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص لوگوں کی عیب جوئی سے کنارہ کش اور علیحدہ رہا وہ نیک بخت اور خوش قسمت ہے اور صوفی کسی چیز کو مکدر اور خراب نہیں کرتا بلکہ وہ ہر چیز کو مانجھ کر صاف اور منقیٰ کرتا ہے، تم اگر بزرگ ہو بڑا بننے کی خواہش رکھتے ہو تو حاکموں کی طرف توجہ نہ کرو بلکہ ان سے علیحدگی اختیار کرو اور یہ رباعی بھی انہیں کی ہے۔

لے اس لیے کہ وصل سے پہلے وصل کی تمنا اور طلب تھی جس میں سرور و کیف تھا جب معراج اور وصال ہو گیا تو تمنا اور طلب وصال کی پُر لطف کیفیت بھی ختم ہو گئی اس لیے اس کو نامرادی سے تعبیر کر دیا گیا۔ محمد فاضل ۱۲

رباعی

دو شینہ شبم دل حزینم بگرفت واندیشہ یار نازنینم بگرفت
گفتم بہ سرد دیدہ روم بردرِ تو اشکم بدوید آستینم بگرفت

(کل رات میرا دل بیقرار ہو کر نازنین محبوب کے تصور میں گم ہو گیا اور میں نے دل ہی میں کہا کہ میں خوشی خوشی آپ کے درِ دولت پر حاضری دوں گا لیکن آنسوؤں نے دوڑ کر میری آستین پکڑ لی)

حکایت: ایک محفل میں بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے اور لوگ سماع کے جواز اور عدم جواز کے متعلق علمائے کرام کے اختلاف کا ذکر کر رہے تھے ان لوگوں کی تمام تر گفتگو سننے کے بعد آپ نے فرمایا، سبحان اللہ ایک جل کر راکھ ہو چکا ہے اور دوسرے ابھی تک اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں، ایک مجلس میں آپ نے فرمایا کہ تدبیر اور زیادہ غور و فکر کرنے سے آفت آتی ہے اور تسلیم کر لینے میں سلامتی ہے، علمائے کرام عام لوگوں میں زیادہ باعزت ہیں اور درویش اور فقیر لوگ باعزت لوگوں میں، زیادہ معزز اور سردار و شریف ہیں، عالموں اور فاضلوں میں شریف کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان کے ستاروں میں چودھویں رات کا چاند، ذلیل ترین وہ انسان ہے جو اپنے کو کھانے، پینے اور پہننے میں مشغول رکھتا ہے۔

حکایت: بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے ایک دفعہ ایک معروضہ پیش کیا کہ سلطان غیاث الدین بلبن کو میرے لیے ایک سفارش نامہ تحریر فرما دیجئے، چنانچہ شیخ نے لکھا کہ میں اس شخص کا معاملہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہوئے آپ تک پہنچاتا ہوں[1]، اگر آپ اسے کچھ عطا کر دیں تو حقیقتاً یہ عطا کرنے والا اللہ ہی ہے، آپ مشکور ہوں گے اور اگر آپ عطا نہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہی مانع اور روکنے والا ہے اس طرح آپ معذور تصور کیے جائیں گے (یہ اشارہ تھا اس حدیث کی طرف اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذاالجد منک الجد)

ل یہ اس لیے کہ بابا فرید الدین گنج شکر کے نزدیک ماسوی سے امداد لینا جائز نہیں تھا اس لیے اصل استعانت کی نسبت خدا کی طرف کی تاکہ واہمہ شر سے بھی محفوظ و مضئون رہیں۔ محمد فاضل ۱۲

شیخ نظام الحق والدین محمد بدایونی قدس سرہ،
یعنی
سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

۶۳۱ھ............۷۲۵ھ

آپ شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے تھے، آپ کا نام محمد بن احمد بن علی بخاری اور آپ کا لقب سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء تھا، خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں محبوب اور مقرب تھے آپ کی برکات کے اثرات سے ہندوستان لبریز ہے، آپ کے دادا علی بخاری اور نانا خواجہ عرب دونوں اکٹھے بخارا سے لاہور تشریف لائے، یہاں ایک عرصہ طویل رہنے کے بعد بدایوں چلے گئے اور وہاں مستقل سکونت اختیار کی، آپ بہت تھوڑی سی عمر کے تھے کہ آپ کے والد ماجد خدا کو پیارے ہو گئے جن کا مدفن بدایوں ہی میں ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاء جب کچھ بڑے ہوئے تو آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کو ایک مدرسہ میں برائے حصول تعلیم داخل کر دیا جہاں آپ نے قرآن کریم اور اس کے علاوہ دوسری کتابیں پڑھنی شروع کیں، آپ کی عمر تقریباً بارہ برس کی ہوگی اس وقت آپ لغت علم ادب پڑھتے تھے، ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ملتان سے ایک غزل خواں بنام ابوبکر آپ کے استاد کے پاس آیا اس نے کہا کہ میں نے شیخ بہاؤ الدین زکریا کے سامنے مجلس سماع میں یہ شعر پڑھا تھا **لقد لسعت حیة الھویٰ کبدی** (محبت کے سانپ نے میرے دل کو ڈس لیا ہے) اور کہنے لگا کہ مجھے اس شعر کا دوسرا مصرعہ یاد نہیں رہا شیخ نظام الدین اولیاء نے فوراً دوسرا مصرعہ پڑھ کر سنایا، **لا طبیب لھا ولا مراقی** (اس کے لیے نہ کوئی طبیب ہے جو علاج و معالجہ کر کے اسے دور کر دے اور نہ کوئی منتری ہے جو جھاڑ پھونک کر کے اس کے اثرات کو دل سے دور کر دے) اس کے بعد اس غزل خواں نے شیخ بہار الدین زکریا کی تعریفوں کے پل باندھ دیئے اور کہنے لگا کہ ان کے ہاں ذکر و شغل کی یہ حالت ہے کہ آپ کے ہاں کے چکی پینے

والے مرد اور عورتیں بھی ذکر میں مشغول رہتے ہیں اور اسی قسم کی بہت سی باتیں بیان کرتا رہا لیکن ان میں سے کسی بات نے بھی نظام الدین اولیاء کے دل پر اثر نہ کیا پھر اس غزل خواں نے کہا کہ میں وہاں سے اجودھن (موجودہ پاکپتن) پہنچا، وہاں میں نے طریقت کا ایک بادشاہ دیکھا جو ایسا اچھا اور ایسا بہترین ہے (یعنی بابا گنج شکر کے مختلف قسم کے فضائل بیان کئے) غزل خواں کی یہ باتیں سنتے ہی خواجہ نظام الدین اولیاء کے دل میں شاہِ اجودھن کی محبت وارادت نے جگہ کرلی اور ان کی طبیعت پر ایک کیف وخود رفتگی سی طاری ہوگئی اور اسی وقت سے خواجہ نظام الدین اولیاء کے دل میں شیخ فرید کی محبت پیوست ہوگئی اور ان کے دیدار کی پیاس روز بروز بڑھتی رہی، چنانچہ اٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے شیخ فرید کی ملاقات کا تصور ان کے ذہن میں رہنے لگا، پھر بدایوں سے آپ بغرض حصول تعلیم دہلی تشریف لائے اور صدر ولایت شمس الملک کے تلامذہ اور شاگردوں کے زمرہ میں داخل ہو کر مقامات حریری پڑھی، اسی طرح علم حدیث بھی آپ ہی سے حاصل کیا۔ (آپ چونکہ علم منطق میں بڑے ماہر تھے اس لیے) دوسرے طالب علم آپ کو نظام الدین منطقی کہا کرتے تھے، یہاں سے فراغت تعلیم کے بعد شیخ فریدالدین کے شوق ارادت میں آپ پاکپتن تشریف لے گئے اس وقت آپ کی عمر بیس ۲۰ سال کی تھی، پاکپتن پہنچ کر آپ نے شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن کریم کے چھ پارے تجوید کے ساتھ پڑھے، عوارف کے چھ باب کا درس لیا، تمہید ابوشکور سلمی اور بعض دیگر کتب بھی شیخ فریدالدین سے پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔

نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ فریدالدین سے جب مجھے شرف پابوسی حاصل ہوا اس وقت اول ملاقات میں شیخ نے یہ شعر پڑھا تھا

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ — سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

(تیری فرقت اور جدائی کی آگ نے کئی دلوں کو کباب کردیا اور تیرے شوق کی آگ نے کئی جانیں خراب کردیں) اس کے بعد میں نے چاہا کہ آپ کی خدمت میں حاضری کے شوق کو ظاہر کروں لیکن آپ کا خوف مجھ پر اس طرح غالب آیا کہ صرف اتنا ہی کہہ سکا کہ ملاقات کا شوق بے انتہا غالب تھا، پھر مجھ پر خوف کے آثار دیکھ کر فرمایا ہر نئے آنے والے کو دہشت ہوتی ہے، اسی دن میں نے آپ سے بیعت کی اور پھر پوچھا کہ اب کیا ارشاد ہے؟

کیا پڑھنے کا سلسلہ ختم کر کے اب ورد وظائف میں مشغول ہو جاؤں؟ فرمایا ہم کسی کو حصول تعلیم سے منع نہیں کرتے وہ بھی کرو اور یہ بھی کرو، پھر دیکھو کون غالب آتا ہے، نیز فقیر اور درویش کے لیے کچھ علم بھی ضروری ہے، اس کے بعد شیخ نظام الدین اولیاء نعمت خلافت حاصل کر کے دہلی واپس آ گئے، پیر و مرشد شیخ فرید الدین گنج شکر کے پاس آپ دہلی سے پاکپتن تمام عمر میں تین مرتبہ گئے، شیخ فرید الدین کے انتقال کے وقت خواجہ نظام الدین اولیاء اتفاقاً اسی طرح موجود نہ تھے جس طرح کہ شیخ فرید الدین گنج شکر اپنے مرشد خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے وصال کے وقت ان کے پاس موجود نہ تھے اور اسی طرح خواجہ قطب الدین اپنے شیخ حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے وقت ان کے پاس موجود نہ تھے اس واقعہ کے بعد باشارہ غیبی خواجہ نظام الدین اولیاء دہلی چھوڑ کر اس کے قریب بستی غیاث میں قیام پذیر ہو گئے جہاں آپ کی خانقاہ بھی ہے۔

نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار فرمایا کہ جب معز الدین کیقباد نے وہاں ایک نیا شہر آباد کرنا چاہا تو اس وقت لوگ بڑی کثرت سے میرے پاس آنے لگے، یہاں تک بادشاہ، رئیس و امیر سبھی لوگ میری طرف رجوع کرنے لگے تو میرے دل میں خیال آیا کہ اب یہاں سے بھی چلا جانا چاہئے میں اسی خیال میں تھا کہ ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد میرے پاس ایک نازک اندام خوبصورت آدمی آیا اور اس نے یہ شعر پڑھا

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی ۔۔۔۔۔ کانگشت نمائے عالمے خواہی شد

(یعنی جب آپ ماہتاب بنے تھے اس وقت یہ کیوں نہ سمجھا کہ تم دنیا کے انگشت نما بنو گے) پھر اس جوان نے کہا کہ طریقہ یہ ہے کہ اول تو مشہور ہی نہ ہونا چاہئے، اور اگر شہرت عام ہو جائے تو پھر اس طرح رہنا چاہئے کہ کل کو محشر کے میدان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندگی نہ اٹھانی پڑے، پھر فرمایا کہ یہ قوت اور حوصلہ کی بات نہیں کہ مخلوق خدا سے پوشیدہ ہو کر خدا کی یاد کی جائے، بلکہ قوت اور حوصلہ تو یہ ہے کہ مخلوق خدا میں رہ کر خدا کی یاد کی جائے، جب اس سیم تن نے اپنی تمام باتیں کہہ لیں تو میں اس کے لیے کچھ کھانا لایا لیکن اس نے کچھ نہ کھایا، اس وقت میں نے اپنے دل سے عہد لیا کہ اب یہاں سے کسی اور جگہ نہ جاؤں گا، پھر اس نے تھوڑا سا پانی پیا اور چلا گیا، اس روز کے بعد آج تک پھر میں نے

اس کو کبھی نہیں دیکھا، غرضیکہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے جب وہاں رہنے کا پختہ ارادہ کرلیا تو خدا تعالیٰ نے انہیں کافی مقبولیت دی، عام و خاص سب لوگ آپ کی طرف رجوع کرنے لگے، اس کے بعد دست غیب اور فتوحات کے دروازے آپ پر کھل گئے اور ایک جہاں اللہ تعالیٰ کے احسان و انعام کی مدد سے آپ کے ذریعہ سے فائدہ حاصل کرنے لگا، آپ کا اپنا حال یہ تھا کہ تمام اوقات ریاضت اور مجاہدہ میں گزارتے ہمیشہ روزے رکھتے اور افطار کے وقت تھوڑا سا پانی پی لیتے۔ بوقتِ سحری عام طور پر کچھ نہ کھاتے، خادم جب کہتے کہ آپ نے افطار کے وقت بھی تھوڑا سا چکھا تھا، اگر سحری میں بھی نہ کھائیں گے تو کیا حال ہوگا، ضعف اور کمزوری میں روز بروز اضافہ ہوتا جائے گا، خادموں کی یہ باتیں سننے کے بعد رو کر فرماتے، بہت سے مسکین اور درویش مسجدوں اور بازاروں میں بھوکے پڑے فاقے کر رہے ہیں، اب بتاؤ ان کی حالت دیکھ کر یہ کھانا میرے حلق سے نیچے کیسے اترے گا، تب خادم مجبوراً آپ کے سامنے سے سحری کا کھانا اٹھا لیتے تھے۔

منقول ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں اپنے شیخ کے ساتھ کشتی میں سوار تھا، شیخ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ میرے سامنے آؤ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے، سنو، جب دہلی پہنچو، مجاہدہ کرتے رہنا بیکار رہنے میں کوئی فائدہ نہیں، روزہ رکھنا آدھی منزل ہے، اور بقیہ اعمال مثلاً نماز، حج، یہ دوسری آدھی منزل ہیں، پھر ایک مرتبہ شیخ فرید نے فرمایا کہ میں نے اللہ سے دعا کی ہے کہ آپ اللہ سے جو مانگیں گے وہ مل جائے گا، ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا کہ اے نظام الدین ہم نے تمہارے لیے اللہ سے دنیاوی قوت بھی مانگ لی ہے۔ خلیفہ بناتے وقت شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سلوک کے راستہ پر مستعد رہنے کے لیے مجاہدہ کرتے رہنا، ایک مرتبہ شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اپنے کمرے میں ننگے سر بیٹھے ہوئے تھے چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر تھا اور یہ شعر پڑھ رہے تھے

رباعی

خواہم کہ ہمیشہ در رضائے تو زیم — خاکی شوم و بزیر پائے تو زیم

مقصود من خستہ زکونین توئی — از بہر تو میرم و برائے تو زیم

(میری تمنا یہ ہے کہ ہمیشہ تیری رضا میں رہوں اور خاک ہو کر تیرے پاؤں میں زندگی

گزاروں دونوں جہانوں میں مجھ خستہ حال کا مطلوب آپ ہی ہیں، میرا مرنا بھی تیرے لیے اور جینا بھی تیرے لیے ہے) شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ ان اشعار کو پڑھنے کے بعد خدا کے حضور سجدہ ریز ہوئے، جب متعدد بار شیخ نے اسی طرح کیا تو میں آپ کے حجرے میں داخل ہوا اور شیخ کے قدموں میں اپنا سر رکھا آپ نے فرمایا کیا چاہتے ہو، میں نے کچھ دینی اور مذہبی امور طلب کئے، سو آپ نے وہ امور مجھے عطا فرما دیئے، اس کے بعد مجھے افسوس ہوا کہ میں نے محفل سماع میں مرنے کی خواہش کیوں نہ کی۔

منقول ہے کہ شیخ فرید الدین ہمیشہ اپنے کمرے میں اکیلے رہا کرتے تھے، کمرے کا دروازہ اندر سے بند فرما کر تمام شب راز و نیاز میں مشغول رہتے صبح کو آپ کے درخشندہ چہرے کو جو کوئی دیکھتا تو یہی کہتا کہ شب بیداری کی وجہ سے آپ کی آنکھیں سرخ ہیں، لوگوں کا بیان ہے کہ میر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیر و مرشد خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ محبوب الٰہی کی تعریف میں یہ شعر کہا ہے

تو شبانہ می نمائی ببر کہ بودے امشب   کہ ہنوز چشم مستت اثرے خمار دارد

(آپ ہمیشہ رات کو دیدار کرتے ہیں مگر آج رات کوئی خاص بات ہوئی ہے جس کی وجہ سے اب تک آپ کی آنکھوں میں خمار کے اثرات موجود ہیں۔)

منقول ہے کہ ایک مرتبہ محبوب سبحانی خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک واقعہ میں مجھے ایک خط دیا گیا جس میں لکھا تھا کہ جب تک اور جتنا ممکن ہو لوگوں کے دلوں کو آرام پہنچاؤ کیونکہ مسلمان کا دل حقیقت میں خدا کے ظہور کا مقام ہے، قیمت کے بازار میں کوئی سامان اتنا مقبول نہ ہوگا جتنا دلوں کو آرام پہنچانا مقبول ہے۔

منقول ہے کہ ایک روز خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ دوپہر کو آرام فرما رہے تھے، اسی دوران ایک درویش آیا جس کو آپ کے ایک خادم نے واپس کر دیا، محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قیلولہ کی حالت میں اپنے شیخ فرید الدین گنج شکر کو خواب میں دیکھا جو فرما رہے تھے کہ اگر آپ کے گھر میں کوئی چیز نہیں ہے تو کم از کم آنے والے کے ساتھ حسن سلوک کی تو رعایت کیا کریں، یہ کہاں کا قاعدہ ہے کہ ایک خستہ دل، مجبور اور معذور کو یونہی لوٹا دیا جائے چنانچہ محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ نے بیدار ہو کر اس واقعہ کی تحقیق کی اور جس

خادم نے آنے والے درویش کو لوٹا دیا تھا اس پر ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میرے مرشد شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ سے مجھ پر بہت ناراض ہوئے ہیں اور مجھ پر خفگی کا اظہار فرمایا ہے، اس کے بعد محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دستور بنالیا تھا کہ قیلولہ کے بعد جب بیدار ہوتے تو پوچھتے کہ کوئی آیا تھا یا نہیں؟

منقول ہے کہ کچھ لوگوں نے محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کرنے کا ارادہ کیا اور آتے وقت انہوں نے شیخ کو بطور تحفہ پیش کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید لیں، ان لوگوں میں ایک طالب علم بھی تھا اس نے کہا ان تمام تحفوں کو ایک ساتھ ہی پیش کر دیں گے تا کہ خادم کو گھر لیجانے میں آسانی رہے، اس طالب علم نے یہ حرکت کی کہ تھوڑی سی مٹی اٹھا کر ایک کاغذ میں باندھ دی، سب نے محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دی اور ہر ایک نے شیخ کی خدمت میں اپنا اپنا تحفہ پیش کیا اور اس طالب علم نے وہ مٹی کی پڑیا پیش کی، شیخ کے خادم نے وہ تمام تحائف اٹھانے شروع کر دیئے اور جب وہ پڑیا اٹھانے لگا تو شیخ نے فرمایا اس کو یہیں رہنے دو اس کے اندر ہماری آنکھوں میں ڈالنے کا سرمہ ہے جب طالب علم نے یہ بات سنی تو اس نے اپنی حرکت سے توبہ کی، پھر شیخ نے اس طالب علم سے فرمایا کہ تمہیں کھانے وغیرہ کی جب ضرورت ہو تو میرے پاس آجایا کرو۔

منقول ہے کہ ایک آدمی اپنے گاؤں سے محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے ارادہ سے اپنے گھر سے روانہ ہوا، اثنائے سفر میں جب وہ قصبہ بوندی پہنچا تو وہاں ایک بزرگ رہتے تھے اور لوگ ان بزرگ کو شیخ مومن کہتے تھے، یہ آدمی ان بزرگ سے بھی ملنے چلا گیا، (جب یہ ان کے پاس پہنچا) تو انہوں نے فرمایا، کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جانے کا، شیخ مومن نے فرمایا کہ محبوب سبحانی کو میرا سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ جمعہ کی ہر شب کو میں آپ سے خانہ کعبہ میں ملا کرتا ہوں، اس آدمی نے محبوب سبحانی کی خدمت میں حاضری دی اور کہا کہ قصبہ بوندی کے درویش نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ باتیں کہی ہیں، اس پر محبوب سبحانی ذرا بے چین ہوئے اور فرمایا کہ وہ بہت بلند مرتبہ درویش ہے مگر اپنی بات پر برقرار نہیں رہتا۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ سلطان علاؤ الدین خلجی نے بطور امتحان امور مملکت کے انتظام

کے لیے محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں چند فصلیں لکھ بھیجیں جن میں ایک فصل کا مضمون یہ تھا۔

''حضرت شیخ کونین کے مخدوم ہیں لوگوں کی دینی اور دنیاوی اکثر حاجتیں آپ کے دربار سے پوری ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مملکت کی باگ ڈور ہمارے ہاتھ میں دی ہے، اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ مملکت کے مصالح آپ کے سپرد کردیئے جائیں تاکہ جس امر میں مملکت کی بھلائی اور ہماری بہتری ہو آپ اس سے ہم لوگوں کو آگاہ فرمادیا کریں، اسی کے متعلق چند متعلقہ مرتب فصلیں جناب والا کی خدمت میں پیش ہیں، جس امر میں بھلائی اور خیر ہو اس کے نیچے تحریر فرمادیں تاکہ ہم اس پر عمل کراسکیں۔''

سلطان علاؤ الدین خلجی نے یہ فرمان اپنے محبوب فرزند خضر خاں کے ذریعہ جو خواجہ نظام الدین کا مرید بھی تھا ارسال خدمت، خضر خاں نے جب یہ فرمان سربمہر شیخ محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کے دست اقدس میں دیا تو آپ نے اسے کھولے بغیر حاضرین مجلس سے فرمایا آؤ فاتحہ پڑھیں اس کے بعد فرمایا شاہی معاملات اور امور سے فقیروں کا کیا واسطہ، میں ایک فقیر، شہر کے ایک کونے میں پڑا ہوا بادشاہ اور دیگر مسلمانوں کے لیے دعا کر رہا ہوں، اگر مجھے اس شہر میں رہنے کی وجہ سے پھر کچھ کہا گیا تو اس شہر کو چھوڑ کر کسی اور جگہ چلا جاؤں گا کیونکہ خدا کی زمین بہت وسیع ہے۔ سلطان علاؤ الدین خلجی کو جب یہ خبر پہنچی تو بہت خوش ہوا اور اس کے بعد آپ کا عقیدت مند ہو گیا اور کہلا بھیجا کہ اگر جناب والا اجازت دیں تو حاضر ہوں، جس کے جواب میں محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہلا بھیجا کہ آنے کی چنداں ضرورت نہیں میں آپ کی غیوبت میں آپ کے لیے دعا کرتا ہوں کیونکہ عدم موجودگی میں جو دعا کی جاتی ہے وہ پرتاثیر ہوتی ہے۔ سلطان نے اس کے بعد پھر ملنے کے لیے منت و سماجت کی تو آپ نے کہلا بھیجا کہ فقیر کے گھر کے دو ۲ دروازے ہیں، اگر بادشاہ سلامت ایک دروازے سے آئیں گے تو میں دوسرے دروازے سے نکل کر باہر چلا جاؤں گا۔

منقول ہے کہ محبوب سبحانی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سماع کے جتنے اوصاف سنے ہیں، ان تمام اوصاف سے زائد اخلاق حمیدہ کے اعتبار سے شیخ کبیر کو محمول کرتا ہوں، ایک دن میں نے اپنے شیخ کی زندگی میں بھری مجلس میں ایک کہنے والے سے یہ شعر سنا تھا

مخرام بدیں صفت مبادا   کز چشم بدت رسد گزندے

(دنیا کی زندگی میں اس طرح نہ رہو کہ کہیں خدانخواستہ تمہیں نظر بد لگ کر تکلیف پہنچے)

آج مجھے شیخ کے اخلاق حمیدہ اور بزرگی اور مہربانی یاد آتی ہیں جس کے وہ مجسمہ اور پیکر تھے اتنا کچھ فرمانے کے بعد محبوب سبحانی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے پھر فرمایا کہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد میرے شیخ نے جان جانِ آفریں کے حوالے کی۔

منقول ہے کہ ایک آدمی نے حضرت محبوب سبحانی کی مجلس میں کہا کہ فلاں جگہ پر آپ کے دوست جمع ہیں اور مختلف قسم کے باجے بجا رہے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تو ان کو گانے باجے اور محرمات سے دور رہنے کا حکم دیا تھا انہوں نے اچھا نہیں کیا اور پھر ان کے اس طرز عمل کی بڑی شد و مد سے تردید کی کہ ان لوگوں نے غلو سے کام لیا ہے، شریعت میں قوالی وغیرہ اور مزامیر کی کوئی اجازت نہیں، اس کے بعد فرمایا کہ شیخ اوحد الدین کرمانی ایک مرتبہ شیخ شہاب الدین کے پاس آئے، چنانچہ شیخ شہاب الدین نے اپنی جانماز اکٹھی کر کے اپنے زانو کے نیچے رکھ لی، اس سے مطلب آنے والے کی تعظیم کرنا ہوتی ہے جب رات ہوئی تو شیخ اوحد الدین نے سماع سننے کی خواہش ظاہر کی، شیخ شہاب الدین نے محفل سماع کے لیے ایک جگہ منتخب کی اور اسے خوب صاف وستھرا کرایا اور اس کے بعد غزل خواں کو بلوایا اور خود گھر کے ایک کونے میں جا کر عبادت الٰہی میں مشغول ہو گئے۔

مؤلف کتاب کہتے ہیں کہ یہ حکایت اس تحریر کے خلاف ہے جو نفحات الانس میں ہے جس میں لکھا ہے کہ مولانا شہاب الدین کے پاس اگر کوئی شیخ اوحد الدین کا ذکر کرتا تو مولانا فرمایا کرتے کہ ہمارے سامنے اس بدعتی کا ذکر نہ کیا کرو، ساتھ ہی شیخ رکن الدین علاؤالدین کا بیان ہے کہ یہ قصہ صحیح ہے اور مختلف اوقات پر محمول ہے باقی اللہ ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں۔

منقول ہے کہ ایک شخص نے ایک مرتبہ ایک خط لکھا جس میں تحریر کیا کہ مجھ سے خطا ہوئی اور ایک نامعقول کام کا مرتکب ہوا ہوں اور یہ رقعہ محبوب سبحانی کو دیدیا۔ خط پڑھنے میں محبوب سبحانی کو قدرے دیر ہو گئی، آپ نے خط کو پڑھا نہیں اور فرمایا کہ مولانا یہ خط آپ کا ہے؟ مولانا معذرت خواہی کے ساتھ آگے بڑھے اور کہا جی ہاں یہ خط بندۂ طبعی کا ہے آپ نے مسکرا کر فرمایا خوب طبیعت خوب۔

منقول ہے کہ محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ نے موت سے چالیس دن پہلے کھانا ترک فرما دیا تھا اور آخری وقت جب اس دنیا سے جارہے تھے تو پوچھنے لگے کہ نماز کا وقت ہوگیا اور کیا میں نے نماز پڑھ لی ہے؟ اس پر لوگ جواب دیتے کہ جی ہاں آپ نماز ادا فرما چکے ہیں تو ارشاد فرماتے کہ میں دوبارہ پھر پڑھتا ہوں، غرضیکہ ہر نماز کو تکرار سے پڑھتے اور فرماتے کہ ہم جارہے ہیں ہم جارہے ہیں، ہم جارہے ہیں، پھر خادم کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ اگر گھر میں کسی قسم کا کوئی سامان رہا تو کل قیامت کے روز اس کے متعلق جواب دینا پڑے گا (مطلب یہ تھا کہ تمام اثاثہ خدا کی راہ میں تقسیم کردیا جائے۔ فاضل ۱۲) چنانچہ خادم نے سب کچھ لوگوں میں تقسیم کردیا، البتہ وہ غلہ رہنے دیا جو درویشوں کے کھانے کے لیے تھا (آپ نے خادم سے) پھر فرمایا کہ مردہ مال کیوں رکھ چھوڑا ہے اس کو بھی نکال پھینکو اور گھر میں جھاڑو دیدو، تب خادم نے غلہ خانے کے دروازے کھول دیئے اور لینے والے لوگوں کا ایک ہجوم جمع ہوگیا اور تمام غلہ بہ لے گئے، اس کے بعد دوسرے خادموں نے عرض کیا کہ آپ کے بعد ہم غریبوں کا کیا حال ہوگا، آپ نے فرمایا (کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں) ہمارے روضہ سے تمہیں اتنا مل جایا کرے گا جو تمہاری ضروریات کے لیے کافی ہوگا۔ ان خادموں نے پھر عرض کیا کہ ہم میں سے آمدنی کو کون تقسیم کیا کرے گا؟ آپ نے فرمایا، تقسیم کریگا حقدار وہ ہے جو اپنے حصہ سے دستبردار ہوجایا کرے گا بعد طلوع آفتاب بروز چہارشنبہ، ۱۷ ربیع الاول ۷۲۵ ہجری میں آپ نے وفات پائی، حضرت محبوب سبحانی کا ارشاد ہے کہ چلنے والا کمال کی طرف متوجہ رہتا ہے، یعنی سالک جب تک سلوک کے مراحل طے کرتا رہتا ہے تو کمال کا امیدوار رہتا ہے۔

امیدوار کی تین قسمیں ہیں۔ سالک، واقف، راجع۔ سالک وہ ہے جو راہ سلوک میں مسلسل چلتا رہے۔ واقف وہ ہے جس کو راہ سلوک میں کوئی وقفہ پیش آئے، اس مقام پر لوگوں نے عرض کیا کہ کیا سالک کو بھی اس راہ میں وقفہ پیش آجاتا ہے؟ فرمایا ہاں! اس وقت جب سالک کو عبادت کرنے میں کوئی کمی اور فرق ہوجائے جس سے عبادت کا ذوق ولطف ختم ہوجائے تو اسوقت سالک کے لئے بھی وقفہ پیدا ہوجاتا ہے، اس حالت میں اگر سالک فوراً کوئی تدبیر کرکے خدا کے حضور توبہ کرلے تو اپنی اصلی حالت پر رہ سکتا ہے اور اگر خدانخواستہ

وہ اپنی موجودہ حالت پر ہی رہے تو پھر اس بات کا سخت خطرہ ہے کہ کہیں راجع نہ بنجائے اس کے بعد سالک سے جو سلوک کے راستہ پر چلتے ہوئے لغزشیں ہو جاتی ہیں ان کو بیان کیا کہ وہ کل سات ہیں: ۱-اعراض، ۲-حجاب، ۳-تفاصل، ۴-سلب مزید، ۵-سلب قدیم، ۶-تسلی، ۷-عداوت، پھر فرمایا کہ عاشق ومعشوق دو دوست ہیں جو باہم دیگر ایک دوسرے کی محبت میں رہتے ہیں جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

الفت کا جو مزا ہے کہ دونوں ہوں بیقرار دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

اسی حالت میں اگر عاشق سے کوئی ایسی چیز سرزد ہو جائے جو معشوق کو ناپسند ہو تو معشوق اپنے اس عاشق سے اعراض کرتا ہے، یعنی اپنی توجہ اس کی طرف نہیں کرتا، اس لیے عاشق کے لیے ضروری ہے کہ وہ فوراً ہی توبہ کر کے عذر خواہی کرے، جس کے نتیجہ میں اس پر معشوق لازماً خوش ہو جائے گا، اور عاشق اگر اپنی غلطی پر مصر رہے اور معذرت نہ کرے تو یہ اعراض اس وقت حجاب بن جاتا ہے، یعنی معشوق اپنے اور عاشق کے مابین پردہ ڈال لیتا ہے، اس صورت میں عاشق پر ضروری ہے کہ گریہ وزاری، آہ وبکا کے ساتھ توبہ کرے، اگر اس مرحلہ میں ذرا سی کوتاہی سے کام لیا گیا تو یہ حجاب، تفاصل یعنی جدائی سے تبدیل ہو جائے گا، یعنی یوں ہوتا ہے کہ معشوق اپنے عاشق سے جدا ہو جاتا ہے، اگر اس حالت پر بھی کوئی عذر خواہی نہ کرے تو پھر تفاصل، سلب مزید سے تبدیل ہو جاتا ہے، یعنی عاشق سے درود، وظیفہ، عبادت وغیرہ کا ذوق اور لطف ختم کر دیا جاتا ہے، اب بھی اگر عاشق اپنی ہٹ دھرمی پر ڈٹا رہے اور کوئی عذر وغیرہ نہ کرے تو سلب مزید، سلب قدیم کی صورت اختیار کر لیتی ہے، یعنی عبادت و طاعت کی راحت وثواب جو پہلے سے حاصل تھا وہ چھین لیا جاتا ہے، اس حالت میں بھی اگر توبہ واستغفار میں کوتاہی سے کام لیا گیا تو سلب قدیم، تسلی میں متشکل ہو جاتا ہے یعنی معشوق دل سے اپنے اس عاشق کی جدائی کا متمنی اور خواہش مند ہو جاتا ہے اس وقت بھی اگر توبہ واستغفار میں غفلت سے کام لیا گیا تو تسلی، عداوت سے متبدل ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو غلطیوں اور لغزشوں سے محفوظ رکھے، ایک مرتبہ فرمایا کہ سماع نہ مطلقاً جائز ہے نہ مطلقاً ناجائز وحرام ہے، لوگوں نے دریافت کیا، حضرت سماع کا کیا حکم ہے؟ فرمایا جیسے سننے والے ہوں (پھر ذرا تفصیل سے فرمایا) کہ سماع تو ایک خوش اور بہترین آواز کے سننے کا

نام ہے اس لیے اسے ناجائز نہیں کہا جاسکتا البتہ وہ سماع جس میں مزامیر اور باجے وغیرہ ہوں وہ سب کے نزدیک مطلقاً حرام و ناجائز ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ بعض مرید ایسے ہوتے ہیں جو اپنے پیر و مرشد پر اکتفا نہیں کرتے اور دوسرے پیر کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس سے خرقہ حاصل کر لیتے ہیں، میرے نزدیک یہ حرکت کوئی قابل قبول نہیں، دراصل بیعت تو وہی ہے جو پہلی مرتبہ کسی کے ہاتھ پر کی جائے، اگرچہ وہ پیر و مرشد ایک عام ہی کیوں نہ ہو۔

خواجہ نظام الدین اولیاء سے کسی نے ایک مرتبہ شیخ منصور حلاج کے متعلق دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا کہ مردہ دراصل خیر نساج کا مرید تھا جن کی ارادت وعقیدت سے منہ موڑ کر شیخ جنید بغدادی سے بیعت کرنا چاہی تو شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم دراصل خیر نساج کے مرید ہو، میں تمہیں دوبارہ بیعت نہیں کرتا، چنانچہ شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے وقت کے مقتدا اور کامل تھے انہوں نے حلاج کو واپس کر دیا، چونکہ شیخ منصور حلاج کو آپ نے واپس لوٹا دیا تھا اس لیے دوسرے تمام مشائخ نے بھی ان سے بیعت نہ کی۔

مؤلف کتاب (شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ منصور حلاج کے متعلق مختلف حکایتیں مشہور ہیں۔ حقیقت حال تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے لیکن محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، آپ نے فرمایا کہ منصور حلاج دراصل ولی اور خدا تعالیٰ کا مقرب بندہ تھا، مگر وہ پھسل گیا، اس زمانہ میں کوئی ایسا نہ تھا جو اس کی دستگیری کرتا اگر وہ میرے زمانے میں ہوتا تو میں اس کا ہاتھ تھام لیتا (یعنی اس کی رہنمائی کرتا)

قطعہ

گرچہ ایزد دہد ہدایت دیں — بندہ را اجتہاد باید کرد

نامہ کاں بحشر خواہی خواند — ہم ازینجا سواد باید کرد

(دین کی ہدایت اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی فرماتے ہیں مگر انسان کو بھی آخر کوشش کرنا چاہئے، لوگ حشر میں اپنے نامہائے اعمال پڑھیں گے، اس لیے اس دنیا میں سواد اعظم حاصل کر لینا ضروری ہے)

محبوب سبحانی نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر کوئی مرید اپنے شیخ سے عرض کرے کہ میں آپ کا مرید ہوں اور پیر صاحب فرمائیں کہ تو میرا مرید نہیں ہے تو اس حالت میں اس کو مرید ہی تصور کیا جائے گا، لیکن اگر کوئی شیخ اپنے کسی مرید سے کہے تو میرا مرید ہے اور مرید کہے کہ میں آپ کا مرید نہیں تو ایسے شخص کو مرید نہیں سمجھا جائے گا، اس لیے کہ ارادت دراصل مرید کا فعل ہے جو شیخ کا کام نہیں۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ سچے لوگوں کی صبح، صبح کے وقت ہوتی ہے اور عاشقوں کی صبح شام سے شروع ہوتی ہے جو عشاء سے فجر کی نماز تک شب بیدار رہ کر زندہ و تابندہ رہتے ہیں انہیں لوگوں کو مشائخ کہا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ پیر و مرشد کی صحبت سے جو خرقہ حاصل کیا جائے وہ کسی دوسرے کو نہ دیا جائے اسے دھونا ناجائز نہیں مگر بہتر یہی ہے کہ اسے دھویا نہ جائے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ انوار الٰہی سے فیض یافتہ پیر اگر وصیت کرے کہ قبر میں، اس کے برابر فلاں عمدہ چیز رکھ دی جائے تو اس چیز کو اس کے پہلو میں رکھنا جائز ہے یا یہ وصیت کرے کہ فلاں صالح فرزند کو یہ چیز دیدی جائے تو لازمی طور پر وہ چیز موصیٰ لہ، کو دیدی جائے۔

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ محبوب سبحانی خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کو جب قبر میں اتارا گیا تو وہ خرقہ جو آپ کو شیخ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے عنایت فرمایا تھا وہ آپ کے جسم پر اوڑھا دیا گیا اور شیخ کی جائے نماز آپ کے سر مبارک کے نیچے رکھ دی گئی۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ کل قیامت کے دن کچھ لوگوں کو چوروں کی جماعت کے ساتھ کھڑا کیا جائیگا یہ لوگ کہیں گے کہ (اے باری تعالیٰ) ہم نے تو (دنیا میں) کوئی چوری نہیں کی تھی (پھر ہمیں چوروں کے ساتھ کیوں کھڑا کیا گیا ہے) تو آواز آئے گی کہ تم نے جوانمردی کا لباس تو پہنا مگر عمل کوئی نہ کیا، آخر کار یہ لوگ بھی نیک لوگوں کی شفاعت سے نجات پائیں گے۔

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ اس ضعیف نے جتنے خرقے پہنائے ہیں ان میں سے چار کو خرقہ، ارادت پہنایا ہے اور باقی دیگر لوگوں کو محض برکتہ خرقہ دیا ہے، ایک دفعہ فرمایا کہ تصوف کی کتاب میں لکھا ہے کہ سلوک کے سو ۱۰۰ درجے ہیں جن میں سے سترھواں درجہ کشف و

کرامت ہے، اگر سالک اسی میں رہ جائے تو باقی تراسی ۸۳ درجوں کا حصول کب کرے گا اس لیے فقیر درویش کو اپنی نظر کشف وکرامت تک محدود نہیں رکھنا چاہیے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ جب میرے مخدوم نے مجھے خلافت سے نوازا تو ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں علم، عقل اور عشق کی دولت سے سرفراز فرمایا ہے جس میں یہ تینوں چیزیں موجود ہوں وہ خلافت شیخ اور مشائخ کا مستحق ہے اور حقیقت یہ ہے کہ انہیں تین چیزوں سے کام بحسن وخوبی پایہ تکمیل تک پہنچتا ہے۔ حضرت محبوب سبحانی اور تمام مشائخ اور بزرگوں پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

شیخ نجیب الدین متوکل قدس سرہٗ

۵۵۹ھ.................۶۷۱ھ

آپ شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی اور خلیفہ مجاز تھے، معاملات میں سخت (یعنی شریعت کے پابند) اور نہایت متوکل تھے۔ ستر برس کی مدت تک شہر میں رہے، اگرچہ غلہ وغیرہ کی کوئی مستقل آمدنی نہ تھی اور آپ کے بیوی بچے بھی تھے مگر اس کے باوجود اتنے خوش وخرم رہتے تھے کہ آپ کو یہ بھی خبر نہ ہوا کرتی کہ آج کونسا دن، مہینہ اور کتنی رقم ہمارے گھر میں موجود ہے، ایک مرتبہ عید کے روز آپ کے گھر پر چند درویش جمع ہو گئے، اتفاق سے اس دن آپ کے گھر میں کچھ بھی نہ تھا، آپ اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر یاد الٰہی میں مشغول ہو گئے، آپ نے اپنے دل میں کہا کہ کیا آج عید کا دن یونہی گزر جائے گا اور میرے بچوں کے منہ میں کیا کوئی غذا نہ پہنچے گی، اور کیا یہ مہمان بھی یونہی لوٹ جائیں گے، اتنے میں دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی مکان کی چھت پر آیا اور یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

بادل گفتم دِلا خضر رابینی! دل گفت اگر مرا نماید بینم

(میں نے اپنے دل سے کہا کہ کیا آپ خضر علیہ السلام کو دیکھتے ہیں؟ تو دل نے مجھے جواب دیا کہ اگر وہ مجھے دکھائی دیں تو دیکھوں) پھر اس بوڑھے نے کھانا بھرا ہوا خوان پیش کیا اور کہا کہ عرش پر ملاء اعلیٰ کے فرشتے آپ کے توکل کی تعریف کر رہے ہیں اور آپ پھر بھی اس دنیا کو دل میں لیے ہوئے ہیں اور اس کی طرف میلان کر رہے ہیں، آپ نے جواب دیا کہ خدا شاہد ہے کہ میں اپنے لیے اس کی طرف مائل نہیں ہوا بلکہ دوستوں کی

ضروریات نے مجھے اس کی طرف مائل ہونے پر مجبور کر دیا اور غالباً کھانا لانے والے حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا بیان ہے کہ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی ارادت سے پہلے ایک روز میں خواہ نجیب الدین متوکل کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا میں نے اس مجلس میں کھڑے ہو کر اہل مجلس اور شیخ نجیب الدین متوکل سے درخواست کی کہ آپ لوگ ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھ کر میرے لیے دعا کریں کہ میں کہیں کا قاضی مقرر ہو جاؤں اس پر شیخ مسکرائے اور فرمایا قاضی نہ بنو کچھ اور بنو۔

منقول ہے کہ شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک دن شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ حاضر ہوئے اور کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ مناجات میں یارب کہتے ہیں جس کا جواب آپ خدا کی طرف سے یہ سنتے ہیں، لبیک عبدی (کہ اے میرے بندے میں حاضر ہوں) آپ کی یہ بات سننے کے بعد شیخ فرید الدین نے فرمایا کہ الارجاف مقدمۃ الکون (کہ افواہیں واقعات کی پیش خیمہ ہوتی ہیں) اس کے بعد شیخ متوکل رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا کہ حضرت خضر علیہ السلام آپ کے پاس تشریف لایا کرتے ہیں، اور لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ابدال بھی آپ کی خدمت میں آتے ہیں، یہ سننے کے بعد آپ نے فرمایا کہ آپ بھی تو ابدال ہیں، ایک دن ایک فقیر نے متوکل کے پاس آ کر عرض کیا کہ شیخ نجیب الدین متوکل آپ ہیں، آپ نے جواب دیا، ہاں میں ہی نجیب الدین متوکل ہوں، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مقبرہ کے راستہ میں سلطان محمد عادل بادشاہ کی مشہور عمارت جے منڈل کے سامنے شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کی قبر ہے خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کا مکان بھی اسی جگہ پر تھا۔

سید جلال الدین بخاری قدس سرہ،

۵۵۷ھ.........................۶۵۲ھ

یہ وہ بزرگ ہیں جنہیں ''سید جلال الدین سرخ'' بھی کہا جاتا ہے آپ شیخ الاسلام حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے تھے، سید جلال الدین بخاری کے دادا سید جلال جو ''مخدوم جہانیاں'' کے لقب سے معروف تھے بخارا سے بھکر

تشریف لائے اور اسی شہر میں سکونت اختیار فرمائی اور سید بدر الدین بکری رحمۃ اللہ علیہ سے جو بھکر کے معزز اور ممتاز رئیس تھے تعلقات قائم کئے، لوگوں کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں اس بات کی بشارت دی کہ سید بدر الدین کی لڑکی سے شادی کرلیں، اسی طرح سید بدر الدین بکری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی حضور علیہ السلام نے اس خوش نصیبی کی بشارت خواب میں دی، چنانچہ سید بدر الدین بکری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عزیز بیٹی کا نکاح سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے کردیا، اس کے حاسدوں اور کینہ وروں کی ریشہ دوانیوں اور رشتہ داروں کی جافشاریوں سے تنگ آ کر سید جلال الدین بخاری بھکر سے اوچ تشریف لے گئے جہاں آپ کی اولاد پیدا ہوئی اور متعدد افراد آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور حق تعالیٰ نے آپ پر خیر و برکت کے دروازے کھول دیئے آپ کا مزار بھی اوچ ہی میں ہے۔

شاہ کردیز قدس سرہ، العزیز

۵۸۷ھ.................۶۶۷ھ

آپ کردیزی سید تھے، کردیز سے ملتان تشریف لائے اور یہیں پر مستقل سکونت اختیار فرمائی، آپ کا مقبرہ بھی ملتان ہی میں ہے جو زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

منقول ہے کہ شاہ کردیز وفات کے بعد بھی اپنی قبر سے ہاتھ مبارک باہر نکال کر لوگوں کو مرید کرلیا کرتے تھے اور ابھی تک وہ سوراخ باقی ہے جس سے آپ ہاتھ باہر نکال کر لوگوں کو مرید کیا کرتے تھے آپ ملتان کے مشہور مشائخ کرام میں سے ہیں اور حضرت مخدوم شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر تھے۔

شیخ صدر الدین رحمتہ اللہ علیہ

۵۹۹ھ.................۶۸۴ھ

آپ شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند تھے، والد بزرگوار کے انتقال کے بعد مسند ارشاد و اصلاح پر جلوہ نما ہوئے، اکثر و بیشتر اولیائے کرام ہی آپ کے ارادتمند اور مرید تھے، مشہور بزرگ میر حسینی سادات بھی آپ ہی کے مرید تھے، ''کنز الرموز'' میں آپ کے والد بزرگوار اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی تعریف و منقبت میں لکھی

اور آپ کے متعلق یوں رطب اللسان ہیں۔

مثنوی

آں بلند آوازہ و عالم پناہ　　سرورِ دین افتخار صدر گاہ!
صدر دین و دولت آں مقبولِ حق　　نہ فلک از خوان جودش در طبق
آبِ حیواں قطرۂ بحر دلش　　چوں خضر علم لدنی حاصلش
معتبر چوں قولِ او افعال او　　ہم بیانِ او گواہ حال او
مقتدائے دیں قبول خاص و عام　　دولتش گفتہ توئی خیر الانام
ملک معنی جملہ در فرمان او　　ہم بکسب و ہم بمیراث آن او

(وہ شہرۂ آفاق دنیا والوں کی پناہ گاہ، دین کے سردار اور صدر نشینی کے لیے باعث افتخار، صدر الدین مقبول خدا ہیں جن کے جود و سخا کے لیے تو آسمان صرف ایک دسترخوان کی حقیقت کے ضامن ہیں، آبِ حیات ان کے دل کے سمندر کا ایک قطرہ ہے اور خضر کی مانند ان کو بھی علم لدنی حاصل ہوا ہے، آپ کے افعال مانند باتوں کے معتبر ہیں، اور آپ کا بیان آپ کے حال کی گواہی دیتا ہے، آپ مذہب کے پیشوا اور عام و خاص میں مقبول ہیں، خوش نصیبوں نے آپ کو دو جہان کی سعادت سے تعبیر کیا ہے، تمام باطنی مملکت آپ کا (بفرمان الٰہی) حکم مانتی ہے اور آپ تمام کسبی اور موروثی شان و شوکت کے حامل ہیں) اور شیخ بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

بیت

من کہ رو از نیک و بد بر تافتم　　ایں سعادت از قبولش یافتم

(میں نے اچھے اور برے سے منہ پھیر کر یہ سعادت ان کو قبول کر کے پائی ہے) کنوز الفوائد جو شیخ صدر الدین کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جسے آپ کے مرید شیخ خواجہ ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ نے یکجا اکٹھا کیا ہے۔ حقیقت میں یہ وہ نصیحتیں ہیں جو شیخ صدر الدین نے اپنے مریدوں کے نام تحریر فرمائی تھیں۔

ایک جگہ لکھا ہے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ حصنی فمن دخلہ امن من عذابی (کہ لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے جو اس میں داخل ہو

جائے گا وہ میرے عذاب سے مامون ہو جائے گا) دو چیزیں ہیں، ایک حصن، اور ایک حصار، حصار کے معنی چار دیواری کے ہیں، قطع نظر اس سے کہ اس کی نگرانی و حفاظت کی جائے یا نہیں، اور حصن اس چار دیواری کو کہتے ہیں جسے بنانے کے بعد اس کی نگرانی اور حفاظت کا بھی اہتمام کیا گیا ہو۔

حصن کی تین حالتیں ہیں: ۱- ظاہر، ۲- باطن، ۳- حقیقت۔ قلعہ کا ظاہر یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے امید و خوف نہ رکھے، پوری دنیا بھی اگر دوست یا دشمن ہو جائے تب بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کسی قسم کا نقصان یا فائدہ اور اچھائی یا برائی نہیں پہنچا سکتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وان یمسسك الله بضر فلا کاشف له الا هو وان یردك بخیر فلا راد لفضله ۔

اگر منجانب اللہ کسی کو کوئی تکلیف پہنچے تو سوائے خدا کے کوئی دور کرنیوالا نہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کسی پر اپنا فضل و کرم کرے تو اس کے فضل و کرم کو کوئی روکنے والا نہیں۔

قلعہ کا باطن یہ ہے کہ مرنے سے قبل اس بات کا جزم و یقین محکم کرے کہ اس ختم ہونے والی سرائے اور دنیا میں جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ سب عارضی اور وقتی ہے۔ کیونکہ اس دنیا میں کسی چیز کو ثبات و قیام اور بقاء و دوام حاصل ہی نہیں اور اس دنیا کو ختم کرنے کے لیے تقدیر کا قلم چل چکا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کل من علیها فان اس دنیا کی ہر شے فنا ہونے والی ہے، چونکہ خود دنیا کو ثبات و قیام نہیں، اس لیے دنیا کے ہونے اور نہ ہونے کی پرواہ کیے بغیر پوشیدہ طریقہ سے اس دنیا میں ٹھہرا رہے، اور قلعہ کی حقیقت یہ ہے کہ جنت کی خواہش اور دوزخ کا خوف دل سے نکال دے اور یاد الٰہی سے دل کو پرسکون و مطمئن کرے اور فی مقعد صدق عند ملیك مقتدر ۔ الآیة (مقتدر بادشاہ کے پاس صداقت کے مقام پر بیٹھنے والوں) کا مصداق بنے، جب اس مقام کے لائق ہو جائے گا تو جنت خود بخود اس کی طلب گار بن کر اس کے پیچھے پیچھے آئے گی اور دوزخ اس سے دور بھاگ جائے گی۔ ایک نصیحت اپنے کسی مرید کو یہ فرمائی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی پہلی شرط یہ ہے کہ جن احکام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایمان لائے انہی احکام پر

(من وعن) ایمان لا کر اس پر ثابت قدمی سے قائم رہا جائے اور یہ ثابت قدمی اس وقت ہوتی ہے جب انسان بغیر شک وشبہ کے دل سے اعتقاد رکھے اور پوری رضا مندی، رغبت و محبت کے ساتھ زبان سے اس بات کا اقرار کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں وحدہ لا شریک ہے اور تمام اوصاف کمالیہ کے ساتھ ہمیشہ سے موصوف ہے، تمام اسماء وصفات کے ساتھ قدیم ہے عقل و دانش کے ادراک سے بلند و بالاتر ہے۔ اجسام، عوارض، حدوث کی علامتوں سے مقدس و پاک ہے، تمام جہانوں کو اسی نے پیدا فرمایا ہے، اس کی ذات و صفات کے متعلق کیوں اور کس طرح (وغیرہ الفاظ شک وشبہ استعمال کرنا) درست نہیں، وہ کسی کے مشابہ نہیں، اور کسی چیز کو اس سے کسی طرح کی بھی مشابہت نہیں دی جا سکتی۔ تمام تر پیغمبر اس کے رسول اور بھیجے ہوئے ہیں اور سرکار دو عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں سے افضل و اعلیٰ ہیں، سرتاج الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ فرمایا وہ سب برحق و درست ہے اور اس میں باہم دیگر کوئی فرق و اختلاف نہیں، خواہ آپ کی باتیں (بظاہر، عقل میں آئیں یا نہ آئیں اور آپ کی باتیں (بادیٔ النظر) عقل میں نہ آئیں تب بھی ان کو ماننا اور تسلیم کرنا چاہیے، تاکہ اعتقاد درست رہ سکے کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم کو خوب پہچانا اور جانا لیکن اس کی کیفیت اور حقیقت معلوم کرنے میں نہیں رہے۔ قرآن کریم اور حدیث شریف کے مطابق اللہ کے کسی حکم میں تاویل کرنے کی ضرورت پیش آئے تو وہ تاویل جائز ہے، ایمان کے صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ نیکی کرنے سے دل خوش ہو، اور اگر کوئی برائی سرزد ہو جائے تو کم از کم اسے دل میں ضرور برا تصور کرے، ایمان پر استقامت اور ثابت قدمی کی علامت ونشانی یہ ہے کہ علم وایمان کے اعتبار سے ہی نہیں بلکہ ذوق وحال کی بناء پر غیروں کی بجائے صرف خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب رکھے۔

ایک اور نصیحت میں لکھا ہے کہ کوئی سانس خدا کے ذکر کے بغیر منہ سے نہ نکلے کیونکہ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جو شخص ذکر الٰہی کے بغیر سانس لیتا ہے وہ اپنے کو ہلاک و برباد کرتا ہے ذکر اللہ کے وقت وساوس شیطانیہ اور خواہشات نفسانیہ سے مکمل گریز کرنے کی کوشش کی جائے، جب اس (مذکورہ) طریقے کے مطابق ذکر اللہ کیا جائے تو ذکر کی نورانیت کی وجہ سے

وساوس اور دل میں آنے والے تمام تخیلات خود بخود جل کر خاکستر ہو جائیں گے اور پھر ذکر اللہ کی نورانیت سے دل بہت جلد منور ہو جائے گا اور اس میں ذکر کی حقیقت مستقر ہو جائے گی، اور اس وقت ذکر کے ساتھ جس کا ذکر کیا جا رہا ہے (یعنی اللہ) اس کے جمال کا مشاہدہ زیر نظر رہے گا اور نور یقین سے دل منور و تاباں ہو جائے گا، طلبگاروں کا مطلوب اور سالکوں کا مقصود صرف یہی ہے۔

مصرعہ

ایں کار دولت است کنوں تا کرا رسد

(یہ کام دراصل خوش بختوں کا ہے، اب دیکھو کس کے حصہ میں آئے) نیز آپ کے وصیت نامہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **یا ایھا الذین امنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا**۔ کہ اے ایمان والو! ذکر الٰہی کثرت سے کیا کرو۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کو نیک بختوں میں لکھ کر زبان سے ذکر کرنے کی توفیق کے ساتھ ساتھ دل کی موافقت کی قوت بھی عطا فرما دیتے ہیں، پھر لسانی ذکر میں ترقی عطا فرما کر قلبی ذکر تک پہنچا دیتے ہیں تا کہ اگر زبان خاموش ہو جائے تو دل جاری رہے اسی کو ذکر کثیر کہتے ہیں۔ اس ذکر تک انسان اس وقت رسائی حاصل کرتا ہے جب ہر قسم کے نفاق (فسق و فجور) سے بری ہو جائے جس کا لطیف اشارہ نبی علیہ السلام کے اس فرمان میں ملتا ہے کہ **اکثر منافقی امتی قراء ھا** (میری امت کے منافق اکثر قراء ہوں گے) منافقوں کی اس منافقت سے وہ نفاق مراد ہے جو غیر اللہ کے ساتھ میل جول اور باطنی تعلق کی وجہ سے ہو، اور جب کسی انسان کو ان غیر محمودہ چیزوں سے علیحدگی کی توفیق ہوتی ہے (غیر محمودہ وہ چیزیں ہیں جو حلال نہیں، قابل تعریف نہیں) پھر یہ انسان برے خیالات اور ناپسندیدہ اخلاق سے علیحدہ ہو کر اپنے باطنی کمالات کے ذریعہ ممتاز ہوتا ہے تو وہ وقت قریب آ جاتا ہے جبکہ اس کے باطن میں ذکر اللہ کا نور تابانی و درخشانی کرتا ہے، یہ وہ وقت ہوتا ہے جبکہ اس بندے سے شیطانی وساوس اور نفسانی خواہشات دور ہو جاتی ہیں اور اس کے باطن میں ذکر اللہ کے نور کے اتنے جوہر نمایاں ہوتے ہیں کہ ذاکر کو ذکر کے ذریعہ خدا تعالیٰ کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے اور یہی وہ بلند مرتبہ اور نعمت عظمیٰ ہے جس کے حصول کے لیے صاحب ہمت اور اہل بصیرت

لوگ اپنی گردنوں کو جھکاتے اور خم کرتے ہیں۔

شیخ رکن الدین ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ

۶۵۳ھ ۶۹۰ھ

آپ شیخ صدر الدین بن شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اور اپنے دادا شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے براہ راست سجادہ نشین اور جانشین تھے۔ فتاویٰ صوفیہ جو آپ کے ایک مرید کی تصنیف ہے اس میں آپ کا کثرت سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ مجمع الاخبار میں آپ کے ملفوظات اور خطوط درج ہیں جو آپ نے اپنے مریدوں کے نام لکھے تھے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں عزیز! خوب یاد رکھنا چاہئے کہ انسان دو چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے ایک صورت اور دوسری صفت، اور قابل تعریف صرف صفت ہے، صورت کی کوئی قیمت نہیں، اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے اعمال اور دلوں کو دیکھتا ہے، صفت کا ظہور حقیقی طور پر صرف آخرت ہی میں ہوگا، وہاں ہر صفت ایک ظاہری صورت میں نظر آئے گی کیونکہ آخرت ہی وہ انعام ہے جہاں ہر چیز کی حقیقت ظاہر لباس میں ملبوس کر دی جائے گی اور یہ صورتیں متلاشی نظر آئیں گی اور جس کی جو صورت ہوگی اسی صورت میں اس کو اٹھایا جائے گا، جیسا کہ بلعم باعور کو اتنی عبادت اور زُہد کے باوجود کتے کی شکل و صورت میں اٹھایا جائے گا یعنی اس کی صورت کتے جیسی بنا دی جائے گی، اسی طرح قیامت کے دن ظالم و سرکش اپنے کو بھیڑیئے کی شکل وصورت میں دیکھے گا، متکبر و مغرور کی صورت چیتے کی مانند اور لچی و کنجوس کی شکل خنزیر جیسی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد فکشفنا عنك غطاء ك فبصرك اليوم حديد (آج کا دن وہ دن ہے کہ ہم نے تمہاری آنکھوں سے پردہ ہٹا لیا) آپ جب تک اپنے قلوب سے اوصاف رذیلہ کو دور نہ کریں گے اس وقت تک جانوروں اور درندوں میں شمار کئے جائیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اولئك كالانعام بل هم اضل سبيلا (یہ جانوروں کی مثل ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں) قلوب کی صفائی اور پاکی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب اللہ کے دربار میں استعانت اور التجاء کی جاتی ہے اور میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں کرتا کیونکہ نفس ہمیشہ سرکشی پر اکساتا ہے مگر جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل وکرم کیا وہ نفس کی سرکشی سے علیحدہ اور کنارہ کش

رہتے ہیں اور میرا پروردگار بڑا ہی غفور و رحیم ہے یعنی جب تک خدا تعالیٰ کا فضل و کرم دستگیری کر کے شامل حال نہ ہو اس وقت تک تزکیہ نفس اور قلوب کی صفائی ناممکن ہے، اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی کسی وقت بھی پاکیزہ صفت نہ بن سکتا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی نشانی یہ ہے کہ انسان اپنے ذاتی عیوب پر نظر رکھے اور انہیں برا تصور کرے اور انوار الٰہی کی عظمت کے پرتو سے اس کا باطن اس طرح درخشاں ہو جائے کہ تمام دنیا اور دنیا کی شان و شوکت اس نیک مرد کی نظروں میں کوئی وقعت نہ رکھے اور دنیا داروں کی کوئی منزلت و قدر اس کے دل میں سنگریزے کی مقدار تک بھی نہ رہے۔ جب کسی مومن کی یہ حالت ہو جاتی ہے تو دنیا دار جن شہوانی اور حیوانی صفات میں مبتلا اور گرفتار ہیں وہ ان تمام چیزوں سے نفرت کرنے لگتا ہے اور پھر اس نیک مرد کی خواہش یہی رہتی ہے کہ یہ دنیا دار بھی فرشتہ صفت بن جائیں، چنانچہ ظلم، غضب، غرور، بخل اور طمع و لالچ کے بجائے اس کے اندر عفو و بردباری، تواضع و سخاوت اور ایثار کی خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں، ذکر کردہ اوصاف آخرت کے طلبگاروں کے ہیں، رہے طالبان حق، سو ان کے اوصاف بہت بلند و بالاتر ہیں، جن کا احاطہ مشکل ہے، تخلقوا باخلاق اللہ (اخلاق الٰہی کو اپنے اخلاق بناؤ) یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے جہاں تک ہر ایک کی رسائی نہیں ہوتی۔

شعر

عہدیست مرمرا کہ نگیرم بغیر تو دوست   شرطیست مرمرا کہ نخواہم بغیر تو ہیچ

(میں نے اپنی ذات سے یہ عہد کرلیا ہے کہ تیرے بغیر اور کسی کو دوست نہیں بناؤں گا اور اپنے نفس سے یہ شرط کرلی ہے کہ تیرے بغیر اور کسی کو چاہوں گا نہیں) مجمع البحار میں ہے کہ شیخ رکن الدین ابوالفتح نے ایک خط میں اپنے ایک مرید کو لکھا کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے از خود نہ کسی سے نیکی کی اور نہ ہی بدی، امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بات سن کر تمام حاضرین مجلس تعجب سے انگشت بدنداں ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ اے امیر المؤمنین! ممکن ہے کہ آپ نے کسی کے ساتھ برائی نہ کی ہو لیکن اچھائی اور نیکی کے بارے میں آپ کیا فرما رہے ہیں؟ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے من عمل صالحا فلنفسہ ومن اساء فعلیھا (جس نے نیک عمل کیا تو اس کی جزا اسی کو ملے گی،

اسی طرح اگر کسی نے برا کام کیا تو اس کا عذاب بھی اسی کو دیا جائیگا) نیکی اور بدی جو کچھ بھی مجھ سے سرزد ہوئی اس کا بدلہ مجھے ہی دیا جائے گا، دوسروں کا اس سے کوئی تعلق نہ ہوگا، باقی اللہ ہی زیادہ جانتے ہیں، اسی بنیاد پر بزرگوں نے کہا ہے۔

سلاح دیں کس صلاح ادبس است

(کہ کسی کا بہترین ہتھیار اس کی اپنی اصلاح ہے۔)

شعر

چو میدانی ہر آنچہ کاری دردی آخر بہمہ حال نکو کار بہ

(جب تجھے یہ معلوم ہے کہ جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے، تو پھر ہر حال میں نیکی ہی کا بیج بونا بہتر ہے) عقلمند کے لیے تو یہی نصیحت دنیا اور آخرت کے تمام کاموں کی سعادت کے لیے کافی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نیکی اور بھلائی کی توفیق دیتے ہیں، شیخ نے اعمال پر متابعت کے لیے ایک نصیحت یہ بھی فرمائی کہ اپنے تمام اعضاء کو تمام ترممنوعات اور مکروہات شرعیہ سے قولاً وفعلاً باز رکھا جائے اور فضول آدمی کی نشست برخاست سے علیحدگی اختیار کی جائے اور وہ چیز جو اللہ سے تعلق توڑ دے اس کی کوئی قیمت نہیں، اور باطل پرست لوگوں کی صحبت سے کنارہ کشی اختیار کی جائے اور یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ جو شخص حق کا طلبگار نہیں وہ جھوٹا اور باطل پرست ہے، اور نیز مجمع الاخیار میں ہے کہ ایک دن سلطان غیاث الدین تغلق بادشاہ نے مولانا ظہیر الدین لنگ سے دریافت کیا کہ آپ نے شیخ رکن الدین ابوالفتح کی کبھی کوئی کرامت بھی دیکھی؟ تو مولانا نے جواب دیا کہ جمعہ کے روز لوگوں کا بڑی کثرت سے آپ سے فیض حاصل کرنا یہ آپ کی کرامت ہے، میں نے اپنے دل میں کہا کہ شیخ کے پاس تسخیر کا عمل ہے اور مجھے اگرچہ لوگ عقلمند اور عالم کہتے ہیں مگر میرے پاس کوئی نہیں آتا، خیر کل کو میں شیخ کے پاس جا کر ان سے یہ مسئلہ پوچھوں گا کہ کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو جو سنت قرار دیا گیا ہے اس میں کیا راز ہے؟ چنانچہ رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ شیخ صاحب سے میری ملاقات ہوئی اور شیخ نے مجھے حلوا کھلایا ہے، جس کی حلاوت بیدار ہونے کے بعد تمام دن محسوس کرتا رہا، میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر کرامت یہی ہے تو شیطان بھی اسی طرح کے کرشمے دکھا کر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے (یعنی اس بات کا کرامت سے

کوئی تعلق نہیں اس طرح تو شیطان بھی کرسکتا ہے) چنانچہ میں نے اپنے دل میں اس بات کا تہیہ کرلیا کہ کل سویرے جاکر یہ مسئلہ ضرور پوچھوں گا، غرضیکہ دوسرے دن صبح سویرے میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھے دیکھتے ہی آپ نے فرمایا کہ (بڑا اچھا ہوا آپ تشریف لے آئے) میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا اور پھر خود ہی اس طرح تقریر شروع فرمائی، کہ ناپاکی کی دو قسمیں ہیں، ایک ناپاکی دل اور دوسری ناپاکی بدن اور جسم کی، عورت سے مجامعت کے بعد بدن ناپاک ہو جاتا ہے اور برے لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے سے دل، جسم کی پلیدی اور ناپاکی پانی سے ختم ہوتی ہے اور دل کی ناپاکی آنسوؤں سے دھلتی ہے، پھر اس کے بعد فرمایا کہ پانی کے اندر تین اوصاف ہوں گے تب وہ طاہر اور مطہر ہوگا، اور تین اوصاف رنگ، مزہ اور بو ہیں، شریعت نے وضو میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا اسی لیے مقدم رکھا تاکہ کلی کرنے سے پانی کا مزہ اور ناک میں پانی ڈالنے سے اس کی بو معلوم ہو جائے، مولانا فرماتے ہیں۔ جب شیخ نے یہ تقریر فرمائی تو میرے جسم سے پسینہ بہنے لگا، اس کے بعد شیخ نے فرمایا کہ شیطان جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت اختیار نہیں کرسکتا اسی طرح حقیقی شیخ کی شکل بھی اختیار نہیں کرسکتا، اس لیے کہ حقیقی شیخ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری پیروی کرتا ہے، اس کے بعد شیخ نے مولانا ظہیر الدین سے خطاب کر کے فرمایا کہ مولانا! آپ ظاہری علوم سے مالا مال ہیں لیکن علوم حال سے ابھی تک ناآشنا ہیں۔

سلطان قطب الدین بن علاؤ الدین خلجی بادشاہ کے دور سلطنت میں شیخ رکن الدین ابو الفتح دہلی تشریف لائے اور شیخ نظام الدین اولیاء جو اس وقت مسند ارشاد و تربیت پر فائز اور اس وقت کے مشہور بزرگ تھے، شیخ ابو الفتح کی آمد کی خبر سن کر آپ کے استقبال کے لیے اپنے خالص مقام سے حوض علائی تک تشریف لائے، سلطان قطب الدین بادشاہ نے شیخ رکن الدین کا بڑا اکرام و اعزاز کیا اور دوران گفتگو پوچھا کہ اس شہر میں آپ کا کن کن لوگوں نے استقبال کیا تو شیخ ابو الفتح نے فرمایا دہلی والوں میں سے اس بزرگ ہستی نے (یعنی خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ) جو شہر والوں میں سب سے زیادہ بہتر ہیں۔

بعض لوگوں کا بیان ہے کہ سلطان قطب الدین کے دل میں شیخ نظام الدین اولیاء کا مرتبہ اور عزت کم ہوگئی تھی، بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ شیخ رکن الدین ابو الفتح کے دربار

میں عزت کرنے کی وجہ یہی تھی کہ خواجہ نظام الدین اولیاء کی شان بان ختم ہو جائے، غرضیکہ شیخ رکن الدین ابوالفتح نے اپنے اس جواب سے ان تمام موہومہ تخیلات کی بیخ کنی کر دی جن کی غیر متوقع امید کی گئی تھی، سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ استقبال کرنے کے بعد دونوں بزرگوں یعنی شیخ رکن الدین ابوالفتح اور خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی جامع مسجد میں ملاقات ہوئی جس کی تفصیل یوں منقول ہے کہ حضرت محبوب سبحانی اپنی نماز کی مقررہ جگہ سے اٹھ کر شیخ رکن الدین کے پاس تشریف لے گئے، پھر تھوڑی دیر کے بعد شیخ رکن الدین اپنی جگہ سے اٹھ کر خواجہ نظام الدین کی جگہ پر دوبارہ دیدار کی غرض سے تشریف لے گئے اور دونوں کی اسی جامع مسجد میں خوب صحبت و ملاقات رہی۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مقبرے کی عمارت تعمیر کروار ہے تھے کہ اچانک شیخ رکن الدین کی آمد آمد کا شور بلند ہوا، آپ نے اسی وقت کھانا تیار کرنے کا حکم دیا اور اپنے دوست احباب کو جمع کر لیا، اتنے میں شیخ رکن الدین پالکی میں سوار ہو کر آپ کے ہاں تشریف لے آئے، (بوقت ملاقات بھی) غالباً وہ مرض اور خاص عذر کی بناء پر پالکی ہی میں بیٹھے رہے، خواجہ نظام الدین اولیاء اور آپ کے دیگر تمام ساتھی بھی پالکی کے اردگرد بیٹھ گئے، باتیں ہو رہی تھیں اور مجلس خوب گرم تھی کہ اتنے میں شیخ رکن الدین ابوالفتح کے چھوٹے بھائی شیخ عماد الدین اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آج بزرگوں کا اجتماع ہے، بہترین موقع ہے لہٰذا اس کو غنیمت تصور کرتے ہوئے آپ حضرات سے کچھ استفادہ کرنا چاہتا ہوں سو گزارش یہ ہے کہ عرصہ دراز سے میرے دل کے اندر ایک شبہ ہے اور وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے میں راز کیا تھا؟ شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں غالباً یہ حکمت ہوگی کہ نبی علیہ السلام کے وہ کمالات و درجات جو ابھی تک مقدر اور پوشیدہ تھے ان کا عملی طور پر اصحاب صفہ پر فیضان ظاہر کرنا مقصود ہوگا، اس کے بعد خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حلقہ بگوش لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ فقیر کے خیال میں ہجرت کا راز یہ ہے کہ مدینہ کے وہ فقراء جو مکہ میں آکر نبی علیہ السلام کی زیارت نہیں کر سکتے تھے ان کو اس نعمت عظمیٰ سے مشرف کرنا مقصود تھا (ہجرت کے راز کو انہیں دو وجوہ پر منحصر نہ سمجھا جائے بلکہ علماء کرام نے اس کے متعدد اسرار

لکھے ہیں۔ فاضل ۱۲) غرضیکہ ہر دو بزرگوں کے بیان کا مقصد ایک دوسرے کی خاطر و تواضع تھی، شیخ رکن الدین کا مطلب یہ تھا کہ ہماری آمد کا مقصد طلب کمال اور حصول فائدہ ہے اور محبوب سبحانی کا مطلب تکمیل اور فائدہ رسانی تھی، یہ واقعہ سیر الاولیاء میں بھی لکھا ہے۔

مؤلف کتاب کہتا ہے کہ نبی علیہ السلام کا کمال جو اصحاب صفہ پر موقوف تھا وہ ارشاد و تکمیل ہی تھا جو موجب ثواب اور باعث عالی درجات تھا ان کا اپنا ذاتی کوئی کمال نہ تھا، غرضیکہ مطلب دونوں بزرگوں کی باتوں کا ایک ہی ہے۔ واللہ اعلم، اس کے بعد کھانا لایا گیا، کھانے سے فراغت کے بعد محبوب سبحانی نے چند عمدہ قسم کے کپڑوں کے ساتھ سو اشرفیاں ایک ایسے باریک کپڑے میں جس میں سے اشرفیوں کا رنگ باہر سے چمکتا ہوا نظر آ رہا تھا باندھ کر شیخ رکن الدین کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کیں، شیخ رکن الدین نے اس تحفہ کو دیکھ کر فرمایا استر ذھبك کہ اپنے سونے کو ڈھانپ لو، محبوب سبحانی نے جواب میں فرمایا و ذھابك مذھبك (کہ سونا میرا مذہب ہے) یعنی مال و زر باعث ستر مذہب ہے اور گودڑی درویش کا حال ہے تاکہ وہ (ان دونوں کے ذریعہ) عوام سے پوشیدہ رہ سکے۔ (اس کے بعد بھی) شیخ رکن الدین نے تحفہ قبول کرنے سے پس و پیش کیا تو محبوب سبحانی نے ان کے بھائی عماد الدین اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ کر دیا۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ اتفاق سے محبوب الٰہی بیمار پڑ گئے تو عیادت کے لیے شیخ رکن الدین آپ کے مکان پر تشریف لائے اور فرمایا کہ ہر شخص حج کی سعادت حاصل کرنیکی کوشش اور سعی کرتا ہے اور یہ عشرہ ذی الحجہ ہے میں سعی کر کے شیخ المشائخ کی زیارت کی سعادت سے بہرہ ور ہوا، شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد آپ کی نماز جنازہ بھی شیخ رکن الدین نے پڑھائی بعدہ فرمایا کہ تین سال تک ہم کو دہلی میں رکھنے کا راز یہی تھا کہ ہم کو یہ سعادت حاصل کرنی تھی اس کے تھوڑے عرصہ بعد شیخ رکن الدین ابوالفتح اپنے اصلی وطن (ملتان) واپس ہو گئے۔

خیر المجالس میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان لکھا ہے کہ شیخ الاسلام شیخ رکن الدین ابوالفتح جب ملتان سے دہلی تشریف لائے تو آپ کے پاس قلندروں، بھکاریوں کا ایک جم غفیر جمع ہو گیا، قلندروں نے کہا کہ ہمیں شربت پلایئے، آپ نے انہیں

کچھ دے کر روانہ کیا، پھر بھکاریوں نے مطالبہ کیا کہ ہم کو بھی دلواؤ، آپ نے ان کو بھی کچھ دے کر روانہ کیا، ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ قوم کے سردار کے پاس تین چیزوں کا ہونا لازمی ہے۔ اولاً مال و دولت تاکہ لوگ جو کچھ اس سے مانگیں وہ ان کو دے دیا کرے، اس زمانے کے قلندر شربت مانگتے ہیں، اگر درویش کے پاس نقدی اور مال نہ ہو تو وہ ان کو شربت کہاں سے پلائے گا، ان مانگنے والوں کی حالت یہ ہے کہ یہ باہر نکلتے ہی بدگوئی شروع کر دیتے ہیں اور اپنے اس جرم مانگنے کے سبب قیامت کے روز عذاب میں گرفتار ہوں گے، دوسری چیز یہ کہ درویش صاحب علم ہونا چاہئے تاکہ علماء کی صحبت میں ان سے علمی گفتگو کر سکے، تیسری چیز جو درویش کے لیے لازمی ہے وہ ''حال'' ہے تاکہ دوسرے درویشوں کو بھی حال میں لا سکے۔

شیخ صلاح الدین درویش رحمۃ اللہ علیہ

۶۴۸ھ..........۷۴۹ھ

آپ شیخ صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ تھے، بڑے بزرگ اور عالی مرتبت تھے، شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے معاصر اور ہمسایہ تھے، سلطان محمد تغلق بادشاہ کی طرف سے مشائخ کو جو تکالیف پہنچائی جاتی تھیں، میر سید شیخ نصیر الدین نے تو ان سب کو اپنے شیخ کی وصیت کے مطابق برداشت کیا، لیکن شیخ صلاح الدین درویش بادشاہ سے ہمیشہ ترش کلامی سے پیش آتے تھے شیخ صلاح الدین نے ملتان سے رحلت فرما کر دہلی کو اپنا وطن بنالیا تھا اور دہلی ہی میں انتقال فرمایا، نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب ہی آپ کی قبر ہے، ۲۲ صفر المظفر کو آپ کا عرس ہوتا ہے، آپ کی مناجات ہے جس کو لوگ مناجات صلاح کہتے ہیں، اس میں آپ کہتے ہیں کہ اے اللہ مجھے اس گھڑی اور وقت کی قسم جبکہ تو نے صلاح الدین درویش کو سفید ہاتھی کہا، اے اللہ! مجھے قسم اس وقت اور گھڑی کی جب تو نے صلاح درویش کو امروہہ میں ایک بوہڑ کے درخت کے نیچے فرمایا کہ اللہ یقرئك السلام (کہ اللہ تجھ کو سلام کہتے ہیں) اور اسی قسم کی مختلف باتیں اس مناجات میں ہیں۔

منقول ہے کہ ایک نوجوان گھوڑے پر سوار کہیں جا رہا تھا، گھوڑا خوبصورت اور بہت تیز

رفتار تھا، اچانک اس نوجوان نے گھوڑے کو زور سے کوڑا مارا جس کے زخم کا نشان گھوڑے کے سر پر نقش گر گیا، شیخ صلاح الدین یہ دیکھ کر اس نوجوان پر غضبناک اور ناراض ہوئے اور اسے بہت سخت سست کہا (آپ کے غضبناک ہونے اور نوجوان کو ڈانٹنے کا یہ اثر ہوا) کہ وہ گھوڑے سے گر پڑا، لوگوں نے دیکھا کہ کوڑے کے زخم کا اثر شیخ صلاح الدین درویش کے جسم پر منقوش ہے۔

مولانا بدرالدین اسحاق رحمۃ اللہ علیہ

۶۰۱ھ..................۶۷۰ھ

آپ علی بن اسحاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند تھے اور شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے خادم اور خلیفہ اور داماد تھے، اپنے زمانے کے بہت بڑے شیخ تھے، زہد وتقویٰ فقر اور عشق میں اپنی مثال خود تھے، بچپن کے زمانے میں آپ نے دہلی میں علوم حاصل کئے، طلباء میں آپ کی خوش مزاجی اور حاضر دماغی مشہور تھی، تحصیل علم کے بعد جو چیز شرفاء اور دانشور لوگ سیکھا کرتے تھے آپ نے بھی وہ چیز سیکھی، اس سے فراغت کے بعد بخارا کا رخ فرمایا، چونکہ پاکپتن راستہ میں پڑتا تھا وہاں شیخ فرید الدین شکر گنج کے کمالات سن کر ملاقات کا اشتیاق ہوا، اس کے بعد آپ نے ایک آدمی کو تیار کیا کہ وہ آپ کی شیخ فرید الدین سے ملاقات کرادے، چنانچہ آپ نے جب شیخ فرید الدین کی ملاقات کی تو اپنے تمام علوم وفنون ظاہریہ کو شیخ کے پہلو میں دفن کر دیا اور ان کے جمال وکمال کے شیدائی ہوگئے، شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا بدرالدین اسحاق کی قابلیت اور صلاحیت کو دیکھ کر اپنی خدمت اور دامادی کے لیے منتخب کر کے بہترین طور پر تربیت دی اور خرقہ خلافت عطا فرمایا، لوگوں میں مشہور ہے کہ آپ اکثر و بیشتر اوقات میں روتے ہوئے نظر آیا کرتے تھے، ایک دن یہ شعر پڑھ رہے تھے

پیش صلابت غمش روح نطق نمی زند　　　اے زہزار صعوہ کم پس تو نواچہ مے زنی

(اس کے عشق کے غم کی وجہ سے روح تک نہیں بولتی، اے انسان تیری ہستی ایک مولا کے ہزارویں حصہ سے بھی کمتر ہے پھر تو نالہ کیوں کرتا ہے) اس شعر کے ذوق میں پورا دن عالم تحیر میں گزار دیا، جب مغرب کا وقت ہوا تو شیخ نے آپ کو امام بنایا تو بجائے قرأت کے

آپ نے یہی شعر پڑھنا شروع کیا اور فوراً بیہوش ہو کر گر پڑے، جب ہوش میں آئے تو شیخ نے پھر انہیں کو امام بنایا۔

رسالہ ''اسرار اولیاء'' آپ کی تصنیف ہے، جس میں آپ نے شیخ گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کو جمع کیا ہے، اس کے علاوہ بھی آپ نے ایک کتاب نظم کے اندر علم صرف میں لکھی ہے جس میں تجر علمی اور فصاحت کو خوب ظاہر کیا ہے، اس رسالہ کے آخر میں جو اشعار لکھے گئے ہیں، وہ سیر الاولیاء میں بھی نقل کئے گئے ہیں، اسرار الاولیاء کے خاتمے پر شیخ نظام الدین کی خدمت میں التماس کے عنوان سے چند سطریں عربی زبان میں لکھی ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے۔

''الامام المجاہد حضرت نظام الدین محمد بن احمد صاحب خصائل پسندیدہ و عادات برگزیدہ نے مجھ سے یہ نظم سنی، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو آپ کے خصائل و آثار پر عمل کرنے کی توفیق دے آپ کے فضائل و انوار عام ہیں، میں صفتِ شاعری میں تہید ست ہوں، لیکن بحکم عالی نظم پیش کرنا ضروری تھا، اور میری یہ سعی ایسی ہے جیسے سلیمان علیہ السلام کے سامنے چیونٹی کی سعی۔

جناب عالی! جناب نے اپنے علو مرتبت کے باوجود اس فقیر سے نظم کی فرمائش کی جو حسب الحکم پیش خدمت ہے، میں کمزور، فقیر بدر الدین اسحاق بن علی دہلوی ان سطور کے ذریعہ امیدوار ہوں کہ میرے لیے صلاحیت کی دعا فرمائی جائے، اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، آپ کی قبر پاکپتن کی جامع مسجد کے صحن میں ہے جہاں لوگ اکثر و بیشتر یاد الٰہی کیا کرتے ہیں۔

شیخ جمال احمد ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ

۶۲۸ھ ۷۰۰ھ

آپ بہت بڑے خطیب و مقرر تھے، آپ کا سلسلہ نسب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے خلفاء میں سے تھے، کمالات ظاہریہ اور باطنیہ کے حامل تھے، شیخ فرید کو آپ سے بڑی محبت تھی، اسی وجہ سے انہوں نے بارہ برس آپ کے پاس ہانسی میں گزار دیئے، وہ آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ''جمال ہمارا جمال

ہے'' اور کبھی یوں فرماتے کہ جمال، میری خواہش ہے کہ تمہارے اردگرد چکر لگایا کروں، شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ جس کسی کو خلافت دیتے اسے جمال کے پاس بھیج دیتے، اگر شیخ جمال اس کو قبول کر لیتے تو خلافت کو قائم رکھتے اور اگر شیخ جمال اس کو ناپسند کرتے تو اس کی خلافت ختم کر دیتے تھے، اور پھر شیخ فرید اسے دوبارہ قبول نہ فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ جس کو جمال پھاڑ دے اسے فرید نہیں سی سکتا۔

ایک دن ایک آدمی ہانسی سے شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اس سے دریافت کیا کہ ہمارے جمال کا کیا حال ہے؟ اس نے عرض کیا کہ ہمارے مخدوم (یعنی شیخ جمال) نے جس روز سے آپ سے تعلق قائم کیا ہے اس وقت سے ریاضت اور مجاہدہ میں مصروف رہتے ہیں، آنا جانا سب کچھ ترک کر دیا ہے اور فاقے سہتے ہیں، شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر خوش ہوئے اور کہا الحمد للہ (اور پھر دعا دی کہ خدا انہیں) خوش رکھے، منقول ہے کہ ایک دن شیخ جمال احمد ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث سنی کہ القبور روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النیران (یعنی قبریں جنت کے باغوں میں سے باغ ہوتی ہیں یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا) تو بہت پریشان و حیران ہوئے اور (حدیث کی) اس تنبیہ کو سننے کے بعد بے قرار رہنے لگے، آپ کے انتقال کے بعد لوگوں نے کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ آپ کی قبر پر گنبد بنا دیں، آخر کار گنبد بنانے کے لیے کھدائی کی گئی، جب کھدائی کرتے کرتے لوگ لحد کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ قبلہ کی جانب ایک کھڑکی ہے جس میں سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے، چنانچہ لوگوں نے اسی وقت اس کھڑکی کو بند کر دیا اور وہاں سے ہٹ گئے، پھر قبر کو اوپر سے بند کر کے گنبد بنا دیا۔

شیخ احمد ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعدد رسالے اور اشعار ہیں، ایک رسالہ عربی میں بھی ہے جس میں مختلف کلمات کو بحیثیت تجع جمع کیا گیا ہے جس کا نام ''ملہمات'' ہے، آپ نے ایک جگہ اس میں لکھا ہے کہ فقر ایک عمدہ اور بہترین خصلت ہے جس سے یہ صفات معرض وجود میں آتی ہیں۔ صلاحیت، عفت، زہد، پاکیزگی، تقویٰ، طاعت، عبادت فاقہ کشی، مسکنت وقناعت، مروت و جوانمردی، دیانت وحفاظت، امانت و بیداری تہجد وخضوع، خشوع وعاجزی، تواضع وتحمل، برداشت وعفو اور چشم پوشی، مہربانی وانفاق فی سبیل اللہ، ایثار دکھانا

کھلانا، اکرام و احسان، ماسوی اللہ سے نفرت اور خدا کی عبادت میں اخلاص، انقطاع و جدائی، سچائی وصبر، خاموشی و بردباری، رضا وحیا، سخاوت و ناداری، خوف و امید، ریاضت و مجاہدہ اور مراقبہ، موافقت و دوستی اور مداومت علی العبادۃ اور معالمت، توحید وتہذیب، تجرید و تفرید ہسکوت و وقار، مدارات، محبت والفت، عنایت، رعایت، شفقت، سفارش، لطف و کرم، مجاہدہ شکر، فکر، ذکر، عزت، ادب و احترام، طلب و رغبت، غیرت وعبرت، بصیرت و بیداری، حکمت، للٰہیت، ہمت، معرفت وحقیقت، خدمت وتسلیم، توکل، پریشانی یقین واعتماد، غناوثبات اور حسن خلق۔

وکل فقیر اذا وجدت فیہ ھذہ الصفات سمی فقیر اکاملا و اذا فقدت لم یسم فقیراً۔

ہر وہ فقیر جس کے اندر یہ جملہ صفات ہوں گی وہ کامل فقیر ہوگا، اور جس کے اندر یہ صفات نہ ہوں گی وہ فقیر کہلانے کا حقدار نہیں۔

شیخ جمال احمد کا مزار ہانسی میں ہے جو اپنے تین بچوں سمیت ایک ہی گنبد میں آرام فرما رہے ہیں۔

منقول ہے کہ شیخ احمد ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد لوگوں نے آپ کو خواب میں دیکھ کر حالات پوچھے تو آپ نے فرمایا کہ قبر میں دفن کرنے کے بعد عذاب کے دو فرشتے میرے پاس آئے اور ان کے بعد ہی فوراً دو فرشتے اور آئے اور یہ حکم لائے کہ ہم نے اسے بخش دیا یہ مغرب کی نماز کے فوراً بعد ہی دو رکعت صلوٰۃ بروج جس میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ بروج اور سورۂ طارق ہے پڑھا کرتا تھا اور ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھتا تھا۔

شیخ برہان الدین صوفی رحمۃ اللہ علیہ

۶۴۱ھ..............................۷۱۳ھ

آپ شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند تھے، اپنے والد شیخ جمال الدین کے انتقال کے وقت کم عمر تھے، جب آپ کو شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ بڑی مہربانی کے ساتھ پیش آئے اور خلافت نامہ، جانماز اور عصا کے ساتھ وہ تبرکات جو ان کے والد شیخ جمال الدین کو دیئے تھے انہیں بھی عنایت فرمائے اور خواجہ نظام الدین اولیاء سے حصول فیض کا حکم دیا، چنانچہ آپ ہر سال نظام الدین اولیاء کی

خدمت میں حاضر ہوتے اور تربیت حاصل کرتے، نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی آخری زندگی تک پھر کسی کو مرید نہیں کیا، شیخ جمال الدین کا ایک اور لڑکا بھی تھا جو بہت سمجھ دار تھا مگر آخر میں دیوانہ ہوگیا تھا جس کے متعلق محبوب الٰہی فرماتے ہیں کہ وہ کبھی کبھی ہوش میں آکر عقلمندی کی باتیں کیا کرتا تھا میں نے خود ایک کلام اس سے سنا وہ کہہ رہا تھا العلم حجاب اللہ الاکبر (کہ علم اللہ تعالیٰ تک پہنچنے میں بڑا حجاب ہے) یہ سن کر مجھے یقین ہوگیا کہ وہ سچا مجذوب ہے، جب میں نے اس سے اس جملے کا مطلب پوچھا تو کہنے لگا کہ علم وہ ہے جو حق کے علاوہ ہے اور جو چیز حق کے ماسوا ہے وہی حجاب حق ہے۔

شیخ عارف رحمۃ اللہ علیہ

۶۳۱ھ..................۶۹۱ھ

آپ شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، لوگوں سے منقول ہے کہ اوچ اور ملتان کے حاکم نے شیخ عارف کے ہاتھ سو تنگہ[۱] (روپیہ) بطور نذرانہ شیخ گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کئے جس میں سے پچاس روپے انہوں نے اپنے پاس رکھ لیے اور پچاس شیخ کی خدمت میں حاضر کیے، شیخ نے مسکراتے ہوئے فرمایا، عارف! تم نے تقسیم واقعی برادرانہ کی ہے جس پر عارف شرمندہ ہوئے اور وہ پچاس روپے جو اپنے پاس رکھ لیے تھے شیخ کی خدمت میں پیش کردیئے اور بے انتہا عاجزی وانکساری کا اظہار کیا پھر مرید ہوئے اور سر منڈوایا، پھر شیخ کی خدمت میں رہ کر خوب پختگی حاصل کی (یعنی طبیعت میں جو کمزوریاں تھیں ان کی تکمیل کرلی۔ فاضل ۱۲) پھر شیخ نے انہیں بیعت کرنے کی اجازت دے دی اور سیوستان کی طرف بھیج دیا۔

شیخ صابر رحمۃ اللہ علیہ

۶۰۸ھ..................۶۷۹ھ

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ ایک مضبوط اور صاحب نعمت درویش تھے اور شیخ شکر

---

۱ تنگیہ تاء کی فتحہ کے ساتھ ایک قسم کا سکہ ہے جیسے ہمارے ہاں روپیہ اور تاء کے ضمہ کے ساتھ شلوار و پائجامہ وغیرہ کے معنی ہیں اس جگہ اغلب یہی ہے کہ پہلے معنی مراد ہوں گے اور دوسرے معنی کا بھی احتمال ہے۔ واللہ اعلم بندہ محمد فاضل عفا اللہ عنہ

گنج کے مرید تھے، شیخ گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے ۶۰۸ھ......۶۷۹ھ جب آپ کو بیعت لینے کی اجازت دی تو اس وقت فرمایا، صابر! تم عیش عشرت کی زندگی گزارو گے، پھر یہی ہوا کہ آپ تمام عمر خوش عیش رہے۔

واقعہ بھی یہی ہے کہ شیخ صابر خوش باش اور ہنس مکھ بزرگ تھے اور غالباً یہ شیخ صابر وہ نہیں ہیں جو شیخ علی صابر تھے اور جو شیخ گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے داماد اور خلیفہ تھے جن کا مزار کلیر شریف میں ہے اور جن تک شیخ عبدالقدوس وغیرہ مشائخ کا سلسلہ پہنچتا ہے اور شیخ علی صابر کا سیر الاولیاء میں کوئی تذکرہ نہیں بلکہ اس میں شیخ صابر ہی کا ذکر کیا گیا ہے ان کے تذکرے کو حذف کر دینا تعجب سے خالی نہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شیخ صابر رحمۃ اللہ علیہ سے شیخ علی صابر ہی مراد ہوں۔ واللہ اعلم۔

شیخ نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ

۶۱۴ھ.......................۶۷۲ھ

آپ شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے تھے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے تھے، زراعت و کاشتکاری کی کمائی پر جو کسب حلال ہے قناعت پذیر رہے اور تمام عمر اطاعت احکام باری میں بسر کی، اللہ آپ پر رحمت فرمائے۔

مولانا شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ

....

آپ تمام علوم و فضائل میں شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ سے آراستہ ہوئے، اکثر اوقات شیخ کی حاضری میں گزارا کرتے تھے، شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ میرے اور مولانا شہاب الدین کے درمیان بہت محبت تھی، ایک مرتبہ میں نے شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس عوارف المعارف کا ایک نسخہ دیکھا جو اکثر آپ کے زیر مطالعہ رہا کرتا تھا، یہ بہت باریک خط سے لکھا ہوا تھا اور اس میں کتابت کی بہت غلطیاں تھیں جس کی وجہ سے شیخ پڑھتے پڑھتے اکثر توقف فرمایا کرتے تھے، میں چونکہ اس سے پہلے عوارف المعارف کا ایک نسخہ شیخ نجیب الدین متوکل کے پاس دیکھ چکا تھا اس لیے شیخ کے پاس یہ نسخہ دیکھ کر فوراً اس نسخہ کا خیال آیا اور میں نے شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ شیخ نجیب الدین

متوکل کے پاس ایک صحیح نسخہ موجود ہے، شیخ کو یہ بات گراں گزری اور (غصے سے) فرمایا کہ کیا درویش کو صحیح و غلط میں امتیاز کرنے کی طاقت نہیں ہوتی؟ میں پہلے تو سمجھ نہ سکا کہ آپ یہ بات کس سلسلہ میں فرما رہے ہیں لیکن بعدہٗ جب معلوم ہوا کہ آپ کا روئے سخن میری ہی طرف تھا، تو میں کھڑا ہوا اور سر سے عمامہ اتارا اور شیخ کے قدموں میں گر گیا اور عرض کیا کہ معاذ اللہ میری مراد یہ تھی کہ جو نسخہ میں نے دیکھا تھا وہ یاد آ گیا اور اس کے سلسلہ میں عرض کر دیا (بس اس سے زائد کا میں نے ہرگز ہرگز ارادہ نہ کیا تھا اور نہ ہی میرے گوشہ خیال میں تھا) فرماتے ہیں میں نے بے انتہا کوشش کی کہ شیخ کسی طرح راضی ہو جائیں مگر میری یہ کوشش بے سود رہی اور شیخ بحالہ ناراض رہے، اس کے بعد میں شیخ کی مجلس سے حیرانی اور پریشانی کی حالت میں اٹھ چلا آیا، جتنا رنج و غم اس دن مجھے ہوا (خدا کرے) کہ ایسا رنج و غم کسی کو نہ ہو، پھر میں نے ایک کنویں پر جا کر اس میں کود کر اپنے کو ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیا لیکن معاً مجھے خیال آیا کہ مردہ تو مردہ ہی ہوتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ بدنامی کا داغ باقی رہ جائے (اس لیے کنویں میں کودنے کے خیال کو ترک کر دیا) ایک عرصہ تک میں یونہی حیران و پریشان پھرتا رہا (اور میرے ان تمام احوال کا مولانا شہاب الدین کو علم تھا اتفاق سے) مولانا شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقعہ پا کر بڑے عمدہ طریقے سے میرے احوال کا شیخ سے تذکرہ کیا تو شیخ اس وقت مجھ سے خوش اور راضی ہو گئے اور مجھے اپنے پاس بلوا بھیجا پھر مہربانی اور شفقت کے لہجہ میں فرمایا کہ میں نے جو کچھ کیا وہ تمہارے روحانی کمال کے لیے کیا اس لیے کہ حقیقت میں مرشد ہی مرید کی اصلاح کرنے والا ہوتا ہے، اس کے بعد آپ نے مجھے انعامات سے نوازا اور ایک خلعت خاص سے مشرف فرمایا۔

شیخ بدر الدین سلیمان رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور فرزند ارجمند ہیں، آپ اپنے والد بزرگوار کے انتقال کے بعد اپنے بھائیوں اور شیخ کے تمام تر مریدوں کے متفقہ فیصلہ سے سجادۂ خلافت کے لیے منتخب کیے گئے، شیخ بدر الدین نے خاندان چشتیہ سے بیعت کی۔ خواجہ زدر اور خواجہ غور جو خاندان چشتیہ کے خلیفہ تھے اور حضرت شیخ فرید الدین کی زندگی ہی میں مقام

چشت سے پاکپتن تشریف لائے تھے، ان دونوں مذکور بزرگوں کے پاس حضرت شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے دونوں صاحبزادوں مولانا شہاب الدین اور شیخ بدر الدین رحمۃ اللہ علیہ کو لے گئے اور برکت حاصل کرنے کے لیے اپنے دونوں صاحبزادوں کو ان دونوں بزرگوں کا مرید کرا دیا۔

خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ

۶۱۹ھ..........................۷۰۵ھ

شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ آپ کو اپنے حقیقی بیٹوں سے بھی زیادہ پیار کرتے تھے، آپ فوج میں ملازم تھے، جس رات شیخ فرید الدین کی وفات ہوئی آپ کو اسی وقت روحانی طور پر شیخ کے انتقال کی اطلاع ہوگئی، چونکہ آپ سلطان غیاث الدین بلبن کے ہمراہ اس وقت ایک قصبہ میں تھے اور رات کے وقت قلعہ کا دروازہ کھول کر نہیں آسکتے تھے اس لیے نہ آسکے اور تمام رات اپنی قیام گاہ پر بیقرار رہے اور شیخ کا آخری دیدار نہ کر سکے، صبح کو جب شیخ کا جنازہ شہر سے باہر لایا جارہا تھا تو آپ وہاں پہنچ گئے، شیخ کے بیٹوں کا خیال تھا کہ شہر سے باہر گنج شہیداں میں شیخ کو دفن کیا جائے مگر خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اچھا یہی ہے کہ شیخ کو اس جگہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ دفن کیا جائے، چنانچہ اب جہاں شیخ کا مزار ہے وہاں شیخ کو دفن کرنے کی تجویز خواجہ نظام الدین نے پیش کی تھی جس پر سب نے باتفاق رائے عمل کیا اور خواجہ نظام الدین نے کفار سے جہاد کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا ان کی قبر وغیرہ کا کوئی نشان کسی کو معلوم نہیں۔

خواجہ یعقوب رحمۃ اللہ علیہ

۶۲۲ھ..........................۶۶۱ھ

آپ شیخ فرید الدین کے چھوٹے بیٹے تھے، جود و سخاوت میں بہت مشہور تھے، اور روحانی کمالات میں ماہر تھے اور اہل ملامت کے راستہ پر چل پڑے تھے (یعنی) جو معاملہ ان کا ظاہر میں تھا خدا سے تعلق اس کے خلاف تھا (غالباً مطلب یہ ہے کہ بہ اوقات بظاہر لوگ انہیں خلاف شرع افعال کا مرتکب پا کر ملامت کرتے لیکن خدا تعالیٰ سے ان کا تعلق صحیح تھا۔ فاضل ۱۲) سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ ایک بار امروہہ کے راستے جا رہے تھے کہ وہاں

سے مردان غیب نے آپ کو اٹھالیا۔

مولانا داؤد پالہی رحمۃ اللہ علیہ

۵۹۱ھ.....................۶۷۹ھ

آپ رودلی کے ایک گاؤں پالہی کے رہنے والے تھے، شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے تھے، حضرت محبوب سبحانی اکثر و بیشتر فرمایا کرتے تھے کہ مولانا داؤد پالہی بڑے بزرگ تھے محبوب سبحانی نے فرمایا کہ ایک دفعہ مجھے اور مولانا داؤد پالہی دونوں کو اپنے شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اکٹھا جانے کا اتفاق ہوا، دونوں اپنے اپنے گھروں سے باہر نکلے اور چل دیئے مولانا لمبے لمبے قدم رکھتے ہوئے مجھ سے آگے نکل جاتے اور میرا انتظار کرنے کے لیے نفل پڑھنے لگتے، میں بہت دیر کے بعد ان کے پاس پہنچتا، چونکہ مجھے ان کی عادت معلوم تھی اس لیے ان کو نماز پڑھتے چھوڑ کر ان سے آگے روانہ ہو جاتا، میں دو چار میل ہی چلتا تھا کہ وہ پیچھے سے آکر مجھ سے دو چار میل آگے نکل جاتے اور حسب معمول نماز میں مشغول ہو جاتے اور ایسے لق دوق جنگل میں راستہ نہ بھولتے تھے۔

منقول ہے کہ مولانا داؤد پالہی نماز فجر کے بعد گھر سے جنگل چلے جاتے اور وہاں بیٹھ کر خدا کی یاد کیا کرتے، ہرن آتے اور آپ کے آس پاس کھڑے ہو کر اپنی پر شوق آنکھوں سے مولانا کا دیدار کرتے رہتے۔

مولانا رضی الدین منصور رحمۃ اللہ علیہ

۵۹۹ھ.....................۶۸۰ھ

آپ بڑے ولی اللہ اور برگزیدہ آدمی تھے، شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی فرماتے ہیں کہ اودھ میں ایک بزرگ رہتے تھے وہ کسی مرض میں مبتلا ہوئے اور باینجا رسید کہ لوگوں نے یقین کرلیا کہ اب ان کا بچنا امر محال ہے اور تجہیز و تکفین کے انتظامات مکمل کر لیے گئے، اسی اثناء میں مولانا داؤد پالہی اور مولانا راضی الدین منصور ان کے ہاں پہنچے اور ان سے کہا کہ ہم آپ کے پاس آئے ہیں تو گفتگو کئے بغیر واپس نہیں جائیں گے، چنانچہ مولانا رضی الدین نے مولانا داؤد پالہی سے فرمایا کہ مریض کو ایک طرف سے آپ سنبھالیں اور دوسری طرف سے میں، مولانا داؤد سرہانے بیٹھ گئے اور مولانا رضی الدین پائنتی، اس کے بعد دونوں

بزرگوں نے کچھ پڑھنا شروع کیا اور پھر کھڑے ہو کر اس بزرگ کے ہاتھ پکڑے اور کہا اٹھ بیٹھو چنانچہ وہ بیمار بزرگ اس وقت اٹھ کر بیٹھ گئے اور صحت مند ہو گئے۔

مولانا کمال الدین زاہد رحمۃ اللہ علیہ

۶۵۹ھ.....................۷۵۶ھ

آپ کمال، ورع، تقویٰ اور دیانتداری میں مشہور تھے، شیخ نظام الدین اولیاء نے آپ ہی سے ''مشارق'' کے حصوں کی سند حاصل کی اور ان سے مولانا برہان الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے استفادہ کیا اور ان سے میں (مصنف اخبار الاخیار) نے فیض پایا۔ مولانا کمال الدین زاہد...... مشارق کو شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے سنا تھا آپ نے ان کا اجازت نامہ اپنے ہاتھ سے خود لکھا ہے جو سیر الاولیاء میں موجود ہے۔

منقول ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن کی یہ آرزو تھی کہ مولانا کمال الدین زاہد کو امام مقرر کر کے ان کے پیچھے نماز پڑھا کریں، چنانچہ اسی غرض سے مولانا موصوف کو اپنے ہاں بلایا اور کہا کہ مجھے آپ کے علمی کمالات، دیانت، حفاظت پر پختہ اعتقاد ہے مہربانی فرما کر اگر آپ امامت کا عہدہ قبول فرمالیں تو میں آپ کا رہین منت ہوں گا اور مجھے اپنی نماز کے قبول ہونے پر پورا یقین ہو جائے گا، مولانا نے جواب دیا کہ میرے پاس تو پہلے نماز ہی نماز باقی رہ گئی ہے اس کے علاوہ میرے پاس اور کچھ نہیں رہا اب آپ کی مرضی یہ ہے کہ میرے پاس یہ بھی نہ رہے، مولانا نے یہ جواب کچھ اس بارعب اور پر جلال لہجہ میں دیا کہ بادشاہ خاموش رہ گیا اور عذر خواہی کرتے ہوئے مولانا کو باعزت طریقے سے رخصت کیا۔

شیخ نور الدین رحمۃ اللہ علیہ

۷۶۲ھ.....................۸۵۱ھ

آپ ''ملک یار پراں'' سے مشہور اور کامل درجے کے ولی تھے، آپ کا اصلی وطن لار تھا، وہاں سے اپنے شیخ کی اجازت سے دہلی تشریف لائے تھے، آپ سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے کے شیخ وقت تھے، خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مزار پر کبھی کبھی تشریف لایا کرتے تھے، خیال ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی عین حیات میں ملاقات ہوئی ہوگی مگر اس پر کوئی خارجی ثبوت موجود نہیں، سیر الادنیاء میں خواجہ نظام الدین اولیاء سے

نقل کیا گیا ہے کہ میں کیلوکہری کی جامع مسجد میں نماز جمعہ پڑھنے جایا کرتا تھا، چنانچہ میں ایک روز جامع مسجد کو جارہا تھا اور اتفاق سے اس دن میں روزے سے تھا، سخت گرم لو چل رہی تھی گرمی کا مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ مجھے چکر آنے لگے اور میں ایک دوکان میں بیٹھ گیا اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ آج اگر میرے پاس سواری ہوتی تو اس پر بیٹھ کر چلا جاتا پھر شیخ سعدی کا یہ شعر مجھے یاد آیا

ما قدم از سرکنیم در طلب دوستاں　　　راہ بجائے نبرد ہر کہ باقدام رفت

(ہم دوستوں کی تلاش میں سر کے بل جاتے ہیں اور جو قدموں کے ذریعہ گیا وہ منزل تک نہ پہنچ سکا) پھر میں نے سوال کے خیال اور ارادہ سے توبہ کی، اس واقعہ کو گزرے ہوئے تین ہی دن ہوئے تھے کہ شیخ ملک یار پراں کا ایک خلیفہ گھوڑی لایا اور مجھ سے فرمایا کہ اسے قبول فرمائیے، میں نے اس سے کہا کہ تم خود فقیر آدمی ہو میں تم سے کیوں اور کیسے گھوڑی لوں (یعنی میں نے گھوڑی قبول کرنے سے انکار کردیا) تب انہوں نے فرمایا کہ پرسوں رات شیخ ملک یار پراں سے میری خواب میں ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ یہ گھوڑی خواجہ نظام الدین کو تحفۃً دے دو، میں نے اس سے کہا کہ یہ تو تمہارے شیخ نے فرمایا ہے اگر میرے شیخ فرمائیں گے تو قبول کرلوں گا، پھر دوسری مجلس میں وہ گھوڑی لایا تب میں نے تحفہ خداوندی سمجھ کر اس کو قبول کرلیا اس کے بعد ہمارے گھر میں گھوڑوں کی بہتات اور کثرت ہوگئی، بعض لوگوں سے یہ بھی منقول ہے کہ جس وقت شیخ ملک یار پراں دہلی تشریف لائے تو پہلے پہل وہیں قیام کیا جہاں آج کل ان کا مزار ہے، اس وقت وہاں ایک شیخ ابوبکر طوسی قلندر رہتے تھے انہوں نے آپ سے لڑنا شروع کیا (کہ تم یہاں کیسے آئے ہو) آپ نے فرمایا کہ میرے پیر نے مجھے یہاں بھیجا ہے، شیخ ابوبکر طوسی نے اس بات کا ثبوت مانگا تو آپ نے دہلی سے دور اس مقام پر جہاں آپ کے شیخ جلوہ افروز تھے اتنی تھوڑی سی دیر جس میں عام طور پر لوگ آمد ورفت نہیں کرسکتے آن کی آن میں اپنے شیخ سے جا کر اجازت نامہ لیا اور وہ آ کر اس بزرگ کو دکھایا اس وقت سے لوگ آپ کو ملک یار پراں کہنے لگے، واللہ اعلم۔

آپ کا مزار دہلی میں دریائے جمنا کے کنارے شیخ ابوبکر طوسی قلندر کی خانقاہ کے سامنے

ہے جونہایت خوبصورت اور باعظمت مقام ہے بعض لوگوں سے یہ بھی منقول ہے کہ اس جگہ پریاں رہتی ہیں۔

شیخ ضیاء الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ

۶۵۹ھ.............۷۲۱ھ

آپ کا شمار بہت بڑے مشائخ میں سے ہے، آپ شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے، سلطان قطب الدین بن علاؤ الدین خلجی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مرید اور خیفہ تھے، منقول ہے کہ آپ کے انتقال کے تین روز بعد شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ آپ کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے تو اس وقت سلطان قطب الدین خلجی رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں موجود تھے انہوں نے خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی نہ تعظیم کی اور نہ ہی سلام کا جواب دیا، شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے شیخ ضیاء الدین رومی سے خود سنا ہے وہ فرمایا کرتے تھے میرے ایک دوست کو سماع کا بہت شوق تھا اور محفل سماع میں ان کو حال آیا کرتا تھا ان کے انتقال کے بعد میں نے ان کو دیکھا کہ انہیں جنت میں ایک بہت بلند مقام ملا ہے لیکن اس مقام اعلیٰ پر رسائی کے باوجود مغموم و پریشان بیٹھے ہیں، میں نے انہیں جنت مل جانے پر مبارکباد دی اور پوچھا کہ آپ مغموم کیوں ہیں، شیخ رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے یہ سب کچھ مل گیا ہے مگر سماع کی لذت و حال سے محروم ہوں (مگر یہ واقعہ عقلاً ونقلاً صحیح نہیں اولاً تو اس لیے کہ جنت میں پہنچنے اور اس کی نعمتیں حاصل کرنے کے بعد آدمی دنیا کی ان سب چیزوں کو بھول جاتا ہے اور ثانیاً اس لیے کہ نصوص متعدد اس بات پر شاہد و ناطق ہیں کہ جنت میں ہر وہ چیز جنتی کو دی جائے گی جسے وہ چاہے گا، اس لیے اس واقعہ کی صحت سے قلب اباء کرتا ہے۔ فاضل ۱۲) آپ کا مزار خواجہ قطب الدین والی سڑک پر سلطان محمد عادل کے بے منڈل مکان کے سامنے ہے۔

شیخ شرف الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ

۶۵۹ھ.............۷۲۵ھ

آپ قصبہ سرسی کے رہنے والے تھے خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک شخص جنید نامی غزل خواں تھا اس کی زبانی میں نے سنا کہ شیخ کرمانی نے ایک دن

مجلس سماع میں ایک شعر سن کر ایک آہ کی اور جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔

سیدی مولہ رحمۃ اللہ علیہ

۵۷۱ھ ۶۴۰ھ

آپ سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں دہلی میں تھے۔ آپ کے مرید اور عقیدت مند کثرت سے ہیں، لوگوں کو کھانا کھلاتے اور خوارق العادات اور کرامات دکھایا کرتے تھے، بعض لوگوں کا خیال تھا کہ آپ کیمیا گر تھے بعض لوگ آپ کے تصرف و کرامات کے معتقد تھے اور بعض لوگوں کا گمان تھا کہ آپ جادوگر اور شعبدہ باز تھے، سلطان جلال الدین خلجی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں شیخ ابوبکر طوسی کے قلندروں نے آپ کو مار ڈالا تھا، آپ کو جس روز قتل کیا گیا اس دن آسمان پر بے انتہا گرد و غبار تھا اور اتنا اندھیرا چھا گیا تھا کہ یوں معلوم ہوتا تھا گویا قیامت آ گئی، سلطان جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ اس سے پہلے آپ کے معتقد نہ تھے مگر ان حالات کو دیکھنے کے بعد آپ کے خاصے معتقد ہو گئے تھے۔ واللہ اعلم۔

شیخ ابوبکر طوسی حیدری رحمۃ اللہ علیہ

۵۶۸ھ ۶۳۹ھ

آپ قلندر صفت تھے اور شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ان کی بے حد دوستی تھی شیخ ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ جب ہانسی سے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے آتے تو جمنا کے کنارے شیخ طوسی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں ٹھہرتے، جہاں فقیروں کی مصاحبت کے علاوہ مجالس سماع بھی منعقد ہوا کرتی تھیں، حضرت خواجہ نظام الدین بھی آپ کی خانقاہ میں آتے اور مجلس میں شریک ہوا کرتے تھے۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ کی دہلی میں آمد کے موقع پر مولانا حسام الدین اندرپتی نے جو دہلی کے صدر خطیب اور قاضی القضاۃ تھے، علاوہ ازیں شیخ جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مرید بھی تھے اپنے پیرو مرشد شیخ جمال الدین کا استقبال کیا جب یہ استقبال کی تیاریوں میں مصروف تھے تو شیخ طوسی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ شیخ جمال الدین سے کہہ دیں کہ میں حج کے لیے جا رہا ہوں، شیخ

جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ نے آتے ہی مولانا حسام الدین سے دریافت فرمایا کہ ہمارا سفید ہاتھی یعنی ابوبکر طوسی کس حال میں ہے؟ مولانا نے عرض کیا کہ حضرت وہ تو حج کے لیے جارہے ہیں، اتنی بات سننے کے بعد شیخ نے مولانا حسام الدین کو اسی وقت روانہ کیا اور کہا کہ آپ چلیں ہم آپ کے پیچھے آرہے ہیں اور یہ رباعی شیخ طوسی کے نام لکھ کر دی۔

بر پائے تراسرم نثار اولی تراست — یک سرچہ بود بلکہ ہزار اولی تر

درغار وطن ساز چوبوبکر از آنکہ — بوکر محمدی بہ غار اولے تر!

(میرا سر اگر آپ کے پاؤں پر قربان ہو جائے تو بہت اچھا ہو، ایک سر کیا بلکہ ہزار سر بھی قربان ہو جائیں تو بہت بہتر ہو، حضرت ابوبکر کی طرح غار کو وطن بنائیے کیونکہ نبی علیہ السلام کے رفیق حضرت ابوبکر کی مانند ہمارے لیے غار ہی بہتر ہے)

حضرت شیخ ابوبکر طوسی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار دہلی میں جمنا کے کنارے آپ کی خانقاہ ہی میں ہے جو مرجع عام وخاص ہے۔

شیخ فریدالدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ

۶۳۹ھ ۷۱۹ھ

آپ سلطان التارکین شیخ حمید الدین صوفی کے حقیقی پوتے، مرید، خلیفہ اور جانشین تھے آپ نے شیخ حمید الدین ہی کے سایہ عاطفت میں تربیت و پرورش پائی، شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دادا شیخ حمید الدین صوفی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات بنام ''سرور الصدور'' جمع کیے ہیں، سلطان محمد تغلق کے زمانے میں ناگور سے آپ دہلی تشریف لائے تھے، قطب صاحب کے مزار کے راستے میں جے منڈل کے مشرقی جانب پرانی دہلی میں آپ کا مزار ہے، آپ رہتے بھی اسی جگہ پر تھے، اسی جگہ پر چکی کا ایک پتھر پڑا ہوا ہے لوگوں میں مشہور ہے کہ شیخ فرید الدین مستی کی حالت میں اس پتھر کو اپنے گلے میں ڈال لیا کرتے تھے اور یہی پتھر گلے میں ڈالے ہوئے ناگور سے دہلی تشریف لائے تھے،

واللہ اعلم بالصواب۔

شیخ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

۵۹۸ھ..............................۶۸۱ھ

آپ کے والد محترم کا نام شیخ حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ تھا، آپ کی وفات شباب ہی کے زمانے میں اس وقت ہوئی جبکہ آپ سماع سن رہے تھے، واقعہ یوں ہوا کہ ایک رات کو ایک صوفی کے گھر پر محفل سماع کا پروگرام بنایا گیا، اس محفل میں غزل خواں نے یہ شعر پڑھا

جاں بدہ ، جاں بدہ ، جاں بدہ فائدہ گفتن بسیار چیست

(جان قربان کر دے، جان قربان کر دے، جان قربان کر دے، زیادہ باتوں میں کیا فائدہ) یہ سنتے ہی شیخ عبدالعزیز نے ایک چیخ ماری اور کہا، دیدی، دیدی، دیدی۔ چنانچہ فوراً جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ آپ کے تین صاحبزادے تھے۔ شیخ وحید، شیخ فرید، شیخ نجیب، آپ نے ہر ایک لڑکے کی بابت الگ الگ پیشین گوئی فرمائی، چنانچہ شیخ وحید کے متعلق فرمایا کہ یہ میری طرح یکتا ہے اور ایسا ہی ہوا کہ وہ غیر شادی شدہ اور آزاد رہے اور خلافت حاصل کرنے کے بعد لوگوں کو ہدایت کرتے کرتے عالم پائیدار میں چلے گئے اور شیخ فرید و نجیب کے متعلق فرمایا کہ فرید میرا سجادہ نشین ہے، اور نجیب صاحب دیوان ہے، چنانچہ ویسا ہی ہوا جیسا کہ شیخ نے فرمایا تھا۔

شیخ علی کرد رحمۃ اللہ علیہ

۶۰۱ھ..............................۶۶۶ھ

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ خواجہ نظام الدین اولیاء نے فرمایا کہ جب میں ہانسی گیا تو شیخ فرید الدین اس زمانے میں داؤدی روزہ رکھ رہے تھے، چنانچہ شیخ فرید الدین نے افطار کے وقت شیخ کرد رحمۃ اللہ علیہ کو دعوت دی، انہوں نے دعوت قبول کر لی اور تشریف لے آئے، چنانچہ دونوں بزرگ کھانا تناول فرما رہے تھے کہ شیخ علی کرد رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ خیال آیا کہ شیخ اگر صائم الدہر ہوتے تو بہت ہی اچھا ہوتا، یہ بات شیخ فرید الدین کو بوجہ نور باطن کے معلوم ہوگئی اور اس وقت کھانے سے ہاتھ روک لیا، شیخ علی کرد رحمۃ اللہ علیہ کا وطن میرٹھ کے علاقہ میں تھا اور آپ کا مزار بھی وہیں ہے۔

مولانا نور ترک رحمۃ اللہ علیہ

۶۱۹ھ.........۶۹۲ھ

قاضی منہاج جرجانی نے اپنی کتاب ''طبقات ناصری'' میں آپ کا تذکرہ اس طرح کیا ہے جو آپ کی حالت کے سراسر خلاف اور آپ کے مذہب پر شدید نکتہ چینی ہے، لیکن فوائد الفواد میں میر حسن رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ نظام الدین اولیاء کا قول نقل کیا ہے کہ بعض علماء نے مولانا ترک کے متعلق کچھ اور تحریر کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مولانا بارش کے پانی سے بھی زیادہ پاکیزہ تھے، شہر کے علماء کو آپ سے اس لیے تعصب تھا کہ آپ ان تمام عالموں کو دنیاداری میں مبتلا دیکھ کر ان پر نکتہ چینی فرمایا کرتے تھے، آپ نے کسی سے بیعت نہیں کی تھی، آپ ہر بات علم اور مجاہدہ کی قوت سے کہا کرتے تھے، آپ کا ایک غلام تھا جس کا پیشہ روئی دھنا تھا وہ شام کو آ کر آپ کو ایک درہم دیا کرتا تھا جس سے آپ اپنی ضروریات زندگی کو پورا کرتے تھے۔

ایک دن سلطانہ رضیہ نے آپ کی خدمت میں کچھ سونا بھیجا، اتفاقاً اس وقت آپ کے ہاتھ میں لکڑی تھی، آپ اس لکڑی سے اس سونے کو پیٹنے لگے، جو آدمی اس سونے کو لایا تھا اس سے فرمایا کہ ہماری نظر میں یہ کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا، ہمارے نزدیک اس کی کوئی قیمت نہیں اسے ہمارے سامنے سے لے جاؤ۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ مکہ معظمہ میں تھے کہ ایک شخص دہلی کا رہنے والا بھی وہاں گیا، اس نے آپ کی خدمت میں دو سیر چاول پیش کیے، مولانا نے وہ چاول قبول فرما لیے اور اس کو دعا دی، اس آدمی کے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ وہی بزرگ ہے جس نے دہلی میں اتنی بڑی قیمت کا سونا بڑی بے توجہی سے واپس کر دیا تھا اور اس وقت تھوڑے سے چاول بھی قبول فرما لیے، اس آدمی کے اس تخیل کو اللہ تعالیٰ نے مولانا پر منکشف فرما دیا اور آپ نے اس آدمی سے فرمایا اے خواجہ! مکہ مکرمہ کو دہلی نہ سمجھو، میں اس وقت جوان تھا، وہ قوت و طاقت اب کہاں رہی اب میں بوڑھا ہو چکا ہوں نیز مکہ میں غلہ بھی کم ملتا ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ فرید الدین گنج شکر کو خود یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مولانا ترک کی وعظ کی مجلسوں میں میں شریک ہوا ہوں جب میں ہانسی میں تھا تو ایک مرتبہ

رنگین اور پرانا لباس پہن کر میں مولانا ترک کے وعظ میں شریک ہوا تھا، یہ پہلا موقعہ تھا اس سے پہلے میری اور مولانا کی ملاقات نہ تھی آپ مسجد میں وعظ فرمارہے تھے، میں نے جونہی مسجد میں قدم رکھا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا، مسلمانو! اب گفتگو کا صراف اور جوہری آ گیا ہے، اس کے بعد میری وہ تعریف کی جو کسی بادشاہ کو بھی نصیب نہ ہوگی۔

مولانا مخلص الدین رحمۃ اللہ علیہ

۵۶۹ھ.................... ۶۳۹ھ

آپ کے متعلق شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی فرماتے ہیں کہ آپ ضلع بدایوں کے موضع کرک کے رہنے والے تھے آپ بزرگ اور ولی اللہ ہونے کے ساتھ قرآن کریم کے حافظ بھی تھے۔

حکایت: ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ اپنے شاگردوں کے ہمراہ کہیں تشریف لے جارہے تھے شاگردوں نے راستے میں آکھ کے درختوں میں پھل لگا ہوا دیکھا اور انہیں توڑ لیا (انہیں توڑنا غالباً محض دل لگی کے طور پر ہوگا جیسے دیہاتوں میں عموماً بچے توڑ کر ان سے کھیلا کرتے ہیں۔ فاضل ۱۲) اور مولانا کے پاس لائے، مولانا نے فرمایا کہ تمہارے ہاتھوں میں کیا کھیرے ہیں؟ شاگردوں نے کہا کہ نہیں جناب یہ تو اکوے کے پھل ہیں، مولانا نے پھر باصرار فرمایا کہ نہیں نہیں یہ کھیرے ہیں، شاگردوں نے عرض کیا کہ حضرت! ہم نے اپنے ہاتھوں سے انہیں آکھ ہی کے درختوں سے توڑا ہے کھیرے کیسے ہوسکتے ہیں، علاوہ ازیں یہ موسم ایسا ہے کہ اس موسم میں کھیرے وغیرہ نہیں ہوا کرتے، مولانا نے فرمایا اچھا مجھے دو چنانچہ شاگردوں نے وہ سب کے سب مولانا کے حوالے کردیئے، مولانا نے چاقو نکال کر ان کے ٹکڑے کئے اور سب نے کھا کر کہا کہ یہ تو واقعتہً کھیرے ہی ہیں۔

منقول ہے کہ لوگوں نے شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلی سے یہ دریافت کیا کہ کیا خواجہ عزیز کرکی اور مولانا مخلص الدین ایک دوسرے کے معاصر تھے، آپ نے فرمایا یہ تو معلوم نہیں البتہ اتنا معلوم ہے کہ خواجہ عزیز کرکی بھی بڑے بزرگ تھے پھر فرمایا کہ بدایوں میں اکثر وبیشتر بزرگ تھے۔

خواجہ علی رحمۃ اللہ علیہ

۷۶۳ھ..........۸۴۰ھ

آپ شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور انہیں سے تربیت یافتہ تھے آپ کی کرامات مشہور ہیں۔

حکایت: خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ جب علوم ظاہریہ سے باقاعدہ فارغ التحصیل ہوئے تو آپ کی والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت کے اپنے شہر کے مشہور مشائخ وعلماء کی دعوت کی اور وہ عمامہ ٹکا جو اپنے ہاتھوں سے روئی کات کر بنایا تھا خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کو دیا جسے وہ اپنے ہاتھ میں لے کر گھر سے باہر علماء ومشائخ کی مجلس میں تشریف لائے اور شیخ علی کے ہاتھ پر رکھا، شیخ علی رحمۃ اللہ علیہ نے عمامے کا ایک سرا اپنے ہاتھ میں رکھا، اور دوسرا سرا خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے سر پر رکھ کر دستار بندی کی اس کے بعد خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا سر شیخ علی کے سامنے جھکایا، شیخ علی نے آپ کو بہت دعائیں دیں اور فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو (صحیح معنوں میں) عالم دین بنائے اور منتہائے ہمت تک پہنچائے، شیخ علی رحمۃ اللہ علیہ کے سلوک اور ہدایت کا قصہ شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا جا چکا ہے کہ شیخ تبریزی ں نے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا کہ خواجہ علی! بدایوں کے لوگوں کو آپ کی پناہ میں چھوڑ رہا ہوں، خیر المجالس میں شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے حوالہ سے منقول ہے کہ بدایوں میں دو علی مولا تھے، ایک چھوٹے علی مولا اور دوسرے بڑے علی مولا، خواجہ علی جو شیخ تبریزی کے مرید تھے، اور جنہیں خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی دستار بندی کے لیے مدعو کیا گیا تھا یہ بڑے علی مولا کے نام سے مشہور تھے، آپ صاحب یقین بزرگ تھے عظیم شہرت اور مقبولیت عامہ رکھتے تھے۔

شیخ چراغ دہلوی فرماتے ہیں کہ خواجہ علی کچھ پڑھے لکھے نہ تھے صرف پنج وقتہ نماز پڑھتے تھے اور نہایت ہی سچے اور صادق تھے (تقریباً تقریباً) اس وقت کے تمام مشائخ اور دوسرے لوگ آپ سے خیر وبرکت حاصل کرتے تھے اور آپ کی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے، مقبول بارگاہ الٰہی ہونے کا آپ میں ایسا وصف غالب ہو گیا تھا کہ ہر دیکھنے والا فوراً کہہ

اٹھتا کہ یہ خدا کے بزرگ اور خدا رسیدہ ہیں، اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی وسیع رحمتیں نازل فرمائے۔

خواجہ حسن افغان رحمۃ اللہ علیہ

۶۰۲ھ.................۶۸۹ھ

آپ شیخ بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خواجہ حسن افغان بلند پایہ بزرگ اور ولی اللہ تھے، ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ ایک گلی میں گشت کرتے ہوئے ایک مسجد میں تشریف لے گئے، مؤذن نے تکبیر کہی امام صاحب آگے بڑھے اور مقتدی پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے خواجہ حسن افغان بھی نماز میں شریک ہو گئے نماز سے فارغ ہونے کے بعد جب تمام مقتدی چلے گئے تو خواجہ صاحب امام صاحب کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا کہ امام صاحب میں بھی آپ کی نماز میں شریک تھا، آپ نے جب نماز شروع کی تو نماز کے آغاز ہی میں آپ دہلی تشریف لے گئے (یعنی آپ اپنے خیال اور تصور میں دہلی چلے گئے) وہاں سے آپ نے کئی غلام خریدے اور ان کو ساتھ لے کر آپ آئے اور وہاں سے ملتان گئے میں بھی آپ کے ساتھ ساتھ پریشان و حیران پھرتا رہا آپ فرمائیں کہ آخر یہ کون سی چیز ہے۔

شیخ تقی الدین محمد رحمۃ اللہ علیہ

۶۱۹ھ.................۶۹۹ھ

آپ کے متعلق شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ صاحب حال بزرگ تھے، ہمیشہ مراقبہ اور ذکر اللہ میں مستغرق رہتے تھے، آپ کو یہ بھی پتہ نہ ہوتا تھا کہ آج کونسا دن اور کونسا مہینہ ہے، ایک دن کا واقعہ ہے کہ ایک شخص آپ کے پاس کاغذ لے کر آیا، اور عرض کیا کہ آپ اس پر اپنا نام تحریر فرما دیں آپ نے اس آدمی سے کاغذ لے لیا اور قلم اٹھایا، لیکن حیران تھے، خادم سمجھ گیا کہ آپ اس وقت اپنا نام بھول گئے ہیں۔ اس نے فوراً کہا کہ حضور کا نام محمد ہے اس کے بعد شیخ نے اس کاغذ پر اپنا نام لکھ دیا، اسی طرح ایک دن آپ نماز جمعہ پڑھنے کے لیے جا رہے تھے جب مسجد کے دروازے تک پہنچے تو حیران ہو کر کھڑے ہو گئے خادم نے اندازہ کر لیا کہ شیخ کو اس وقت یہ یاد نہیں رہا کہ میرا دایاں پاؤں کونسا ہے، اس لیے اس نے اپنا ہاتھ شیخ کے داہنے پاؤں پر رکھا اور عرض کیا کہ شیخ کا سیدھا پاؤں یہ ہے

تب آپ نے اپنا دایاں پاؤں مسجد میں رکھا۔

شیخ برہان الدین نسفی رحمۃ اللہ علیہ

۷۰۹ھ............................۷۸۶ھ

آپ کے بارے میں صاحب فوائد الفواد تحریر فرماتے ہیں کہ آپ ایک دانشمند صاحب حال بزرگ تھے، جب آپ کے ہاں کوئی پڑھنے کی غرض سے آتا تو آپ فرماتے پہلے میری تین شرطیں قبول کرنا ہوں گی اس کے بعد پڑھاؤں گا۔

(۱) شرط یہ ہے کہ ایک وقت کھانا، تاکہ علم کے لیے گنجائش رہے۔ (۲) پڑھنے میں ناغہ نہ کرنا، اگر ایک دن بھی ناغہ ہوگیا تو اس سلسلہ کو ختم کردوں گا اور دوسرے دن ہرگز نہ پڑھاؤں گا۔ (۳) جب کبھی مجھے راستہ میں ملنا تو سلام کر کے فوراً ہی چلے جانا اور راستہ میں میری زیادہ تعظیم نہ کرنا، آپ کی تاریخ وفات بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے۔

مولانا علاؤ الدین اصولی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ

۸۴۲ھ............................۹۴۰ھ

آپ بہت بڑے صاحب کمال بزرگ تھے، شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے استادوں میں سے تھے، خیر المجالس میں ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا ہی سے قدوری (فقہ کی ایک کتاب ہے جو مدارس عربیہ میں داخل درس ہے) پڑھی تھی، مولانا فرماتے ہیں کہ شیخ نظام الدین کی اس کے بعد تین چار گز کے کپڑے سے دستار بندی کی گئی کیونکہ اس وقت پوری دستار میسر نہ تھی اس کا پورا واقعہ خواجہ علی کے حالات میں گزر چکا ہے۔

فوائد الفواد میں ہے کہ مولانا اپنے بچپن کے زمانے میں بدایوں کی ایک گلی میں جا رہے تھے کہ شیخ جلال الدین تبریزی نے آپ کو دیکھ کر اپنی طرف بلایا، اس وقت جو لباس شیخ جلال الدین خود زیب تن کئے ہوئے تھے وہ اتار کر اس نوجوان کو پہنا دیا، مولانا میں جو کچھ عمدہ اخلاق اور اعلیٰ اوصاف تھے وہ اسی لباس کی برکت سے تھے، یہ بات بھی بیان کی گئی ہے کہ آپ نے ایک لونڈی خریدی جب اس کو گھر لائے تو اس کا رونے کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہ تھا، مولانا نے اس سے دریافت کیا کہ تو روتی کیوں ہے، اس نے جواب دیا میں اپنے لڑکے سے دور ہوگئی ہوں، مولانا اس کو گھر سے باہر لائے اور راستہ پر اس جگہ جو کچھ

مویشی تھے ان کے ساتھ چھوڑ دیا، صاحب فوائد الفواد لکھتے ہیں کہ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے جب اس واقعہ کے آخری الفاظ کہے تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمانے لگے کہ علمائے ظاہر اگر چہ واقعات کے معرض وجود میں آنے کے معترف نہ ہوں مگر انہیں یقین کر لینا چاہئے کہ مولانا نے کتنا بڑا کام کس طرح انجام دیا، آپ کی قبر بدایوں میں ہے لوگ اس کی زیارت کرتے اور برکت حاصل کرتے ہیں۔

خیر المجالس میں ہے کہ آپ کسی کا ہدیہ قبول نہیں کیا کرتے تھے مگر جبکہ شدید ضرورت پیش آتی، ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ فاقوں کی وجہ سے کھلی چبا رہے تھے، اسی اثناء میں ایک حجام آیا، آپ نے اس بات کو مناسب نہ سمجھا کہ میرے فقر و فاقے کی اس کو اطلاع ہو اس لیے وہ کھلی اپنے عمامہ میں چھپالی، پھر مولانا نے خد بنوالیا اور سر کو منڈوانے کے لیے سر سے جب عمامہ اتارا تو وہ کھلی زمین پر گر گئی، اس حجام نے کچھ دنوں کے بعد یہ واقعہ ایک مالدار سے بیان کر دیا اس نے کئی من غلہ، کئی گھڑے گھی اور ایک ہزار جیتل (روپے) مولانا کی خدمت میں روانہ کئے لیکن مولانا نے یہ ہدیہ قبول نہ کیا اور واپس کر دیا اس کے بعد مولانا نے اس حجام کو بلوا کر اسے ملامت کی اور فرمایا کہ آئندہ کے لیے آپ ہمارے پاس نہ آیا کریں اس پر اس حجام نے متعدد لوگوں سے مولانا کی خدمت میں سفارش کرائی تو مولانا نے اس شرط پر اس کا قصور معاف کیا اور کہا کہ آئندہ کبھی فقراء کا راز فاش نہ کرنا اور اسے اپنے ہاں آنے کی اجازت دیدی۔

شمس الملک رحمۃ اللہ علیہ

۶۰۶ھ ۶۷۹ھ

آپ اپنے زمانے کے بڑے فاضل بلکہ صدر الافاضل تھے اور اپنے زمانے میں علم و فضل کی وجہ سے مشہور تھے، شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں سے تھے اور خواجہ نظام الدین نے مقامات خریزی انہیں سے پڑھی تھی شہر کے اکثر و بیشتر علماء آپ ہی کے شاگرد تھے، خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ جب میں کسی عذر سے ناغہ کر کے دوسرے دن حاضر ہوتا تو آپ فرماتے

آخر کم از آنکہ گاہے گاہے   آئی و بما کنی نگاہے!

(کبھی کبھی ہمارے ہاں آ کر ہمارے حال پر نظر کرلیا کرو) اس وقت کے مشہور شاعر تاج زمرد نے آپ کی شان میں کہا ہے۔

صدرا کنوں بکام دل دوستاں شوی ۔۔۔ مستوفی ممالک ہندوستاں شوی

(اے صدر! اب آپ دوستوں کے دل کے مطابق ہو گئے ہیں، یعنی ہندوستان کے بلاد کے آپ سربراہ مقرر ہو گئے ہیں۔)

قاضی جمال بدایونی ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۶۲ھ ۱۳۳۶ھ

آپ بہت بڑے ولی اللہ تھے، خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، کہ آپ بدایوں میں ایک جگہ بیٹھے وضو فرما رہے ہیں، قاضی جمال بیدار ہونے کے فوراً بعد وہاں گئے دیکھا کہ زمین پر پانی کا اثر ہے اور زمین گیلی ہے یہ دیکھ کر لوگوں سے فرمایا کہ میری قبر اسی جگہ بنائی جائے چنانچہ انتقال کے بعد آپ کو لوگوں نے وہیں دفن کیا۔

شیخ صوفی بدھنی رحمۃ اللہ علیہ

۶۳۹ھ ۷۰۴ھ

خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کیتھل میں ایک بزرگ رہتے تھے جنہیں لوگ صوفی بدھنی کہا کرتے تھے وہ اس قدر تارک الدنیا تھے کہ ستر پوشی تک نہ کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا کہ جو اس قدر کھائے کہ اس سے بھوک ختم ہو جائے اور قوائے بدن برقرار رہیں، نیز اتنا کپڑا پہنتا ہو کہ اس سے ستر پوشی ہو جاتی ہو تو ایسے آدمی کی اتباع کرنی چاہئے لیکن اس قول کے خلاف ان کا اپنا عمل یہ تھا کہ نہ خود کھاتے اور نہ ہی پہنتے تھے، فوائد الفواد میں بھی ان کی یہی کیفیت لکھی گئی ہے۔

خیر المجالس میں شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ صوفی بدھنی کو عبادت کا بے انتہا ذوق و شوق تھا، مسجد میں رہتے اور شب و روز محراب کے سامنے نماز پڑھتے رہتے، اس کے علاوہ آپ کا اور کوئی کام نہ تھا آپ کے پاس لوگوں کا ہجوم لگا رہتا تھا ایک دن کچھ علمائے کرام آپ کی خدمت میں تشریف لائے آپ نے ان سے

دریافت فرمایا کہ کیا جنت میں نماز ہوگی؟ علمائے کرام نے جواب دیا کہ جنت تو اصل میں، جزا کی جگہ ہے جہاں کھانے پینے اور عیش کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا، عبادتیں تمامتر دنیا ہی میں کی جاتی ہیں آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ جس جنت میں نماز نہ ہوگی اس سے میرا کیا تعلق، اس کے بعد ہندی زبان میں ایک جملہ کہا جو قابل تحریر نہیں، اس کے بعد شیخ چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے اکثر مناقب بیان کئے، منجملہ ان کے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک دفعہ شیخ صوفی بدھنی کسی بلند جگہ پر چڑھ گئے جہاں ایک مردغیب سے ملاقات ہوئی، پھر اس مرد سے شیخ صوفی بدھنی نے دریافت کیا کہ صوفی بدھنی کس قسم کا آدمی ہے؟ مردغیب نے جواب دیا کہ ایک بزرگ ہے لیکن افسوس! اتنا کہنے کے بعد وہ استغفار میں مشغول ہوگیا اور استغفراللہ کہنے لگا، اتنا کہہ کر شیخ صوفی نے کہا کہ اس نے صوفی بدھنی پر آتے وقت استغفار شروع کردیا تھا اگر وہ استغفار نہ پڑھتا تو میں اس کو اس بلندی پر سے ایسا پٹختا کہ اس کی گردن ٹوٹ جاتی۔

منقول ہے کہ شیخ صوفی رحمۃ اللہ علیہ جب ذکراللہ میں مشغول ہوتے تو اس وقت آپ کی کیفیت یہ ہوا کرتی تھی کہ ہاتھ، پاؤں، سر، غرضیکہ سب اعضاء جدا جدا ہو جایا کرتے تھے، کسی نے دریافت کیا کہ شیخ صوفی بدھنی کس زمانے کے بزرگ تھے تو شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ صوفی بدھنی شیخ الاسلام حضرت فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کے عہد و زمانے میں موجود تھے، نیز یہ بھی مشہور ہے کہ صوفی بدھنی کے گنبد پر کسی چڑیا کو بیٹھنے یا گزرتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا۔

لوگوں میں یہ بھی مشہور ہے کہ ایک دفعہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ صوفی بدھنی رحمۃ اللہ علیہ دونوں چنگیز خانیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے، ایک روز تمامتر قیدی سخت بھوکے اور پیاسے تھے، کرامت کے طور پر خواجہ قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی بغل سے روٹیاں نکال نکال کر قیدیوں کو تقسیم کررہے تھے اور صوفی بدھنی ایک ہی لوٹے سے تمام قیدیوں کو پانی پلاتے رہے۔ اس واقعہ کے بعد خواجہ صاحب کاکی کے لقب سے اور شیخ صوفی بدھنی کے لقب سے مشہور ہوگئے ہندی زبان میں ٹونٹی دار لوٹے کو بدھنی کہتے ہیں، اسی طرح خواجہ صاحب کے بارے میں معلوم ہوا کہ ان کی نسبت بھی کاک کی

طرف اسی مناسبت سے کی جاتی ہے (یعنی روٹی والا) اللہ کی آپ پر رحمتیں نازل ہوں۔

شیخ شہاب الدین خطیب ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ

۶۲۹ھ.................۷۱۹ھ

آپ کے متعلق شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ ہردلعزیز تھے اور ہمیشہ رات کو سورۂ بقرہ پڑھ کر سویا کرتے تھے انہی کی زبان ایک حکایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں ایک رات میں سورۂ بقرہ پڑھ رہا تھا کہ گھر کی ایک جانب سے آواز آئی۔

بیت

ماد دست کشیم و تونداری سرما   داری سرما و گرنہ دور از برما!

(تو ہمارا سر حاصل کرنے کے لیے آجاتا ہے ورنہ تو تو ہم سے دور ہی رہتا، ہم تو تجھے دوست رکھتے ہیں اور تو ہمارے سر سے ناآشنا ہے) جس وقت یہ آواز آئی تھی اس وقت تمام گھر والے سو رہے تھے، میں ششدر و حیران رہ گیا کہ یہ ندا کہاں سے آ رہی ہے اور گھر والوں میں سے کسی پر امید نہ تھی کہ وہ اس قسم کے مضمون کی بات کرتا، شیخ نے پھر دوبارہ یہ آواز سنی تو عرض کیا، اے میرے اللہ میں نے تیرے اکثر و بیشتر احکام کی حتی المقدور تعمیل کی ہے مجھے امید ہے کہ تو بھی میرے ساتھ ایفائے عہد کرے گا، کہ جب میرا انتقال ہو تو اس وقت عزرائیل یا اور کوئی تیرا فرشتہ میرے پاس نہ ہو فقط میں ہوں اور تیری ذات، آخرش شیخ ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح انتقال کیا جس طرح ان کی خواہش تھی، اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شیخ احمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ

۷۰۱ھ.................۷۶۹ھ

شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ احمد میرے دوستوں میں سے تھے، بڑے صالح اور درویشوں سے محبت کرنے والے ابدال صفت بزرگ تھے، اگرچہ باضابطہ پڑھے لکھے نہ تھے مگر دن رات آپ کا شغل شرعی مسائل میں انہاک تھا، آپ کے رحلت کر جانے کے بعد میں نے ایک دفعہ آپ کو خواب میں دیکھا، ملاقات ہوئی تو انہوں نے اپنی

حیات کے معمول کے مطابق مجھ سے شرعی مسائل دریافت فرمائے، میں نے ان سے عرض کیا کہ جو کچھ آپ دریافت فرما رہے ہیں ان کا تعلق دنیا کی زندگی سے ہے اور بحالت موجودہ آپ مردہ ہیں (اس لیے آپ کو ان مسائل کی ضرورت نہیں) تو انہوں نے میرا یہ جواب سن کر فرمایا کہ کیا آپ بھی اولیاء اللہ کو مردہ کہتے ہیں اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شیخ قاضی منہاج جرجانی رحمۃ اللہ علیہ

۶۴۳ھ.............................۷۱۲ھ

آپ طبقات ناصری کے مؤلف ہیں، علاوہ ازیں بڑے جلیل القدر بزرگ اور اپنے زمانہ کے مشہور فاضل تھے، وجد و سماع کا ذوق رکھتے ہیں، جب آپ شہر کے قاضی مقرر کئے گئے تو سماع کو بڑی استقامت نصیب ہوئی، خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تقریباً ہمیشہ آپ کی مجلس وعظ میں جایا کرتا تھا ایک روز میں حاضر ہوا تو آپ نے یہ رباعی پڑھی۔

رباعی

لب برلب لعل دلبراں خوش کردن   واہنگ سر زلف مشوش کردن
امروز خوش است ولیک فردا خوش نیست   خودرا چوخسی طعمہ آتش کردن

(اپنے لب کو معشوقوں کے لب لعلاں پر خوش کرنا اور ان کی پریشان زلفوں سے کھیلنا آج تو اچھا نظر آتا ہے لیکن کل کو اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا، اپنی ذات کو گھاس وغیرہ کی مانند آگ کے سپرد کر دینا کوئی اچھا کام نہیں) میں (محبوب الٰہی) نے جب یہ اشعار سنے تو ایک طویل عرصہ تک بے خودی کے عالم میں رہا اور ایک مدت کے بعد ہوش میں آیا، اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

مولانا احمد حافظ رحمۃ اللہ علیہ

۶۲۱ھ.............................۷۰۶ھ

آپ ایک دانشمند اور خدا رسید مرد تھے، شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ شیخ فرید الدین گنج شکر کی زیارت کے لیے جا رہا تھا کہ قصبہ ''سرسی'' کے مقام

پر مولانا احمد حافظ رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی تو باتوں باتوں میں انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ آپ جب شیخ کے مزار پر جائیں تو اولاً میرا سلام عرض کریں اور اس کے بعد کہہ دیں کہ اب مجھے دنیا کی طلب نہیں ہے، دنیا چاہنے والے میرے علاوہ اور بہت ہیں اور عقبیٰ کے بارے میں بھی میری یہی رائے ہے، میری تو بہ آرزو ہے کہ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین ۝ (مجھے بحالت اسلام وفات دے اور اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے) آپ پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔

طبقہ سوئم

شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

کے زمانہ سے لے کر اس دور تک بزرگوں کے بالترتیب حالات

شیخ نصیر الدین محمود چراغ رحمۃ اللہ علیہ

۷۵۷ھ

آپ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور ترین اور ممتاز خلیفہ تھے، آپ کے احوال کے وارث اور صاحب سر بزرگ تھے، آپ اپنے شیخ خواجہ نظام الدین اولیاء کے انتقال کے بعد دہلی کی ولایت کے مالک قرار دیئے گئے تھے آپ اپنے شیخ کے مکمل پیروکار تھے فقر و فاقہ، صبر و ثبات رضا و تسلیم آپ کے قابل ذکر اوصاف تھے۔

منقول ہے کہ ایک روز شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی نے شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے خاص مشیر اور راز دار امیر خسرو سے کہا کہ آپ براہ کرم خواجہ صاحب کی خدمت میں میرا یہ پیغام عرض کر دیں کہ میں اودھ میں رہتا ہوں اور لوگوں کی کثرت سے آمد و رفت کی وجہ سے عبادت الٰہی میں مزاحمت ہوتی ہے اگر ارشاد ہو تو اودھ کو ترک کر کے جنگل میں چلا جاؤں اور وہاں یکسوئی سے اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جاؤں، امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ وہ عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد شیخ کی خدمت میں جایا کرتے تھے اور دن بھر کے تمام حالات شیخ کو سنایا کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام بھی سنایا، شیخ نے فرمایا کہ ان سے کہہ دینا کہ تمہیں لوگوں کے ساتھ ہی رہنا چاہئے اور ان کی شدت و سختی برداشت کر کے اس کا بدلہ بخشش و عنایت سے دینا چاہئے، نیز یہ بھی مشہور ہے کہ ایک دفعہ خواجہ نظام الدین اولیاء شیخ نصیر الدین محمود کو خلوت میں لے

گئے اور پوچھا بتایئے آپ کے دل میں کیا ہے، جنگل میں جانے سے تمہارا مقصد کیا ہے اور تمہارے والد کیا کام کرتے تھے؟ شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ جنگل میں جانے سے میرا مقصد آپ کی درازی عمر کی دعا مانگنا اور درویشوں کی جوتیوں کو سیدھا کرنا ہے، میرے والد اپنے غلاموں کی اعانت سے روئی کی تجارت کا کام کیا کرتے تھے، یہ سن کر شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اب میری بات غور سے سنو، میں جب اپنے شیخ کی خدمت میں لیل ونہار بسر کر رہا تھا تو اسی زمانے میں میرا ایک دوست جو میرا ہم سبق تھا میرے پاس آیا اور مجھے پھٹے پرانے کپڑوں میں ملوس دیکھ کر کہنے لگا کہ نظام الدین! تمہاری حالت کیا خستہ ہوگئی ہے، اگر تم اسی شہر میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری فرمادیتے تو معاش کے فکر سے آزاد ہو جاتے، اس دوست کی ان تمام باتوں کو سن کر میں خاموش رہا اور کوئی جواب نہ دیا، اس کے بعد میں اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ اے نظام اگر تم سے تمہارا کوئی دوست یہ کہے کہ تم نے یہ حالت بنا رکھی ہے اگر درس وتدریس کا پیشہ اختیار کر کے فکر معاش سے آزاد ہو جاتے تو تم کیا جواب دو گے، میں نے عرض کیا جو حکم ہو وہی عرض کروں گا تو آپ نے فرمایا ان سے یہ کہہ دینا،

شعر

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیرد برد　　ترا سعادت بادا مرانگو نساری

(تم میرے ساتھی نہیں جاؤ اپنا راستہ پکڑو، تمہیں اقبال مندی مبارک اور مجھے عاجزی) اس کے بعد شیخ نے کھانے سے لبریز ایک خوان منگوایا اور میرے حوالہ کر کے فرمایا کہ اے نظام الدین اسے لے جاؤ تمہارا دوست جہاں ٹھہرا ہوا ہے اسے دیدو، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا، تب اس دوست نے میرے کام کو پسند کیا اور کہا کہ تمہیں یہ صحبت اور حال مبارک ہو۔

شیخ نصیر الدین محمود فرماتے ہیں کہ اور علاوہ ازیں اسی قسم کی تلقین کر کے شیخ نے مجھے ریاضت ومجاہدہ کا حکم فرمایا، اس دوران میں یوں بھی ہوتا کہ کبھی دس دس دن گزر جاتے اور کچھ نہ کھاتا، بیشتر اوقات یہ ہوتا تھا کہ جب خواہشات کا غلبہ ہوتا تو میں کٹھائی کھایا کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ سلطان محمد تغلق بادشاہ دہلی نے شیخ نصیر الدین محمود کو باوجود آپ کے کمالات علیہ

کے تکالیف دینا اپنا بہترین مشغلہ بنا رکھا تھا، اپنے ہمراہ سفر میں آپ کو پیدل چلاتا، اس نے آپ کو اپنا خانساماں مقرر کیا، شیخ نصیر الدین ان تمام تکالیف کے کاموں کو صرف اپنے شیخ کی وصیت کی بنا پر برداشت کرتے اور اف تک نہ کرتے، شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۸ رمضان ۷۵۷ ہجری کو وفات پائی۔

ایک دفعہ سلطان محمد تغلق بادشاہ۔ نے شیخ نصیر الدین محمود کے لیے سونے اور چاندی کے برتنوں میں اس غرض سے کھانا بھیجا کہ اگر نہ کھائیں گے تو اسی کو ایذا رسانی کا سبب نا کر جرم عائد کردوں گا اور اگر کھالیں گے تو پوچھوں گا کہ آپ نے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا کھا کر غیر شرعی اور ناجائز کام کا ارتکاب کیوں کیا، جب شیخ کے سامنے کھانا پیش کیا گیا تو آپ نے زبان سے کچھ نہ فرمایا، البتہ سونے کے ایک برتن سے تھوڑی سی یخنی اٹھائی اور اسے ہتھیلی پر رکھ کر چکھ لیا، اس سے بداندیش اور بدخواہوں کے ارادے معرض وجود میں نہ آسکے۔

خیر المجالس میں ہے کہ ایک دوست نے ایک مرتبہ آپ سے عرض کیا کہ ملفوظات خواجہ عثمان ہارونی میں ہے جو شخص دو گائے ذبح کرے اس کی گردن پر ایک خون اور جو چار گائے ذبح کرے اس کی گردن پر دو ۲ خون اور جو دس بھیڑیں ذبح کرے اس کی گردن پر ایک خون ہوگا، یہ سن کر شیخ نصیر الدین نے فرمایا کہ پہلی بات تو یہ کہ ہارونی لفظ صحیح نہیں بلکہ اصل لفظ ہرونی ہے اس لیے کہ ہرون ایک گاؤں کا نام ہے۔ جہاں خواجہ عثمان رہا کرتے تھے، پھر فرمایا کہ یہ عبارت ان کی نہیں ہے، ان کے ملفوظات کے کئی نسخے ہمارے ہاں بھی موجود ہیں جن میں اکثر باتیں ایسی مندرج ہیں جو فی الواقع ان کی نہیں ہیں، اس کے بعد فرمایا کہ شیخ نظام الدین فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کوئی کتاب نہیں لکھی، اس لیے کہ شیخ الاسلام فرید الدین اور شیخ الاسلام قطب الدین اور خواجگان چشت جیسے لوگوں نے کوئی کتاب نہیں تصنیف فرمائی۔

منقول ہے کہ شیخ نظام الدین کے مریدوں نے ایک مرتبہ محفل سماع کا پروگرام بنایا، مرید غزل خوانوں سے دف پر سماع سن رہے تھے اور اس محفل میں شیخ نصیر الدین محمود دہلوی بھی موجود تھے، آپ اٹھ کر جانے لگے، دوستوں نے بیٹھنے کے لیے اصرار کیا تو فرمایا یہ

خلاف سنت چیز ہے میں اسے ہرگز گوارہ نہیں کرتا، اس پر لوگوں نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ سماع کے ناجائز ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اپنے شیخ کے طریقے سے انحراف کرتے ہیں، آپ نے ان دوستوں کو جواب دیا کہ شیخ کا قول حجت شرعیہ نہیں، قرآن وحدیث سے دلیل پیش کرنا چاہئے بعض اہل ہوا اور خودغرض لوگوں نے یہ بات شیخ نظام الدین کی خدمت میں پیش کی اور کہا کہ شیخ نصیر الدین یوں کہتے ہیں، چونکہ شیخ نظام الدین کو اصل واقعہ کی پہلے سے اطلاع مل چکی تھی اس لیے ان لوگوں سے فرمایا کہ شیخ نصیر الدین ٹھیک فرماتے ہیں اور جو کچھ وہ فرماتے ہیں وہی حق ہے۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاء کی محفل سماع میں مزامیر (باجے) وغیرہ نہ ہوتے تھے اور نہ ہی تالیں بجائی جاتی تھیں، اگر آپ سے کوئی کسی کے متعلق یہ کہتا کہ فلاں باجے وغیرہ سنتا ہے تو آپ اسے منع فرما دیتے اور فرماتے کہ باجے وغیرہ سننا شریعت میں ناجائز اور ممنوع ہے۔

خیر المجالس میں ہے کہ ایک شخص نے شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے آکر پوچھا کہ یہ کہاں جائز ہے کہ محفل سماع میں دف، بانسری، ستار باجے وغیرہ بجائے جائیں اور صوفی ناچیں اور رقص کریں، آپ نے جواب دیا کہ باجے وغیرہ تو بالاتفاق اور بالاجماع ناجائز وگناہ ہیں، اگر کوئی طریقت سے نکل جانا چاہے تو شریعت میں رہنا ضروری ہے اور اگر شریعت سے بھی نکلنا چاہے تو پھر کہاں جائے گا؟ اولاً تو سماع ہی زیر بحث ہے اور علماء کا اس میں اختلاف ہے، اگر چند شرائط کے ساتھ جائز بھی کرلیا جائے تب بھی ہمہ قسم کے باجے وغیرہ بالاتفاق ناجائز وحرام ہیں۔

جوامع الکلم میں ہے کہ ایک دن شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی خانقاہ میں بیٹھے ہوئے اس شعر پر وجد آ گیا،

شعر

جفا بر عاشقاں گفتی نخواہم کرد ہم کردی   قلم بر بیدلاں گفتی نخواہم راند ہم راندی

(تم نے خود ہی یہ کہا تھا کہ عاشقوں پر ظلم نہ کیا کروں گا باوجود اس کے پھر بھی ظلم کیا اور تم نے یہ بھی کہا تھا کہ بے دلوں پر سختی نہ کروں گا مگر اس کے باوجود بھی سختی کی) مشہور شاعر

مولانا مغیث رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک خط میں اس مجلس کا پورا حال ضبط کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ یہ شعر کسی حقیقت پر مبنی نہیں قرار دیا جا سکتا، اگر ظلم وستم کو اللہ کی طرف نسبت کریں تو یہ صریح کفر ہے غرض کہ اسی قسم کی چند باتیں تحریر فرما کر یہ خط مولانا معین الدین عمرانی کے حوالہ کیا، انہوں نے وہ خط شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیا، شیخ نے یہ خط اپنے ہاتھ میں لیا اور پھر مولانا معین الدین کو واپس کر دیا اور کچھ فرمایا نہیں البتہ عمامہ باندھ کر اور خرقہ پہنا کر واپس کر دیا۔

ایک دن شیخ نصیر الدین محفل سماع میں یہ اشعار سن کر رقص کرنے لگے اور اس وقت نہایت ہی مضطرب نظر آ رہے تھے۔

رباعی

ماطبل مغانہ دوش بیباک زدیم — عالی علمش برسر افلاک زدیم
از بہر یکے مغبچہ مے خوارہ — صد بار کلاہ توبہ برخاک زدیم

(رات ہم نے بڑی فرحت وانبساط سے منائی، جس کا چرچا آسمانوں پر بھی ہو گیا اور ایک میخوار معشوق کی خاطر کلاہ توبہ کو ہزار بار زمین پر پھینکا) اسی سخت بے چینی کے عالم میں اپنے مکان کی چھت پر جا کر بیٹھ گئے اور مولانا مغیث کو طلب کیا، مولانا گھبرائے ہوئے آپ کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے، تب شیخ نصیر الدین محمود چراغ نے فرمایا ہاں مولانا لکھنے اس جگہ کیا جہالت تھی، یہ کہہ کر مولانا کو رخصت کیا اس کے بعد پھر مولانا خانقاہ میں نہیں آئے اور بہت جلد رحلت فرما گئے۔

نیز منقول ہے کہ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی نے ارشاد فرمایا کہ میں کس لائق ہوں جو پیری مریدی کروں، آج تو یہ کام بچوں کا کھیل سمجھا جانے لگا ہے پھر شیخ سنائی کا یہ شعر پڑھا

مسلماناں مسلماناں مسلمانی مسلمانی — ازیں آئین بیدیناں پشیمانی پشیمانی

اے مسلمانو! شریعت پر عمل کرو، اور جو تم نے طریقہ اختیار کر رکھا ہے یہ دراصل بے دینوں کا طریقہ ہے جس سے سوائے پشیمانی کے اور کچھ حاصل نہیں) آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ایمان محفوظ رکھنے کی فکر کرو اور کرامتوں کے درپے نہ رہو، نیز فرمایا کرتے تھے کہ میں

نہایت ہی پریشان ہوں کہ لوگ بغیر مشاہدہ کیے لوگوں کے پیچھے کیوں دوڑتے ہیں۔

میر سید محمد گیسو دراز فرماتے ہیں کہ میں شیخ نصیر الدین کی زندگی میں دہلی میں تھا، ایک سال وہاں بارش نہ ہوئی، لوگ شیخ نصیر الدین محمود کے ساتھ نماز استسقاء کو نکلے گریہ وزاری کے ساتھ نماز پڑھی اور بزرگوں کی طرح دعائیں مانگی مگر بارش نہ ہوئی، مجبوراً واپس آنا پڑا، واپسی کے بعد میں آپ کے در دولت پر حاضر ہوا تو فرمایا کیا تم نماز استسقاء میں شریک نہیں ہوئے تھے میں نے عرض کیا کہ شریک ہوا تھا، آپ نے فرمایا آج تم نے دیکھا کہ لوگ ہمیں ایسا ویسا کیا کچھ کہہ رہے ہیں، مخلوق ہم پر ہجوم کیے ہوئے ہمارے ساتھ باہر گئی، ہم نے لاکھ کوشش کی مگر بارش نہ ہوئی آخر کار مجبوراً پشیمان ہو کر ہم لوگ واپس لوٹ آئے، مقصود یہ تھا کہ لوگ شاید ہم کو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ہم سب کچھ کر سکتے ہیں مگر آج اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر واضح کر دیا کہ خدائی کاموں میں کوئی دخیل نہیں۔)

نیز حضرت گیسو دراز فرماتے ہیں کہ شیخ نصیر الدین دہلوی فرمایا کرتے تھے کہ جس وقت میں بچہ تھا اور مسجد میں استاد سے پڑھا کرتا تھا اس مسجد میں ایک خشک درخت تھا، ایک کوا اس درخت پر روزانہ آکر بیٹھتا اور جو کچھ وہ کہتا اور بولتا تھا میں اس کی زبان کو خوب سمجھتا تھا۔

خیر المجالس میں ہے کہ شیخ نصیر الدین محمود دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے ایک دوست نے درویشوں کی کیفیت اور ان کے حال کی ماہیت دریافت کی، آپ نے فرمایا کہ حال نتیجہ ہے عمل کے صحیح ہونے کا اور عمل دو ۲ قسم پر ہے۔ ایک عمل بالجوارح جس کو سب لوگ جانتے ہیں ۲ دوسرا ہے عمل بالقلب اس کو مراقبہ بھی کہتے ہیں اور مراقبہ کے معنی یہ ہیں المراقبة ان تلازم قلبك العلم بان الله ناظر اليك (دل میں اس بات کا یقین کرنا کہ خدا دیکھ رہا ہے) اس کے بعد فرمایا کہ انوار خداوندی اولاً اور ابتداً عالم علوی سے روح پر نازل ہوتے ہیں پھر دل پر اس کا اثر نمودار ہوتا ہے پھر دل سے اس کا ظہور اعضاء پر ہوتا ہے، چونکہ اعضاء دل کے تابع ہیں اس لیے جب دل متحرک ہوتا ہے تو اس سے اعضاء میں حرکت پیدا ہوتی ہے، ایک مرتبہ پھر اسی عزیز نے سوال کیا کہ صاحب عوارف المعارف نے صاحب کمال کو متوسط کہا ہے اور پھر اس عزیز نے کتاب عوارف المعارف کی یہ عبارت پیش کی، المبتدی

صاحب وقت والمتوسط صاحب حال والمنتہی صاحب انفاس (مبتدی صاحب وقت، اور متوسط صاحب حال اور منتہی صاحب انفاس ہوتا ہے)

حاضرین مجلس میں سے کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو شیخ نصیر الدین سائل کی طرف متوجہ ہوکر فرمانے لگے کہ تم نے خود اس بارے میں کیا سنا ہے اور کیا تم نے خود بھی عوارف المعارف کا مطالعہ کیا ہے؟ اس نے کچھ جواب نہ دیا تو خود شیخ نے فرمایا کہ مبتدی صاحب وقت ہے اور صاحب وقت وہ صوفی ہے جو اپنے وقت کو غنیمت اور کافی سمجھ کر اپنے کام میں مشغول ہو جاتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ شاید آئندہ یہ وقت ہاتھ آئے یا نہ آئے کیا خبر، غرض یہ کہ جو یہ بات جانتا ہے کہ میرے پاس صرف اتنا وقت ہے اور اس وقت کو غنیمت سمجھ کر تلاوت قرآن حکیم، نماز، ذکر الٰہی اور دین و دنیا کے ترقی کے کاموں میں مشغول رہتا ہے، جب کوئی سالک اپنے اوقات کی مسلسل حفاظت میں دائم و قائم رہتا ہے اور اوقات مقررہ کو عبادات میں صرف کرتا ہے اور ہمیشہ اسی پر گامزن رہتا ہے تو امید ہے کہ وہ صاحب کمال ہو جائے گا اس لیے کہ خدا تعالیٰ کے انعامات و احسانات تو عبادت اور اعمال صالحہ کا ثمرہ اور نتیجہ ہیں، اور انوار الٰہی جو عالم علوی سے روح پر نازل ہوتے ہیں ان کے اثرات کو حال کہتے ہیں اور پھر اس کا اثر دل پر اترنے کے بعد اعضاء میں سرایت کرتا ہے، حال کو دوام اور ثبات نہیں ہوتا، اگر حال کو بھی دوام ہو جائے تو یہ خود ایک مقام ہو جائے گا، فرمایا کہ اس کے بعد منتہی، صاحب انفاس ہے جس کے اہل طریقت یہ معنی بیان فرماتے ہیں کہ وہ جو کچھ کہتا یا اس کی زبان سے جو بات نکلتی ہے اللہ تعالیٰ (کبھی کبھی) ویسا ہی کر دیتے ہیں اس کے بعد فرمایا کہ ہر لفظ کی مراد اور معنی درحقیقت اصطلاحات پر موقوف ہے اور مشائخ کی اصطلاح میں صاحب وقت اسے کہتے ہیں جس پر اکثر و بیشتر اوقات میں حال طاری رہے، اور منتہی صاحب انفاس اسے کہتے ہیں جس کا حال اس کے سانس کے قریب یعنی اس کا ہر سانس حال سے ملا ہوا ہو، مطلب یہ کہ اس کی یہ حالت ہو جائے کہ مقام حال کو حاصل کرے، اس کے بعد شیخ نصیر الدین نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پڑھی **ان لربکم فی ایام دھرکم نفحات الا فتعرضوا لھا** (اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہارے زمانے میں سانس دیا ہے اس لیے تم اللہ ہی کے لیے سانس لیا کرو) اس کے بعد فرمایا کہ یہ کیفیت وجدانی ہے، اگر

رات کو خدا کی یاد کی جائے گی تو صبح کو لازماً ذاکر سے اس کی خوشبو اور اثرات ظاہر ہوں گے، پھر فرمایا کہ اگر کوئی درویش بھوکا رہ کر اول وقت سو جائے اور آخر وقت میں اٹھ کر یاد الٰہی میں اس طرح مشغول ہو کہ اسکا باطن اللہ کے علاوہ اور کسی جانب مائل اور متوجہ نہ ہو تو وہ درویش اپنی روح پر انوار الٰہی کے نزول کا مشاہدہ اور معائنہ کرے گا، خواہ اس زمانے میں وہ شخص کہیں جائے، دنیا داری سے الگ رہے، مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول ہو یا نہ ہو، غرضیکہ بلا شک وشبہ وہ اس کا مالک و حامل نظر آئے گا، اس کے بعد یہ شعر پڑھا

شعر

نظر در دیدہ ہا ناقص فتادہ وگرنہ یار من از کس نہاں نیست

(آنکھیں دیکھنے میں کمزور ضعیف ہیں، وگرنہ میرا دوست مجھ سے پوشیدہ نہیں۔)

اس کے بعد فرمایا کہ اس کام میں اصل چیز نفس کی حفاظت کرنا ہے اور صوفی کو مراقبہ کی حالت میں ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس پر گہری نظر اور نگرانی رکھے تا کہ اس کے باطن کو دل جمعی اور یکسوئی نصیب ہو، جب صوفی نے نفس کو چھوڑ دیا اور اس سے غافل ہو گیا تو باطن حیران و پریشان ہو جائے گا، پھر فرمایا، صوفی وہ ہے جو اپنے ہر سانس کو گنتا اور شمار کرتا رہے، اور صاحب منتہی ہونے کے ایک معنی یہ بھی ہیں، اس کے برعکس جوگی اور ہندو تارک الدنیا جنہیں سدھ کہتے ہیں (یعنی ان کے ترقی کے راستہ میں رکاوٹیں حاصل ہیں) وہ بھی نفس کو مارنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن دولت ایمان سے محروم ہونے کی وجہ سے کوئی بلند مقام نہیں حاصل کر سکتے، اس کے بعد ایک ٹھنڈی آہ لی، اور فرمایا ہم اور تم کس فہرست میں ہیں، یا پھر اس بھوکے فقیر کی مانند ہیں جو نانبائی کی دوکان کے سامنے ہر قسم کے پکے ہوئے کھانے دیکھ کر اور ان کی خوشبو سونگھ کر کھڑا ہو جائے اور نانبائی سے کہے کہ تمہارے پاس جو کچھ ہے مجھے کھلا دو، وہ جواب دے مجھے فرصت نہیں، اور اب بات کرنیکا موقع نہیں تمام دن لوگوں کے ساتھ مشغول رہا ذرا سا بھی آرام میسر نہیں آیا، متعدد بار کوشش کی کہ ذرا سا لیٹ جاؤں مگر ہر دفعہ کوئی نہ کوئی آ گیا، اب تم یہاں سے چلے جاؤ، میں آرام کر رہا ہوں پھر کسی وقت فرصت کے موقع پر آنا، پھر فرمایا کہ رات کو جو کام انجام دیئے جا سکتے ہیں یا جو چیزیں جا سکتی ہیں انہیں دن میں کرنے کی بالکل طاقت نہیں، لیکن اس کے باوجود میں مایوس نہیں، یہ جملہ

رک رک کر فرمایا اور آبدیدہ ہو کر یہ شعر پڑھنے لگے

این دلو تہی کہ در تہہ انداختہ ام نومید نیم کہ پر بر آید روزے

(یہ خالی ڈول جو میں نے بالکل تہ میں ڈال دیا ہے، ناامید نہیں ہوں کسی نہ کسی روز تو بھر ہی جائے گا) اس کے بعد فرمایا کہ دل پر نظر رکھ کر دل کو اللہ کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے اور ذکر اللہ میں مصروف و منہمک ہو کر تمام غیر اللہ کو دل سے نکال دیا جائے اسکے بعد فرمایا کہ فقیروں کے ہاتھ اور آستین چھوٹے کرنے کا مطلب یہ ہے کہ صوفی جب راہ سلوک میں قدم رکھتا ہے تو چاہتا ہے کہ اپنا ہاتھ کاٹ دے تاکہ وہ غیر اللہ کے سامنے بغرض سوال دراز نہ ہونے پائے اور اگر وہ صوفی فی الواقع اپنا ہاتھ کاٹ دے تو وضو غسل اور مسلمان بھائیوں سے مصافحہ کرنے کا کار خیر سے محروم ہو جائے گا اور اس صورت میں کچھ بھی نہیں کر سکے گا، اس لیے وہ بجائے ہاتھ کاٹنے کے اپنی آستین یعنی دست سوال کو کھینچ لے اور کسی کے آگے دست سوال دراز نہ کرے، اس طرز و طریق پر وہ اللہ کا ذکر اور یاد الٰہی کرے اور اپنا دامن سمیٹ لے۔

سر منڈانے کا مطلب یہ ہے کہ تصوف اور طریقت میں آنے کے بعد اپنا سر قلم کر دے کیونکہ اس راستہ کی پہلی منزل سر قربان کر دینا ہے، اگر واقعتہً سالک اپنے سر کو جسم سے جدا کر دے تو کوئی چیز نہیں کر سکتا (بلکہ اس کا وجود ہی اس دنیا میں نہیں رہے گا) اور اگر سر قلم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے سر کے بالوں کو نوچ کر پھینک دے تو اس صورت میں وہ گنجا ہو جائے گا اسی کو لوگ سر بریدہ کہتے ہیں، یہ بھی کوئی کام نہیں کر سکے گا) ان تمام حالات کے پیش نظر سر منڈانے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی غیر شرعی کام اس سے سرزد نہ ہونے پائے، لوگوں نے سوال کیا کہ جاھدوا فینا کا مطلب کیا ہے؟ جواب دیا کہ اس کو آسانی سے نہیں سمجھا جا سکتا، البتہ میں آسان اور سہل طریقے سے ابتدائی طور پر سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں، **جاھدو افینا** کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے لیے کوشش کرو اور **جاھدوا فی اللہ** کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے لیے کوشش کرو، لفظ ''فی'' اس شدت اتصال کے لیے آتا ہے جو ''ل'' میں نہیں، نیز لفظ فی ظرفیہ ہے اور ظرف اپنے مظروف میں ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **انما الصدقات للفقرآء والمساکین والعاملین علیھا والمؤتفة قلوبھم**

وفی الرقاب (صدقات، فقراء، مساکین، عاملین، مؤلفۃ القلوب اوران لوگوں کے لیے ہیں جو غلامی میں مبتلا ہیں) فقیر و مسکین تو فقط پیٹ کی بھوک ختم کرنے کے لیے لیتے ہیں، اور رقاب سے گردنیں آزاد کرانا مراد ہے کیونکہ جس کی گردن پھنسی ہوئی ہو وہ مردے کی مثل ہوتا ہے اور جس نے غلام آزاد کرادیا گویا کہ اس نے مردے کو زندہ کر دیا، اس شدت اور شدید ضرورت کو لفظ فی سے ظاہر کیا گیا جس کا حرف ل سے ظاہر کرنا ناممکن، بعید اور غیر قانونی ہے۔ نیز گردن آزاد کرانے کا جس شدومد سے حکم دیا گیا ہے اس طرح کی شدومد دوسرے کسی حکم میں نہیں ہے، ساتھ ہی ساتھ یہ پوری تحقیق علم نحو، معانی اور بیان وغیرہ سے بھی تعلق رکھتی ہے۔

نیز مشائخین فرماتے ہیں کہ ریاضت ومجاہدہ کرنے والے لوگ تین حال سے خالی نہیں ہوا کرتے۔ اولاً مجاہدہ کی غرض اور باعث دوزخ کا خوف، ثانیاً مجاہدہ سے امید رکھے حصول اور دخول بہشت کی۔ ثالثاً، مجاہدہ محض اللہ کی ذات اوراس کی خوشنودی کے لیے کرے، جو مجاہدہ صرف خدا کی ذات کے لیے کیا جائے وہ للہ یا فی اللہ ہوگا اس مجاہدہ کی زیادہ قدر اس لیے ہے کہ یہ خالصۃً خدا کی ذات ہی کے لیے کیا جاتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے وجاھد وافی اللہ حق جھادہ (اللہ کے راستے میں خوب کوشش کرو) چونکہ عام طور پر لوگ مطلوب کی قدر و قیمت سے واقف نہیں ہیں، اس لیے حصول حق کے لیے اچھی طرح کوشش نہیں کرتے، پھر فرمایا کہ ہر عمل اور کردار کا دارومدار صرف جذبہ پر ہے یعنی ہر وہ عمل اور کام جس کے کرنے میں جذبہ نہ ہو وہ قابل قبول نہیں جیسے جذبہ حال جب جذبہ حال میں کوئی کام کیا جاتا ہے تو فوراً قبول ہو جاتا ہے اس جذبہ کا کوئی وقت مقرر نہیں، یہ جذبہ کبھی بچپن میں، کبھی جوانی میں اور کبھی بڑھاپے میں پیدا ہوتا ہے نیز جذبہ کے چند مراتب و مدارج ہیں، اولاً ...... جذبہ عام اس سے عمل کی توفیق ہوتی ہے ثانیاً...... جذبہ خاص، اس کے ذریعہ دل خدا کی طرف مائل ہوتا ہے اور غیر اللہ سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔

لوگوں نے دریافت کیا کہ رات کا اول حصہ بہتر وافضل ہے یا آخری؟ آپ نے جواب دیا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل امین سے پوچھا کہ رات میں بہترین وقت کونسا ہے؟ جبرائیل نے عرض کیا مجھے خبر کچھ نہیں،

البتہ نصف شب کے بعد فرشتے لرزہ براندام ہوتے ہیں اور عرش اعظم ہلتا ہے، نیز اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ہر وقت انعامات واحسانات کی بارش فرماتے رہتے ہیں، خوب سمجھ لو کہ اسی کے حضور اپنی جبین نیاز کو سجدہ ریز رکھو، علاوہ ازیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا رایت ربی لیلۃ المعراج فی احسن صورۃ (میں نے اپنے رب کو معراج کی شب بہترین صورت میں دیکھا) اس حدیث کے الفاظ فی احسن صورۃ کے معنی یہ ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اچھی صورت میں تھے یعنی ہشاش بشاش تھے اور یہ ویسی ہی طرز ادا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ میں نے شیر کو سوار دیکھا یعنی میں خود سوار تھا، غرضیکہ شب معراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوش وخرم اس لیے تھے کہ اولاً تو آپ کو معراج سے نوازا گیا، علاوہ ازیں جمیع انبیاء کرام سے ملاقات، مبشرات نور باری تعالیٰ کا نزول اور آپ نے قرب الٰہی کے منازل طے فرمائے تھے، اسی وجہ سے آپ کے چہرۂ اقدس پر حسن وجمال مترشح اور ظاہر تھا، نیز لفظ رب سے آقا اور سید مراد ہے اس معنی کے اعتبار سے حدیث کے معنی یہ ہوں گے کہ میں نے شب معراج میں ملائکہ کے آقا اور سردار جبرائیل کو بہترین صورت میں دیکھا، نبی علیہ السلام کا جبرائیل کو آقا اور سردار کہنا ویسا ہی صحیح اور درست ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ میں نے اپنے رب (یعنی آقا اور سردار) کو مدینہ میں اس طرح چلتے دیکھا کہ آپ سرخ جبہ اور جوتے پہنے ہوئے تھے، یہ سنتے ہی لوگوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے ابو ہریرہ مسلمان ہو جانے کے بعد بھی کفریہ کلمات کہہ رہے ہو، تو ابو ہریرہ مسکرائے اور فرمایا کہ میں نے اپنے رب یعنی سیدی حسن رضی اللہ عنہ کو اس طرح دیکھا،

جب سلسلہ کلام یہاں تک پہنچا تو لوگوں نے دریافت کیا ان اللہ خلق ادم علی صورتہ (کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو ان کی خلقت پر پیدا کیا) کے کیا معنی ہیں، فرمایا صورتہ میں ''ہ'' ضمیر آدم کی جانب راجع ہے یعنی آدم کو اپنے پورے قد وقامت اور ڈیل ڈول کے ساتھ پیدا فرمایا جو ان کو دیکھا گیا، دوسرے عام آدمیوں کی طرح کہ پہلے بچہ، پھر جوان، پھر بوڑھا نہیں بنایا، آدم کو اسی ایک ہی صورت میں پیدا کیا جو از ابتدا تا انتہا ایک ہی شکل وصورت تھی اور اس میں تا حیات دنیوی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے معتقدین اور مریدوں میں تمام بندگان دین اور اس وقت کے عالم وفاضل

شریک تھے۔ منجملہ ان کے فصاحت و بلاغت میں فرد وحید مولانا مظہر جو شیخ کی خصوصی عنایتوں کے مرکز تھے انہوں نے آپ کی تعریف و مدح میں کچھ اشعار لکھے ہیں جس میں سے چند ابیات درج ذیل ہیں۔

قصیدہ

دوش آں زماں کہ ازافق مغرب شتا خورشید خواند سورۂ والنجم اذا ہوئ

ترجمہ: (رات کے وقت جب افق مغرب سے سردیوں میں سورج نے سورۂ والنجم اذا ہوئ پڑھی)

شمع فلک زبانہ فرد برد اندر آب دور زمین نشانہ بر آورد برسما

ترجمہ: (آسمان کی شمع کا شعلہ ختم ہوکر پانی میں چلا گیا گردش ایام نے اپنی علامات آسمان پر ظاہر کردیں)

گفتی مگر کہ یوسف خورشید شد بچاہ کز تیرگی چو دیدۂ یعقوب شد ہوا

ترجمہ: (گویا کہ یوسف علیہ السلام کنویں میں چلے گئے، حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں اس غم سے ختم ہوگئیں۔)

بادے برآمد ابب دریا کہ دامنش گردسیاہ سر ہمی ریخت برفضا

ترجمہ: (دریا سے ایک ہوا اڑی جو اس کے دامن سے سیاہ غبار فضا پر اڑا رہی تھی)

چوں ساعتے ودازشب دیجور برگزشت بنشت باد وابر درآمد ماںجلاء

ترجمہ: (جب دو گھڑی سیاہ رات کی گزر گئیں، تو ہوا بھی رک گئی اور بادل بھی چھٹ گئے)

یکیک ستارہ برسر گردوں فروغ داد چوں در بہشت طلعتِ تابانِ اتقیا

ترجمہ: (پھر تمام ستارے آسمان پر چمکنے لگے، جیسے پرہیزگاروں کے چہرے بہشت میں چمکتے ہوں گے)

فراش صنع از ید قدرت بر آورد قندیلہائے نورِ بریں نیلگوں قبا

ترجمہ: (پھر صانع مطلق نے اپنی قدرت سے نمودار کردیا اس آسمانِ نیلگوں پر روشن چراغوں کو)

می جست نرم نرم نسیم از کنارِ باغ　　گوئی پیام دوست ہمیں داد و رخفا

ترجمہ: (باغ کے کنارے بادصبا آہستہ آہستہ چل رہی تھی، گویا کہ وہ ذرہ ذرہ محبوب کی خبر دے رہی تھی)

گر کیمیائے دولت جاویدت آرزواست　　یا گلشن بہشت ازیں شاخ بے نما

ترجمہ: (اگر ہمیشہ رہنے والے کیمیا کی تجھے آرزو ہے یا گلزار بہشت اس شاخ بے ریا سے)

جمت حسی نگر نفسے خواجہ نو بہار　　جانت مسے شمر نظر شیخ کیمیا

....

بردست او اگر نتوانی نہاد دست　　بارے بدار ایں سر خاکی بہ زیر پا

ترجمہ: (اگر اس کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں رکھ سکتا تو پھر ایک وقت اس خاکی سر کو پاؤں کے نیچے رکھ لو)

والانصیر ملت دین دو دل کہ ہست　　نعم النصیر از پس یزداں برد سزا

ترجمہ: (شیخ نصیر ملت دین و دل ہیں، بہترین مددگار ہیں خدا تعالیٰ کے بعد) نیز آپ کے مرثیہ میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

زدور محنت ایں نہ سپہر زنگاری　　کدام دل کہ زخوں گشت از جگر خواری

ترجمہ: (اس جہان زنگ آلود کی جفاکشی سے کونسا دل ہے جو اسکے مصائب سے بچ گیا ہو)

کجا بجام طرب مجلس بنا کردند!　　کہ از سپہر ببارید سنگ قہاری

ترجمہ: (کونسی ایسی محفل ہے جو منعقد ہوئی ہو اور اس پر قہر کے پتھر نہ برسیں ہوں)

وفا زعالم فانی مجوکہ مشہور اند　　فلک بجیرہ کشی اختراں بہ غداری

ترجمہ: (اس جہان فانی سے وفا طلب نہ کرو اس لیے کہ مشہور ہے کہ آسمان ظلم کرتا ہے اور ستارے غداری)

خزینہ ایست سپہر از نفوس انسانی　　دفینہ ایست زمیں از بتان فرخاری

ترجمہ: (اے عزیز تو اپنے ملک و مال پر نازاں ہے، اگر تو عقلمند اور ہوشیار ہے تو بے

خوف نہ ہو)

توا ے عزیز کہ در ملک و مال مغروری　　مباش ایمن اگر عاقلی و ہوشیاری

ترجمہ: (اے عزیز تو اپنے ملک و مال پر نازاں ہے، اگر تو عقلمند اور ہوشیار ہے تو بے خوف نہ ہو)

چہ دانی آنکہ در اوراق کارخانہ غیب　　قضا چہ نقش بر آروز کلک جباری

ترجمہ: (تجھے کیا معلوم کہ کارخانہ غیب کے اوراق میں کیا ہے، اور خدا کی قضاء کی قلم کیا لکھتی ہے؟)

زمانہ صلح کند بادل تو یا خصمے!　　فلک بہ دشمنی آید بہ پیش یا یاری

ترجمہ: (کیا خبر تیرے دل سے زمانہ صلح کرتا ہے یا جھگڑا، آسمان تجھ سے دشمنی کرتا ہے یا یاری سے پیش آتا ہے۔)

چو وقت آں برسد ہیچ کس نگیر دوست　　نہ ملک بے ملکی نے سپہ سالاری

ترجمہ: (جب وہ آفت آپہنچتا ہے تو کوئی آدمی ہاتھ نہیں پکڑ سکتا، نہ کوئی بادشاہ اور نہ ہی کوئی سپہ سالار)

بقا بقائے خدایست ملک ملک خدائے　　کہ نیست قائم و دائم کسے بجز باری

ترجمہ: (باقی رہنا تو خدا کی ذات کو ہے اور ملک بھی اسی کا باقی ہے، خدا کی ذات کے علاوہ کوئی قائم اور دائم نہیں)

زدست چرخ ندانم کجا کنم فریاد　　کہ برگذشت بما جور اور زبسیاری

ترجمہ: (آسمان کے ظلم سے نہیں جانتا کہ میں کس سے فریاد کروں، اس نے مجھ پر بہت ظلم کیے ہیں)

جہاں بہ ماتمِ خواجہ نصیر دین محمود　　ہزار گونہ فغاں کرد نوحہ و زاری

ترجمہ: (تمام جہان خواجہ نصیر الدین محمود کی موت پر ہزار بار فغاں، لوحہ اور گریہ کر چکا ہے)

بقیہ سلف و یادگار اھل کرم　　کہ کرد ختم خلافت بہ ملک دینداری

....

مہیمنا ملکا معما خداوندا ! بحق نعمت قرآں و دولت قاری

ترجمہ: (اے خداوند مہیمن و منعم، بحرمت نعمت قرآن اور بہ برکت پڑھنے والے کے)

برحمت تو کہ عام است در جہاں بانی بعزت کہ خاص است ور جہانداری

ترجمہ: (بہ برکت اپنی نعمت کے جو جہاں میں عام ہے اور ببرکت اپنی قدرت کے جو جہاں میں خاص ہے)

کہ روح اعظم آں شیخ پیشوائے کرم! کہ مقتدائے جہاں بودہ ست زاخباری

ترجمہ: (کہ اس پیشوا کی روح معظم کو، جو جہان والوں کے متفقہ مقتدا تھے)

ندیم قربت خود کن غریق رحمت خویش مجاور رسل و انبیاز مختاری

ترجمہ: (اپنی قربت سے ان کو ہمکنار اور اپنی رحمت میں غرق کردے جو رسولوں اور انبیاء کے خوشہ چین تھے)

بساط صحن دہ از حلہائے فردوسی خلاف قبر کن از پردہ ہائے غفاری

ترجمہ: (ان کا قبر میں بچھونا جنت کے کپڑوں میں سے بنا، اور ان کی قبر کا غلاف تیری بخشش کا پردہ ہو)

اور حمید قلندر شاعر جو خیر المجالس کے جامع ہیں وہ بھی آپ کی مجلس میں حاضر ہونے والوں اور خدمت گزاروں میں سے تھے، یہ دراصل شیخ نظام الدین اولیاء کے مریدوں میں سے تھے لیکن کبھی کبھی اپنے والد کے ہمراہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے، حمید قلندر نے آپ کے خلفاء سے بھی اپنی استعداد کے مطابق استفادہ کیا ہے اگرچہ ان کے اشعار اس قسم کے نہیں کہ ان کو شاعر کہا جا سکے لیکن اس کے باوجود وہ شاعر ہی سے مشہور ہو گئے، اور حمید سے زیادہ وہ قلندر سے مشہور تھے، اولاً حمید قلندر نے مولانا برہان الدین غریب کی خدمت میں رہ کر ان کے ملفوظات کو جمع کیا اس کے بعد شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے ملفوظات کو جمع کیا اور اس کا نام خیر المجالس رکھا، ملفوظات کی تالیف کی ابتدائی تاریخ ۷۵۵ ہجری تھی اور ۷۵۶ ہجری میں یہ پایہ تکمیل تک پہنچ گئے، ان ملفوظات میں حالات واحوال بڑے سادہ انداز میں تحریر کئے گئے ہیں۔

شیخ سراج الدین عثمان رحمۃ اللہ علیہ گوری

۶۵۶ھ..........۷۳۰ھ

آپ اخی سراج کے نام سے معروف تھے اور شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر خلفاء میں سے تھے، خواجہ نظام الدین کے مریدوں میں آپ اور شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے دونوں سلسلے بہت مشہور ہیں، عین جوانی کے وقت جبکہ آپ کی ڈاڑھی کے بال تک نہ نکلے تھے خواجہ نظام الدین اولیاء کے مرید ہوئے اور چند برس آپ کی خدمت میں رہنے کے بعد اپنی والدہ کی خدمت کے لیے لکھنوتی جس کا موجودہ نام گور ہے تشریف لے گئے، چند روز وہاں قیام فرمانے کے بعد پھر واپس شیخ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، خلافت دیتے وقت آپ سے شیخ نے فرمایا کہ اس کام میں پہلا مقام علم کو حاصل ہے اور شیخ میں ابھی اتنا علم نہیں ہے اس پر اس وقت جو لوگ موجود تھے ان میں سے مولانا فخر الدین زرادی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ میں انہیں چھ ماہ میں عالم بنا دوں گا، چنانچہ شیخ سراج نے مولانا زرادی رحمۃ اللہ علیہ سے علم حاصل کیا، مولانا زرادی نے ان کے لیے ایک کتاب بھی بنام عثمانی بھیجی، اس کے بعد شیخ سراج نے مولانا رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ سے کافیہ، مفصل قدوری اور مجمع البحرین پڑھیں، اور حضرت خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد مزید تین برس تک دیگر درسی کتب کی تحصیل کی پھر شیخ کے موقوفہ کتب خانے سے چند کتابیں، کچھ کپڑے اور خلافت نامہ جو شیخ نے آپ کو دیا تھا لے کر اپنے مقام لکھنوتی تشریف لے گئے اور دیار کو ولایت کے جمال سے مزین کیا، شیخ نے عین حیات میں آپ کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ ہندوستان کا آئینہ ہے۔

منقول ہے، کہ شیخ سراج نے اپنے شیخ سے جو خرقہ وغیرہ حاصل کیا تھا اسے زمین میں دفن کیا اور اس پر قبر بنا دی اور انتقال سے پیشتر اپنے ورثا کو وصیت کی کہ مجھے کپڑوں والی قبر میں دفن کیا جائے چنانچہ بعد انتقال لوگوں نے ایسا ہی کیا، آپ کے خلفاء شہر گور میں مشہور ہیں جو اب تک بھی موجود ہیں، آپ کا قیام بھی اسی شہر میں تھا، شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ مانکپوری کے ملفوظات میں ہے کہ شیخ سراج الدین عثمان اودھی کے پاس ایک سہروردی

درویش مہمان ہوا، عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد شیخ سراج کپڑے اتار کر اپنے بستر پر سو گئے اور وہ درویش رات بھر نماز و عبادت میں مشغول رہا، صبح کو بستر سے اٹھ کر شیخ نے رات کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی، یہ دیکھ کر اس درویش نے کہا کہ مجھے تعجب ہے کہ آپ تمام رات تو سوتے رہے، اور نماز فجر بھی بغیر وضو ادا کی، شیخ سراج نے نہایت ہی متواضعانہ انداز میں کہا کہ آپ بزرگ ہیں، آپ نے تو تمام رات ہی عبادت میں گزار دی اور ہم سامان رکھتے ہیں اور چور تاک میں ہے اس لیے ہم اس کی حفاظت کرتے رہے۔

اگر عاشق بہ مسجد درنیامد! دل عاشق ہمیشہ در نماز است

(اگر عاشق (حقیقی) عبادت کے لیے مسجد (کسی عذر کی وجہ سے) نہیں آسکتا لیکن اس کا دل ہمیشہ نماز میں مشغول ہے۔)

شیخ قطب الدین منور رحمۃ اللہ علیہ

۶۸۲ھ.........۷۶۰ھ

آپ برہان الدین ولد شیخ جمال الدین ہانسوی کے فرزند ارجمند اور خواجہ نظام الدین اولیاء کے جلیل القدر جامع کمالات اور مظہر کرامات خلیفہ تھے، تکلف و تصنع سے آپ کو طبعاً نفرت تھی لوگوں کے شور وغل سے دور رہتے تھے۔ عمر بھر اپنے اختیار سے آپ نے اپنے کمرے سے باہر قدم نہ نکالا تھا، امراء کے دروازے پر کبھی نہ جایا کرتے اور پوری زندگی توکل، صبر و قناعت میں بسر کی۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ سلطان محمد تغلق بادشاہ نے قاضی کمال الدین صدر جہاں کو شیخ منور کے ہاں بھیجا، اور ساتھ ساتھ تحریر شدہ ایک فرمان بھی ان کے ہمراہ روانہ کیا جس میں تحریر تھا کہ فلاں فلاں گاؤں ہم نے آپ کو بطور ہدیہ دے دیئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ شیخ منور کو دنیا داری کے فریب میں مبتلا کیا جائے، پھر وہ اپنی عادت کے مطابق جیسا وہ دوسرے درویشوں کو تکالیف دیا کرتا تھا ان پر بھی ایذا رسانی کا سلسلہ شروع کر دیتا، صدر جہاں جب شیخ کے پاس آئے اور جاگیری مواضعات کا فرمان شاہی پیش کیا اور زبانی بھی بیان کیا تو شیخ منور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا سلطان نصیر الدین بن شمس الدین اوچ اور ملتان کی طرف جا رہا تھا تو اپنے امیر الامراء غیاث الدین کو حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ

علیہ کی خدمت میں ایک فرمان جاگیری مواضعات کا دے کر بھیجا تھا لیکن شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جواب دیا کہ ہمارے مشائخ نے ایسی جاگیریں قبول نہ فرمائی تھیں، جاگیریں قبول کرنے والے اور لوگ بہت ہیں ان کو دیدی جائیں آپ کو معلوم ہے کہ ہم انہیں کے مرید ہیں ہمیں بھی وہی کرنا چاہئے جو انہوں نے کیا (یعنی ہم جاگیر وغیرہ قبول نہیں کرتے) کہتے ہیں کہ شیخ منور اور سلطان محمد تغلق بادشاہ کی اس وقت ملاقات ہوئی تھی جبکہ بادشاہ ہانسی کی طرف جا رہا تھا اور ہانسی سے آٹھ میل پہلے ہی مقام بنسی میں قیام پذیر تھا بادشاہ نے نظام زر بارے عرف مخلص الملک کو جو بڑا ظالم تھا ہانسی کا قلعہ دیکھنے کے لیے بھیجا تا کہ قلعہ کی تمام کیفیت معلوم کرے کہ وہ ٹھیک ہے یا خراب ہو چکا ہے، نظام زر بارے قلعہ کے نیچے ایک گھر پر پہنچا تو پوچھا یہ گھر کس کا ہے لوگوں نے کہا کہ شیخ نظام الدین اولیاء کے خلیفہ شیخ منور رحمۃ اللہ علیہ کا، زر بارے نے کہا تعجب ہے کہ بادشاہ یہاں آیا ہوا ہے اور یہ ان سے ملنے کے لیے نہیں گیا، پھر نظام زر بارے نے بادشاہ کے ہاں لوٹ کر یہ عرض کیا کہ یہاں خواجہ نظام الدین اولیاء کا ایک خلیفہ رہتا ہے جو آپ سے ملنے نہیں آیا، بادشاہ کو حکومت کا نشہ اور غرور تھا (جیسا کہ عموماً ہوا کرتا ہے) اس نے حسن سر برہنہ جیسے عزت دار اور طاقتور کو حکم دیا کہ جاؤ اور شیخ قطب الدین منور کو یہاں پکڑ کر لے آؤ، چنانچہ حسن سر برہنہ شیخ کی بیٹھک میں آ کر بیٹھا، شیخ کے فرزند نور الدین باہر تشریف لائے اور کہا کہ ہمارے آقا اور سردار آپ کو اندر بلا رہے ہیں، حسن سر برہنہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، مصافحہ کر کے بیٹھا اور عرض کیا کہ سلطان نے آپ کو بلایا ہے، شیخ نے دریافت کیا کہ اس طلب کرنے میں مجھے اختیار ہے یا نہیں؟ حسن سر برہنہ نے عرض کیا کہ فرمان شاہی یہ ہے کہ میں آپ کو لے چلوں، یہ سنکر شیخ نے فرمایا، الحمد للہ کہ میں اپنے اختیار سے نہیں جا رہا، اس کے بعد اپنے گھر والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ میں تمہیں خدا کے سپرد کرتا ہوں، پھر اپنی جانماز اپنے کندھے پر رکھی اور لاٹھی ہاتھ میں لے کر پیدل روانہ ہوئے، حسن سر برہنہ نے جب شیخ کے چہرے سے بزرگی کی علامات کو دیکھ لیا تو عرض کیا کہ آپ پیدل کیوں چل رہے ہیں، کوتل گھوڑے ساتھ ہیں کسی ایک پر آپ بھی سوار ہو جائیں شیخ نے فرمایا کہ مجھے گھوڑے پر سوار ہونے کی ضرورت نہیں اتنی طاقت ابھی موجود ہے کہ میں پیدل چل سکتا ہوں، جب آپ اس مقام پر

پہنچے جہاں آپ کے آباء واجداد کی قبریں تھیں تو فرمایا کہ مجھے اجازت ہے کہ میں یہاں کچھ دیر ٹھہر کر دعا کرلوں، حسن سر برہنہ نے اجازت دی، آپ نے وہاں کہا کہ مجھے آپ کی جگہ سے بے اختیاری کے عالم میں لے جایا جارہا ہے اور میں اپنے اختیار سے گھر سے نہیں نکلا مجھے زبردستی لے جایا جارہا ہے اور چند بندگان خدا کو کسمپرسی کے عالم میں بغیر خرچ وغیرہ کے گھر میں چھوڑ آیا ہوں پھر شیخ قبرستان سے باہر آئے، دیکھا کہ ایک آدمی پچاس روپے لے کر آپ کے پاس آیا، آپ نے اس سے فرمایا کہ یہ پیسے ہمارے گھر دیدینا انکے پاس کچھ بھی نہیں بہرکیف ان تمام حالات کو حسن سر برہنہ نے بادشاہ سے بیان کردیا لیکن بادشاہ ان حالات سے کچھ متاثر نہ ہوا اور شیخ کو اپنے پاس بلایا، شیخ نے سلطان محمد کے پاس جاتے وقت باربکی خاندان کے نائب فیروز شاہ سے کہا کہ ہم درویش اور فقیر شاہی مجالس میں داخل ہونے کے آداب اور ان سے گفتگو کرنے کے طرز وطریق سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ فیروز شاہ نے کہا کہ آپ کے بارے میں لوگوں نے بادشاہ سے بہت سی غلط باتیں کہہ رکھی ہیں، اس لیے رواداری، اخلاق وتواضع وغیرہ کا خوب خیال رکھیں، بادشاہ کو جب معلوم ہوا کہ شیخ آرہا ہے تو وہ بیٹھا ہوا تھا کھڑا ہوگیا، اس نے اپنی کمان ہاتھ میں لی اور گز اندازی میں مشغول ہوگیا مگر شیخ کو دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہوگئے، اور تعظیم واکرام کی غرض سے آگے بڑھا اور مصافحہ کیا مگر شیخ قطب الدین نے اس کا ہاتھ اس طرح مضبوطی سے پکڑ لیا جو چھڑا نہ سکا، باوجودیکہ اس ظالم کے ہاتھ سے بہت سے مشائخ اور علماء تلوار کی نذر ہو چکے تھے مگر شیخ قطب الدین کا اس طرح عقیدت مند ہوا کہ اس بات کے کہنے پر مجبور ہوگیا کہ ہم آپ کے علاقے میں آئے ہیں اور آپ نہ ہی ہماری اصلاح وتربیت فرماتے ہیں اور نہ ہی اپنی زیارت کا شرف بخشتے ہیں، شیخ نے فرمایا کہ اولاً تو آپ ہانسی کو دیکھیں رہی ملاقات کی بات سو یہ فقیر اپنے گھر میں پڑا ہے اور اس فقیر کو یہ بھی معلوم نہیں کہ بادشاہ سے ملاقات کس طرح کی جاتی ہے، یہ فقیر ایک کونے میں پڑا ہوا بادشاہ اور دیگر جملہ مسلمانوں کی اصلاح وبہبود کی دعا میں مصروف مشغول ہے اس وجہ سے میں معذور ہوں، شیخ کی اس گفتگو سے بادشاہ پر بہت اچھا اثر ہوا، اس نے باربک نائب سلطان فیروز شاہ سے کہا کہ شیخ جو کچھ چاہتے ہیں وہ پورا کردیا جائے، یہ سن کر شیخ قطب الدین نے فرمایا کہ میرا مطلب صرف درویشی اور اپنے آباء

واجداد کی جھونپڑی میں قیام ہے، پھر بادشاہ نے فیروز شاہ اور ضیاء برنی کو حکم دیا کہ شیخ کی خدمت میں ایک لاکھ روپیہ پیش کیا جائے، شیخ نے جب اس گرانقدر انعام کو سنا تو فرمایا نعوذ باللہ فقیر اس کو ہرگز قبول نہیں کرے گا، چنانچہ فیروز شاہ اور ضیاء برنی دونوں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ شیخ اس کو قبول نہیں کرتے، بادشاہ نے فرمایا پچاس ہزار روپے اور دے دیئے جائیں (غالباً بادشاہ یہ سمجھا ہوگا کہ شیخ کم ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کر رہے) شیخ نے وہ بھی قبول نہ کئے اور فرمایا سبحان اللہ، فقیر کو دو سیر کھچڑی اور ایک چھٹانک گھی کافی ہے ہزاروں کی ضرورت نہیں، اس پر فیروز شاہ اور ضیاء برنی نے عرض کیا کہ ہم اس سے کم عطیہ کا دربار شاہی میں تذکرہ بھی نہیں کر سکتے، آخر کار ضرورت کے موافق انعام شاہی میں سے شیخ نے کچھ رقم قبول فرمالی جس میں سے کچھ رقم اپنے بزرگان عظام کی قبروں پر خرچ کردی (یعنی ان کو ایصال ثواب کردیا) اور بقیہ دوسرے فقیروں کو تقسیم کردی، اس کے تھوڑے دنوں بعد شیخ قطب الدین منور ہانسی روانہ ہوگئے، آپ کا مزار بھی آپ کے پردادا کے مقبرے میں ہے۔

شیخ نور الدین رحمۃ اللہ علیہ

۷۱۹ھ ۷۶۱ھ

آپ شیخ قطب الدین کے فرزند تھے (جیسا کہ شیخ کے حالات مذکورہ میں ذکر ہوا) منقول ہے کہ جب سلطان محمد تغلق بادشاہ نے شیخ قطب الدین منور کو اپنے دربار میں بلایا تو آپ بھی چپکے چپکے پیچھے چلے گئے، چونکہ اس وقت بہت کمسن تھے اس لیے وہاں کی سطوت و رعب وغیرہ سے گھبرا گئے اور بیہوش ہوگئے جب شیخ قطب الدین منور کو معلوم ہوا تو فرمایا نور الدین سنو! بزرگی اور کبریائی تو خاصہ خداوندی ہے، شیخ نور الدین فرمایا کرتے تھے کہ والدِ محترم کی اتنی بات سننے کے بعد میرا دل اتنا مضبوط اور قوی ہوگیا کہ پھر وہ تمام شاہی رعب میرے دل سے رفوچکر ہوگیا، آپ کا مزار بھی اپنے آباء واجداد کے گنبد میں ہے۔

شیخ حسام الدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

۶۷۱ھ ۷۵۳ھ

آپ بھی خواجہ نظام الدین اولیاء کے خلفاء میں سے تھے، قدیم طرز کے بزرگوں کے

طریقہ کار پر گامزن تھے، زہد و درویشی پارسائی اور بزرگی میں اپنے ہمعصر بزرگوں میں ممتاز اور سربلند تھے، آپ متاہل تھے، آپ کے بارے میں شیخ نظام الدین اولیاء فرمایا کرتے تھے کہ شہر دہلی شیخ حسام الدین کی نگرانی میں ہے۔

لوگوں سے مروی ہے کہ آپ ایک دن کہیں جا رہے تھے اور جانماز آپ کے کندھے پر سے گر گئی اور انہیں اس کی خبر نہ ہوئی، جب کچھ دور آگے تک نکل گئے تو پیچھے سے ایک آدمی نے شیخ شیخ کی متعدد آوازیں دیں، چونکہ آپ اپنے کو شیخ نہیں سمجھتے تھے اس لیے اس آواز پر پلٹ کر نہیں دیکھا، آخر کار وہ شخص پیچھے دوڑتا ہوا آیا اور قریب آ کر عرض کرنے لگا کہ میں نے آپ کو متعدد بار آواز دی کہ شیخ اپنی جانماز لیتے جایئے مگر آپ نے اس پر کوئی توجہ ہی نہ دی، آپ نے فرمایا بھائی میں شیخ نہیں ہوں بلکہ ادھ مرا ملا فقیر ہوں۔ لوگوں میں یہ بھی مشہور ہے کہ شریعت کی کتابوں میں ہدایہ اور بزوزی اور تصوف میں قوت القلوب اور احیاء العلوم آپ کے اکثر زیر مطالعہ رہا کرتی تھیں۔

منقول ہے کہ شیخ حسام الدین خانہ کعبہ کی زیارت کرنے کے بعد دہلی میں آ کر اپنے شیخ خواجہ نظام الدین اولیاء نے فرمایا کہ جو شخص خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے جائے تو وہ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی جداگانہ نیت کرے، خانہ کعبہ کی زیارت کے ضمن میں روضہ رسول کی زیارت نہ کرے اپنے شیخ کی یہ بات سنتے ہی حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ فوراً روضہ رسول کی زیارت کی نیت سے واپس لوٹ گئے۔

خیر المجالس میں شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ایک روز مولانا حسام الدین ملتانی، مولانا جمال الدین نصرت خانی اور مولانا شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ تینوں بزرگ خواجہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہوئے، خواجہ نظام الدین اولیاء نے مولانا حسام الدین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ جو شخص دن کو روزہ رکھے اور تمام رات عبادت میں گزار دے تو وہ بیوہ عورتوں کا سا ہے اتنا کام تو ہر بیوہ عورت کر سکتی ہے، اگر مخلوق خدا کے کاموں میں مشغول رہ کر عبادت کی جائے تو اسی کو واقعتہً ذکر اللہ اور عبادت کہتے ہیں۔ اور اسی کا نام شغل ہے، مولانا حسام الدین اور آپ کے دیگر دو ساتھی انتظار کرتے رہے کہ آپ اس بیان کو ختم کریں (تاکہ اور باتیں کی جا سکیں) مگر آپ نے اسی

بیان کو اس قدر تفصیل سے بیان کیا کہ اگر اس کو اس تفصیل سے بیان کروں تو اس کے بیان کرنے میں تقریباً چھ ماہ کا عرصہ صرف ہو جائے۔

ایک بار پھر یہی تینوں مذکورہ بالا دوست شیخ کی خدمت میں تشریف لے گئے اسی اثناء میں سلطان علاؤ الدین کا خاص منشی محمد کاتب بھی پردہ اٹھا کر آپکا اور بیٹھ گیا شیخ نے فرمایا کہاں تھے؟ اس نے عرض کیا محل سرائے شاہی میں، اور سلطان نے آپ کی خدمت میں پچاس ہزار روپے ہدیہ بھیجا ہے، اس پر شیخ نظام الدین نے مولانا حسام الدین کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا کہ شاہی انعام اچھا ہے، تب خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صوفیاء کے شغل کی بنیاد چھ چیزوں پر ہے، اولاً...... یہ کہ تنہائی اختیار کی جائے اور خواہشات نفسانی کی بھی حالت میں اتباع کر کے غضب خداوندی کا مورد نہ بننا چاہئے، ثانیاً...... یہ کہ دائماً اور ہمیشہ باوضو رہے اور جب نیند کا طبیعت پر شدید حملہ اور غلبہ ہو تو فوراً سو جائے اور جب بیدار ہو تو فوراً وضو کرے۔ ثالثاً...... یہ کہ ہمیشہ روزہ سے رہے، رابعاً...... غلط بات نہ کہے اور خاموش رہے، خامساً...... یہ کہ اپنے شیخ کی طرف اپنے قلب کو مائل کرے، دائماً خدا کے ذکر میں مصروف رہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مرید اپنے شیخ سے قلبی تعلق قائم کرے، سادساً...... یہ کہ اپنے دل سے غیر اللہ کو نکال دے۔

منقول ہے کہ جب شیخ حسام الدین کو خلافت کا منصب عنایت کیا گیا تو آپ نے اپنے شیخ سے مزید پند و نصائح کی درخواست کی، خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے آستین چڑھا کر اور اپنی شہادت کی انگلی سے شیخ حسام الدین کو اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، کہ ترک دنیا، ترک دنیا، ترک دنیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ مریدوں کی کھیپ جمع کرنے کی تمنا اور کوشش نہ کرنا، مولانا نے عرض کیا کہ اگر ارشاد ہو تو دریا کے کنارے جنگل میں سکونت اختیار کر لوں؟ شہر کے کنوؤں کے پانی سے وضو میں اطمینان نہیں ہوتا، شیخ نے فرمایا کہ شہر ہی میں رہو اور اس طرح رہو کہ گویا تم بھی دوسرے شہریوں کی مانند ایک شہری ہو، اگر تم شہر سے نکل کر دریا کے کنارے پر سکونت اختیار کر لو گے تو لوگ تمہارے گھر جائیں گے اور جب تمہیں وہاں نہیں پائیں گے تو آپس میں کہیں گے کہ فلاں درویش فلاں جگہ چلے گئے ہیں اور وہاں آ کر تمہاری عبادت میں مانع اور حائل بن جائیں گے، رہا کنویں کا پانی اس میں علماء

کا اختلاف ہے اگر چہ شرعی اعتبار سے بڑی گنجائش اور وسعت ہے، اس کے بعد مولانا حسام الدین نے عرض کیا کہ پہلے تو لوگ عطیات وغیرہ دیا کرتے تھے اس میں سے کچھ اہل وعیال کو دے دیا کرتا تھا اور کچھ آنے جانے والوں پر خرچ کیا کرتا تھا اب کئی روز سے یہ سلسلہ منقطع ہے تو ایسی حالت میں قرض لے سکتا ہوں؟ خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر تم تدبیر کے درپے ہو گئے تو درویشی کس طرح کر سکو گے؟ درویش تو وہ ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہو اسے بھی خرچ کر دے اور اگر اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو تو اس پر صبر وشکر کرے اور مایوسی کو قریب نہ آنے دے علاوہ ازیں تدابیر سے اپنے کو علیحدہ رکھے، پھر فرمایا کہ درویش کو ہرجائی نہ ہونا چاہئے، اور ہرجائی کی دو ۲ قسمیں ہیں: اولاً......صوری، ثانیاً...... معنوی۔

صوری، وہ درویش ہیں جو لوگوں کے گھروں میں جاتے اور مانگتے پھرتے ہیں۔ اور معنوی وہ درویش ہیں جو اپنے گھر ہی میں بیٹھ کر خدا کی عبادت اور ذکر میں مشغول ومصروف رہتے ہیں اور دل میں سوچتے رہتے ہیں کہ زید وعمر سے کچھ نہ کچھ تو مل ہی جائے گا۔ صوری درویش یعنی ہرجائی ظاہری فقیر جو لوگوں کے گھروں میں مانگتا پھرتا ہے وہ معنوی درویش سے اس لیے بہتر ہے کہ جیسا وہ فی الواقع ہے ایسا ہی اپنے کو لوگوں پر ظاہر کرتا ہے یعنی اس کا ظاہر وباطن برابر ہے، اور معنوی درویش یعنی وہ ہرجائی باطنی درویش جو اپنے گھر میں بیٹھ کر خدا کی عبادت اور یاد میں شب وروز مصروف رہنا ظاہر کرتا ہے اور اندرونی طور پر در بدر مارا پھرتا ہے یہ کیوں بہتر ہو سکتا ہے۔

مولانا حسام الدین فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے شیخ نظام الدین سے دریافت کیا کہ شیخ؟ لوگ مجھ سے کرامت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ خدا کے غیبی دروازے (یعنی شریعت پر عمل کرنے) پر ثابت قدم رہنا ہی کرامت ہے تم اپنے کام میں مشغول رہو لوگ کتنی کرامتیں طلب کریں گے۔

• منقول ہے کہ جس سال سلطان محمد تغلق نے ساکنان دہلی کو ایک نیا شہر بنام ”دیوگیر“ آباد کرنے کے لیے دہلی سے روانہ کرنا شروع کیا تو مولانا حسام الدین دہلی سے گجرات چلے گئے اور گجرات ہی میں خدا کی رحمت کے آغوش میں منسلک ہو گئے اور پٹن جو علاقہ گجرات

کا پرانا شہر ہے دفن کیے گئے آپکا مزار پٹن میں معروف و مشہور ہے۔

مولانا فخر الدین زرادی رحمۃ اللہ علیہ

۶۵۱ھ.........۷۲۷ھ

آپ بڑے ولی اللہ، ذی علم، متقی، صاحب ذوق و عشق اور خواجہ نظام الدین کے خلیفہ تھے، امور شرعیہ میں بڑے مضبوط تھے، اوائل عمر میں مولانا فخر الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ سے دہلی میں تعلیم حاصل کی، اپنی ذہانت، چرب لسانی اور فصاحت بیانی کی وجہ سے اہل شہر کے ممتاز لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے، آخر کار خواجہ نظام الدین اولیاء کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور سر منڈوا دیا، طالب علموں کے زمرہ سے نکل کر درویشوں کی جماعت میں داخل ہو گئے اور غیاث پور میں رہنے لگے، اپنے شیخ کے انتقال کے بعد دریائے جمنا کے کنارے ایک محلہ میں مقیم ہوئے جسے اب فیروز آباد دہلی کہتے ہیں، کچھ دنوں تک حوض علائی پر ٹھہرے رہے اور ایک مدت تک بسنا بند میں عبادت الٰہی کرتے رہے جو پہاڑوں کے وسط میں ہے اور آپ کے زمانہ میں وہ علاقہ جنگل و بیاباں اور شیروں کی آماجگاہ تھا، اس کے بعد خواجہ معین الدین چشتی کی زیارت کے لیے اجمیر تشریف لے گئے، وہاں سے ہوتے ہوئے شیخ فرید الدین شکر گنج کی زیارت کے لیے پاکپتن گئے، غرضیکہ مولانا فخر الدین زرادی نے عمر کا بیشتر حصہ سفر ہی میں بسر کیا، جنگلوں اور بیابانوں میں رہ کر عبادت کرتے اور ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔

منقول ہے کہ مولانا فخر الدین زرادی نے ایک مرتبہ خواجہ نظام الدین سے دریافت کیا کہ تلاوت قرآن افضل ہے یا ذکر اللہ؟ خواجہ نظام الدین اولیاء نے فرمایا کہ ذکر اللہ کرنے والا اپنے مقصود تک جلدی پہنچ جاتا ہے لیکن زوال کا خطرہ دامنگیر رہتا ہے اور قرآن کی تلاوت کرنے والا اگرچہ اپنے مقصود تک بدیر پہنچتا ہے مگر اس میں زوال کا خطرہ نہیں۔

منقول ہے کہ شیخ نصیر الدین فرمایا کرتے تھے کہ جو چیز ہم پر ایک یا دو ماہ میں کھلتی مولانا فخر الدین زرادی اسے ایک گھنٹہ ہی میں حاصل کر لیا کرتے تھے جس وقت دہلی کے رہنے والے لوگوں کو دیوگیر لے جایا جا رہا تھا مولانا فخر الدین زرادی بھی وہاں گئے، اور وہاں

سے خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے روانہ ہوگئے اور وہاں سے بغداد جا کر کتب حدیث کو بڑی تحقیق اور محنت سے پڑھا، پھر اپنے قدیم وطن دہلی ہی میں آنے کے لیے روانہ ہوئے واپسی میں ایک کشتی پر سوار ہوئے وہ راستہ میں ڈوب گئی اور مولانا فخر الدین زرادی اسی حادثہ میں شہید ہوگئے۔

منقول ہے کہ سلطان محمد تغلق بادشاہ اہالیان دہلی کو دیوگیر اس لیے بھیج رہا تھا کہ ترکستان اور خراسان پر قبضہ کر سکے اور وہاں سے چنگیزیوں کو نکال دے چنانچہ سلطان نے دہلی کے تمام بڑے بڑے امراء کو حکم دیا کہ وہ حاضر ہوں اور ایک بڑا خیمہ لگوا کر اس میں ایک منبر رکھوایا تاکہ اس پر چڑھ کر لوگوں کو کافروں سے جہاد کرنے کی ترغیب دی جائے اسی روز مولانا فخر الدین زرادی، شیخ شمس الدین یحیٰ اور شیخ نصیر الدین دہلوی کو طلب کیا خواجہ قطب الدین وزیر تعلیم جو خواجہ نظام الدین کے مرید اور مولانا فخر الدین زرادی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ و شاگرد تھے وہ مولانا کو جملہ معززین اہل شہر سے پہلے ہی دربار شاہی میں لے آئے مولانا بار بار فرما رہے تھے کہ اس بادشاہ کے سامنے میں اپنا جانا مناسب نہیں سمجھتا، میں کسی طرح بھی اس سے موافقت نہ کروں گا، غرضیکہ جب مولانا کی سلطان سے ملاقات ہوئی تو خواجہ قطب الدین وزیر تعلیم آپ کے جوتے بغل میں دبائے کھڑے تھے، بادشاہ نے یہ کیفیت دیکھ لی مگر خاموش رہا اور پھر مولانا سے باتیں کرنے لگا، دوران گفتگو اس نے مولانا سے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ملعون چنگیزیوں کو ختم کر دیں، کیا آپ اس سلسلے میں ہماری مدد کریں گے؟ مولانا نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ، بادشاہ نے کہا یہ تو کلمہ شک ہے مولانا نے فرمایا مستقبل کے لیے یونہی ہوتا ہے، بادشاہ یہ بات سننے کے بعد پیچ و تاب کھاتے ہوئے مولانا سے کہنے لگا، ہمیں کچھ پند و نصیحت فرمائیں تاکہ اس پر عمل کیا جا سکے مولانا نے فرمایا کہ غصہ پیتے رہو۔

بادشاہ، کونسا غصہ

مولانا، اس سے پہلے سات سلطان غصہ کی نذر ہو چکے ہیں۔

بادشاہ، اپنے خادموں کو حکم دیتا ہے کہ کھانا لاؤ، جب دسترخوان بچھایا گیا تو مولانا نے مجبوراً تھوڑا سا کھایا، پھر دسترخوان اٹھا لینے کے بعد ان تمام آنے والے حضرات کے لیے

اونی لباس اور ایک ایک ہزار روپے کی مالیت کے سونے کے ٹکڑے لائے گئے شیخ نصیر الدین محمود اور مولانا شمس الدین یحیٰ اور دیگر بزرگوں نے یہ تحائف قبول کئے لیکن مولانا فخر الدین زرادی کا ایک ہزار روپے اور لباس کا تحفہ خواجہ قطب الدین وزیر تعلیم نے اس غرض سے اپنے ہی پاس رکھ لیا کہ یہ تو اس کو ہاتھ نہیں لگائیں گے جس کی وجہ سے مولانا کی عزت میں فرق آئے گا، جب تمام بزرگ چلے گئے تو بادشاہ نے خواجہ قطب الدین وزیر تعلیم کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اے بد بخت ایلچی تو نے یہ کیا ناجائز حرکتیں کیں اور میری تلوار کی زد سے فخر الدین کو بچالیا، خواجہ قطب الدین دبیر مملکت نے کہا کہ اے بادشاہ! وہ میرے استاد اور شیخ کے خلیفہ ہیں مجھے ان کی شان و شوکت باقی رکھنا ضروری تھی بادشاہ نے کہا ان کفریہ عقائد سے تائب ہو جاؤ ورنہ تمہیں بھی قتل کر دوں گا، خواجہ قطب الدین نے فرمایا کہ اگر حکومت مجھے میرے مخدوم کی وجہ سے قتل کرے تو میں اسے اپنی خوش نصیبی اور خوش بختی تصور کروں گا، اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

مولانا فخر الدین مروزی رحمۃ اللہ علیہ

۶۴۶ھ..............۷۲۸ھ

آپ قرآن کریم کے حافظ اور نہایت ہی متقی اور پرہیز گار تھے، آپ کا بہترین مشغلہ قرآن کریم کی کتابت تھا، اور مخلوق سے جدا رہ کر تنہائی کی زندگی بسر کرنے کے خوگر تھے خواجہ نظام الدین کے صحبت یافتہ اور مرید تھے آپ کی مردان غیب سے بھی ملاقات رہتی تھی۔

منقول ہے کہ آپ نے ایک بار خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ ایک دفعہ مجھے شدید پیاس لگی اور میرے پاس اس وقت کوئی آدمی بھی موجود نہ تھا کہ اس سے پانی منگواتا اسی اثناء میں غیب سے بھرا ہوا پانی کا ایک پیالہ میرے پاس آ گیا، میں نے وہ پیالہ توڑ دیا اور پانی گر گیا اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ کرامت سے آیا پانی میں نہیں پیوں گا، یہ سن کر خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پی لینا چاہئے کیونکہ اکثر و بیشتر ایسا ہوتا رہتا ہے، پھر ایک مرتبہ کہا کہ میں ایک دفعہ کنگھا کرنا چاہتا تھا مگر اس وقت بھی میرے پاس کوئی آدمی نہ تھا جو کنگھا لے آتا چنانچہ اسی وقت ایک دیوار پھٹی اور اس کے اندر ایک

ٹکڑا نظر آیا میں نے اسے اٹھا لیا اور اپنے بال درست کیے۔

شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ مولانا فخر الدین مروزی جو کچھ کتابت کرتے اس کی اجرت لوگوں سے مقرر کراتے۔ جب لوگ کہتے کہ ایک جزو کی کتابت کی اجرت چھ آنے ہوتی ہے تو آپ فرماتے ہیں چھ چیتل (ایک قسم کا سکہ ہے) لوں گا، اس سے زیادہ نہیں لوں گا اور اگر کوئی چار پیسے بطور تحفہ زیادہ دے گا تو اسے بھی ہرگز قبول نہ کروں گا۔ جب بوڑھے ہوگئے اور قلم بھی کمزور ہوگئے تو آپ نے کتابت ترک فرمادی تھی۔ اس وقت کے ایک بڑے تاجر قاضی حمید الدین کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے سلطان علاء الدین خلجی سے کہا کہ مولانا فخر الدین مروزی یہاں کے ایک بہت بڑے ولی اللہ اور بزرگ ہیں ان کا گزر بسر کتابت پر موقوف تھا اور اب انہوں نے ضعف پیری کی وجہ سے اسے ترک کر دیا ہے اس لیے بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا جائے تو بہت ہی مناسب ہوگا چنانچہ سلطان علاء الدین نے روزانہ ایک [illegible] وظیفہ مقرر کر دیا۔ جب آپ کو ایک درہم پہنچایا گیا تو آپ نے فرمایا میں نہیں لیتا مجھے تو اس کی [illegible] بڑی منت و سماجت کے بعد آپ نے قبول [illegible] خواجہ [illegible] الدین [illegible] رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہاتھ سے خود آپ کو ایک خط لکھا جس میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا اظہار کیا ہے اس میں یہ بات تھی کہ اہل طریقت و حقیقت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسان کا بڑا اور عظیم مقصد خدا تعالیٰ کی محبت کو حاصل کرنا اور پانا ہے اور اس محبت کی دو قسمیں ہیں۔

اولاً محبت ذاتی جو قدرت کا عطیہ ہے، ثانیاً محبت صفاتی، جو کسبی اور اکتسابی ہے اس میں عطیہ قدرت کو کوئی دخل نہیں، اور عطیہ قدرت سے کسب کوئی تعلق نہیں [illegible] کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے متعلق ہے اور خدا کی محبت حاصل کرنے کا ذریعہ خدا کے ذکر کو ہمیشہ کرتے رہنا ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ تمام غیر اللہ کو اپنے قلب و جگر سے نکال دے اور غیر اللہ کے تصور سے فارغ رہے، نیز غیر اللہ سے فارغ رہنے کے لیے بھی چار چیزوں سے دور رہنا شرط ہے کیونکہ جو چیز شرط میں رکاوٹ ڈالتی ہے وہ شروط میں بھی مانع اور آڑے بن جاتی ہے، اور وہ چار چیزیں جن سے اجتناب ضروری ہے یہ ہیں۔

۱۔مخلوق، ۲۔ دنیا، ۳۔ خواہشات نفسانیہ، ۴۔ شیطان۔

مخلوق سے دور رہنے کی ترکیب یہ ہے کہ گوشہ نشینی اور عزلت کو اختیار کرے، دنیا سے دور رہنے کا طریقہ قناعت وصبر ہے، اور نفسانی خواہشات اور شیطان سے بچنے کی سبیل ہمہ وقت خدا کی یاد میں مصروف رہنا اور اس سے التجا اور دعا کرتے رہنا ہے، والسلام اور مشہور یہ ہے کہ شیطان سے بچنے کے لیے ذکر اللہ اور نفس سے بچنے کے لیے خدا کے حضور التجا ہے۔

مولانا علاؤ الدین نیلی رحمۃ اللہ علیہ

۶۲۴ھ..............................۷۶۲ھ

آپ اودھ کے بڑے عالموں میں شمار کیے جاتے تھے، بڑے ولی اللہ، پاکیزہ روش اور معاملے میں صاف تھے، اودھ کے شیخ الاسلام مولانا فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ سے جب آپ تفسیر کشاف پڑھتے تھے تو اودھ کے دیگر علماء مثل مولانا شمس الدین یحییٰ سماع کیا کرتے تھے، آپ کا لباس علماء کی مانند ہوتا تھا مگر حقیقۃً آپ تصوف کے اوصاف سے موصوف تھے، آپ اگرچہ اپنے شیخ خواجہ نظام الدین اولیاء کے باقاعدہ خلیفہ مجاز تھے مگر پھر بھی لوگوں کو بیعت نہیں فرمایا کرتے تھے اور اکثر و بیشتر یہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر خواجہ نظام الدین اولیاء حیات ہوتے تو میں آپ کا عطا کردہ خلافت نامہ آپ کو واپس کر کے عرض کرتا کہ یہ دینی کام میں نہیں سرانجام دے سکتا، آپ کو اپنے شیخ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے بے حد عقیدت و محبت تھی، نیز یہ بات بھی مشہور ہے کہ آپ نے اپنے شیخ کے ملفوظات فوائد الفواد کو آخری عمر میں خود نقل فرمایا تھا وہی اپنے پاس رکھتے اور اسی کا مطالعہ کیا کرتے تھے، لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ حضرت! ماشاء اللہ! آپ کے پاس ہر فن کی کتب کا ایک ذخیرہ موجود ہے لیکن آپ فوائد الفواد کے علاوہ اور کسی کتاب کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ سلوک اور دیگر فن کی کتب سے جہان بھرا ہوا ہے لیکن میرے شیخ کے ملفوظات مفرح روح ہیں جن میں میری نجات کا سامان ہے یہ اور کہیں نہیں ملتے۔

بیت

مرا نسیم تو باید صبا کجا است کہ نیست   کجاست زلف تو مشک خطا کجاست کہ نیست

(مجھے تو تیری ہوا چاہئے، باد صبا تو ہر جگہ ہے، خوشبو تو ہر جگہ میسر آ سکتی ہے مگر مجھے تو

تیری زلف مشکیں درکار ہے) آپ کی قبر چبوترہ یاراں کے قریب ہے اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمت نازل کرے۔

شیخ برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ

۶۵۲ھ ۷۴۱ھ

آپ بڑے باذوق بزرگ تھے اور مسئلہ سماع میں درجہ غلو تک پہنچے ہوئے تھے اس وقت کے فضلاء امیر خسرو اور امیر حسن اور دوسرے خوش مزاج حضرات آپ کی محبت کے اسیر تھے، شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جب دہلی میں تشریف لاتے تو آپ ہی کے گھر قیام فرماتے، آپ کو اپنے پیر پر بہت پختہ اعتقاد تھا آپ نے عمر بھر غیاث پور کی جانب پشت نہیں کی، آپ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور آپ کی خلافت کا قصہ سیر الاولیاء میں بایں طور ہے کہ خواجہ مبشر جو خواجہ نظام الدین اولیاء کے پرانے خادم تھے انہوں نے اور سید حسین اور سید خاموش نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ شیخ برہان الدین غریب ہمارے شیخ خواجہ نظام الدین کے قدیمی اور پرانے مرید ہیں، علاوہ ازیں وہ ہم سب لوگوں میں ممتاز اور سر بلند بھی ہیں، انہیں خلافت دلانے کے لیے شیخ سے عرض کیا جائے چنانچہ یہ سب لوگ باہمی مشورے کے بعد شیخ کی خدمت میں گئے اور عرض کیا کہ برہان الدین جو آپ کے قدیمی مرید ہیں پاپوشی اور نوازش کے امیدوار ہیں اتنے میں برہان الدین بھی اس مجلس میں آگئے اس کے بعد اقبال خادم نے وہ ٹوپی اور خرقہ پیش کیا جو خواجہ نظام الدین نے اسے دیا تھا خواجہ نظام الدین نے (بطور برکت) اس پر اپنا ہاتھ پھیرا اس کے بعد وہ خرقہ اور ٹوپی ان لوگوں نے برہان الدین غریب کو پہنا دی اور کہا کہ آپ بھی خلیفہ ہیں خواجہ نظام الدین اولیاء یہ سب کچھ دیکھتے رہے مگر خاموش رہے اور ان کی خاموشی دراصل رضا مندی ہی تھی۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ برہان الدین پر ناراض ہو گئے جس کی تفصیل یہ ہے کہ شیخ برہان الدین بہت بوڑھے ہو گئے تھے اور ویسے طبعی اعتبار سے بھی بے حد کمزور اور دبلے تھے اس لیے اپنے کمبل کو تہ بتہ کر کے اسے نیچے بچھا کر اپنے گھر

میں بیٹھا کرتے تھے، علی زنبیلی اور ملک نصرت جو سلطان علاؤ الدین خلجی کے رشتہ داروں میں سے تھے اور خواجہ نظام الدین کے حلقہ میں داخل ہو کر سر منڈوا چکے تھے انہوں نے خواجہ نظام الدین کے سامنے برہان الدین غریب کی اس نشست کو یوں بیان کیا کہ وہ اب سجادہ نشینی کرنے لگا ہے اور اپنی نشست پیروں اور مشائخ کی طرح بناتا ہے، خواجہ نظام الدین اولیاء یہ سن کر کبیدہ خاطر ہوئے اور جب برہان الدین خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے کوئی بات نہ کی، جب مجلس برخاست ہوئی تو برہان الدین جماعت خانے میں گئے، تھوڑے دیر کے بعد اقبال خادم شیخ کا فرمان لایا کہ شیخ نے آپ کے لیے حکم دیا ہے کہ آپ فوراً یہاں سے چلے جائیں، چنانچہ برہان الدین غریب حیران و پریشان حالت میں گھر لوٹ آئے اور اپنے گھر مانند ماتم کناں اور تعزیت داران بیٹھ گئے چنانچہ شہر کے لوگ آپ کی اس حالت زار کو دیکھنے کے لیے آیا کرتے تھے، تھوڑے دنوں کے بعد امیر خسرو اپنا عمامہ گلے میں ڈال کر خواجہ نظام الدین کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے، شیخ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو ان کے سامنے یہ منظر تھا، آپ نے فرمایا اے ترک کیا بات ہے؟ عرض کیا کہ برہان الدین کے جرم کی معافی کا خواستگار ہوں یہ سن کر آپ مسکرائے اور فرمایا وہ کہاں ہے اسے بلا لاؤ، اس کے بعد مولانا اور امیر خسرو دونوں اپنی گردنوں میں عمامے ڈالے ہوئے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے، شیخ نے مولانا کا جرم معاف کر دیا، برہان الدین نے دوبارہ بیعت کی اور اپنے شیخ کے انتقال کے بعد مولانا برہان الدین بھی چند ہی برس زندہ رہے اور لوگوں سے بیعت لیتے رہے اور پھر دیوگیر چلے گئے اور وہیں جان جان آفریں کے سپرد کی، آپ کی قبر بھی وہیں ہے اور شہر برہان پور آپ ہی کے نام سے مشہور و آباد ہے وہاں کے ملوک آپ کے بہت عقیدت مند تھے اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

مولانا علی شاہ جاندار رحمۃ اللہ علیہ

۶۵۶ھ.............۷۱۱ھ

آپ بھی خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، آپ نے اپنی کتاب ''خلاصۃ اللطائف'' میں لکھا ہے:

رأیت شیخی ومخدومی شیخ نظام الدین قدس سره العزیز فی المراقبة فاذا اردت ان ادخل فی بعض الاقات فی مجلسه مرة رأیته جالسا ساکتا حسن الاجتماع ولا یتحرك من ظاهره شیء وهو فاتح عینیه فما عرفنی فقال لی من انت فاذا رأیت اردت ان ارجع القهقری وهوید ورعینیه کانه سکران ثم قال ینبغی للفقیران یتصور فی قلبه خاشعاً انا جالس بین یدی الله ثم قال لی قم واجلس مع الاصحاب انا مشغول

کہ میں نے اپنے شیخ اور مخدوم شیخ نظام الدین قدس سرہٗ کو بحالت مراقبہ دیکھا تو میں نے بعض اوقات آپ کی مجلس میں داخل ہونے کا ارادہ کیا، ایک دفعہ میں نے آپ کی مجلس میں جاکر دیکھا کہ شیخ خاموش بیٹھے ہیں اور مجلس بہترین جمی ہوئی ہے اور شیخ ظاہراً بالکل غیر متحرک تھے مگر آپ کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں چنانچہ آپ نے مجھے پہچانا نہیں اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ یہ کیفیت دیکھ کر میرا ارادہ ہوا کہ الٹے پاؤں لوٹ جاؤں اور شیخ ادھر ادھر دیکھ رہے ہیں گویا کہ سکر کی حالت میں ہیں، پھر فرمایا کہ فقیر کے لیے مناسب یہ ہے کہ اپنے دل میں نہایت خشوع کے ساتھ اس بات کا تصور کرے کہ میں اللہ کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں پھر مجھے فرمایا کہ یہاں سے چلا جا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ جاکر بیٹھ جا مجھے فرصت نہیں۔

شیخ علاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ

۶۵۹ھ......................۷۱۰ھ

آپ شیخ بدر الدین سلیمان کے فرزند اور شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے براہ راست سجادہ نشین تھے، آپ سولہ سال کی عمر میں سجادہ نشین ہوئے اور چون سال تک سجادہ نشینی کے تمام فرائض بطریق احسن واتم ادا کرتے رہے، آپ اپنی زندگی ہی میں عظمت و بلندی، کرامت و بزرگی میں مشہور ہوگئے تھے پھر جامع مسجد کے علاوہ اور کہیں نہیں جایا کرتے تھے، حکام اور دنیا دار لوگوں سے بالکل بے پرواہ رہتے تھے، عمر بھر روزہ دار رہے، رات کا ایک پہر گزرنے کے بعد کچھ تھوڑا سا کھا پی لیا کرتے تھے، آپ کی غذا بہت قلیل تھی،

فیاضی اور سخاوت میں اپنی مثال اور طہارت و لطافت میں بے عدیل تھے، امیر خسرو نے آپ کی مدح میں یہ قصیدہ لکھا ہے۔

قصیدہ

علائے دنیاء ودیں شیخ شیخ زادہ عصر   کہ شد بمرتبہ قائم مقام شیخ فرید

ترجمہ: (اے دین اور دنیا کے علا، شیخ اور زمانہ کے شیخ زادہ، جو مرتبہ میں نائب ہیں شیخ آپ شیخ فرید کے)

زتاب نور تجلی چوکر درویش عرق!   ہزار چشمہ خورشید از جبیں بچکید

ترجمہ: (جب اس کے چہرے سے نور تجلی کی تاب سے پسینہ گرتا ہے تو ہزار ہا سورج کو اس کی پیشانی شرمندہ کرتی ہے)

مگر کہ دید ثریا بلندی قدرش   کہ تا قیامت خواہد بر آسماں خندید

ترجمہ: (اور اگر اس کی بلندی مرتبت کو ثریا دیکھ لے تو قیامت تک آسمان پر خوش رہے)

فہی بردشنی از بدر زادہ خورشیدے   زبدر زادن خورشید تا جاء کہ دید!

ترجمہ: (اس بدرزادہ سے خورشید روشنی طلب کرے، اگر اس بدر کو خورشید دیکھ اس سے تابداری پیدا کرے)

چو ساکنان سپہر از حوادث ایمن گشت   کسے کہ در پنہ ذیل عصمت تو خزید

ترجمہ: (اس دنیا کے رہنے والے زمانہ کی گردش سے بے خوف ہو جائیں مثل اس آدمی کی جو تیرے عصمت کے دامن میں پناہ لے کر بیٹھ جائے)

زبہر سبحہ تو چرخ مہرہ زانجم کرد   زمشتری رگِ جانش برائے رشتہ کشید

....

زہے نخفتم سب در سواد مدحتِ تو   چو پیر در شب قدر و چو طفل در شب عید

ترجمہ: (تیری مدح کے لیے رات کو لوگوں کے ساتھ میرا بیدار ہونا اس طرح ہے جس طرح بڑے مرد شب قدر میں اور بچے شب عید میں اٹھتے ہیں)

حیات بخش جہانے دم مسیحی تست   چہ حد گفتن خسرو کہ عمر تو بمزید

ترجمہ: (تیری مسیحائی نے جہان کو نئی زندگی بخشی ہے، تیری تعریف کے لیے خسرو کی یہ عمر کم اور ناکافی ہے)

آپ کا مزار شیخ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب ہے جس پر آپ کے مرید اور عقیدتمند سلطان محمد تغلق بادشاہ نے عالیشان گنبد بنوایا، اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

خواجہ محمد رحمۃ اللہ علیہ

۶۳۲ھ............۶۸۰ھ

آپ مولانا بدرالدین اسحاق کے بیٹے اور شیخ فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ کے نواسوں میں سے جامع العلوم اور ماہر فی الفنون تھے اور علم حکمت میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے اور علم موسیقی بھی جانتے تھے اور کمال ذوق وشوق سے اطاعت وعبادت کرتے تھے اور شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے امام تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کو جمع کر کے ان کا ''انوار المجالس'' نام رکھا، ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ابوبکر طوسی کی خانقاہ جو دریا کے کنارے پر تھی وہاں ایک مجلس منعقد ہوئی اس مجلس میں شیخ نظام الدین بھی موجود تھے، غزلخواں بے حد کوشش کر رہے تھے مگر کسی پر حال ووجد طاری نہ ہوا تو خواجہ نظام الدین نے فرمایا کہ مجلس ختم کر دی جائے اور بزرگوں کے قصے اور حالات بیان کئے جائیں، چنانچہ جب بزرگوں کے حالات شروع ہوئے تو اسی اثناء میں لوگوں پر وجد طاری ہو گیا اور شیخ علی زنبیلی شیخ نظام الدین پانی پتی کی طرف جو شیخ بدرالدین غزنوی کے خلیفہ تھے متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہماری خواہش ہے کہ آپ سماع میں حصہ لیں اور ہمیں غزل وغیرہ سنائیں اتنے میں خواجہ نظام الدین اولیاء نے خواجہ محمد امام کو اٹھنے کا اشارہ کیا چنانچہ یہ دونوں بزرگ اپنی جگہ سے اٹھ کر غزلخواں کی جگہ پر جا بیٹھے اور ایک نعت اور غزل پڑھنی شروع کر دی، جب اس بیت پر پہنچے ۔

ہر بیجبر دی کہ بینی امشب   ازمن ہمہ درگذار تا روز

(اس رات تم جو کچھ نامعقول باتیں مجھ سے سرزد ہوتی ہوئی دیکھو ان سے دن ہونے تک درگزر کرو) شیخ نظام الدین پانی پتی زاروقطار رو رہے تھے اور دوسرے لوگوں پر بھی ایک

عجیب قسم کا اثر تھا اور ان میں ایک ذوق ہویدا تھا، اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

خواجہ عزیز الدین صوفی رحمۃ اللہ علیہ

۶۲۷ھ.......................۶۹۱ھ

آپ کی والدہ شیخ فرید الدین کی دختر اور صاحبزادی تھیں (تو گویا کہ آپ شیخ فرید الدین کے نواسے تھے) آپ نے بھی شیخ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات کو جمع کر کے ان کا نام ''تحفۃ الابرار'' اور کرامت الاخبار رکھا، آپ قاضی محی الدین کاشانی کے تلمیذ و شاگرد اور فن کتابت میں بے مثل کاتب تھے۔ منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ شیخ نظام الدین اولیاء کے پاس گیا وہ اس وقت قبلہ رو دوزانو اس طرح بیٹھے تھے کہ ان کی آنکھیں اور چہرہ آسمان کی طرف تھا اور جمال پروردگار میں محو رمستغرق تھے میں خوف زدہ ہو گیا کہ میں ایسے نازک ترین وقت میں آیا ہوں کہ نہ رک سکتا ہوں اور نہ ہی واپس لوٹ سکتا ہوں، غرضیکہ میں اسی عالم میں پورا ایک گھنٹہ کھڑا رہا اور اس پورے وقفہ میں شیخ کا کوئی خادم وغیرہ بھی نہ آیا اس کے بعد شیخ نے اس طرح جھرجھری لی جس طرح چڑیا پھڑ پھڑاتی ہے اور اپنی اصلی حالت پر آنے کے بعد آپ نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ پھیرے اور مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا عزیز ہوں، اس کے بعد آپ نے مجھ پر شفقت فرمائی اور اپنی رحمت سے نوازا، اللہ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے۔

خواجہ تقی الدین نوح رحمۃ اللہ علیہ

۶۶۶ھ.......................۶۹۹ھ

آپ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی بھانجی کے بیٹے تھے، اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز آپ کو اپنی علالت کے زمانے میں بلا کر خلافت دی اور نصیحت فرمائی کہ تمہیں جو کچھ ملے اس پر صابر و شاکر رہنا، اور اگر کچھ نہ ملے تو پریشان نہ ہونا کیونکہ اللہ تعالیٰ (عنایت فرمانے والے ہیں وہ کچھ نہ کچھ ضرور) دے دیں گے، کسی کی بدخواہی نہ کرنا، جور د ظلم کا بدلہ بخشش و کرم سے دینا، جاگیریں اور وظائف قبول نہ کرنا کیونکہ درویش وظیفہ خوار نہیں ہوتے، اگر تم ان تمام باتوں پر مضبوطی سے عمل کرو گے تو ملوک تمہارے دروازے پر آیا

کریں گے، آپ ابھی نوجوان ہی تھے کہ خواجہ نظام کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے اور رحمت خداوندی کے آغوش میں پنہاں ہو گئے۔

سید محمد بن سید محمود کرمانی رحمۃ اللہ علیہ

۶۲۹ھ.....................۷۱۱ھ

آپ بغرض تجارت کرمان سے لاہور تشریف لاتے اور واپسی پر پاکپتن میں شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کرتے ہوئے ملتان جایا کرتے جہاں آپ کے چچا سید احمد کرمانی رہا کرتے تھے اسی آمدورفت سے آپ کو شیخ فرید الدین سے محبت ہوگئی، چنانچہ کرمان میں جتنا کاروبار تھا وہ سب ترک کر کے مستقلاً اپنے چچا سید احمد کرمانی کے پاس ملتان آ گئے اور پھر وہاں سے شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے کی غرض سے پاکپتن روانہ ہونے لگے تو آپ کے چچا نے فرمایا کہ شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا بھی بڑے بزرگ ہیں سید محمد نے کہا، چچا جان! سب سے محبت نہیں ہو سکتی، غرضیکہ پاکپتن آ کر شیخ فرید الدین سے بیعت ہوئے اور ریاضت و مجاہدہ میں اچھی طرح لگ گئے اور شیخ فرید الدین کے انتقال کے بعد خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے اور خواجہ صاحب کے بڑے دوستوں میں شمار کئے جانے لگے۔ جمعہ کی رات ۷۱۱ ہجری میں وفات پائی اور چبوترہ یاراں دہلی میں دفن کئے گئے، اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

سید محمد رحمۃ اللہ علیہ

۷۱۹ھ.....................۷۷۱ھ

آپ سید محمد بن سید مبارک بن سید محمود کرمانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ نے سیر اولیاء ایک کتاب لکھی ہے جس میں مشائخ چشت کے حالات لکھے گئے ہیں، آپ زمانہ طفولیت ہی میں خواجہ نظام الدین اولیاء سے بیعت ہوئے اور شیخ کی بعض مجالس میں شرکت کی سعادت بھی حاصل کی، شیخ کی وفات کے بعد شیخ کے بعض خلفاء سے مستفیض ہوئے خصوصاً شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ اکثر اپنے شیخ خواجہ نظام الدین اولیاء کو خواب

میں دیکھا کرتے تھے، آپ نے کئی مرتبہ تجدید بیعت کی ہے، آپ کے والد، چچا اور دادا یہ سب لوگ خواجہ نظام الدین اولیاء کے رشتہ دار تھے، آپ نے اپنی کتاب سیر الاولیاء میں جو کچھ لکھا ہے وہ اپنے آباء و اجداد ہی کے ذریعہ اور واسطہ سے لکھا ہے، اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

مولانا شمس الدین یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۶۷ھ ۱۳۲۶ھ

آپ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز خلیفہ تھے اور اپنے ہمعصر لوگوں میں شیخ کے معزز و مکرم اور صاحب صدر شمار ہوتے تھے، آپ دہلی کے مشہور عالم تھے، سکان دہلی اکثر آپ کے تلمیذ اور شاگرد تھے اور آپ کی شاگردی پر فخر کیا کرتے تھے، کہتے ہیں آپ نے مشارق کی شرح بھی لکھی ہے جس میں لکھا ہے کہ مَا تثاوَبَ نَبِیٌّ قط (کہ نبی علیہ السلام نے کبھی جمائی نہیں لی) آپ اودھ سے حصول علم کی غرض سے دہلی آئے ہوئے تھے انہی دنوں خواجہ نظام الدین اولیاء کی کرامات کا چرچا سنا تو ایک روز مولانا صدر الدین ناوی کے ہمراہ شیخ کی خدمت میں آئے، شیخ نے پوچھا کہ کیا تم یہیں شہر میں رہتے ہو اور کیا پڑھتے ہو؟ شمس الدین یحییٰ نے عرض کیا کہ مولانا ظہیر الدین بھکری سے اصول بزودی پڑھتا ہوں، شیخ نے مشکل مشکل مقامات پوچھے تو شمس الدین یحییٰ نے جواب دیا کہ ہمارا یہیں تک سبق ہوا ہے اور یہ مسئلہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا، تب شیخ نے ان مشکل مقامات کی تشریح فرمائی جس سے شمس الدین کے قلب و جگر میں شیخ کی عقیدت و محبت جاگزیں ہوگئی اور اس کے ایک عرصہ بعد شیخ نظام الدین اولیاء سے بیعت ہوگئے اور مرتبہ کمال حاصل کیا اور لوگوں کے رسم و رواج، عادات و تکلفات سے دور رہتے تھے، نیز شادی بھی نہیں کی، خلافت ملنے کے بعد شاذ و نادر ہی کسی کو مرید کیا اکثر و بیشتر مرید کرنے سے احتراز کیا کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس کاغذ پر میرے شیخ کی تحریر نہ ہوتی تو میں یہ پرزہ ہرگز اپنے پاس نہ رکھتا، کہتے ہیں کہ چراغ دہلوی نے آپ کی تعریف میں یہ شعر کہا تھا

سالت العلم من احیاك حقا   فقال العلم شمس الدین یحییٰ

(میں نے علم سے دریافت کیا کہ تجھے کس نے زندہ کیا تو علم نے کہا کہ شمس الدین یحییٰ

نے)

منقول ہے کہ جس زمانے میں عام لوگوں اور خصوصاً مشائخ کے متعلق سلطان محمد تغلق بادشاہ کے جور وظلم کی تلوار نیام سے نکل چکی تھی اس وقت اس نے مولانا شمس الدین یحییٰ کو بلا کر کہا کہ آپ جیسے عقلمند یہاں کیا کرتے ہیں، آپ کو حکم دیا جاتا ہے کہ آپ کشمیر چلے جائیں اور وہاں مندروں میں جا جا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں، سلطان کے ہاں سے واپس آنے کے بعد آپ نے کشمیر جانے کا سامان سفر تیار کرنا شروع کیا اور پھر فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ خواجہ نظام الدین اولیاء مجھے اپنے پاس بلا رہے ہیں، آپ لوگوں کی اس بارے میں کیا رائے ہیں میں تو شیخ کی خدمت میں جا رہا ہوں، دیکھئے وہ مجھے کہاں بھیجتے ہیں چنانچہ دوسرے ہی روز آپ کے سینے میں ایک دنبل پیدا ہوا جس کی وجہ سے آپ سخت بیمار ہوگئے آپ کی بیماری کی اطلاع جب بادشاہ کو ملی تو اس نے آپ کو اپنے دربار میں بلوایا کہ شاید مولانا نے بہانہ کیا ہے پھر اسی اثناء میں آپ دنیا سے رحلت فرما گئے، آپ کا مزار بھی دہلی میں چبوترہ یاران میں ہے اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

قاضی محی الدین کاشانی قدس سرہٗ

۶۵۸ھ ۷۱۹ھ

آپ شیخ نظام الدین کے مریدوں میں سے کامل علم، زہد و تقویٰ کی صفتوں کے ساتھ مشہور تھے، علم و کرامت کا منبع اور تمام شہر کے استاد تھے، شیخ سے بیعت ہونے کے فوراً ہی بعد تمامتر دنیاوی علائق سے کنارہ کش اور دستبردار ہوگئے تھے، جاگیر و انعامات وغیرہ جو سرمایہ عزت تھے وہ سب فرامین شیخ کے سامنے لاکر چاک کر دیئے اور فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا آپ کو اپنے شیخ کے اکثر ملفوظات ازبر اور یاد تھے شیخ نے جب آپ کو خلافت دی تو ایک کاغذ پر یہ عبارت لکھی۔

می باید کہ تارک دنیا باشی بسوئے دنیا وارباب دنیا مائل نشوی ودہ قبول نکنی وصلہ بادشاہان نگیری واگر مسافراں برتو برسند ویرتو چیزے نباشد ایں حال رانعمت شمری ازنعمتہائے الٰہی فان فعلت ما امرتك وظنی بك ان تفعل كل الك فانت خليفتی و ان لم تفعل فالله خليفتی

ترجمہ: تمہیں تارک دنیا رہنا چاہئے، دنیا اور دنیا والوں کی طرف مائل نہ ہونا، جاگیر وغیرہ قبول نہ کرنا، بادشاہوں سے انعام و ہدیہ نہ لینا، اگر تمہارے پاس ایسے وقت میں مسافر آجائیں کہ تم تہید ست ہوتو اس کو منجملہ اللہ کی نعمتوں کے ایک نعمت جاننا، اگر تم نے اس طرح کیا جیسا میں تمہیں امر کر رہا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تم ایسا ہی کرو گے تو تم میرے خلیفہ ہو ورنہ میرا خلیفہ اللہ ہے یعنی معاملہ اسی کے سپرد ہے۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ قاضی محی الدین کاشانی نے خواجہ نظام الدین اولیاء سے دریافت کیا کہ مراقبہ خدا کی ذات کا، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور شیخ کا علیحدہ علیحدہ ہونا چاہئے، یا اجتماعاً، شیخ نے فرمایا دونوں طرح صحیح ہے، جب اجتماعاً مراقبہ کرے تو اس بات کا یقین کرے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں اور نبی علیہ السلام دائیں جانب رونق افروز اور جلوہ نما ہیں اور شیخ بائیں جانب موجود ہے۔ منقول ہے کہ قاضی محی الدین کاشانی پر فقر و فاقہ ایک مہیب شکل اختیار کر گیا تو آپ کے اکثر وہ مرید اور متعلقین جو ناز ونعم کے پروردہ تھے اس کو برداشت نہ کرسکے چنانچہ آپ کے ایک آشنا اور جاننے والے نے سلطان علاؤالدین خلجی کو اس کی اطلاع دی تو سلطان نے اودھ کی قضا جوان کی موروثی تھی آپ کے نام لکھ دی، اس کی اطلاع جب قاضی محی الدین کو ہوئی تو اس واقعہ کی اپنے شیخ کو اطلاع دی اور کہا کہ یہ فرمان شاہی میری مرضی کے بغیر جاری ہوا ہے، اب شیخ کا جوارشاد ہوگا اس پر عمل کیا جائے گا، شیخ نے فرمایا کہ یہ ضروری ہے کہ تمہارے دل میں اس قسم کی کوئی بات آئی ہوگی تب ہی تو یہ واقعہ پیش آیا، شیخ کے اس جواب سے قاضی محی الدین بہت پریشان اور پراگندہ رہنے لگے کہ شیخ مجھ پر ناراض ہوگئے، چنانچہ شیخ نے ان سے خلافت نامہ بھی واپس لے کر ایک کونہ میں ڈال دیا اور قاضی صاحب سے شیخ نظام الدین مسلسل ایک سال تک ناراض

رہے، ایک برس کے بعد جب قاضی صاحب اپنے پرانے نہج اور طرز وطریق پر آگئے (تو شیخ بھی راضی ہوگئے) اور پھر بیعت کی تجدید کی گئی، شیخ کی زندگی ہی میں آپ کا انتقال ہوگیا تھا اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمت نازل کرے۔

مولانا وجیہ الدین یوسف قدس سرہٗ

۶۵۹ھ..............۷۲۹ھ

آپ شیخ نظام الدین اولیاء کے خلیفہ تھے، شیخ آپ پر بے حد شفیق وکریم تھے اور آپ شیخ کے پرانے ارادت مندوں اور خلفاء میں سے تھے، شیخ جب اپنے مریدوں کو خلافت دیتے تو اس وقت ان کی خلافت کی بھی تجدید کرتے تھے، آپ صاحب کرامات بزرگ تھے، نیز یہ بھی مشہور ہے کہ جب آپ اپنے گھر سے شیخ کے پاس جایا کرتے تو آپ کے دل میں یہ خیال آیا کرتا کہ شیخ کی خدمت میں پیدل جانا درست نہیں ہے تو اسی وقت اللہ تعالیٰ آپ کو اڑنے کی طاقت عطا فرما دیتے (اور آپ اڑ کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے) کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ شیخ کے پاس سر کے بل حاضر ہوتے، شیخ ہی کے ارشاد سے چندیری کے مقام میں رہا کرتے تھے، چندیری کے اکثر وبیشتر لوگ آپ کے مرید اور عقیدت مند تھے آپ کا مزار بھی چندیری میں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

مولانا وجیہ الدین پائلی رحمۃ اللہ علیہ

۶۳۸ھ..............۷۲۹ھ

آپ بڑے دانشمند اور اپنے وقت کے مسلم استاد تھے، زہد وتقویٰ میں ممتاز تھے آخر میں شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید ہوئے اور شیخ سے کمال درجہ کا اعتقاد رکھتے تھے۔

منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں پانی پت جا رہا تھا تو سفر کے دوران میں میں نے صوفی کو دیکھا، میرے دل میں اس صوفی کے متعلق کچھ انکار اور سوء اعتقادی پیدا ہوئی (اس کو بذریعہ کشف یہ معلوم ہوگیا تو مجھے) کہا، مولانا آپ کو کچھ مشکلات درپیش ہیں! اور واقعہ بھی یہی تھا کہ مجھے کچھ عملی مشکلات کا حل مطلوب تھا، چنانچہ میں نے اس صوفی کو ایک ایک کر کے تمام اشکال بتائے، اس نے ہر ایک اشکال کا مدلل اور تسلی بخش جواب دیا اس

گفتگو کے بعد اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم کس کے مرید ہو؟ میں نے کہا سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا، اس نے کہا کہ شیخ نظام الدین اولیاء ہمارے قطب ہیں۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ شیخ نظام الدین نے مولانا وجیہ الدین پائلی سے فرمایا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان خدا کے حضور بھی یہی اقرار باقی رہے گا، مولانا کی قبر دہلی کے حوض شمسی کے اس حصہ میں ہے جہاں آپ کے شاگرد صدر جہاں قاضی کمال الدین اور قتلغ خان موجود ہیں اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

۶۲۵ھ ۷۲۵ھ

آپ سلطان الشعراء برہان الفضلا وادی خطابت وسخن کے عالم فرید و وحید نوع انسانی کے دونوں جہان میں منتخب اور بے پایاں تھے، مضمون نگاری اور معنی پہنانے کے لیے شعر گوئی اور تمام اقسام سخن میں آپ کو وہ کمال حاصل تھا جو متقدمین اور متاخرین شعراء میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں ہوا، انہوں نے اپنے اشعار کو اپنے پیر کے فرمان وارشاد کے مطابق اصفہانی طرز اور نہج پر کہا ہے اس کے باوجود کہ آپ صاحب علم وفضل تھے لیکن آپ تصوف کے اوصاف اور درویشوں کے احوال سے متصف تھے، اگرچہ آپ کے تعلقات ملوک سے تھے اور امراء اور ملوک سے خوش طبعی اور بطور ظرافت میل جول تھا لیکن طبعی طور پر ان تمام کی طرف میلان نہ تھا اس کی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ آپ کے اشعار اور کلام میں جو برکات ہیں وہ تمامتر مشائخ ہی کا فیض معلوم ہوتا ہے کیونکہ فساق وفجار کے قلوب برکات سے محروم ہوتے ہیں اور ان کے کلام کو قبولیت اور تاثیر قلبی میسر نہیں ہوتی۔

منقول ہے کہ امیر خسرو ہر شب کو تہجد میں قرآن کریم کے سات پارے ختم کیا کرتے تھے، ایک روز شیخ نظام الدین اولیاء نے آپ سے دریافت کیا اے ترک! تمہارے مشغولیات کا کیا حال ہے عرض کیا، سیدی! رات کے آخری حصہ میں اکثر وبیشتر آہ وبکا، اور گریہ وزاری کا غلبہ رہتا ہے (شیخ نے) فرمایا الحمد اللہ کچھ اثرات ظاہر ہو رہے ہیں، مصنف

سیرالاولیاء جناب سید محمد صاحب فرماتے ہیں کہ جب امیر خسرو پیدا ہوئے تو اس زمانے میں امیر لاچین کے پڑوسی ایک (نامعلوم) مجذوب رہا کرتے تھے، آپ نومولود کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر ان مجذوب کے پاس لایا گیا، انہوں نے کہا کہ تم اس کو لائے ہو جو خاقانی سے بھی دو قدم آگے بڑھ جائے گا، ممکن ہے اس مجذوب کی مراد دو قدم آگے بڑھ جانے سے مثنوی اور غزل ہو کیونکہ بعض بزرگوں کی آپ کے بارے میں یہ رائے ہے کہ آپ شعر گوئی میں خاقانی کے ہم پلہ ہیں مگر اس سے آگے نہیں بڑھے، آپ شیخ نظام الدین اولیاء کے قدیم اور پرانے دوستوں اور مریدوں میں سے تھے، آپ کو شیخ نظام الدین اولیاء سے بے انتہا عقیدت اور محبت تھی اور شیخ بھی آپ پر نہایت درجہ شفیق اور عنایت کنندہ تھے شیخ کی خدمت اور حضور میں اور کسی کو اتنی راز داری اور قربت حاصل نہ تھی جتنی امیر خسرو کو تھی، آپ کا یہ معمول تھا کہ نماز عشاء کے بعد ہمیشہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ہر قسم کی گفتگو اور اپنے احباب کی درخواستوں کو پیش کرتے، شیخ نے امیر خسرو کو اپنے ہاتھ سے جو خطوط ارسال فرمائے ان میں سے ایک یہ تھا۔

"جسم کی حفاظت کے بعد ان تمام امور سے گریز کیا جائے جو شرعاً ناجائز ہیں، اور اپنے اوقات کی نگرانی کرنی چاہئے اور اس عمر عزیز کو غنیمت سمجھا جائے جس کے تمام مراد حاصل کی جاتی ہیں، زندگی بیکار اور فضول کاموں میں ضائع نہ کی جائے، اگر دل میں انشراح کی قوت پیدا ہو تو قلبی انشراح کی پیروی کرنی چاہئے کیونکہ سلوک اور طریقت کے راستہ میں اسی کا اعتبار ہے اور طلب خیر کو تمام امور پر مقدم رکھا جائے۔"

علاوہ ازیں صاحب سیر الاولیاء فرماتے ہیں کہ امیر خسرو پر شیخ کی جتنی نوازشات اور عنایات ہوئیں وہ امیر خسرو نے خود تحریر کی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے (خود امیر خسرو یوں لکھتے ہیں) کہ ایک دفعہ شیخ نظام الدین اولیاء نے بندہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میں تمام دنیا سے تنگ آ جاتا ہوں مگر تم سے تنگ نہیں ہوتا، ایک دفعہ ایک شخص نے بڑی جرأت کے ساتھ شیخ سے عرض کیا کہ آپ جن نظروں سے امیر خسرو کو دیکھتے ہیں، انہیں نظروں سے ایک بار مجھے بھی دیکھ لیں تو شیخ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا لیکن اس کے بعد شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ میرے دل میں آیا تھا کہ اسی وقت اس شخص کو کہہ دوں کہ پہلے اتنی قابلیت تو پیدا کر۔

ایک دفعہ شیخ نے فرمایا کہ میرے لیے دعا کرو کیونکہ اے خسرو! تمہاری بقاء میری بقاء پر موقوف ہے اور تمہیں میرے پہلو میں دفن کیا جائے، یہ جملے لوگوں نے کئی مرتبہ شیخ کے سامنے دہرائے تو شیخ نے فرمایا، انشاء اللہ یونہی ہوگا، شیخ نے مجھ سے اللہ کو درمیان میر رکھ کر یہ وعدہ فرمایا تھا کہ جب جنت میں جائیں گے تو تجھے بھی انشاء اللہ ساتھ لے چلیں گے، ایک دفعہ میں نے اپنے شیخ کو خواب میں دیکھا، آپ نے مجھ سے فرمایا کہ ہمارے قریب آ جاؤ اور اس خواب کا منظر یوں تھا کہ شیخ نجیب الدین متوکل کے گھر کے سامنے بہت سا پانی بہہ رہا تھا اور میں ایک مرتفع اور بلند مقام پر بیٹھا ہوا تھا اور شیخ نظام الدین نہایت مسرور اور خوش نظر آ رہے تھے، آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے امیر خسرو! میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ اس اچھے وقت میں آپ کے بارے میں خدا سے اس کی دعا مانگ لوں جس کو میں چاہتا ہوں (یعنی آپ کی موت کی دعا مانگ لوں) چنانچہ میں نے خدا سے اس کا مطالبہ کیا ہے اور امید ہے کہ میری دعا قبول ہوگئی ہے جس کا تم عنقریب مشاہدہ کرلو گے۔

ایک دن میں نے خود شیخ کی زبانی سنا، آپ نے فرمایا کہ آج رات مجھے ایک آواز سنائی دی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خسرو کو مداح (تعریف کرنے والا) کے لقب سے یاد فرما رہے ہیں، غیب سے ہمارے پاس یہ خطاب آیا ہے جو نبی علیہ السلام کا عطا کردہ ہے اور انشاء اللہ ان نام و خطاب کی بدولت یہ خادم بہت سے دیگر انعامات کا امیدوار ہے، بندہ کو خواجہ ترک اللہ کے لفظ اور خطاب سے یاد فرمایا کرتے تھے، خادم کو شیخ نے کئی خطوط اپنے دست مبارک سے بایں خطاب مزین و آراستہ کر کے روانہ فرمائے تھے جن کو بندہ نے تعویذ بنا کے رکھ لیا ہے تاکہ قبر میں وہ میرے پاس رہیں، انشاء اللہ الکریم کل قیامت کے دن خدا تعالیٰ انہی خطوط کی برکت سے میری بخشش فرما دیں گے۔

ایک مرتبہ نظام الدین اولیاء نے مجھے اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ ہم نے ایک خواب دیکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ جمعرات کو ہم نے خواب میں دیکھا کہ شیخ صدر الدین ابن شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ ہمارے پاس تشریف لائے، میں نے ان کی تعظیم و تکریم کی، اور وہ بھی اتنی تواضع سے پیش آئے جو بیان نہیں کی جاسکتی، اسی دوران میں دیکھا کہ اے خسرو! تم بھی دور سے آتے ہوئے نظر آئے، جب تم ہمارے پاس آ گئے تو آتے

ہی تم نے معرفت الٰہی کا بیان شروع کر دیا، اسی دوران میں مؤذن نے نماز فجر کی اذان دینی شروع کی، جس کی وجہ سے میری آنکھ کھل گئی (اور خواب کا سلسلہ منقطع ہو گیا) پھر شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ دیکھو یہ کتنا بڑا مرتبہ ہے، میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ تمام آپ ہی کا فیض ہے، یہ سن کر شیخ بلند آواز سے رونے لگے اور میں بھی آپ کی گریہ زاری کی وجہ سے آبدیدہ ہو گیا، اس کے بعد شیخ نے اپنا کلاہِ خاص منگوا کر اپنے دست مبارک سے مجھے پہنایا اور فرمایا مشائخ کے اقوال کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا، شیخ نظام الدین نے امیر خسرو کے متعلق یہ دو ۲ شعر کہے ہیں۔

رباعی

خسرو کہ بنظم و نثر مثلش کم خواست　　　ملکیت و ملکِ سخن آں خسرو راست
ایں خسرو ماست ناصر خسرو نیست　　　زیرا کہ خدائے ناصرِ خسرو ماست

ترجمہ: (نظم و نثر میں امیر خسرو کا اور کوئی ہم پلہ نہیں، سخن سنجی کی بادشاہت اسی کے شایان شان ہے، ہمارا یہ خسرو، خسرو ناصر نہیں اس لیے کہ ہمارا خسرو ناصر خسرو سے بدرجہا فائق و بلند ہے) جس وقت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا اس وقت خسرو آپ کے پاس اس وجہ سے موجود نہ تھے کہ آپ سلطان محمد تغلق کے ساتھ لکھنوتی گئے ہوئے تھے، سفر سے لوٹنے کے بعد گریہ وزاری اور تعزیت میں مشغول ہو گئے، اور آپ کی دیوانوں کی سی حالت ہو گئی تھی، روتے اور ساتھ ساتھ یہ کہتے کہ میں اپنے لیے روتا ہوں اس لیے کہ شیخ کے بعد اب میں زندہ نہ رہوں گا اور اس کے بعد چھ ماہ تک آپ زندہ رہے۔

منقول ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ ہجری کو انتقال فرمایا اور امیر خسرو نے ۱۸ شوال ۷۲۵ ہجری کو وفات پائی، اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

امیر حسن بن علاء سنجری دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

۶۶۰ھ............۷۳۶ھ

آپ کو اپنے زمانے کے باکمال علماء میں خاص مقام و عزت حاصل تھی، شیخ نظام

الدین کی قربت اور نظر عنایت کی وجہ سے دوسرے تمام مریدوں سے فائق اور ممتاز تھے، حسن معاملہ اور پاکیزگی باطن اور دیگر تمام اوصاف حسنہ کی وجہ سے یکتائے زمانہ تھے، اسی طرح تصوف کے تمامتر اوصاف سے موصوف تھے اگرچہ آپ اور امیر خسرو باہم دیگر دوست تھے لیکن باوجود اس کے امیر خسرو پر آپ کو ایک قسم کی برتری حاصل تھی، آپ نے سلطان غیاث الدین بلبن کی مدح میں قصائد لکھے تھے اور امیر خسرو کے کلام میں اس بادشاہ کی تعریف کے سلسلہ میں کوئی شعر نہیں ملتا، البتہ امیر خسرو نے زیادہ تر سلطان غیاث الدین بلبن کے فرزند ارجمند خان شہید کی تعریف میں قصائد لکھے ہیں جو اپنے والد کی زندگی میں ملتان کا گورنر تھا یہ اس زمانہ کی بات ہے جب امیر خسرو اس کے ہاں ملتان میں ملازم تھے، خان شہید نے شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی سے ملتان تشریف لانے کی درخواست کی تھی لیکن شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے آنا تسلیم نہیں کیا اور فرمایا کہ اب میں بوڑھا ہوگیا ہوں (کہیں آنے جانے کی طاقت نہیں رہی) علاوہ ازیں ہندوستان کی سیر کی خواہش بھی نہیں اور میر اخسرو اور شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے جو قصے مشہور ہیں وہ تمامتر بے اصل اور بے بنیاد ہیں، میر حسن نے اپنی کتاب فوائد الفواد میں شیخ نظام الدین کے ملفوظات کو جمع کیا ہے، یہ کتاب اپنے متین الفاظ اور لطیف معانی کے اعتبار سے شیخ نظام الدین اولیاء کے مریدین اور متعلقین میں ایک قانونی حیثیت رکھتی ہے امیر خسرو فرمایا کرتے تھے کہ کاش میری تمام تالیفات میر حسن کے نام سے منسوب ہو جاتیں اور ان کے عوض میں فوائد الفواد میرے نام سے منسوب ہوتی یہ بات اس پر واضح اور بین دلیل ہے کہ امیر خسرو کو اپنے شیخ سے غایت درجہ کی محبت تھی۔

فوائد الفواد میں ہے کہ ایک دن میں شیخ نظام الدین کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اس وقت مکان کی سیڑھی پر بیٹھے تھے، میں چوکھٹ پر بیٹھ گیا، ہوا کے تیز جھونکوں سے بار بار دروازہ بند ہو جاتا، چنانچہ میں اس دروازے کو پکڑ کر کھڑا ہوگیا کچھ دیر کے بعد شیخ نے میری طرف دیکھا کہ میں دروازے کو پکڑ کر کھڑا ہوں تو فرمایا کہ اسے چھوڑ کیوں نہیں دیتے، میں نے نیازمندانہ طور پر عرض کیا کہ میں نے یہ در پکڑ رکھا ہے تو آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ تم نے یہ در پکڑ لیا ہے اور مضبوط پکڑ لیا ہے۔

نیز فوائد الفواد میں ہے کہ میں ۱۸ رجب المرجب ۷۱۱ ہجری شیخ کی خدمت میں حاضر

ہوااور گزشتہ رات میں نے ایک خواب دیکھا تھا وہ شیخ کی خدمت میں عرض کیا، خواب یہ تھا کہ فجر کی نماز کا وقت ہوگیا ہے اور میں نماز کے لیے وضو کررہا ہوں، وقت چونکہ بہت ہی تنگ ہو چکا تھا اس لیے جلدی جلدی وضو کیا اور سنتیں پڑھیں، مجھے یقین تھا کہ جماعت میں شریک ہو جاؤں گا، چنانچہ سنتوں سے فراغت کے بعد جماعت میں شریک ہونے کی غرض سے بڑی عجلت سے آگے بڑھا لیکن معلوم ہوا کہ سورج طلوع ہو چکا ہے، میں نے آفتاب کی طرف ہاتھ اٹھا کر اس خوف سے کہ نماز کا وقت نہ نکل جائے اشارہ کیا کہ شیخ کی نماز ختم ہونے تک نہ نکلنا، اتنا کہنے کے بعد میں بیدار ہوگیا، شیخ یہ خواب سننے کے بعد رونے لگے اور اس کے مناسب کئی حکایات بیان فرمائیں۔

ایک مرتبہ محفل سماع کے بارے میں گفتگو شروع ہوگئی تو میں نے عرض کیا کہ میرے تمام کام بخیریت ہیں اسی وجہ سے کسی قسم کی عبادت واطاعت اور درویشوں کے مانند کسی ورد اور وظیفہ میں مشغول نہیں ہوں، لیکن جب سماع سنتا ہوں تو راحت کاملہ اور رقت تامہ حاصل ہوتی ہے اور اس وقت آپ کی صحبت کی برکت سے میرے دل میں دنیاوی خواہشات بھی نہیں آتیں، فرمایا، کیا اس وقت تمہارا دل تمام دنیاوی خواہشات سے خالی ہے، میں نے عرض کیا جی ہاں! اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ سماع دو قسم کا ہوتا ہے۔ ۱۔ ہاجم اور ۲۔ غیر ہاجم

ہاجم اسے کہتے ہیں کہ سماع میں ابتداً ہی غلبہ اور ہجوم طاری ہو جائے مثلاً کوئی آواز یا شعر سننا جس سے سامع کے اندر ایک جنبش پیدا ہوتی ہے اس حال کو ہاجم کہتے ہیں جس کی شرح نہیں کی جاسکتی، اور غیر ہاجم وہ سماع ہے جو سننے والے کو اللہ تعالیٰ یا اپنے شیخ کے حضور یا وہاں جہاں اس کا ارادہ ہو پہنچادے۔

اتوار ۲۰ ربیع الثانی ۷۱۶ ہجری کو پھر میں بغرض زیارت حاضر ہوا تو اس وقت کمزور اعتقاد قسم کے لوگوں کے متعلق گفتگو ہورہی تھی اور خصوصاً ان لوگوں کے بارے میں جو زیارت کعبہ کو جائے اور وہاں سے واپس آنے کے بعد دنیاوی کاروبار میں مشغول ہو جائے میں نے عرض کیا کہ ان لوگوں پر بہت تعجب ہے جو اپنے شیخ سے تعلق قائم کرنے کے بعد دوسروں کے ہاں چلے جاتے ہیں اس وقت میرا ایک دوست (بنام) ملیح بھی وہاں موجود تھا

میں نے اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ میرے اس دوست نے ایک مرتبہ مجھے ایک بات کہی تھی جو مجھے اب تک یاد ہے وہ یہ کہ حج کو وہ جائے جس کا پیر نہ ہو، شیخ نظام الدین اولیاء یہ سن کر رونے لگے اور یہ مصرع پڑھا۔

ایں رہ بسوئے کعبہ رود آں بسوئے دوست

ترجمہ: (یہ راستہ کعبہ کی جانب جاتا ہے اور وہ دوست کی طرف)

ایک مرتبہ تلاوت قرآن پاک کا تذکرہ ہو رہا تھا اسی اثناء میں میں نے عرض کیا کہ جب میں قرآن پڑھتا ہوں تو اکثر اوقات جو چیزیں واضح ہوتی ہیں دل پر اثر کر جاتی ہیں اور اگر تلاوت قرآن کے درمیان میں میرا دل کسی فکر یا خوف میں مشغول ہو تو میں اپنے دل ہی میں کہتا ہوں کہ یہ خوف و خطرہ کیسا ہے؟ اور پھر دل کو تلاوت میں مشغول کر لیتا ہوں، اسی لمحہ میری نظر اگلی آیت پر پڑتی ہے جو باطل اور غلط وہم اور اندیشہ کو دور کرتی ہے یا کسی ایسی آیت پر نظر جا پہنچتی ہے جس سے بیشتر اشکال حال ہو جاتے ہیں اور دل کے وساوس دور ہو جاتے ہیں، یہ تمام باتیں سن کر شیخ نے فرمایا کہ یہ سب اچھی علامتیں ہیں اور ان اوصاف کو محفوظ رکھنا، سیر الاولیاء میں ہے کہ ایک روز امیر حسن نے شیخ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں عرض کیا کہ رویت باری تعالیٰ کا مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا ہے تو اس کے حاصل ہو جانے کے بعد کیا مومن کسی اور چیز کی طرف دیکھے گا؟ آپ نے فرمایا یہ سخت کوتاہ نظری ہوگی کہ خدا کو دیکھنے کے بعد نظر کسی اور کی طرف جائے، امیر حسن دہلی میں پیدا ہوئے اور تمام عمر مجرد اور غیر شادی شدہ رہے آخری عمر میں دیوگیر چلے گئے اور وہیں ۷۳۶ ہجری میں انتقال فرمایا، آپ کی قبر بھی وہیں ہے، اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

خواجہ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ

۶۵۰ھ.........۷۲۲ھ

آپ امیر خسرو کے بھانجہ اور اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم تھے، خواجہ نظام الدین اولیاء سے غایت درجہ کی محبت رکھتے تھے، کہتے ہیں کہ نماز کی نیت کرتے وقت جب تک شیخ کو نہ دیکھ لیتے تکبیر تحریمہ نہ کہتے، صف سے سر کو آگے بڑھا کر پہلے شیخ کا دیدار کرتے اور اس کے بعد اللہ اکبر کہتے، شیخ مرض موت میں ان کی عیادت کے لیے جا رہے تھے کہ راستہ میں خبر

ملی کہ ان کا انتقال ہوگیا تو فرمایا الحمد للہ دوست کے پاس دوست پہنچ گیا، امیر خسرو کے مزار کے پاس آپ کی قبر ہے جسے لوگ میر کے بھانجے کے قبر کہتے ہیں، ممکن ہے یہی قبر خواجہ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ہو۔ واللہ اعلم۔

خواجہ ضیاء الدین برنی رحمۃ اللہ علیہ

۶۵۰ھ............................۷۲۲ھ

آپ تاریخ فیروز شاہی کے مصنف اور خواجہ نظام الدین اولیاء کے مرید اور خواجہ صاحب کی کرم فرمائیوں کی وجہ سے ممتاز اور مجسمہ لطائف وظرائف تھے، آپ کو ہر قسم کے اقوال اور حکایات یاد تھیں۔ علماء، مشائخ اور شعراء کی محفلوں اور مجلسوں سے اکثر لطف اٹھاتے تھے، امیر خسرو اور میر حسن سے بے انتہا محبت کرتے تھے، ان دونوں کی صحبت سے بھی مستفیض ہوئے۔ ابتداً شیخ نظام الدین سے بیعت ہوکر غیاث پور میں رہنے لگے، آخر عمر میں طبعی لطاقتوں اور فن مصاحبت کی وجہ سے سلطان محمد تغلق بادشاہ کے خاص مصاحب ہو گئے، سلطان محمد تغلق کے فوت ہو جانے کے بعد فیروز شاہ کے حکومت کے زمانہ میں ضروریات زندگی پر قناعت کر کے گوشہ نشین ہو گئے اور وفات کے وقت دنیا سے تہید ست اور پاک و صاف عالم پائیدار میں تشریف لے گئے، کہتے ہیں کہ خواجہ کے جنازے پر صرف ایک بوریا تھا، شیخ نظام الدین اولیاء کے مقبرے میں اپنی والدہ کے پائیں دفن کئے گئے۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ خواجہ ضیاء الدین برنی نے اپنے حسرت نامہ میں لکھا ہے کہ میں ایک دن اشراق کے وقت سے لے کر چاشت کے وقت تک خواجہ نظام الدین کی خدمت میں حاضر رہا اور آپ کے روح افزا کلمات سے مستفید ہوتا رہا اس دن متعدد افراد آپ سے بیعت ہونے کو آئے تھے، اس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ گزشتہ مشائخ بیعت لینے میں بڑے محتاط ہوتے تھے اور شیخ نظام الدین اپنے کرم وعنایت سے ہر عام و خاص سے بیعت لے رہے ہیں میرے دل میں آیا کہ اس عدم احتیاط کے بارے میں شیخ سے دریافت کروں، چونکہ شیخ کشف کے بہت بڑے عالم تھے میرے دل کی بات سے خدا نے انہیں آگاہ فرما دیا اور فرمایا اے خواجہ ضیاء الدین برنی! تم سب کچھ مجھ سے دریافت کر لیتے ہو مگر یہ

کیوں نہیں پوچھتے کہ میں تمام آنے والوں کو بغیر تفتیش کے کیوں بیعت کر لیتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے ہر زمانے میں اپنی حکمت بالغہ سے ایک خاصیت رکھی ہے جو اس زمانے کی رسم و عادت بن جاتی ہے جس کی حقیقت دوسرے زمانے کے مزاج اور طبیعت سے جدا ہوتی ہے اصل بات یہ ہے کہ مرید کی خواہش صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ وہ ماسوی اللہ سے جدا اور علیحدہ ہو کر ذکر اللہ میں مشغول ہو جائے، گزرے ہوئے مشائخ کا یہ طرز اور طریقہ تھا کہ جب تک وہ مرید میں بحد تمام ماسوی اللہ سے علیحدگی اور جدائی نہ دیکھ لیتے تھے بیعت نہ کیا کرتے تھے لیکن آیات من آیات اللہ شیخ ابوسعید ابوالخیر کے زمانے سے لے کر شیخ سیف الدین باخرزی کے زمانے تک اور اسی طرح شیخ شہاب الدین سہروردی کے زمانے سے شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے تک ان بادشاہان مذہب کے دروازے پر مخلوق خدا کی بھیڑ اور ہجوم رہتا تھا اور بادشاہ، امراء، مشہور و معروف دوسرے لوگوں کا تانتا بندھا رہتا تھا اور یہ لوگ عذاب آخرت کے خوف سے ان مشائخ کی پناہ میں حاضر ہوتے اور یہ مشائخ ان تمام سے بیعت لیا کرتے تھے کسی دوسرے کے لیے یہ لائق نہیں کہ وہ وہ خدا کے دوستوں کے معاملات کو دوسروں پر قیاس کر کے خود بھی ان کی طرح لوگوں سے بیعت لیتا رہے، اب تمہارے سوال کا صاف صاف جواب تو یہ ہے کہ جو میں برابر سن رہا ہوں کہ مجھ سے مرید ہونے والے گناہوں سے دور رہتے اور نماز باجماعت پڑھتے اور وظائف و نوافل میں مشغول رہتے ہیں، اگر میں ابتداً ان پر بیعت لینے کی حقیقی شرطیں عائد کر دوں تو وہ جو نیکیاں کر رہے ہیں اس سے بھی محروم ہو جائیں گے دوسرے یہ کہ میں کسی سے التماس، وسیلہ یا سفارش کئے بغیر بیعت لینے کا منجانب شیخ مجاز قرار دیا گیا ہوں، میں دیکھتا ہوں کہ ایک غریب ولاچار مسلمان میرے پاس آ کر کہتا ہے کہ میں نے تمام گناہوں سے توبہ کر لی ہے میں اس کی اس بات کو سچا سمجھ کر بیعت کر لیتا ہوں اور خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ میں نے نیک اور سچے لوگوں سے سنا ہے کہ مجھ سے بیعت کرنے والے (حتی المقدور) گناہوں سے گریز کرتے اور دور رہتے ہیں اس لیے ان کو مرید کرتا ہوں اس کا ایک قوی اور مضبوط سبب اور بھی ہے وہ یہ کہ ایک دن شیخ فرید الدین نے مجھے قلم دوات دیا اور فرمایا تعویذ لکھو اور ضرورت مندوں کو دو، جب انہوں نے میرے اندر جلال کے اثرات کو دیکھا تو فرمایا کہ تم

ابھی سے دعائیں وغیرہ لکھنے سے تھک گئے حالانکہ وہ زمانہ بہت قریب ہے، جب ضرورت مند لوگ تمہارے دروازے پر آئیں گے تو تم اس وقت کیا کروگے، یہ سن کر میں نے شیخ کی قدم بوسی کی اور روتے ہوئے عرض کیا کہ آپ نے مجھے معظم اور اپنا خلیفہ مقرر کیا حالانکہ میں ایک طالب علم تھا جو لوگوں کے میل جول سے نفرت کرتا تھا تعویذ وغیرہ دینا تو بزرگوں کا کام ہے یہ مجھ بے‌ چارے کا کام نہیں میرے لیے تو بس آپ کی نظر شفقت ہی کافی ہے، میری گزارش سننے کے بعد شیخ نے فرمایا کہ تعویذ دینے کا کام تم اچھی طرح کرسکو گے میں نے جب بہت عاجزی کی تو میری عذر خواہی سے شیخ پر ایک حالت طاری ہوگئی، بعدہٗ آپ سیدھے بیٹھے اور مجھے قریب بلایا اور اپنے سامنے بیٹھنے کا امر کیا پھر فرمایا نظام! جان لے کہ کل مسعود کو بارگاہ الٰہی میں عزت ملے گی یا نہیں، اگر ان کی عزت وتکریم ہوئی تو میں بخدا کہتا ہوں کہ جنت میں اس وقت تک قدم نہیں رکھوں گا جب تک اپنے مریدوں کو اپنے ساتھ جنت میں نہ لے جاؤں گا، اتنی بات بیان کرنے کے بعد شیخ نظام الدین مسکرانے لگے اور فرمایا مجھے اسی طرح خلافت دی گئی ہے اور یہ کام کبھی درست ہوتا ہے اور کبھی نہیں، میں نہیں سمجھتا کہ جو لوگ تمام عمر اسی کام کی طلب میں رہتے ہیں اور حیلہ، مکاری، فریب، جھوٹ وغیرہ کے ذریعہ یہ نازک کام کرتے ہیں ان سے کیا امید کی جاسکتی ہے، نیز میں نے اپنی آنکھوں سے بچشم خود دیکھا ہے کہ میرے شیخ ومخدوم خدا کی درگاہ کے واصل لوگوں میں سے تھے، جس پیالہ سے بایزید، جنید اور ان کے علاوہ دیگر مستان عشق الٰہی نے خمہائے عشق نوش کئے ہیں، میرے شیخ نے بھی انہی پیالوں سے خمہائے عشق نوش فرمائے ہیں، اور جب میرے شیخ ان لوگوں کے بارے میں جن سے میں بیعت لیتا ہوں ایک بات کہہ گئے ہیں اور اس پر عہد واقرار ہو چکا ہے تو پھر وہ کونسی چیز ہے جو مجھے بیعت لینے سے روک سکے۔

خواجہ ضیاء بخشی رحمۃ اللہ علیہ

۶۵۲ھ..................۷۵۱ھ

آپ بدایوں میں گوشہ نشینی کے اندر ہی اپنے کام میں مشغول رہے آپ کی کئی کتابیں بھی ہیں، مثلاً سلک السلوک، عشرۂ مبشرہ، کلیات و جزئیات، طوطی نامہ وغیرہ آپ کی تمام

تصنیفات بلند مرتبہ اور مضمون کے اعتبار سے ایک دوسرے سے متشابہ ہیں، سلک السلوک وہ کتاب ہے جو اپنی حلاوت، رنگینی اور لطافت بیانی کے ساتھ ساتھ پرتاثیر حکایات ونصائح اولیاء سے لبریز ہے، آپ کی اکثر کتب میں ایک ہی طرز کے قطعات ہیں جیسا کہ یہ قطعہ ہے۔

قطعہ

نخشی خیر با زمانہ بساز! ورنہ خود رانشانہ ساختن است
عاقلانِ زمانہ می گویند! عاقلی با زمانہ ساختن است

ترجمہ: (اے نخشی کھڑا ہو اور زمانہ کا ساتھ دے ورنہ خود کو لوگوں کا نشانہ بنانا ہے، زمانے کے عقلمندوں کا یہ مقولہ ہے کہ زمانہ کا ساتھ دینا ہی عقلمندی ہے۔)

آپ کا حال جو ظاہر ہوا وہ یہ تھا کہ لوگوں کے میل جول سے علیحدہ رہتے اور کسی اعتقاد یا عدم اعتقاد سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے۔

کہتے ہیں کہ خواجہ نظام الدین اولیاء کے زمانے میں ضیاء نام کے تین آدمی تھے، ایک ضیاء سنائی، جو شیخ نظام الدین اولیاء کے منکر اور مخالف تھے (ان کی مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ شیخ نظام الدین سماع سنتے اور اسے جائز قرار دیتے تھے اور وہ اس فعل کو بدعت اور خلاف شرع کہتے تھے۔ فاضل ۱۲) دوسرے ضیاء برنی، جو شیخ نظام الدین اولیاء کے معتقد اور مرید تھے اور تیسرے ضیاء نخشی، جو نہ شیخ نظام الدین اولیاء کے منکر اور مخالف تھے اور نہ ہی معتقد اور عقیدت مند تھے، اسی طرح سنا گیا ہے کہ ضیاء نخشی شیخ فرید کے مرید تھے جو سلطان التارکین شیخ حمید الدین ناگوری کے خلیفہ اور پوتے تھے اور واللہ اعلم آپ کی وفات ۷۵۱ ہجری میں ہوئی۔

سلک السلوک میں ہے کہ ایک روز شیخ ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک لونڈی خریدی، جب رات ہوئی تو اسے فرمایا کہ ہمارا بستر درست کر دو تا کہ ہم سو جائیں، لونڈی نے کہا، اے میرے آقا کیا آپ کا بھی کوئی مولیٰ اور آقا ہے؟ شیخ نے جواب دیا ہاں، لونڈی نے پھر پوچھا کیا آپ کا مولیٰ بھی سوتا ہے، شیخ نے کہا نہیں، تو لونڈی نے کہا پھر آپ کو حیا نہیں آتی جب آپ کا آقا بیدار ہے تو آپ کیوں سوتے ہیں، بذرجمہر سے پوچھا گیا کہ کونسا جانور

زیادہ سرکش ہے؟ تو بذرجمہر نے جواب دیا کہ انسان، جس کے سامنے موت، درویشی اور دوزخ موجود ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے رضوان کی بشارت دی، رسولوں نے احکام خداوندی کے مطابق لوگوں کو دعوت دی اور بذریعہ آسانی کتب کے لوگوں کو اپنی طرف کھینچا مگر پھر بھی یہ انسان ہی ہے جو تکبر اور سرکشی پر تلا ہوا ہے، اس کے بعد فرمایا سنو سنو! ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم اپنی قوم سے نیک لوگوں سے بدکاروں کو علیحدہ اور جدا کردو، موسیٰ علیہ السلام نے تمام لوگوں کو اپنے گھروں سے باہر آنے کو کہا، چنانچہ اکثر لوگ باہر آگئے تو آپ نے ستر نیک آدمیوں کو جدا کھڑا ہونے کو فرمایا، پھر خدا نے حکم دیا کہ ان ستر میں سے سات نیک آدمیوں کو منتخب کیجئے، پھر خدا نے حکم دیا کہ ان سات میں سے صرف تین نیک آدمیوں کا انتخاب کیجئے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ یہ تین آدمی جو تمام مخلوق میں سے اپنے کو نیک سمجھ رہے ہیں ہمارے نزدیک یہی تمام سے برے اور بدکار ہیں کیونکہ جب انہوں نے سنا کہ آپ نیک لوگوں کو بلا رہے ہیں تو یہ آگے بڑھ آئے (گویا کہ یہ ایک قسم کا تکبر اور ریاکاری تھی جس کی وجہ سے وہ تمام لوگوں سے بدتر شمار کئے گئے۔ فاضل-۱۲)

اے دوست یہ ایک خاص مقام ہے جو کوئی عبادت و اطاعت نہ کرے وہ اس شخص سے بہتر ہے جو عبادت کرے اور اسے لوگوں پر فخریہ ظاہر کرے۔

اسلامی دستور کے اعتبار سے اسلامی مملکت میں مدعی علیہ کو سزا دی جاتی ہے اور دنیائے طریقت میں مدعی کو قید و بند میں بھیج دیا جاتا ہے۔

قطعہ

نخشبی تا نظر بخود نکنی! — مثل ایں کار مردہ نکند!

ہر کرا سوئے خود نگہ باشد — ہیچکس سوئے اونگہ نکند

ترجمہ: (اے نخشبی جب تک تم اپنی طرف نہ دیکھو گے تو مانند مردہ کے ہوگے اور اس کام کو نہ کرسکو گے اور جو کوئی تکبر کرتا ہے اس کی طرف کوئی شخص التفات نہیں کرتا اور اس شعر کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو شخص اپنی حفاظت کرتا ہے یعنی شریعت کے احکام پر عمل کرتا ہے تو اس کی طرف کوئی بھی نقصان دہ نظر نہیں اٹھا سکتا۔)

میرے عزیز! پہلے لوگوں کو دوسرے لوگوں کے گناہ اور جرائم سن کر بخار آ جایا کرتا تھا اور تمہارے گناہوں سے خود تمہارے باطن کیوں نہیں جل کر راکھ ہو جاتا؟ ایک قدیمی دستور تھا کہ موسم بہار میں لوگ عیش و عشرت میں مشغول ہو جاتے تھے لیکن حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ موسم بہار کے آتے ہی کبیدہ خاطر اور مغموم ہو جایا کرتے تھے اور فرماتے موسم بہار آ گیا اور لوگ پھر کھیل کود میں لگ جائیں گے، اس کے بعد فرمایا کہ ایک صاحب حال فقیر کسی مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا اچانک بارش ہونے لگی تو اس فقیر کے دل میں (نماز کے اندر ہی) اپنے خالی کمرے کا خیال آیا، اسی وقت مسجد کی ایک سمت سے (غیبی) آواز آئی کہ اے درویش! تیری یہ نماز ہم پر کوئی احسان مندی نہیں، تو اپنی لطافت اپنے گھر بھیج رہا ہے اور کثافت ہمارے حضور پیش کر رہا ہے، اس کے بعد فرمایا کہ احکام طریقت کے حکام جن کی پوری دنیا فرمانبردار ہے ان کا قول ہے کہ کسی بلی کا مطیع اور فرمانبردار اس شخص سے بدر جہا بہتر اور اچھا ہے جو اپنے نفس کا مطیع اور فرمانبردار ہو۔

ایک درویش سجادہ نشین ہر جمعہ کو اپنی نشست گاہ سے باہر آ کر لوگوں سے دریافت کرتے کہ مسجد کو جانے کا راستہ کدھر ہے؟ ایک مرتبہ ایک آدمی نے جواب دیا کہ آپ برسہا برس سے مسجد کی جانب جاتے ہیں اور اتنا معلوم نہیں کہ مسجد کا راستہ کونسا ہے، یہ سن کر اس درویش نے کہا کہ راستہ تو میں جانتا ہوں لیکن جس راستہ پر میں چلتا ہوں اس پر محکوم ہو کر چلنا خود حاکم ہو کر چلنے کی بہ نسبت بہتر سمجھتا ہوں یعنی واقعہ یہ ہے کہ خود کو دوسرے کا تابع سمجھنا بڑا کام ہے۔

سنو سنو! حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ مسجد میں نماز پڑھتے وقت پچھلی صف میں کھڑے ہوا کرتے تھے لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ اخیر صف میں کھڑے ہونے میں کیا راز ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ امت محمدیہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جب ان میں سے کوئی ایک خدا کے حضور سربسجود ہوگا تو ابھی اس نے سجدہ سے سر نہ اٹھایا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پیچھے والے لوگوں کو بخش دیں گے میں اسی لیے سب سے آخر میں کھڑا ہوتا ہوں کہ اگلے لوگوں کے سجدوں کے طفیل میرا مقصد پورا ہو جائے (یعنی میں بخش دیا جاؤں)

قطعہ

نخشبی درمیان مبیں خود را　　　　قطرۂ راچہ سیل می خوانی
ہمہ کس درطفیل تو گردد　　　　گر تو خودِ راطفیل کس دانی

ترجمہ: (اے نخشبی لوگوں کے درمیان (یعنی لوگوں جیسا) نہ دیکھو خود کو، ایک قطرہ کو سیلاب کون سمجھتا ہے، تمام دنیا تمہارے مطیع اور فرمانبردار اس وقت ہو سکتی ہے جب تم بھی کسی کے فرمانبردار بن جاؤ)

شیخ المشائخ عبداللہ خفیف ایک دفعہ بیمار ہو گئے، ایک طبیب آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا اے شیخ! کیا آپ بیمار ہیں؟ شیخ نے جواب دیا جب جسم ختم ہو جائے گا تو بیماری بھی خود بخود دور ہو جائے گی۔

شیخ محمد واسع وہ بزرگ تھے جن کو یہ وسیع اور عریض دنیا ایک چیونٹی کی آنکھ سے بھی کم نظر آتی تھی اس سے منقول ہے اگر گناہ اور معصیت میں بدبو ہوتی تو کوئی آدمی میرے پہلو میں نہ بیٹھ سکتا۔

خواجہ ابوالحسن خرقانی کا قول ہے کہ جو آپ رحمت سے قریب ہوا وہ رحمت میں غرق ہو گیا اور ہمارا حال یہ ہے کہ جو اس سے دور ہوا وہ سب سے دور ہو کر اس آگ کے قریب پہنچ گیا جو جلا کر راکھ کر دے گی۔

کہتے ہیں کہ ایک روز زبیدہ کے دروازے پر ایک آدمی نے آ کر کہا کہ میں زبیدہ کا عاشق ہوں، زبیدہ کو اس کی خبر دی گئی تو اس نے اس آدمی کو اندر بلایا اور کہا کہ خبردار آئندہ ایسی بات کی جرأت نہ کرنا، تو اس نے کہا کہ میں اس بات سے کسی صورت میں باز نہیں آ سکتا، تو زبیدہ نے کہا کہ اچھا دو ہزار درہم لے لو اور عشق کا اظہار چھوڑ دو مگر اس آدمی نے انکار کر دیا وہ انکار کرتا اور زبیدہ رقم اور بڑھا دیتی یہاں تک کہ جب زبیدہ نے دس ہزار درہم دینے کا وعدہ کیا تو اس نے تسلیم کر لیا اور عشق کے اظہار کے ترک پر رضامند ہو گیا، زبیدہ نے جب اس کی یہ کیفیت دیکھی تو اپنے خادموں اور ملازموں سے کہا کہ اس کی گردن اڑا دی جائے کیونکہ یہ اوپر اوپر سے ہماری محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور فی الواقع اس کو ہماری محبت نہیں۔

سنو سنو! ایک بزرگ تھے جو کبھی بھی دائیں بائیں جانب مڑ کر نہ دیکھا کرتے تھے ایک دفعہ وہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے تو انہیں کسی نے آواز دی اور پکارا، انہوں نے مڑ کر دیکھنا چاہا کہ کون پکار رہا ہے تو اچانک فضاء سے آواز آئی کہ جو ہمارے علاوہ کسی اور کی طرف توجہ کرے وہ ہمارا نہیں۔

اے عزیز! اگر ہزار برس بھی اس راستے پر چلتے رہو اور پھر تمہارے دل میں یہ خیال آئے کہ تمہاری دعا قبول ہونی چاہئے تو یقین کر لو کہ تم جاہ پرست ہو اور راہ حق کے طالب نہیں ہو۔

بھلا جو پیشاب کے پلید راستے سے دنیا میں آیا ہے اسے شان و شوکت کیسے زیب دے سکتی ہے وہ بے چارہ تو گندے نطفہ اور سڑی ہوئی مٹی سے بنایا اور پیدا کیا گیا ہے۔

سلک السلوک میں ہے کہ مجھ جیسے کمزور، لاغر، مفلس، ناکارہ کو بہادروں کے میدان کارزار میں لا کر کھڑا کر دیا گیا ہے، امر الٰہی ایک سمت کھینچ رہا ہے اور حکم الٰہی دوسری جانب، اے برادر! اگر اس راہ میں منزل مقصود کی رسائی درکار ہے تو اپنی ذات کو کچھ نہ سمجھو، جو لوگ خدا کی عبادت و اطاعت میں تونگر اور غنی نظر آتے ہیں، وہ اپنی ذات کو ہر وقت مفلس و محتاج ہی سمجھتے ہیں اور جو لوگ ہمیشہ کے مفلس و محتاج نہیں وہ اپنے کو تونگر و غنی کہلوانے کے حقدار نہیں۔

اے طلبگار! اگر تو فی الواقع طالب ہے تو ان لوگوں کا طریقہ اختیار کر جن کو اصحاب صفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے وہی حقیقتاً دوست اور طلب گار تھے۔ ابراہیم علیہ السلام کو جب منجنیق اور گوپئے میں رکھ کر ننگا کیا گیا تو غیب سے آواز اور ندا آئی کہ اے ابراہیم ایمان تو مجسمہ ایمان ہے اور ایمان ہمیشہ ننگا اور برہنہ ہی ہوا کرتا ہے۔

سنو سنو! جب ابراہیم علیہ السلام اس آگ کے قریب پہنچے تو آگ کو اتنا مسکین اور بے بس پایا کہ الٹا آپ کو آگ پر رحم آیا، اسی لیئے نبی کریم صاحب لولاک لما خلقت الافلاک فرماتے ہیں کہ کسی کو راہ حق میں اتنی مصیبتوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا جتنا کہ مجھے مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا، ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں چلا جانا، زکریا علیہ السلام کا پارہ پارہ ہو جانا یہ اتنی مصیبتیں نہیں جتنی ہمارے اوپر ڈالی گئیں، ہمیں اہل زمین و آسمان سے مقدم

رکھا گیا اور بنی آدم کے گناہوں کو ہماری شفاعت کے ذیل سے وابستہ کر دیا گیا، بے راہوں کو ہماری راہ اختیار کرنی چاہیئے، مجرموں کو ہماری طرح عذر کرنا چاہیئے اور کامل اور ست لوگوں کو ہماری طرح کام کرنا چاہیئے، میرے پروردگار نے مجھے کبھی تو قاب قوسین اوادنیٰ کی مسند پر بٹھایا اور کبھی ابو جہل جیسے ظالم و جابر کے پاس بھیج دیا اور کبھی مجھ کو شاہد اور مبشر کے لقب سے ملقب کیا اور کبھی لوگوں نے مجھے پاگل اور ساحر کہا، کبھی جبرائیل امین کو میرا رکابدار اور ساتھی بنا دیا اور کبھی بغیر اجازت نامہ کے مکہ میں داخل نہ ہونے دیا، کبھی ملکوت کے خزائن میرے حجرے میں لائے گئے اور کبھی ایک جو کی خاطر ابوشحمہ کے در پر بھیجتے ہیں کبھی آپ کے غلاموں سے خیبر سے مفتوح کرواتے ہیں، اور کبھی ظالموں کے ہاتھوں سے بذریعہ پتھر دندان مبارک شہید کرواتے ہیں یہ سب کچھ اس لیے کرواتے ہیں تاکہ اہل دنیا یہ یقین کر لیں کہ ہمارا راستہ پرخار راستہ ہے جس پر چلنے کے لیے پاؤں کو سر پر رکھ کر چلنا پڑتا ہے اور اگر کسی سے یہ نہ ہو سکتا ہے تو وہ اس راہ پر چلنے کا نام تک نہ لے اس راستہ کو عام راستوں کی طرح عبور اور طے نہیں کیا جا سکتا۔

بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ جن کو سروپا برہنہ کہتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ سخت تازیانہ اور ڈنڈا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی لڑکی نے مارا تھا، اس کی صورت اس طرح پیش آئی کہ میں ایک دن حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے گھر گیا اور ان کے گھر پہنچ کر دروازے پر دستک دی، ان کی لڑکی نے پوچھا کون؟ میں نے کہا بشر حافی (ننگے پاؤں والا) لڑکی نے کہا یہاں سے سیدھے بازار چلے جاؤ اور وہاں سے جوتا خرید کر پاؤں میں پہن لو اور اس کے بعد اپنے کو بشر حافی (ننگے پاؤں والا) مت کہنا۔ اگر کوئی سوال کرے کہ جنت میں **وجوہ یومئذ ناظرۃ الیٰ ربہا ناظرہ** کا عاشقوں کا مشاہدہ ہوگا تو اس مشاہدہ کے بعد عاشقوں کو واپس لوٹا دیا جائے گا یا یہ خود بخود لوٹ جائیں گے با۔ وہ تو ہر وقت خدا کے جمال میں مستغرق رہیں گے اور اسی کے جاہ و جلال کو دیکھیں گے۔

سنو سنو! آدم علیہ السلام کو آٹھ بہشت عطا کیے گئے اور وہ ایک روز اس سے بھاگ گئے لیکن عشق کا جو ذرہ اس میں رکھ دیا گیا تھا وہ اس سے متصل رہا۔ جی ہاں! آدم علیہ السلام کی لغزش بھی مشغولیت حق کی وجہ سے تھی اور شیطان کا گناہ فارغ البالی کی وجہ سے۔

قطعہ

نخشبی از فراغ بیروں است — غم دل جز چراغ دل نہ بود
دل فارغ نشاں بیکاری است — عاشقاں را فراغ دل نہ بود

ترجمہ: (نخشبی فراغت سے باہر ہوگیا ہے، دل کا غم بجز چراغ دل کے نہیں ہوتا،
فراغت قلبی بیکاری کی دلیل ہے عاشقوں کا دل فارغ نہیں رہتا۔)

حضرت رابعہ بصریہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ ابلیس کو دشمن سمجھتی ہیں؟ فرمایا نہیں۔ لوگوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا میں دوست کے خیال میں اتنی مشغول ہوں کہ مجھے دشمن کی خبر ہی نہیں۔

کسی بزرگ سے دریافت کیا گیا کہ دنیا کس چیز کی مانند ہے، فرمایا کہ دنیا اتنی حقیر اور ذلیل چیز ہے کہ اس کو کسی چیز سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔

ایک آدمی ایک فقیر اور درویش کے پاس گیا اور کہا کہ میرا خیال ہے کہ میں کچھ کچھ زمانہ آپ کی صحبت میں گزاروں، اس بزرگ نے دریافت کیا کہ جب مرجاؤں گا تو تم کس کے ساتھ رہو گے، اس نے جواب دیا کہ خدا کے ساتھ رہوں گا، تو بزرگ نے فرمایا کہ یہ سمجھ لو کہ میں معدوم ہوں اس لیے ابھی سے خدا ہی کے ساتھ ہو جاؤ۔

ایک روز کسی دنیا دار نے کسی بزرگ کے گھر سے پانی طلب کیا، اس درویش اور بزرگ نے بدمزہ اور گرم پانی پیش کیا، دنیا دار نے کہا کہ یہ پانی تو بدذائقہ اور گرم ہے درویش نے جواب دیا کہ اے خواجہ ہم قیدی ہیں اور قیدی اچھا پانی نہیں پیا کرتے۔

کسی نے یحییٰ معاذ کو فوت ہو جانے کے بعد خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ عالم بالا میں آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا، فرمایا جب میں پیش کیا گیا تو مجھ سے پوچھا گیا کہ دنیا سے کیا لائے ہو، میں نے عرض کیا کہ جیل خانے سے آرہا ہوں، وہاں سے کیا لاتا، اگر میرے پاس کچھ ہوتا تو ستر برس تک دنیا کی قید و بند میں نہ رہتا۔

ایک پیر کے کچھ مریدوں نے اپنے پیر سے دریافت کیا کہ ہم کونسا راستہ اختیار کریں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور وصال نصیب ہو جائے، شیخ نے جواب دیا کہ کس راستہ سے تم آئے ہو کہ تم راہ بھی نہیں جانتے (مقصود ان پر تعریض تھی کہ تمہیں تو اس راستہ کی بھی خبر نہیں جس پر

اب چل رہے ہو تو آگے والے راستہ کی کیا خبر ہوگی۔)

کہتے ہیں کہ بامروت آدمی وہ ہے جو بے مروت لوگوں کی باتوں سے کبیدہ خاطر اور رنجیدہ نہیں ہوتا، ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ فضیل کی وفات کے بعد زمین سے غم چلا گیا۔

ایک شیخ طریقت کا کہنا ہے کہ دس برس تک میں روتا رہا اور میرے آنسو بہتے رہے پھر دس برس تک خون کے آنسو رویا اور اب دس برس سے خوش اور مسرور ہوں۔

کسی شخص نے ابوبکر شبلی کو فوت ہو جانے کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ منکر و نکیر کے سوالات سے تم نے کس طرح خلاصی پائی، جواب دیا اگر تم وہاں ہوتے تو دیکھتے کہ وہ کس طرح میرے ساتھ پیش آئے، انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ بتاؤ تمہارا خدا کون ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میرا خدا وہ ہے جس نے تم تمام فرشتوں کو میرے باپ کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا اور میں اس وقت اپنے باپ کی پشت میں تم سب بھائیوں کو دیکھ رہا تھا، انہوں نے آپس میں کہا کہ ہم کو اس کے ہاں سے چلا جانا چاہئے کیونکہ ہم اس سے جو سوال کرتے ہیں وہ اس کا جواب تمام اولاد آدم کی جانب سے دیتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ کے ساتھ میری اس وقت ملاقات ہوئی جبکہ وہاں کسی مقرب فرشتے کو بھی آنے کی اجازت نہ تھی یہ بات سننے کے بعد جبرائیل علیہ السلام شکستہ خاطر ہوئے تو آپ نے فرمایا افسوس نہ کر داس وقت کوئی بنی مرسل بھی نہ تھا۔

سنو سنو! جب صاحب قاب قوسین او ادنیٰ عالم بالا سے واپس ہوئے تو جبرائیل نے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! جس عالم سے آپ آرہے ہیں وہاں آپ نے کیا دیکھا آپ نے فرمایا کہ اے برادر! یہ کیا سوال کا موقعہ ہے کہ محمد (جبرائیل) محمد سے سوال کر رہا ہے جان لیا جس نے جان لیا اور سمجھ لیا جس نے سمجھ لیا۔

خواجہ علی سیاح فرماتے ہیں کہ میری صرف اتنی تمنا ہے کہ کوئی حق بات کہے اور میں سنوں، یا میں حق بات کہوں اور کوئی دوسرا اسے سنے، ایک مرتبہ ایک منکر نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ آپ کی میرے متعلق کیا رائے ہے؟ جواب دیا میں خدا کا دوست ہوں، اس منکر نے کہا کہ محض اسی نام پر ہرگز مغرور نہ رہنا، اس نے کہا کہ ایک دفعہ میرے ہاں لڑکا پیدا ہوا میں نے اس کا نام خالد رکھا اور خالد کے معنی جاوداں اور ہمیشہ رہنے والے

کے ہیں، وہ اول روز ہی سے تونگر اور غنی تھا اور تونگری اور غناء میں چار چیزیں ملتی ہے:
(۱) جسمانی تکلیف، (۲) مشغولی دل، (۳) نقصان دین، (۴) قیامت کا حساب اور
درویشوں کو بھی فقرو فاقے سے چار چیزیں حاصل ہوتی ہیں: (۱) آسائش تن، (۲) فارغ
البالی، (۳) سلامتی دل، (۴) قیامت کے حساب سے خلاصی۔

اے فقیر! ایک روز صبح سے شام تک اپنے نفس سے جنگ کرتا کہ یہ چار چیزیں ظاہر ہو جائیں اور مرد حقیقتاً وہی لوگ ہیں یہ اپنے نفس سے جنگ کرنے کے عادی ہوتے ہیں کیونکہ یہ جنگ ایسی ہے جس کے لیے مصالحت اور صلح کی کوئی سبیل نہیں، عزیز من! جو کوئی اپنے نفس سے ہمیشہ احتساب کرتا ہے تو وہ تمام دعوے اور معنی ترک کر دیتا ہے اور تمام سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ سنو سنو! ایک دفعہ ایک بنیئے نے جس کی ترازو کا پلڑا آسمان کی طرف جا رہا تھا ایک آدمی کو دیکھا جو شیر پر سوار اور ہاتھ میں سانپ کا کوڑا لیے وہاں سے گزر رہا تھا بنیئے سے اس نے کہا کہ تیرا کام تو بہت سہل اور آسان ہے اور اصلی کام تو یہ ہے کہ ترازو کے دو پلڑوں کے درمیان بیٹھ کر صحیح اور حق کام سرانجام دیا جائے، ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم اکثر و بیشتر فقیروں کی طلب میں خلوت نشینی سے باہر آتے ہیں اور ہم کو دنیا دار چمٹ جاتے ہیں۔ ایک روز ایک شخص یہ کہہ رہا تھا کہ میں خوب جانتا ہوں یہ دنیا پوری کی پوری ایک دن ختم ہو جائے گی، اگر میں یہاں آبادی کروں تو ایک نہ ایک دن میرے کام میں کوئی ضرور آڑے آئے گا اور یہ کہے گا کہ تو کیا کر رہا ہے دنیا کی آبادی کا دارومدار تو نیک لوگوں پر ہے اگر دنیا میں نیک لوگ نہ رہیں تو سمجھو کہ دنیا خراب ہو گئی۔

بعض لوگوں نے خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھ کر یہ پوچھا کہ آپ نے اپنے کام کو کہاں تک پہنچا دیا ہے تو آپ نے جواب دیا کہ دنیا کے کاموں کا ہم جو اندازہ کرتے ہیں آخرت کا کام اس سے زیادہ سخت ہے۔

سنو سنو! ایک پرہیز گار اور نیک بخت مرد کا بازار جانے کا خیال وارادہ ہوا کہ وہاں سے کچھ خریدا جائے اس نے ایک اشرفی لی اور اس کا اپنے گھر میں وزن کیا پھر جب بازار جا کر اس کا وزن کیا گیا تو گھر والے وزن سے وہ وزن کم رہا تو وہ نیک بخت مرد رونے لگا، لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ روتے کیوں ہیں؟ اس نے کہا آج گھر کا ماجرا جب بازار

میں لایا گیا تو گھر کے مطابق نہ رہا تو کل قیامت کے روز جب دنیا کا ماجرا پیش ہوگا کیسے درست رہ سکے گا، اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے۔

خواجہ ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ

۶۴۱ھ.....................۷۰۹ھ

آپ دیانت اور تقویٰ میں مقتدائے وقت تھے، شرعی احکام پر مضبوطی سے پابند تھے خواجہ نظام الدین اولیاء، کے ہمعصر تھے، شیخ نظام الدین اولیاء سے سماع کے متعلق ہمیشہ احتساب کرتے رہتے تھے اور شیخ نظام الدین معذرت اور انقیاد کے سوا پیش نہ آتے اور مولانا کی تعظیم وتکریم میں کوئی وقیقہ فرد گذاشت نہ کرتے، نصاب الاحتساب آپ کی مشہور کتاب ہے جو احتساب کے دقائق اور قواعد کے ساتھ مختلف قسم کی بدعات کے خلاف احکام شرعیہ کے پیش نظر آپ نے تحریر فرمائی تھی۔

منقول ہے کہ خواجہ ضیاء الدین کے مرض موت کے شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ ان کے ہاں عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو مولانا نے اپنے خادموں کو اپنی دستار دی کہ اسے خواجہ نظام الدین کے قدموں کے نیچے بچھایا جائے اور وہ اس کے اوپر چل کر آئیں مگر خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے وہ دستار اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگائی، پھر جب خواجہ نظام الدین مولانا کے سامنے بیٹھ گئے تو مولانا نے آنکھیں چار نہ کیں، خواجہ صاحب کے باہر تشریف لانے کے بعد اندر سے رونے کی آواز آئی کہ خواجہ سنامی انتقال فرما گئے، شیخ نہایت افسردہ ہو کر آبدیدہ ہوئے اور فرمایا کہ شریعت کا حامی ایک ہی مرد مجاہد تھا افسوس کہ آج وہ بھی نہ رہا، اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

مولانا جلال الدین اودھی رحمۃ اللہ علیہ

۶۵۹ھ.....................۷۳۸ھ

آپ زہد، ورع، ترک دنیا، تجرد اور عزلت (جیسے اوصاف حمیدہ) سے موصوف تھے اور اپنے زمانے کے تمام لوگوں کی نظروں میں مکرم ومعظم تھے، ایک مرتبہ شیخ نظام الدین کے ان دوستوں کو جن کی زندگی کتب بینی اور بحث مباحثہ میں گزری تھی شوق ہوا کہ وہ مولانا جلال

الدین اودھی سے کچھ علم حاصل کریں اور باہمی صلاح مشورے سے یہ طے پایا کہ مولانا ہی شیخ نظام الدین سے، اس کی اجازت حاصل کریں، مولانا نے جب شیخ کی خدمت میں یہ بات پیش کی تو شیخ نظام الدین سمجھ گئے کہ دراصل یہ انہی لوگوں کی خواہش ہے تو آپ نے مولانا سے فرمایا کہ میں کیا کروں میں نے تو ان سے کچھ اور ہی کام لینا ہے اور یہ لوگ پیاز کی مانند پوست در پوست ہیں۔

خواجہ موید الدین کری رحمۃ اللہ علیہ

۶۶۸ھ.........................۷۲۶ھ

آپ اوائل عمر میں دنیاوی دھندوں میں مشغول بکار رہے، بادشاہ اور شہزادہ سے یاری تھی، جس زمانہ میں سلطان علاؤ الدین خلجی جاگیر دار اور امیر تھے تو آپ نے ان کے ہاں کارہائے نمایاں انجام دیئے، آخر کار شیخ نظام الدین اولیاء سے بیعت ہوئے اور اپنی خوشی سے دنیاوی کاروبار کو خیر باد کہہ دیا۔

جب سلطان علاؤ الدین خلجی سلطنت کی سند پر متمکن ہوئے تو خواجہ مؤید الدین کری رحمۃ اللہ علیہ کو یاد کیا، لیکن جب سلطان علاؤ الدین کو معلوم ہوا کہ خواجہ مؤید الدین کری رحمۃ اللہ علیہ شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید ہو کر دنیاوی کاروبار ترک فرما چکے ہیں تو انہوں نے شیخ کی خدمت میں پیغام بھیجا، کہ آپ خواجہ مؤید الدین کو اجازت دیں تاکہ وہ ہمارے کاموں میں ہمارے معین و مددگار ہوں، تو شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ خواجہ کو اب ایک دوسرے کام درپیش ہے جس کی وہ تیاری کر رہے ہیں، یہ جواب چوبناء کو ناگوار گزرا اور اس نے کہا کہ شیخ نظام الدین! آپ سب سے وہی کام لینا چاہتے ہیں جو خود کر رہے ہیں، تو شیخ نے جواب دیا کہ اپنی طرح کام لینے کا کیا مطلب، اپنے سے بھی زیادہ بہتر کام کرانا چاہتا ہوں، سلطان علاؤ الدین یہ جواب سن کر خواجہ مؤید الدین کری رحمۃ اللہ علیہ سے مایوس ہو گئے اور پھر ان کو اپنے ہاں بلانے کا خیال ترک کر دیا۔

خواجہ مؤید الدین کری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے پائیں میں ہے، اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شیخ نظام الدین شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

۶۴۰ھ.............۷۲۱ھ

آپ ظاہر و باطن کے اعتبار سے عمدہ صفات اور بلند اوصاف کے حامل تھے، سلوک اور تصوف کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف تھے اور سماع کے رسیا اور دلدادہ تھے فن خطابت اور توجیہ میں آپ کو دوسروں سے امتیاز حاصل تھا، حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت کا شرف بھی حاصل کیا تھا، شیخ نظام الدین اولیاء کے اجلہ دوستوں میں بے حد مقبول اور شیخ کی نظروں میں ملحوظ محفوظ تھے۔

سلطان علاء الدین والی دتی میں جہاں آپ رہا کرتے تھے وہیں مزار ہے اور اپنے گھر کے قریب ہی دفن کئے گئے، اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

خواجہ شمس الدین دھاری رحمۃ اللہ علیہ

۶۴۱ھ.............۷۳۲ھ

اوائل عمر میں آپ کا پیشہ ملازمت تھا، بعدہٗ اس سے توبہ کر کے شیخ نظام الدین اولیاء کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے اور شیخ کے ملفوظات پر ایک کتاب لکھی، ایک دن شیخ سے عرض کیا کہ حضرت اگر اجازت ہو تو آنے جانے والوں کے لیے ایک حجرہ تیار کرا دوں، شیخ نے فرمایا کہ یہ کام اس سے کچھ کم نہیں جس کو تم ترک کر کے آئے ہو اور آپ کا مزار ظفر آباد میں ہے۔

خواجہ احمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ

۶۶۱ھ.............۷۲۹ھ

آپ کا محبوب ترین مشغلہ تجرد کی زندگی تھا، اور ابدال صفت بزرگ تھے اور محفل سماع میں بے قرار ہو جایا کرتے تھے، صاحب سیر الاولیاء فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے خواجہ احمد بدایونی سے دریافت کیا کہ مزاج اچھے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ خوشی صرف یہی ہے کہ روزانہ پنجوقتہ نماز با جماعت پڑھ لیا کرتا ہوں۔

مولانا حمید رحمۃ اللہ علیہ

۶۸۴ھ.....................۷۵۷ھ

آپ شاعر قلندر اور جامع خیر المجالس اور شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے۔ اور کبھی کبھی اپنے والد صاحب کی معیت میں شیخ نظام الدین اولیاء کی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے، شیخ نظام الدین اولیاء کے بعض خلفاء سے اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق استفادہ کیا، اگرچہ آپ کے اشعار ایسے نہیں کہ جن کی وجہ سے آپ کو شاعر کہا جائے تاہم لوگوں میں شاعر ہی مشہور تھے، لیکن زیادہ تر حمید قلندر سے مشہور تھے ابتداً مولانا برہان الدین غریب کی اور ان کے ملفوظات جمع کیے، پھر شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کی خدمت میں آئے اور ان کے ملفوظات جمع کر کے ان کا نام خیر المجالس رکھا اس کتاب کو آپ نے ۷۵۵ ہجری میں لکھنا شروع کیا اور ۷۵۶ ہجری میں اسے مکمل کر لیا۔ اسی کتاب میں آپ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ایک دن شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ ہم آپ کو قلندر کہا کریں یا صوفی؟ قلندر تو اس لیے نہیں کہہ سکتے کہ ابھی آپ طالب ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ایک دفعہ شیخ نظام الدین اولیاء کا دستر خوان بچھا ہوا تھا بوقت افطار کھانا کھاتے ہوئے آپ نے ایک روٹی کے دو ٹکڑے کیے، ایک ٹکڑا اپنے سامنے رکھا اور ایک میری طرف بڑھا دیا، چنانچہ وہ ٹکڑا میں نے اٹھا کر اپنی آستین میں رکھ لیا، چنانچہ جب میں باہر نکلا تو قلندروں نے مجھے گھیر لیا اور کہنے لگے کہ اے شیخ زادے! ہمیں بھی کچھ دو، میں نے عرض کیا کہ میرے پاس کیا ہے جو میں تمہیں دوں، قلندروں کو بذریعہ کشف معلوم ہو گیا کہ انہوں نے کہا وہ آدھی روٹی جو شیخ نے آپ کو دی ہے وہ ہمیں دیدو، میں چونکہ اس وقت کم عمر تھا مجھے بڑا تعجب ہوا کہ انہیں کیسے معلوم ہوا ان میں سے تو کوئی بھی وہاں موجود نہ تھا مگر ان کے اصرار پر میں نے مجبوراً وہ آدھی روٹی اپنی آستین سے نکال کر ان لوگوں کو دیدی وہ سب قلندر وہیں ایک کیلوکھری کی مسجد کی دہلیز میں بیٹھ گئے اور پس آدھی روٹی کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے آپس میں تقسیم کر کے کھا گئے، اسی اثناء میں میرے والد صاحب شیخ نظام الدین کے ہاں سے باہر تشریف لائے اور فرمایا وہ روٹی کہاں ہے میں نے عرض کیا کہ قلندروں کو دیدی، یہ سن کر والد

صاحب نے میری طرف تیز نظروں سے دیکھا اور فرمایا ان شوریدہ پا لوگوں کو کیوں دیدی وہ تو ایک نعمت تھی اور معاً شیخ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں واپس تشریف لے گئے، شیخ کو بھی (بطور کشف) اصل واقعہ کی پہلے ہی سے خبر تھی اس لیے فرمایا فکر نہ کرو تمہارا بیٹا قلندر ہوگا، تب والد صاحب کو سکون ہوا، چونکہ مجھے شیخ نظام الدین اولیاء نے قلندر کہا ہے اس لیے آپ بھی قلندر کہتے ہیں، جب شیخ نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حکایت سنی تو فرمانے لگے۔

تو مرید خدمت شیخے من نمی دانستم بیا کنار گیریم (مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ شیخ کے مرید ہیں گلے مل لو) چنانچہ میں آگے بڑھا اور شیخ نصیر الدین نے مجھے بڑے پیار سے گلے لگا لیا، الحمدللہ خواجہ کے گلے لگانے سے مجھے بہت برکات حاصل ہوئیں، مجلس نہم میں ہے کہ میں ایک دفعہ خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ آپ کیا لکھ رہے ہیں اور پھر فرمایا کہ کبھی اور کبھی قلندر کیا ہے اس معنی کو شعر میں ادا کرو تو میں نے کہا ۔

مصرع

گاہ صوفی گہہ قلندر چیست

(کبھی صوفی اور کبھی قلندر یہ کیا ہے)

آپ نے فرمایا چوں قلندر شوی قلندر باش (جب تو قلندر ہو جائے تو قلندر رہ) پھر کچھ دیر تک سوچتے رہے اور فرمایا کیا لکھ رہے ہو، اس کے فوراً بعد فرمایا کہ میرے پاس اتنا وقت کہاں کہ تمہیں نصیحت کرتا رہوں اور تمہارے پاس اتنا وقت کہاں کہ تم قلندر بنو، جمال الٰہی کے بغیر ہی خدا کی عبادت میں مشغول رہو جاؤ، گوشہ نشینی اختیار کرو، تم نے جس شخص کی پیروی اختیار کر رکھی ہے وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو داڑھی بھی گراں گزری اور وہ اسے کاٹ کر جنگل اور بیابانوں میں نکل گئے اس کے بعد شیخ چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قبلہ کی طرف رخ کر کے آسمان کی جانب منہ کیا اور حیرانی کے عالم میں یہ شعر پڑھا

شعر

در عشق چہ جائے خانہ داری است

مجنوں شود کوہ گیرد بخردش !

ترجمہ: (عشق کا دعویٰ اور پھر گھر میں بیٹھے رہنا یہ کیسے؟ مجنوں ہو کر پہاڑوں کی جانب نکل جاؤ اور خوب گریہ زاری کرو)

میرے دل پر اس شعر کا بڑا اثر ہوا لیکن فوراً ہی (سنبھل کر) میں نے عرض کیا کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں، میرا کمال تو یہ ہے کہ لوگوں میں رہوں، انہیں کی مانند کپڑے پہنتا رہوں، اور حصول علم کی کوشش کرتا رہوں، یہ سن کر شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی تفکر کے سمندر میں غرق ہو گئے پھر سر اٹھا کر ایک آہ کھینچی اس وقت آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں اور فرمایا کہ اگر میرے شیخ خواجہ نظام الدین اولیاء کا مجھے شہروں میں رہ کر لوگوں کے جور و ستم کے برداشت کرنے کا حکم نہ ہوتا تو میں کہاں اور شہری آبادی کہاں، میں تو پہاڑوں اور جنگلوں میں نکل جاتا پھر دوبارہ یہی شعر پڑھا۔

شعر

در عشق چہ جائے خانہ داری است　　　مجنوں شود کوہ گیرد بخروش

یہ سن کر مجھ پر ایک کیفیت طاری ہو گئی مگر فوراً ہی باہر چلا آیا اور میری سمجھ میں کچھ نہ آرہا تھا کہ میں کیا کروں، سوچا کہ خواجہ خضر کے مقام میں جا کر ذکر اللہ میں مشغول ہو جاؤں جو دریا کے کنارے پر ایک پر لطف و روح افزا مقام ہے جہاں اکثر و بیشتر لوگوں نے حضرت خضر کی ملاقات کا شرف حاصل کیا ہے، پھر خیال آیا کہ وہاں سے نماز جمعہ کے لیے آنا مشکل ہوا کرے گا اس لیے (بجائے مقام خضر کے) کیلوکھری میں چلا جاؤں جہاں میرا مکان بھی ہے جو جمنا کے کنارے پر ہے وہاں میرے والد محترم جناب مولانا تاج الدین بھی ہیں جو بہت معمر اور بوڑھے ہو گئے ہیں، میرے لیے یہ مقام اچھا رہے گا اس لیے بھی یہ مقام مفید ہے کہ وہاں سے شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کی خدمت میں حاضری بھی ممکن ہے، پھر خیال آیا کہ کہاں، باؤں یہ سب علاقے شہری آبادی ہی میں ہیں، میں نے شیخ نصیر الدین کے مفلوظات اور فوائد لکھنا شروع کیے، اگرچہ میں انہیں اچھی طرح ترتیب نہ دے سکا مگر اپنی فہم کی حد تک مرتب کیا، پھر میرے قلب میں آیا کہ یہ شیخ کے فوائد ناتمام ہیں لوگوں کے لیے کچھ زیادہ مفید نہ ہوں گے، غرضیکہ اسی طرح چار روز تک مذبذب رہنے کے بعد میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے بہت سے فوائد بیان فرمائے بلکہ گزشتہ فوائد کا بھی اعادہ

فرمادیا۔ الحمد للہ رب العالمین۔

اٹھارویں مجلس

شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد میں نے عرض کیا کہ شہر میں دو جگہوں کے علاوہ میرا دل کہیں نہیں لگتا یا تو شیخ نظام الدین اولیاء کی قبر پر اور یا آپ کی مجلس میں، شیخ نصیر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب تک آپ راستہ پر نہ چلیں گے منزل مقصود تک نہ پہنچ سکیں گے، اور اگر کوئی چاہے کہ بیٹھے بیٹھے منزل مقصود تک پہنچ جائے تو اس کے لیے مجاہدہ شرط ہے جیسے ارشاد ہے،

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (جنہوں نے ہمارے راستہ میں مجاہدہ کیا ہم نے انہیں اپنے راستے دکھا دیئے) پھر فرمایا کہ مجاہدہ سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ دل ماسوی اللہ سے ہٹ کر صرف اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے، پھر فرمایا، اس کا راز لا الٰہ الا اللہ میں مضمر ہے، غیر اللہ سے دل کو ہٹا لینا یہ نفی ہے اور اللہ کی عبادت میں مصروف ہو جانا یہ اثبات ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ جناب! میں تھوڑی سی مشغولیت رکھتا ہوں اور دائماً روزے رکھنا یہ بھی ناممکن ہے، آپ کو معلوم ہے کہ گرمی کے موسم میں دلی میں آگ برتی ہے اور دم بدم پیاس لگتی رہتی ہے، آپ نے فرمایا، اگر روزے نہیں رکھ سکتے ہو تو کھانے کی مقدار میں کمی کر دو، بعد ازیں شیخ نے مجھ سے پوچھا کہ شغل کہاں کرتے ہو گھر میں یا کہیں باہر؟ میں نے عرض کیا کہ گھر میں جہاں اگرچہ مزاحمت اور دوسرے کام ہوتے ہیں لیکن میرے کام کے لیے کوئی مانع نہیں بنتا، جب کچھ پریشان وافسردہ ہو جاتا ہوں تو کسی باغ یا جنگل میں کسی ایسے درخت کے نیچے جا بیٹھا ہوں جہاں مجھے کوئی دیکھ نہ سکے اور میں بھی کسی کو نہ دیکھ سکوں آپ نے فرمایا کہ تم اپنے ساتھ قلم، دوات، کاغذ لے جاتے ہو گے اور وہاں غزل واشعار بنانے میں مشغول ہو جاتے ہو گے مگر ہم اس کام کو مشغولیت نہیں کہتے بلکہ مشغولیت وہ ہے جو اللہ کے لیے ہو میں نے عرض کیا کہ واقعی ایسا ہے جو آپ کو بذریعہ کشف معلوم ہوا ہے، اگر کوئی نظم یاد آ جاتی ہے تو لکھ لیتا ہوں اس کے بعد اپنے کو اصلی حالت پر لے آتا ہوں یہ سن کر شیخ نے فرمایا اگر خود کو اصلی حالت پر لے آتے ہو تو اچھا ہے ورنہ شعر گوئی سے بدتر حجاب و مانع اور کوئی چیز نہیں۔

اڑتیسویں مجلس

رمضان کے مہینہ میں حاضر خدمت ہوا، شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے خدام نے چاہا کہ آنے والوں کے ہاتھ دھلائے جائیں کہ ایک قلندر مجلس سے اٹھ کر جانے لگا شیخ نے اسے کئی مرتبہ بلند آواز سے کہا درویش کیوں جا رہے ہو؟ لیکن اس نے سنی ان سنی کردی اور تیزی سے باہر چلا گیا، شیخ نے قلندروں کو دوڑایا کہ ان کو واپس لے آئیں مگر ان کے پہنچنے تک وہ باہر کے دروازے تک جا چکا تھا، خادموں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بڑی منت وسماجت کر کے اسے واپس لے آئے واپسی کے بعد یہ قلندر اپنی سابقہ نشست گاہ کے بجائے میری داہنی جانب سے ذرا اوپر ہو کر بیٹھ گیا تو شیخ نصیر الدین دہلوی نے فرمایا کہ ایک مرتبہ شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں ایک قلندر آیا، شیخ اس وقت اپنے کمرے میں ذکر اللہ میں مشغول تھے اور شیخ کا یہ قاعدہ اور دستور تھا کہ جب اپنے کمرے میں جاتے تو اندر سے دروازہ بند فرما دیا کرتے اس کے بعد وہاں کسی اور کو جانے کی اجازت نہ ہوتی تھی چنانچہ وہ قلندر آیا اور شیخ کی کمبل والی خاص نشست گاہ میں آ کر بیٹھ گیا، شیخ کے خادم خاص بدر الدین اسحاق نے ان کا ادب کرتے ہوئے کچھ نہ کہا بلکہ تھوڑا سا کھانا لا کر ان کے سامنے رکھ دیا، قلندر نے کہا پہلے میں شیخ سے ملوں گا اس کے بعد کھانا کھاؤں گا تو بدر الدین اسحاق نے کہا کہ شیخ کمرے کے اندر یاد الٰہی میں مشغول ہیں اور وہاں جانے کی کسی کو اجازت بھی نہیں ہے آپ پہلے کھانا کھائیں بعدہٗ آپ کو شیخ کے پاس لے چلوں گا چنانچہ اس نے کھانا کھایا اور اس کے بعد وہ گھاس جو قلندر کھایا کرتے ہیں اپنے تھیلے سے نکالی اور اپنی کشکول میں رگڑنے لگے جس کے کئی قطرے شیخ کی نشست گاہ پر گرے یہ دیکھ کر بدر الدین آگے بڑھے اور کہا بس کیجئے (یعنی ان کو اس فعل سے منع کیا) یہ سنتے ہی قلندر لال پیلا ہو گیا اور بدر الدین کو مارنے کے لیے اپنا کشکول اٹھا لیا اتنے میں شیخ اندر سے دوڑتے ہوئے آئے اور قلندر کا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے، اے قلندر! مجھے بخش دو، قلندر نے کہا کہ درویش ہاتھ نہیں اٹھایا کرتے اور اگر اٹھا لیتے ہیں تو پھر نیچا نہیں کرتے، شیخ نے فرمایا اچھا اس دیوار پر مارو، چنانچہ اس قلندر نے اپنا کشکول اس دیوار پر مارا جس سے وہ دیوار گر گئی، یہ حکایت بیان فرمانے کے بعد شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عام لوگوں کے اندر ایک

خاص بھی ہوا کرتا ہے، پھر یہ حکایت سنائی کہ شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا جب بغداد سے اپنے شیخ، شیخ شہاب الدین سہروردی کے ہاں سے واپس لوٹ رہے تھے تو سفر کے دوران ایک جگہ ٹھہرے چونکہ اس جگہ کوئی مسافر خانہ نہ تھا اس لیے ایک مسجد میں قیام فرمایا، کچھ قلندر بھی وہاں جمع ہو گئے جب شیخ ذکر الٰہی میں مشغول ہوئے تو آپ نے ایک قلندر کو دیکھا جو از سرتاپا نور الٰہی میں غرق تھا شیخ اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا اے مرد خدا! تو ان لوگوں میں کیوں رہتا ہے؟ اس قلندر نے جواب دیا کہ اے زکریا! تاکہ معلوم ہو جائے کہ عام لوگوں میں ایک خاص بھی ہوتا ہے جس کی وجہ سے عوام کی بخشش ہوتی ہے، اس کے بعد شیخ نے فرمایا کہ یہ قلندر جس نے اتنی طاقت حاصل کر لی تھی اپنے زمانہ کا مفتی تھا، شیخ جمال الدین ساوجی انہیں چلتا پھرتا کتب خانہ کہتے تھے، مشکل ترین استفتاء ان کے پاس آتے اور یہ کتاب دیکھے بغیر ان کا جواب دے دیتے تھے، اسی زمانہ میں اور بزرگ تھے جن کا نام معلوم نہیں ان کے پاس آہن پوش آتے اور آہن پوش وہ لوگ ہوتے ہیں جو کوئی لباس اور خرقہ وغیرہ نہیں پہنا کرتے بلکہ کمبل کا ایک لنگوٹ باندھتے ہیں اس کے علاوہ ان کے پاس دنیا کی اور کوئی چیز نہیں ہوتی یہ بزرگ جب آہن پوشوں کے مجمع سے واپس آئے تو فرمانے لگے کہ یہ لوگ آزادی کے کس قدر متوالے ہوتے ہیں، چنانچہ شیخ جمال الدین ساوجی اس مجمع میں آئے اور فرمایا کہ میں اسی وقت جوانمرد ہو سکتا ہوں جبکہ ان لوگوں سے زیادہ طاقت نہ دکھاؤں، یہ قبولیت کا وقت تھا جب مجلس سے اٹھے تو ان کا یہ حال ہو گیا کہ سب چیزوں سے کنارہ کش ہو گئے یہاں تک کہ انہیں اپنی داڑھی بھی بوجھل معلوم ہونے لگی چنانچہ اس کو بھی کتروا دیا اور گدڑی پہن کر ایک قبر میں چلے گئے، اور حیران و پریشان ہو کر دل و چشم آسمان کی طرف کر کے بیٹھ گئے چنانچہ جب لوگوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے شیخ ساوجی کی حالت کو اس بزرگ پر واضح کیا تو وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس قبر پر آئے تو دیکھا کہ شیخ آسمان کی طرف چہرہ کئے پریشان بیٹھے ہیں یہ دیکھ کر انہوں نے رانگ پگھلا کر پلا دیا اور شیخ فوراً ...... ہوش میں آ گئے اور فرمایا سبحان اللہ نہایت ہی ٹھنڈا پانی تھا اس واقعہ پر لوگوں نے اعتراض کیا ہے اس وقت شیخ جمال الدین ساوجی سے جو کچھ سرزد ہوا اس پر اہل علم اور صاحب شریعت لوگوں نے بحث کی ہے کہ آپ نے داڑھی کتروا کر شریعت کی خلاف ورزی کی ہے، چنانچہ

شیخ نے اپنا چہرہ اپنے خرقے میں ڈال کر نکالا تو چہرہ پر پوری داڑھی موجود تھی، پھر شیخ نے اپنے سینے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا اتنی لمبی سفید داڑھی دیکھی جا سکتی ہے۔ اسکے بعد تمام لوگ شیخ کے ہاں سے چلے گئے مگر قلندر وہیں رہا (داڑھی کا کتروانا واقعی خلاف شرع فعل تھا مگر اس بزرگ سے فعل قصداً صادر نہ ہوا ہوگا بلکہ ان پر اس وقت ایسی کیفیت طاری ہوگئی ہوگی جس کی وجہ سے انہیں اس کا خیال ہی نہ رہا ہو کہ میں کیا کر رہا ہوں اس لیے اتنا ضرور کہنا ہوگا کہ داڑھی کا کتروانا شرعاً گناہ ہے مگر یہ بزرگ اس وقت فنافی اللہ ہو جانے کی وجہ سے معذور تھے اس لیے یہ فعل کسی داڑھی کتروانے والے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ فاضل ۱۲)

شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ

....

آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے فرزند تھے، کہتے ہیں کہ آپ لوگوں سے غائب ہوگئے اور ابدالوں کے پاس چلے گئے۔

شیخ حسام الدین سوختہ رحمۃ اللہ علیہ

۶۲۲ھ.........................۷۴۱ھ

آپ شیخ فخر الدین ابن شیخ الاسلام معین الدین چشتی سنجری کے صاحبزادے تھے محبت کی آگ میں جلے ہوئے اور الفت کے قیدی تھے، آپ خواجہ نظام الدین اولیاء کی صحبت سے فیض یافتہ تھے، آپ کا مزار سانبھر میں مغرب کی طرف اجمیر کی سمت میں ہے آپ کے والد بزرگوار نے آپ کا نام اپنے گمشدہ بیٹے کے نام پر رکھا۔

خواجہ معین الدین کی دو بیویاں تھیں ایک سید وجیہ الدین مشہدی کی صاحبزادی جو سید حسین خنگ سوار کے چچا تھے، جن کا مزار اجمیر کے قلعہ کے بالائی حصہ پر ہے اس بیوی کا نام بی بی عصمت تھا، اور دوسری کنیز تھیں جن کا نام امۃ اللہ تھا، واقعہ یہ ہے کہ خواجہ صاحب نے بوڑھے ہونے تک کوئی شادی نہ کی تھی ایک رات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، نبی علیہ السلام نے فرمایا اے معین الدین! تو میرے دین کا معین و مددگار ہے مگر میری سنت چھوڑ رکھی ہے اتفاق سے اسی رات قلعہ نبیلی کا حاکم جس کا نام ملک خطاب تھا اس علاقہ

کے کافروں پر حملہ آور ہوا، وہاں کے ایک راجہ کی لڑکی اس کے ہاتھ لگی ملک خطاب خواجہ صاحب کا مرید تھا اس نے وہ لڑکی خواجہ صاحب کی خدمت میں پیش کی خواجہ صاحب نے اس کو قبول فرمالیا، وکذافی تاریخ بلاد جانی۔

نیز سید وجیہ الدین مشہدی کی ایک لڑکی تھی جو عفت کے کمال سے آراستہ اور عصمت کے پیرایہ میں پیراستہ تھی یہ لڑکی حد بلوغ کو پہنچ چکی تھی لیکن کفو کے وجود پر موقوف تھی، سید صاحب نے ایک رات خواب میں امام جعفر صادق کو دیکھا انہوں نے آپ سے فرمایا کہ اے بیٹا وجیہ الدین! مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ تم اپنی بیٹی کی شادی خواجہ معین الدین سے کرو، چونکہ سید صاحب خواجہ صاحب کے عقیدتمندوں میں سے تھے انہوں نے خواجہ صاحب سے یہ تمام ماجرا کہہ سنایا خواجہ صاحب نے فرمایا بابا وجیہ الدین میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں اور مرنے کے قریب ہوں مگر چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اس لیے تعمیل کے علاوہ کوئی چارہ نہیں، دونوں بیویوں سے اولاد بھی ہوئی، راجہ کی بیٹی سے بی بی جمال پیدا ہوئیں جو قرآن کریم کی حافظہ تھیں۔ راجہ کی بیٹی کا بی بی جمال نام نہیں تھا جیسا کہ لوگوں میں مشہور ہے بلکہ راجہ کی نواسی بی بی جمال تھیں جو خواجہ صاحب کی بیٹی تھیں جن کی قبر بھی خواجہ صاحب کے پائیں میں ہے۔ جن کے شوہر کا نام شیخ رضی تھا ناگور کے ایک گاؤں میں مندلا حوض پر ان کی قبر ہے خواجہ صاحب کی صاحبزادی بی بی جمال سے دو بیٹے پیدا ہوئے لیکن ان کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔

خواجہ صاحب کے تین بیٹے تھے، شیخ ابو سعید، شیخ فخر الدین، شیخ حسام الدین ابو سعید تو سید وجیہ الدین کے نواسے تھے، باقی شیخ فخر الدین اور حسام الدین کے بارے میں اختلاف ہے، سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ اور کچھ درویش اس طرف گئے ہیں کہ یہ دونوں بی بی عصمت دختر سید وجیہ الدین کے بیٹے ہیں ان کے علاوہ سید شمس الدین ظاہر اور کچھ درویشوں کا خیال ہے کہ یہ دونوں بی بی امۃ اللہ کے بیٹے تھے جو راجہ کی بیٹی تھی

واللہ اعلم بالصواب۔

خواجہ معین الدین خرد رحمۃ اللہ علیہ

۷۰۲ھ..................۷۶۱ھ

آپ شیخ معین الدین چشتی کے پوتے یعنی حسام الدین سوختہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند تھے، چونکہ آپ کا نام بھی معین تھا اس لیے بڑے اور بزرگ بہ نسبت آپ کو خورد (یعنی چھوٹا) کہا کرتے تھے اور یہی تعریف آپ کے لیے بہت کافی ہے کہ آپ کامل درویش تھے مرید ہونے سے قبل ہی اتنی ریاضت اور مجاہدہ کیا تھا کہ بغیر کسی واسطہ کے خواجہ معین الدین چشتی سے فیض یاب ہوا کرتے تھے آخر کار خواجہ صاحب کے ارشاد سے شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے مرید ہوئے اور خرقہ خلافت حاصل کیا، شیخ حسام الدین سوختہ کے چھوٹے بیٹے شیخ قیام بابریال بڑے خوبصورت بہادر شجاع اور پر عظمت تھے، خواجہ معین الدین خرد اور شیخ قیام الدین کی کثرت سے اولاد ہوئی، مندو میں جو خاندان چشتیہ ہے وہ بھی انہی کی اولاد میں سے ہیں، اگرچہ ان کا نام شیخ قطب الدین تھا لیکن محمود خلجی نے انہیں چشتیہ خاندان کا لقب دیگر دو ہزار سواروں کا سردار مقرر کردیا تھا سلطان محمود نے جب اجمیر کو فتح کیا تو اجمیر کو چشت خاندان کے حوالہ کرنا چاہا لیکن آپ کے متعلقین خورد و کلاں مندو میں مقیم تھے اس لیے چشت خاندان نے اجمیر کی حکومت کو قبول کرنے سے انکار کردیا، شیخ قیام الدین بابریال کی اولاد میں سے شیخ بایزید بزرگ بھی ہوئے ہیں جو نہایت ہی زیرک اور سمجھ دار تھے اور خواجہ کے مزار پر پڑھایا کرتے تھے شیخ احمد مجدد اور دوسرے حضرات آپ ہی کے تلانذہ میں سے ہے۔

خواجہ چشت کے بیٹوں میں سے جس بیٹے کی بابت جھگڑے منسوب ہیں وہ یہی شیخ بایزید بزرگ ہیں، جھگڑے کا خلاصہ یہ ہے کہ جب دارالخلافہ دہلی میں شورش اور اختلاف کی وجہ سے حکومت کمزور ہوگئی تو اس کے نتیجہ میں کافروں کا اجمیر میں تسلط اور غلبہ ہوگیا تو خواجہ چشت کی اولاد میں خواجہ معین الدین خرد مندو چلے گئے اور وہیں رہنے لگے اور شیخ قیام الدین بریال گجرات میں جا کر حصول تعلیم میں مشغول ہوگئے اسی طرح شیخ بایزید بزرگ بغرض تعلیم بغداد چلے گئے، سلطان محمود خلجی نے ایک عرصہ اور مدت کے بعد دوبارہ اجمیر کو فتح کر کے اس پر اسلامی پرچم لہرا دیا اور یہاں کے تمام کفار کو ہزیمت و شکست دی، شیخ بایزید بزرگ بغداد

وغیرہ کے اسفار سے واپس مندو تشریف لائے، شیخ محمود دہلوی جو مندو کے شیخ الاسلام تھے اور تمام علماء میں آپ کو بڑا تسلیم کیا جاتا تھا، ان کی شیخ بایزید بزرگ سے کسی موقع پر ملاقات ہوئی اور اس ملاقات کے بعد دونوں کے مابین تعلقات وابستہ ہوگئے، چنانچہ مندو ہی میں شیخ محمود دہلوی نے اپنی دختر نیک اختر کی شادی بھی بایزید بزرگ سے کردی، اتنے میں سلطان محمود خلجی بھی بایزید بزرگ کا اچھا خاصا معتقد ہوگیا، چشت خان کو بایزید بزرگ سے گھریلو خلفشاریوں کی بناء پر اختلاف تھا اس لیے اسے سلطان محمود خلجی کا بایزید بزرگ کا معتقد ہوجانا سخت ناگوار گزرا ایک دفعہ ایسا ہوا کہ علماء اور مدرسین کے تقرر کی خاطر سلطان محمود خلجی ایک بار اجمیر میں تھا کہ چشت خاں نے کسی نہ کسی طرح شیخ بایزید بزرگ خواجہ کے مزار پر تعلیم دینے کی غرض سے بھجوا دیا، چند ہی دن گزرے ہوں گے کہ آپ سے اکثر طلباء نے پڑھنے سے انکار کردیا چنانچہ لوگوں نے ان تمام حالات کو تحریر کرکے سلطان کی طرف بھیج دیا، جب سلطان نے ان باتوں کو دیکھا تو اس نے علماء اور مشائخ وقت سے شیخ بایزید بزرگ کی خاندانی شرافت کے بارے میں دریافت کیا، مخدوم خواجہ تین ناگوری اور مولانا رستم اجمیری جیسے اجمیر کے قدیمی علماء اور دیگر معزز علماء نے بھی شہادت دی تھی کہ بایزید بزرگ دراصل شیخ قیام الدین بریال بن شیخ حسام الدین سوختہ بن شیخ فخر الدین ابن خواجہ معین الدین چشتی کی اولاد میں سے ہیں اور اگر صرف خواجہ حسین ناگوری ہی شیخ بایزید بزرگ کا نسب بتا دیتے تو کافی تھا کیونکہ خواجہ حسین ناگوری ولی، مقتدا اور اس سلسلہ کے بخوبی عارف تھے، نیز خواجہ حسین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ بایزید بزرگ کے بیٹوں کو اپنی بیٹیاں بھی دی تھیں یہ بھی اس امر کا ثبوت تھا کہ شیخ بایزید بزرگ کا سلسلہ خاندان خواجہ معین الدین اجمیری تک پہنچتا ہے اور یہی حقیقی اور فی الواقع امر ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

غرضیکہ خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کی کثرت اور وسعت ایک یقینی بات ہے اور لوگوں کا یہ کہنا کہ خواجہ کی کوئی اولاد نہ تھی بالکل بے اصل بات ہے بلکہ خواجہ اجمیری کی اولاد ملفوظات چشت میں بالتفصیل درج ہے۔ شیخ حمید الدین کے پوتے شیخ فرید نے اپنی کتاب سرور الصدور میں اپنے جد امجد کے حوالہ سے تحریر کیا ہے کہ ہمارے شیخ کے لڑکے پیدا ہوچکے تھے اسی زمانے میں انہوں نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ حمید! کیا بات ہے ہم اپنی جوانی اور

قوت کے زمانہ میں اللہ سے جو کچھ مانگتے فوراً اور جلدی مل جایا کرتا تھا لیکن اب بڑھاپے میں جو دعا کرتے ہیں تو الٹا کام بگڑ جاتا ہے اس پر میں نے عرض کیا کہ شیخ کو خوب معلوم ہے کہ جب تک حضرت مریم کے بطن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا نہیں ہوئے تھے تو بغیر محنت و مشقت کے انہیں محراب میں سردیوں کا گرمیوں میں اور گرمیوں کا سردیوں میں پھل دیا جاتا تھا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور ولادت کے بعد حضرت مریم منتظر ہیں کہ پہلے کی طرح اب بھی میوہ جات ملتے رہیں مگر وحی آئی کہ وھزی الیك بجذع النخلة تساقط علیك رطبا جنیا ترجمہ: (جاؤ کھجور کی شاخوں کو ہلاؤ تاکہ تمہاری جانب تازہ کھجوریں گریں)

آپ کی پہلی اور موجودہ حالت میں یہی فرق ہے۔ خواجہ نے میرے اس جواب کو قبول کیا اور پسند فرمایا۔

خواجہ احمد رحمۃ اللہ علیہ

۶۹۲ھ.................۷۴۷ھ

آپ شیخ ابو یزید بن شیخ قیام الدین کے لڑکے تھے فوائد الفواد میں شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ شیخ احمد حضرت معین الدین چشتی کے پوتے تھے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ میرے ایک دوست ایمان کی سلامتی کے لیے مغرب کی نماز کے بعد دواماً دو رکعت نفل بایں طریق پڑھا کرتے تھے کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سات بار سورۂ اخلاص اور ایک بار سورۂ فلق اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سات مرتبہ سورۂ اخلاص اور ایک بار سورۂ الناس جب دو رکعت نفل سے فارغ ہوتے تو سجدہ میں جاکر تین مرتبہ پڑھے۔

یاحی یا قیوم ثبتنی علی الایمان اے حی و قیوم مجھے میرے ایمان پر ثابت رکھنا۔

ہمیں اجمیر کے علاقہ میں ایک روز شام ہوگئی ہمارے سامنے چور نمودار ہوئے ہم سب لوگ فرض و سنت کو چھوڑ کر شہر کی طرف روانہ ہوگئے (تاکہ یہ چور نقصان نہ پہنچائیں) مگر ہمارا وہ دوست نماز مکمل کر کے ہمارے بعد آیا ہم ان کے انتقال کے وقت ان کے پاس گئے، انہوں نے اپنی جان جان آفریں کو اس طرح دی کہ ہم نے اس طرح پہلے کسی کو نہ دیکھا تھا،

خواجہ احمد فرماتے ہیں کہ اگر مجھے خدا کے سامنے پیش کیا گیا تو میں گواہی دوں گا کہ وہ سرد دنیا سے ایمان کے ساتھ رخصت ہوا تھا۔

خواجہ وحید رحمۃ اللہ علیہ

۶۹۴ھ.................۷۴۸ھ

آپ خواجہ احمد کے حقیقی بھائی تھے۔ فوائد الفواد میں شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اور شیخ نصیرالدین طالب علمی کے زمانے میں شیخ فرید الدین کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک جوگی آیا اور آداب بجالانے کے بعد بیٹھ گیا شیخ نصیر الدین نے اس جوگی سے دریافت کیا کہ بابا انسان کے بال کسی دوا سے لمبے ہو جاتے ہیں، شیخ نصیرالدین کا شیخ کی موجودگی میں یہ سوال کرنا مجھے اچھا معلوم نہ ہوا اتفاق سے خواجہ معین الدین کے پوتے خواجہ وحید آئے اور بیعت ہونے کے خواہش ظاہر کی، شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں تو آپ ہی کے خاندان سے بھیک مانگ کر لایا ہوں میری کیا مجال کہ تمہیں مرید کروں لیکن خواجہ وحید نے بے انتہا الحاح کی اور مرید ہو گئے اس کے بعد سر منڈوا دیا اور اس نصیر الدین طالب علم نے بھی جس نے جوگی سے بال بڑھانے کا نسخہ پوچھا تھا سر منڈوا دیا اور درویشوں کی صحبت اس میں تاثیر کر گئی۔

شیخ بدر الدین سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ

۶۱۴ھ.................۶۹۸ھ

ملفوظات شیخ شرف الدین یحیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ شیخ نجم الدین کے مرید تھے سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ شیخ سیف لایدن باخرزی کے خلیفہ تھے، شیخ نجم الدین سے دریافت کیا گیا، اور نیز سیر الاولیاء میں بھی ہے کہ آپ بہت بڑے ولی اللہ تھے، خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سماع بھی سنا کرتے تھے اور بہت وجیہ اور حد درجہ خوبصورت اور خوب سیرت تھے، اور جب شیخ سمرقندی فوت ہوئے تو آپ کو سنگولہ میں دفن کر دیا گیا۔ آپ کی وفات کے تیسرے روز شیخ نظام الدین اولیاء تشریف لائے مجلس سماع قریب الختم تھی آپ مجلس سے اٹھ کر دوسری جگہ چلے گئے لوگوں نے چاہا کہ آپ کو

بھی شریک کیا جائے، جب آپ سے درخواست کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے اور ان کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے تم بیٹھو میں نہیں بیٹھتا۔ نیز فرمایا کہ موافقت شرط ہے۔ (اور چونکہ میرے اور تمہارے مابین مناسبت نہیں اس لیے میں اس محفل میں شریک نہیں ہوتا)

شیخ رکن الدین فردوسی رحمۃ اللہ علیہ

۶۳۳ھ.................................۶۹۹ھ

آپ خواجہ بدر الدین سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، دہلی آپ کا مسکن تھا اور جب سلطان کیقباد نے کیلوکہری میں نئی شہری آبادی کرنا چاہی تو آپ بھی وہاں تشریف لائے اور دریائے جمنا کے کنارے مقیم ہوگئے غالباً آپ کے اور شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان چنداں محبت و اخلاص نہ تھا۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ شیخ رکن الدین کے نوجوان بیٹے اور دوسرے مرید اکثر و بیشتر کشتی میں بیٹھ کر ناچتے گاتے اور سماع کرتے ہوئے خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے مکان کے نیچے سے گزرا کرتے تھے ایک روز اسی طرح گزر رہے تھے کہ خواجہ نظام الدین اولیاء کی ان پر نظر پڑی تو (اپنے حجرے سے) سر باہر نکالا اور فرمایا کہ ایک وہ ہے جو برسوں سے خون جگر پی رہا ہے اور اس راہ پر فدا ہو چکا ہے اور دوسرے یہ نوجوان ہیں جو کہتے ہیں کہ تو کیا ہے جو ہم نہیں (یعنی وہ کہتے تھے کہ خواجہ نظام اور ہم میں کیا فرق ہے) اور اپنا ہاتھ آستین سے باہر نکالا اور ان کی جانب اشارہ فرمایا، خبردار ہو کر جانا چنانچہ شیخ رکن الدین کے بیٹے اسی طرح شور و غوغا کرتے ہوئے اپنے گھر کے قریب تک پہنچ گئے اور کشتی سے اتر کر انہوں نے چاہا کہ غسل کرلیں جونہی وہ لوگ پانی میں داخل ہوئے تو تمام کے تمام غرق ہوگئے۔

شیخ نجیب الدین فردوسی رحمۃ اللہ علیہ

۶۹۸ھ.................................۷۶۱ھ

آپ شیخ رکن الدین فردوسی کے مرید تھے آپ کی قبر حوض شمسی کے مشرقی جانب ایک بلند اور اونچے مقام پر مولانا برہان الدین بلخی کی قبر کے نزدیک ہے۔

شیخ شرف الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ

۶۸۵ھ
۷۵۶ھ..................

آپ حضرت یحییٰ منیری کے فرزند تھے آپ کا ہندوستان کے مشہور مشائخ میں شمار ہے آپ کے فضائل و مناقب محتاج بیان نہیں، آپ کی تصنیفات بھی کثرت سے ہیں جن میں سے ''مکتوبات'' زیادہ مشہور ہیں۔ یہ اس لحاظ سے بھی بے نظیر اور بہترین کتاب ہے کہ اس میں آداب طریقت' اور رموز حقیقت درج کئے گئے ہیں اگرچہ آپ کے ملفوظات بھی ایک مرید نے جمع کئے ہیں لیکن مکتوبات میں لطافت و شیرینی کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔ نیز یہ بھی مشہور ہے کہ آپ نے رسالہ آداب المریدین کی بھی ایک (نامعلوم) شرح لکھی تھی۔ آپ شیخ نجیب الدین فردوسی کے مرید تھے، کہتے ہیں کہ شیخ شرف الدین احمد ایک مرتبہ اپنے وطن سے خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ سے مرید ہونے کے شوق سے دہلی روانہ ہوئے ابھی آپ دہلی پہنچے بھی نہ تھے کہ خواجہ نظام الدین اولیاء کا انتقال ہوگیا، شیخ نجیب الدین اس زمانہ میں دہلی میں موجود تھے جب شرف الدین احمد آپ کے پاس پہنچے اور ملاقات کی تو شیخ نجیب الدین فردوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ برسوں سے تمہارے انتظار میں ایک امانت لیے یہاں بیٹھا ہوں جو تمہارے سپرد کرنی ہے چنانچہ شیخ شرف الدین شیخ نجیب الدین فردوسی سے بیعت ہوئے پھر شیخ سے انعامات لے کر اپنے وطن واپس تشریف لائے۔

نیز لوگوں میں یہ بھی مشہور ہے کہ دہلی سے واپس آتے وقت آگرہ کے جنگلوں میں کئی برس تک عبادت الٰہی میں مشغول رہے اور اس کے بعد وطن واپس تشریف لائے آپ کی قبر صوبہ بہار کے قصبہ منیر میں ہے۔ ایک فارسی کی کتاب میں چودہ خانوادوں کا ذکر کرتے ہوئے اس کے مؤلف نے لکھا ہے کہ فردوسی خاندان کی ابتداء سلسلہ سہروردیہ سے متعلق ہے شیخ نجم الدین کبریٰ فردوسی سے اور شیخ علاؤ الدین فردوسی مجاہدہ اور ریاضت میں تقریباً ہم پلہ تھے اور دونوں کمال کی انتہا تک پہنچے ہوئے تھے یہ دونوں بزرگ روزے رکھتے اور ایک ہفتہ کے بعد افطار کیا کرتے تھے جو کی روٹی اور جنگلی ساگ اکثر ان کی غذا ہوتی تھی ایک دفعہ یہ دونوں بزرگ مل کر شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی کے پاس تشریف لائے اور کہا کہ عمر ختم

ہو رہی ہے اور ابھی تک کوئی کام نہیں ہو پایا اگر چہ ریاضت و مجاہدہ بہت کیا ہے مگر ابھی تک مقصود حاصل نہیں ہو سکا۔ شیخ ضیاء الدین ابو النجیب نے فرمایا بھائیو! میں بھی اسی مرض کا مریض ہوں علاج یہ ہے کہ کسی سے بیعت ہو جائیں، چنانچہ یہ تینوں بزرگ شیخ وجیہ الدین ابو حفص بن عمر بن عمویہ کے پاس تشریف لائے، شیخ وجیہ الدین نے ضیاء الدین اور علاؤ الدین کو ایک مدت کے بعد خلافت دے کر روانہ فرما دیا اور شیخ نجم الدین کبریٰ کو شیخ نجیب فردوسی کے حوالہ کیا اور فرمایا کہ انہیں اپنے پاس رکھ چنانچہ سات ماہ کے بعد شیخ نجیب الدین فردوسی نے شیخ نجم الدین کبریٰ کو خلافت دیدی اور فرمایا کہ تم فردوسی مشائخ میں سے ہو، اس روز کے بعد یہ فردوسی خاندان معرض وجود میں آیا، شیخ شرف الدین احمد خیری کے مشہور مجموعہ مکتوبات کے سوا اور دیگر خطوط بھی ہیں جو شیخ مظفر بلخی کو تحریر کئے گئے تھے جو آپ کے مرید اور خلیفہ اور صاحب اسرار بزرگ تھے۔

کہتے ہیں کہ پچیس برس تک شیخ مظفر کو سلوک کی حالت میں جو واقعات و معاملات اور حالات پیش آئے آپ وہ تمام کے تمام اپنے شیخ کی خدمت میں لکھتے رہے اور شیخ ہر ایک کا جواب دیتے رہے، شیخ شرف الدین نے بعض خطوط کے نیچے تحریر فرمایا ہے کہ برادر عزیز کی تمام مشکلات و معاملات کا میں نے حل تحریر کیا ہے یہ خطوط کسی کو نہ دکھلانا، اس لیے کہ یہ ربوبیت کے اسرار کے افشا کا موجب اور سبب ہوگا، جب بھی شیخ مظفر کے مرید آپ سے شیخ شرف الدین کے خطوط بغرض استفادہ نقل کرنے کی درخواست کرتے تو اپنے شیخ کی وصیت کی حفاظت اور خدا کے سر کو ظاہر نہ ہو جانے کے ڈر سے کسی کو نہ دکھاتے اور خطوط کو مہر لگا کر اپنے پاس رکھتے تھے۔ اس حکایت کا ناقل کہتا ہے کہ ان خطوط کی تعداد دو سو سے زائد تھی چنانچہ شیخ مظفر نے اپنے انتقال سے قبل یہ وصیت کی کہ یہ خطوط میرے کفن میں رکھ دیئے جائیں، آپ کی وصیت کے مطابق وہ تمام خطوط آپ کے کفن میں رکھ دیئے گئے تاکہ اپنے بزرگ کے اسرار مخفی رہیں، ایک تھیلی کے اندر ایک شیخ الاسلام کے دستخطوں سے مصدقہ خطوط کا ایک بنڈل باقی رہ گیا ان خطوط میں سے چند کو نقل کیا جاتا ہے تاکہ پڑھنے اور سننے والوں کے لیے دینی نفع کا باعث ہوں مگر میں نے ان تمام خطوط میں سے سالکین اور طالبین کے مناسب کچھ کا انتخاب کیا ہے ان میں دو تین ہی شاید مکمل تھے جو ذیل میں درج کئے

جاتے ہیں۔

مکتوب اول

دائماً تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔

ہر بلا ایں قوم را حق دادہ است　　　　زیرآں گنج کرم بنہادہ است

(ہر مصیبت جو اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو دی ہے، اس کے ضمن میں خزانہ کرم مخفی رکھا ہے)

برادر عزیز مظفر! سلام و دعا، اپنے کام میں مردانہ وار مشغول رہو۔ شدائد امور، کثرت ابتلا اور گوناگوں امتحانات جو سالک کی راہ میں حائل ہوتے ہیں ان کی وجہ سے اپنے کسی کام میں قصور نہ کرنا۔

برادر عزیز! عظمت انبیاء کے بارے میں منقول ہے کہ خدا تعالیٰ کے کاموں میں متنوع ہے، اس کے کام ہمیشہ ایک ہی نہج اور طریقے پر جاری نہیں رہتے اس لیے کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کس کو کس طرح سے اقبال مندی اور کشائش سے نوازے گا، نعمت، مشقت، عطاء اور مصائب کے واسطہ سے سرفراز کرے گا جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کو آگ کے تنور میں ڈالا، پھر ایک صندوق میں محبوس کیا پھر دریا میں ڈالا بعدہٗ دشمنوں کے سپرد کر دیا، پھر موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ایک قبطی مارا گیا جس کے قتل کے باعث آپ کو وطن چھوڑ کر پردیس میں رہنا پڑا، پھر دس برس تک بکریوں کو چراتے رہے اسی زمانہ میں ایک رات کو آسمان پر سیاہ بادل چھا گئے بجلی چمکنے لگی اور جنگل سے بھیڑیئے نکل آئے، بکریاں بھاگ گئیں، آپ راستہ بھول گئے، آپ کی بیوی کو دردزہ کی شدت نے پکڑ لیا، سخت سردی پڑنے لگی، آگ دور دور تک نہ ملتی تھی اور سردی اتنی سخت تھی کہ چقماق رگڑنے سے بھی آگ نہ نکلتی تھی، جب تمام طریقے آگ کے استعمال کرنے کے باوجود بھی کامیاب نہ ہو سکے اور حصول آگ سے عاجز ہو گئے تو اسی دوران میں غیبی امداد نے دستگیری کی اور آپ نے کہا انـــــی انست نارا (میں آگ دیکھنا چاہتا ہوں) جب آپ آگ لینے گئے تو وہاں ایک دوسرا گل کھلا کہ **انا ربك فاخلع نعليك انك بالواد المقدس طوی وانا اخترتك فاستمع لـمـا يوحى** ترجمہ: (میں آپ کا پروردگار ہوں اپنے دونوں جوتے اتاریئے کیونکہ آپ

پاکیزہ مقام طویٰ پر ہیں اور ہم نے آپ کو چن لیا اور ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اسے غور سے سنیئے)

اسرار ربوبیت غیر معلوم ہیں اور اگر بندے پر اللہ کے احوال ایک ہی نہج و طریقہ سے ہمیشہ جاری رہتے تو بندے کا علم اپنے خدا کی صفات کا احاطہ کر لیتا حالانکہ اللہ کی صفات کا احاطہ ناممکن ہے (لہٰذا معلوم ہوا کہ اللہ کے احکام اور احوال تمام بندوں پر ایک ہی طرح کے جاری نہیں ہوتے

ہرچہ در خلق سوزی وسازے است　　　اندراں مرخدائے رازے است

(مخلوق کے اندر جو کچھ بھی سوز و ساز ہے ان کے اندر خدا تعالیٰ کا کوئی نہ کوئی راز ضرور ہے)

مکتوب دوئم

اے برادر! انسان ایک چیونٹی کی مانند جنگلات میں پڑا ہوا یہ خواہش و تمنا کرتا رہتا ہے کہ میں مکہ معظمہ پہنچ جاؤں (اگر وہ اس کے اسباب تیار نہیں کرتا تو اس کا مکہ میں چلا جانا عادۃً) محال ہے۔

رباعی

دردا کہ غم کوہ بکاہ افتادہ است　　　معشوق دل مورچہ ماہ افتادہ است

ایں واقعہ طرفہ براہ افتادہ است　　　درویش بعشق بادشاہ افتادہ است

(ہائے افسوس کہ پہاڑ کا غم گھاس کو ہے اور چیونٹی کا دل چاند کے عشق میں مبتلا ہے یہ عجیب واقعہ پیش آیا کہ درویش بادشاہ کے عشق میں مبتلا ہو گیا)

اے برادر! عاشق کو اس قسم کا معشوق چاہئے کہ اگر وہ مہربان ہو تو عاشق سے اپنی مراد حاصل کرے، اگر وہ عاشق پر غضبناک ہو تو عاشق اس سے اپنی مراد پوری کر لے عاشق اور معشوق کی مراد مل کر تمام ہوتی ہے اور عاشق صادق وہی ہے جو اپنی تمامتر خواہشات کو معشوق کے قدموں پر قربان کر دے اور اس کی صلاحیت بجز اس آدمی کے اور کوئی نہیں رکھتا جو دنیا اور آخرت کے تمام مشاغل سے فارغ البال ہو لیکن جس عاشق کو کچھ دوسرے مشاغل ہوں یا اس کے قلب پر اپنی عقبیٰ اور آخرت کا سودا سوار ہو تو وہ اپنے آقا کی اچھی طرح خدمت نہیں

کرسکتا، اور بزرگوں نے کہا ہے کہ دنیا دار اپنے دنیاوی دھندوں میں لگے ہوئے ہیں اور آخرت کے طلبگار اپنی اخروی زندگی کو درست کرنے میں ہمہ وقت مصروف ہیں اور دوزخی ان کاموں میں مشغول ہیں جن کی وجہ سے انہیں آخر کار عذاب میں مبتلا کیا جائے گا، پس کون شخص ہے جس کو دنیا اور آخرت میں اپنے آقا کی خبر ہے (یعنی ہر ایک اپنے اپنے کام میں لگا ہوا ہے اور مولا سے بالکل بے خبر ہے)

مکتوب سوئم

اے امام مظفر! جاننا چاہئے کہ اس قسم کا معاملات سے کوئی علاقہ نہیں بلکہ یہ مکاشفات سے متعلق ہے اور مکاشفات کو دائرہ تحریر میں لانے کی فرصت نہیں البتہ جو کچھ لکھا گیا وہ یہ ہے کہ محسوسات کو عالم ملک (دنیا) اور معقولی موجودات کو عالم ملکوت، موجودات بالقوۃ کو عالم جبروت، اور اس سے بلندتر کو عالم لاہوت کہتے ہیں، اس مضمون کو اس عنوان سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے کہ دنیا کو عالم شہادت، ملکوت کو عالم غیب اور جبروت کو غیب الغیب کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ غیب غیب الغیب ہے، اس کی تفصیل یوں بیان کی جاتی ہے کہ عالم دنیا کو عالم ملکوت کی لطافتوں سے کوئی نسبت نہیں کیونکہ عالم ملکوت نہایت ہی لطیف ہے اور عالم ملکوت کی لطافت کو عالم جبروت کی لطافتوں سے کوئی نسبت نہیں، اسی طرح عالم جبروت کو ذات باری تعالیٰ سے کوئی نسبت نہیں اس لیے کہ خدا تعالیٰ ذات لطیف لطیف اللطیف ہے، عالم دنیا اور عالم ملکوت کا کوئی ذرہ ایسا نہیں جس پر عالم جبروت محیط نہ ہو اور عالم دنیا، ملکوت اور عالم جبروت کے ذروں سے کوئی ذرہ ایسا نہیں جس پر خدا کی قدرت محیط نہ ہو۔ اور خدا تعالیٰ اس سے آگاہ نہ ہو وہ لطیف وخبیر ہے وہی لطیفِ مطلق ہے جب وہی لطیف مطلق ہے تو محیط مطلق بھی وہی ہے اس لیے کہ جو جتنا زیادہ لطیف ہوگا اسی قدر وہ محیط بھی ہوگا اسی جگہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے وھو معکم اینما کنتم (تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے)

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ ایک دوسرے مقام پر صراحتہً فرماتے ہیں۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید (کہ ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔)

مثنوی

آنچہ تو گم کردۂ گر کردۂ ! ہست اندر تو تو خودرا پردۂ

(اگر تو نے اپنے کو پوشیدہ کر لیا ہے تو کیا ہوا (ہم جانتے ہیں کہ) تو نے اپنے کو اپنے اندر چھپا کر پردہ ڈال لیا ہے)

اسی وجہ سے مشہور ہے کہ عالم دنیا، ملکوت، جبروت اور خدا تعالیٰ کی ذات تیرے ہمراہ ہیں اور انسان کی حقیقت بھی اسی کی مظہر ہے کیونکہ انسان فی الواقع ربوبیت کی حقیقت کا سر ہے

تانیاید جان آدم آشکار رہ ندانستند سوئے کردگار

رہ پدید آمد چوں آدم شد پدید زو کلیدِ ہر دو عالم شد پدید

(جب تک آدم میں روح آشکارا نہ ہوئی تھی اس وقت تک یہ خدا کی راہ سے ناآشنا تھا راہ کھل گئی جب آدم پیدا ہوئے اور دو عالم کی کنجی ہاتھ میں آ گئی)

اس سے زیادہ اس مضمون پر لکھنے کی قدرت نہیں اپنے خاص اوقات میں (خاتمہ) بالایمان کی دعا سے یاد کر لیا کریں۔ والسلام

اے بھائی! تمام کو ترک کر دینا حقیقت میں تمام کو پالینا ہے جو شخص تمام سے علیحدگی اختیار کرتا ہے وہ تمام کو پالیتا ہے (اسی لیے عربی کا محاورہ ہے) **لن یصل الی الکل الا من انقطع عن الکل** (کہ کل کو وہی حاصل کرتا ہے جو کل سے علیحدہ ہو جاتا ہے)

کمال عشق کا ثمرہ اور نتیجہ یہ ہے کہ (عاشق کامل کے نزدیک) منع اور عطاء، رد و قبول، مہربانی اور نفرت برابر ہوں، یہی وہ کمال ہے جس سے بلند اور کوئی کمال نہیں اور جو کمال کہ (مذکورہ چیزوں میں) افتراق اور امتیاز پیدا کرتا ہو وہ فی الواقع کمال نہیں بلکہ ناکارہ پن ہے، اسی کو کسی نے کسی مرد مہجور کے متعلق کہا ہے۔

شعر

ہجر تو خوشتر از وصال دگراں منکر شدنت بہ از رضائے دگراں

(آپ کا فراق دوسروں کے وصال کی بہ نسبت بہتر ہے اور دوسروں کی رضاء کی بہ

نسبت آپ کا انکار بہتر ہے)

نیز ایسے عاشقوں کے لیے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کو رحمت سے دوری پر اتنا فخر ہے جتنا دوسروں کو رحمت پر، ایسے ہی عاشق کو ایک بار کہا گیا کہ رحمت سے دوری کا سیاہ کمبل اپنے کاندھے سے کیوں نہیں اتار دیتے تو اس نے جواب دیا۔

شعر

می نفرد شم گلیم می نفرد شم   گر بفرد شم برہنہ ماند و شم

(میں اپنی گدڑی اور کمبل کو ہرگز فروخت نہ کروں گا، اگر میں نے ایسا کیا تو پھر میرا کندھا برہنہ ہو جائے گا)

یہ بات عقل سے بالاتر ہے۔ عقل اس معنی کے سمجھنے سے مادرزاد مفلس و قاصر ہے، عشق تو خدا تعالیٰ سے اتنی محبت کرنے کا نام ہے جو حد جنون تک پہنچ جائے اس لیے کہتے ہیں کہ دیوانوں کا راستہ اور ہے اور عقل مندوں کا راستہ اور ہے۔

اے بھائی! وہ احوال و کیفیات جن پر تمہارا بھائی چل رہا ہے اگر وہی احوال آپ کو ابتداً ہی حاصل ہو جائیں تو آپ میں پختگی پیدا نہ ہو سکے گی۔ کسی کیفیت کا ظاہر ہونا اور بعدہٗ اس پر عمل کرنا دو جداگانہ کیفیات ہیں اس طرح سے اس راہ پر چلنے والا روز بروز پختہ کار ہوتا ہے جیسا کہ ہر میوہ پر جب تک دو کیفیات طاری نہیں ہوتیں اس وقت تک وہ پختہ نہیں ہوسکتا۔ ایک سایہ اور دوسرا دھوپ۔ اسی طرح لینا، دینا، جمع کرنا، خرچ کرنا، عدم اور وجود دوگانہ حکمت ہے، دیگر بشری صفات حقائق کے منافی ہیں۔ جب تک انسان میں صفات بشریت باقی ہیں، اسی لیے اس کو بقا نہیں، اس لیے کہ بقا اور فنا دونوں کا اجتماع محال ہے یہاں تک یہ مسئلہ ختم ہو گیا۔

اے بھائی! اپنے قلب کو مضبوط اور ہمت بلند اور امید سچی رکھو اس لیے کہ یہ ایسی دولت ہے جس کے سمجھنے کے لیے فرشتوں اور انسانوں کی عقلیں حیران ہیں شعیب علیہ السلام نے ایک مرد کو مزدوری پر رکھا اور ایک صالحہ خاتون کی خاطر اس سے دس برس کی مزدوری طے پائی۔ اس نے آگ کی تلاش کی تو نور قدیم نظر آیا، اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی نعمتوں کی خوشخبری سنا کر خلعت نبوت سے سرفراز فرمایا، بتایئے اس بات کو عقل کیا سمجھ سکتی

ہے یہ تمام باتیں جو اس مرد کو ملیں وہ کوئی ان چیزوں کے مستحق نہ تھے بلکہ ایسی چیزیں تو خدا کے محض فضل وکرم سے ملا کرتی ہیں۔

دیکھئے! فرعون کے جادوگر (ایک) صبح کو اپنے جادو کے غلط راستوں پر گامزن اور مستغرق اٹھے اور اپنے جادو کے ذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ستم وجور کی ٹھانے ہوئے تھے، لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آئے تو خدا کی مدد نے ان کی یاوری کی اور تھوڑی دیر کے بعد ان کے سروں پر خدا نے اپنی معرفت کا تاج رکھا اور توحید کے تخت پر بٹھا دیا اور انہوں نے اسی وقت دنیا کی حقارت اور آخرت کی بھلائیوں کو ملاحظہ کر لیا، غیب سے ندا آئی واللہ خیر وابقیٰ (اللہ ہی کی ذات بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے)

برادر من! آپ کو رحمت کے خم خانہ سے جو عطا کیا جا رہا ہے اس کو گھونٹ گھونٹ کر کے بطیبِ خاطر پیو اور اس انعام کے ملنے پر مستی اور فخر نہ کرو اور سنو۔

شعر

ہر کراں آفتاب ایں جا بتافت انچہ آنجا وعدہ بود اینجا بیافت

(جو کوئی بھی آفتاب یہاں چمک رہے یہ اللہ کا وہ وعدہ ہے جس کو اس نے یہاں پالیا)

خوش رہو، مبارک ہو اور تشنہ محبت رہو۔

شعر

ہست دریائے محبت بے کنار لاجرم یک تشنگی شد صد ہزار

(محبت کا دریا تو ناپید کنار ہے، اس کا ایک بار کا پیاسا لازماً ہزار بار پیاسا ہو۔)

اس دنیا کے تمامتر کاروبار ہمت پر موقوف ہیں جس کی ہمت جتنی بلند ہوگی اس کی تشنگی بھی اتنی زیادہ ہوگی۔

شعر

ہر کہ صاحب ہمت آمد مرد شد ہمچو خورشید از بلندی فرد شد

(جو صاحب ہمت ہے فی الواقع مرد وہی ہے، مانند خورشید کی بلندی سے یکتا ہو)

گردش ایام میں صبر کے کڑوے گھونٹ پینے کے علاوہ چارۂ کار نہیں۔ سختیوں میں جینا

سیکھو ورنہ کچے اور خام رہ جاؤ گے، یہ تیرے لیے نہیں ہے کہ تمام سالکین کا یہی طریقہ رہا ہے۔

شعر

تانگردی نقطہ درد اے پسر — کے توں خواندن ترا مرد اے پسر

(جب تک نہ ہووے تو مجسمہ درد اے بیٹے، اس وقت تک مجھے مرد کہنا ٹھیک نہیں)

اے بھائی! توحید کا راستہ کہ جو مردوں اور بہادروں کا دین ہے یہ ایک ایسا بیکراں دریا ہے کہ جس میں علم و عقل تمام غرق ہیں۔ کیسا لکھنا اور کہاں کا کہنا اس دریا میں جو پڑتا ہے عالم حیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس کی مثال یہ ہوتی ہے۔

شعر

قطرۂ کو غرق در دریا بود — ہر دو کوشش جز خدا سوا بود

برادر من! جو آدمی سکر اور غلبہ عشق میں کوئی بات کہہ دیتا ہے تو وہ معذور ہے بہترین عادت اس گروہ کی یہ ہے کہ الاستقامة على الشريعة مع كتمان السر۔ (کہ شریعت پر ثابت قدم رہنا اور راز ہائے سربستہ کو مخفی رکھنا۔)

اے بھائی! اگر ان تماشا گاہوں میں کسی کو اتفاق سے افرأيت من اتخذ الهه هواه (آپ نے اس کو دیکھا جو اپنی خواہشات کو خدا بنائے ہوئے ہے) سامنے آئے اور اس کی کیفیت یہ ہو کہ لا کے دائرہ میں بند ہو اور الا کی پاسبانی اور نگرانی کا قیدی ہو تو اچھی طرح سمجھ لے کہ الا کا نگراں اور دربان وہ ہے جس کا نام ابلیس ہے جو لوگوں سے کہتا ہے۔

شعر

معشوقہ مرا گفت نشیں بر در من — مگذار دروں ہر کہ ندارد سر من

(معشوقہ نے مجھ سے کہا کہ تو میرے دروازے پر بیٹھ جا اور ہر اس آدمی کو اندر نہ آنے دے جو ہمارا راز دار نہ ہو۔)

اے بھائی! شیطان نے مردود ہو کر عالم ملکوت میں یہ گل کھلائے ہیں کہ متعدد ان لوگوں اور بزرگوں کو گمراہ کر دیا جن کو یقین ہو چکا تھا کہ ہم اپنی منزل مقصود تک پہنچ چکے ہیں۔

سبحان اللہ ایک مہجور فرقت اور جدائی کی مصیبتوں میں مبتلا کا واقعہ سنو!

زاد الارواح میں حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ شیطان نے کوہ طور کے قریب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی۔ باتوں ہی باتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ابلیس سے فرمایا کہ تو نے جو آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا یہ کوئی اچھا کام نہ تھا، ابلیس نے کہا کہ میں نے جو کچھ کیا وہ اچھا کیا، میں اپنے دعویٰ سے انکار کر کے تمہاری مانند نہیں بننا چاہتا، کیونکہ میں نے دعویٰ کیا تھا کہ خدایا تیرے بغیر کسی کو سجدہ نہیں کروں گا، میں نے سزا تو برداشت کر لی مگر جھوٹ نہیں بولا، اور آپ نے محبت کا دعویٰ کر رکھا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ پہاڑ کی جانب دیکھئے اگر وہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو آپ مجھے دیکھ سکیں گے اگر میں آپ کو نہ بچالیتا تو آپ کو ضرور دیکھ لیتے۔

اہل محبت اور ذوق کو دنیا میں بہت سے کام اور راز صیغہ راز میں رکھنے ہوتے ہیں۔
عین القضاۃ حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ تجھے کیا معلوم کہ ابلیس کیا ہے دنیا میں جبرائیل علیہ السلام جیسے اوصاف اختیار کر کے اس کے چوری کے کاموں پر نظر رکھو، اسی لیے کہا گیا ہے۔

شعر

سر تافتہ آں رہ رواز سجدہ غیر او   گر مرد رہ اوئی کم زانت نباید بد

اہل محبت کو خوب معلوم ہے کہ دنیا میں الفت و محبت والوں کو کیا کیا مشکلات آتی ہیں، یوسف علیہ السلام جب اپنے باپ کے ہاں سے چلے گئے تو یعقوب علیہ السلام کی یوسف علیہ السلام کے فراق میں آنکھیں چلی گئیں چنانچہ جب تک انہوں نے یوسف کو نہیں دیکھا اس وقت تک اس کے دوسرے بھائیوں کو بھی نہیں دیکھا اور جب یوسف علیہ السلام کے پیرہن کی خوشبو پائی تو آنکھوں کی بینائی پھر سے لوٹ آئی اسی لیے کہا گیا ہے۔

شعر

ہر کہ اور ایوسف گم کردہ نیست   گرچہ ایماں آورد آوردہ نیست

(ہر وہ آدمی جس نے یوسف کو گم نہیں کیا، اگر چہ وہ ایمان دار ہے مگر ابھی تک اس کا ایمان کامل نہیں)

اے بھائی! بفرض محال اگر دنیا کے تمام لوگ تیرے دروازے پر حاضری دیں اور تجھے یہ کہیں کہ جو تیرے دل میں آئے آپ وہ تصرف کریں تو خبردار! اس سے ہوشیار اور مجتنب رہنا کیونکہ دنیا اور آخرت سے جو قوت زیادہ ہے وہ دراصل محجوب اور مستور ہے کہیں ان کی باتوں میں آ کر بہک نہ جانا وہی کہتے اور کرتے رہو جو عارف کہتے ہیں۔

شعر

دنیا است بلا خانہ و عقبیٰ ہوس آباد ماحصل ایں ہر دو بیک جو نستانم

سلطان العارفین خواجہ بایزید فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں عیسیٰ کی روحانیت اور موسیٰ کی خدا سے ہمکلامی اور خلیل جیسی خلت عطا کر دی جائے تو اس سے زائد کا مطالبہ کرو کیونکہ اللہ کے خزانوں میں اس سے بھی زیادہ عطائیں موجود ہیں۔

اے بھائی! ہر زمانے میں عالم محبوب سے ہر عاشق کو یہ خطاب ہوتا ہے کہ اے مشرق کے مسافر، اے مغرب کے مجاہد، اے بلندیوں پر نظر رکھنے والے، اے ثریا تک کمند ڈالنے والے تو مجھے جہاں تلاش کرے گا مجھے وہیں پائے گا۔

اے برادر! جب آپ کا خط پہنچا اس وقت بہت شور و شغب تھا، اے بھائی جب امام شبلی سے لوگوں نے پوچھا کہ عارف کے اوصاف کیا ہیں تو فرمایا کہ عارف وہ ہے جو بہرا، گونگا، اندھا ہو۔

اس لیے ہمیں چاہئے کہ زبان کو قابو میں رکھیں کیونکہ شور و غوغا میں کوئی فائدہ نہیں اور اس بات کے موافق (جو عارف کی تعریف میں گزری) سوختہ جان ہو جانا چاہئے۔ مصیبتوں کو برداشت، ماتم اور نوحہ کو پی جانا چاہئے اور ڈکار تک نہیں لینا چاہئے یعنی بھولے سے بھی ماتم نہیں کرنا چاہئے اور صبر و تحمل سے زندہ رہنا چاہئے نیز اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی تو نہیں۔ اور دنیا داروں کا بھی یہ قاعدہ ہے کہ وہ جب تک دنیا میں زندہ رہتے ہیں مندرجہ بالا جات کے بالمقابل روتے رہتے ہیں اور دنیا سے جاتے وقت بھی روتے اور پیٹتے ہوئے جاتے ہیں۔ آج جو قبروں میں سو رہے ہیں وہ قبروں سے اسی کیفیت کے ساتھ اٹھائے

جائیں گے جس کیفیت سے مرے تھے۔

اے بھائی! گندگیوں میں ملوث ہونے کے باوجود دعویٰ قدس وطہارت جو خدا کو لائق ہے ہمارے لیے نامناسب اور ممتنع الوجود ہے، یقین کرو کہ گناہوں سے پاک رہنا یا تو پیدائش سے پہلے تھا اور یا ختم ہونے کے بعد ہوگا، اسی لیے عارف لوگ کہتے ہیں کہ ارید عدما لا وجود ترجمہ: (کہ میں عدم کو چاہتا ہوں جس کا وجود نہیں)

اے بھائی! تم نے جس منزل میں قدم رکھا ہے اس منزل کے مرد میدان یہ کہہ رہے ہیں

قد تحیرت فیك خذ بیدی　　　　یا دلیلا لمن تحیر فیك

(میں تیری ذات میں متحیر ہوں میری امداد فرمائیے اور آپ اس کے لیے دلیل ہیں جو آپ کی ذات میں پریشان ہو جاتا ہے)

اے بھائی! یہ سب کچھ لکھنا اور پڑھنا ظاہری اور بیرون پردہ ہے اور در پردہ یہ ہے۔

رباعی

چوں سر ازل طعمہ ابدال شود　　　　آں جملہ قیل و قال پامال شود
ہم مفتی شرع را جگرخوں گردد　　　　ہم خواجہ عقل رازباں لال شود

(جب اسرار ازلی ابدال کی غذا بن گئے، تو تمام قیل وقال ختم ہوگئی۔ شریعت کے مفتی کا جگر خون ہو گیا اور اہل عقل کی زبان بند ہوگئی۔)

شیخ حسین رحمۃ اللہ علیہ

۸۲۰ھ.........۹۰۱ھ

آپ معز بلخی کے صاحبزادے تھے، مشہور یہ ہے کہ آپ اپنے سگے چچا شیخ مظفر کے مرید اور خلیفہ تھے، لیکن آپ کے اپنے بیانات سے اس بات کا ترشح ہوتا ہے کہ آپ شیخ شرف الدین کے حلقہ ارادت میں داخل تھے اور شیخ مظفر کے تربیت یافتہ تھے اور انہی سے خلافت بھی حاصل کی، اوائل عمر میں دہلی میں رہ کر تعلیم حاصل کی، اس کے بعد درویشوں کے طریق یعنی سلوک کو حاصل کرنے کے لیے بعنایت ایزدی حجاز کا سفر اختیار کیا اور مدینہ منورہ

میں سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور اس سعادت سے جو تمام مقاصد کے حصول کی اساس و بنیاد ہے مشرف ہو کر اپنے آبائی وطن واپس تشریف لے آئے آپ کے کچھ مکتوبات بھی ہیں جو اپنے شیخ کے نہج پر اور طرز پر ہیں ان مکتوبات میں آپ نے توحید کے اسرار اور گوشہ نشینی اختیار کرنے کو بڑے لطیف انداز سے تحریر فرمایا ہے جن میں سے (مشت نمونہ از خروارے) چند نقل کئے جاتے ہیں جو آپ کے تقدس پر مزید روشنی کا باعث ہوں گے۔

مکتوب : میں ہیچمد ان پھوٹتی ہوئی جوانی اور حصول تعلیم کے زمانے میں عرصہ دراز تک معاصی، ذلتوں، خواہشات اور خسران کے میدان میں بنی اسرائیل کی مانند حیران و پریشان گھومتا رہا، اتفاق سے چچا شیخ مظفر رحمۃ اللہ علیہ نے حجاز کے سفر کا ارادہ کیا، اور مجھے بھی اپنے ہمراہ لے لیا، چچا محترم مسلسل پانچ برس تک اس فقیر کو شب و روز تربیت، ارشاد، حقائق و معارف دکھاتے رہے، اگرچہ میرے اندر اتنی طاقت نہ تھی لیکن جیسا کہ قرون اولی کے لوگوں پر اثر ہوا کرتا تھا اسی طرح مجھ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب مکانی کا اثر ہوا اور اس قرب مکانی کی وجہ سے مجھ میں مکمل اور تام قابلیت پیدا ہو گئی، میں نے جو دیکھا اور جانا اس کو صرف اس حدیث کے ذریعہ بیان کیا جا سکتا ہے۔

لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیراً — اگر تمہیں وہ معلوم ہو جائے جو مجھے معلوم ہے تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ۔

جب بحکم ایزد ہندوستان واپس آیا تو یہاں آتے ہی ان فیوضات اور برکات میں کمی واقع ہونے لگی۔ اب تقریباً بیس برس ہو چکے ہیں لیکن پوری نہیں ہوئی، طاقت بھی نہیں رہی اور شب ہائے فراق نے عاجز و ناتواں کر دیا ہے اور خدا سے درخواست کرتا ہوں کہ اے میرے رب! کس وسیلہ سے اور اور کس ذریعہ سے اس دولت کو پا سکتا ہوں جس کے ذریعہ اس جہان میں کامیاب ہو جاؤں اور آسمان غلام ہو جدائی کی سرائے میں دور رہ کر قیام کرنا اور دوستی و آشنائی کا اظہار کر کے بیگانگی اختیار کر کے آرام سے بیٹھ جانا نہ محبت کی اور نہ ہی ایفائے مودت کی علامت ہے۔

رباعی

بیچارہ دلم شکستہ تا کے باشد　　وز زخم فراق خستہ تا کے باشد
در آرزوئے کسی کہ بے او خوش نیست　　برخیز و بگو نشستہ تا کے باشد

(میرا دل بیچارہ کب تک ٹوٹا رہے گا اور فراق کے زخم سے کب تک خستہ رہے گا۔) دل کسی آرزو میں ہے جو اس کے بغیر خوش نہیں رہتا، آپ اس کو کھڑا ہونے کو کہیں یہ کب تک بیٹھا رہے گا۔

شعر

عاقبت سر بہ بیاباں بہند چوں سعدی　　ہر کہ در سر ہوس چول تو غزالے دارد

(آخر سعدی کی مانند وہ جنگل کا راستہ اختیار کرے گا، جس کے سر میں تجھ جیسے معشوق کی ہوس سوار ہوگی)

مکتوب: خطہ عرب کی فضیلت محقق و مقرر ہے۔ مکتوبات جدیدہ میں جو شیخ کی خدمت میں مغرب کے بارے میں لکھے گئے ہیں ان میں یہ شکایت کی گئی ہے کہ اس علاقہ میں کسی کام میں کس طرح ہاتھ ڈالوں، اب کیا کروں جب تک عرب میں تھا تو (وہیں رہنے کے لیے قلبی طور پر) پابند تھا اور جب عرب سے یہاں آ گیا تو پاؤں کی قوت اور طاقت نے جواب دیدیا ہے اور اب ہندوستان میں مجبوراً پڑا ہوں (یعنی اب اگر چلنے کی طاقت ہوتی تو پھر وہیں لوٹ آتا)

شیخ فضل اللہ تعالیٰ نے یہاں چالیس برس گزارے اور کچھ نہ کر سکے پھر انہیں ارشاد ہوتا ہے کہ عرب جاؤ وہاں پہنچنے کے بعد ان پر وہ عنائتیں ہوئیں جن کو بذریعہ تحریر بیان نہیں کیا جا سکتا۔ میں شیخ مظفر سے ان کی زندگی ہی میں ان سے علیحدہ ہو گیا تھا ایک روز میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا۔

مولانا! صاحب مشرب اور اصول قانون سے واقف ہو گئے ہو اب ہم سے علیحدہ رہنے میں تمہیں کوئی نقصان نہیں، چنانچہ میں ان کے ہمراہ عرب سے واپس آ رہا تھا کہ راستہ ہی میں آپ فوت ہو گئے۔ آپ نے ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں

زیارت کی تو نبی علیہ السلام نے آپ سے فرمایا کہ تم اب واپس چلے جاؤ اور دوبارہ اپنے بچوں سمیت آنا، چنانچہ دوسری مرتبہ چچا صاحب ہم سب لوگوں کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ میں نے قیام مکہ کے زمانہ میں چچا سے کہا تھا کہ میں مکہ اور مدینہ کی فضیلت پر ایک رسالہ تحریر کروں گا، لیکن اب اسے کون سمجھے گا اگر چچا جی زندہ ہوتے تو ضرور لکھتا۔

شیخ حسین کے بعض دوستوں کو شیخ کے صدقہ اصل قانون اور ضابطہ کار کا طریق معلوم ہوا ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ دنیاوی خواہشات (جو شریعت سے ٹکراتی ہوں) کی مخالفت کرنا اور اخروی زندگی کے کاموں کی تکمیل کے لیے مشغول ہو جانا ہے جس کو دوسرے معنوں میں ذکر اللہ اور یاد الٰہی کہتے ہیں جو تقرب الی اللہ کے لیے معین و مددگار ہے۔

اشعار

کافر نفست چوں زبوں شد　　گر ہمہ کفرے ہمہ ایماں شدے

دمے کہ با تو برآرم سعادت ابدست　　شبے کہ بے تو گذارم مراچہ روز بداست

اوصاف ذمیمہ چوں بدل شد　　ہر عقدہ کہ در تو بود حل شد

(تیرا نفس کافر جب فرمانبردار ہو جائے تو تمام کفریات ایمانیات سے بدل جائیں، تیری یاد میں ایک سانس بھی سعادت ابدی کا باعث ہے، تیرے بغیر ایک رات گزارنا بدبختی ہے۔ جب میرے اوصاف تبدیل ہو جائیں تو تمام مشکلات ختم ہو جائیں۔)

صوفیاء کا تمام علم ان تین شعروں کے اندر موجود ہے اگر نیک بختی ساتھ دے اور آدمی عرب کا سفر کرے تو اسے مبارک اور صد مبارک اس لیے کہ عشق میں مسافت کی درازیوں اور لمبائیوں کو طے کرنا بڑا سہل اور آسان ہوتا ہے اور کارکنان قضا و تقدیر کا یہ اعلان ہے کہ

ماشغلك عن الحق فهو طاغوتك　　کہ جو چیز تجھے راہ حق سے ہٹا دے وہ تیرا شیطان ہے۔

میں یہ نوشتہ تمام دوستوں کو دے کر خدا کے سپرد کرتا ہوں۔

ان خير الزاد التقوىٰ و كفىٰ بالله حسيبا　　بیشک بہتر زادراہ تو تقویٰ ہی ہے اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے۔

شعر

گر خیل و سپاہ حسبی اللہ　　　در پشت پناہ ربی اللہ، والسلام

(اگر گھوڑے اور لشکر ہوں تب بھی حسبی اللہ، اور اللہ ہی معین و مددگار ہے۔)

نیز آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ سے سنا تھا انہوں نے حجاز میں قیام کے زمانے میں فرمایا کہ ہندوستان میں کوئی مرد خدا نہیں ہے، میں نے عرض کیا کہ دنیا میں ایسی کوئی بھی جگہ نہیں جہاں کوئی مرد خدا نہ ہو کیونکہ اسی مرد خدا کی وجہ سے وہ آبادی برقرار رہتی ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ آپ سچ کہتے ہیں مگر آپ کو ایک مغالطہ ہوا ہے وہ یہ کہ جن لوگوں کے دم وخم سے آبادیاں برقرار ہیں وہ لوگ مرد صالح ہیں اور وہ ضرور موجود ہیں مگر مرد خدا تو کچھ اور ہی ہوا کرتا ہے اگر ہندوستان میں مجھے کوئی مرد خدا معلوم ہوتا تو میں اس کا مجاور اور خدمت گزار ہوتا۔

مکتوب

حق کے طلبگاروں کے لیے تین اصولوں کی پابندی ازبس ضروری ہے۔ (۱) ہمیشہ بھوکا رہنا، روزہ کی حالت ہو یا نہ ہو، بھوک ہی وہ بنیادی حکم ہے جس پر دیگر چیزوں کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے اس کے علاوہ اور کوئی اتنا عظیم اصول نہیں ہے۔ چونکہ سلوک کا دارومدار ہی بھوک پر ہے اس لیے اس سے روگردانی اور صرف نظر نہ کی جائے۔ ذوق وشوق کی بنیاد بھی بھوک پر ہے، جو لوگ قوی ہیں وہ بھی اگر روزہ نہ رکھیں تو بھوکے رہیں، اور جو مبتدی نو آموز یا کمزور ہے وہ بھی بھوک کی خاطر روزہ رکھے، خلاصہ یہ ہے کہ تمام کاموں کی بنیاد بھوک ہے۔ (۲) دل لگا کر خدا کی عبادت میں مشغول رہنا۔ (۳) فضول باتوں کو ترک کردینا، انہی تینوں چیزوں کے انبیاء اور اولیاء حامل تھے، ان تین چیزوں کی بدولت جو ذوق پیدا ہوتا ہے حقیقت میں وہی ذوق ہے۔ نفس اپنی جگہ اور شیطان اپنی جگہ بہکانے اور گمراہ کرنے کے درپے ہیں مگر جس انسان کے اندر یہ تینوں چیزیں جمع ہو جاتی ہیں اس کے لیے نفس وشیطان اور دیگر مخلوق سے محفوظ رکھنے کے لیے قلعہ کی مانند ہیں کیونکہ ان تین چیزوں کے ساتھ خدا کا فضل شامل حال رہتا ہے۔

مکتوب در پند فرزند

بیٹے! قاضی امجد آپ نے کچھ کہنے اور مفید باتیں تحریر کرنے کی درخواست کی ہے یہ بات پڑھ کر بڑی مسرت ہوئی، بزرگوں نے اگر چہ کوئی بات ایسی نہیں چھوڑی جس کو لکھا اور کہا جائے تاہم میں فقط اتنی ہی نصیحت کرتا ہوں کہ آپ اپنے نفس کو ہمیشہ اپنا دشمن سمجھیں اور خواہشات نفسانیہ کے خلاف بمسلسل اپنی کوششوں کو مصروف بکار رکھنا، کام میں مشغولیت کو خدا کی نعمت سمجھو، جس کا طریق کار یہ ہے کہ اپنے قلب وجگر کو اپنا رقیب جانو اور جتنا وقت خدا کی یاد میں گزارو اسے اسلام سمجھو اور جو وقت خدا کی یاد سے غفلت میں گزرے اسے اعتقاداً نہیں بلکہ اعتباراً کفر سمجھو، اتنی باتیں تو دشمن سے بچنے کے لیے لکھی گئی علاوہ ازیں اپنے ہاتھ پاؤں کو صغائر اور کبائر سے محفوظ رکھو اور لیل ونہار توبہ میں تجدید کرتے رہو، دل کے حالات کی کھوج لگاؤ اور ہم سے جتنے وظائف حاصل کئے ہیں ان کو پابندی سے پڑھتے رہو، تمام کاموں کی اصل اور بنیاد توبہ ہے اور توبہ کے مقامات کی مثال ان سرزمین کی ہے جس پر ایک عمارت بنائی گئی ہو (اس کے اوپر جتنی بلند چاہے مزید عمارت بنائی جاسکتی ہے) اور جس کے پاس زمین ہی نہ ہو وہ عمارت کہاں تعمیر کرے گا، مجھے اور آپ کو سب سے اہم اس بات کی پابندی کرنا لابدی اور لازمی ہے کہ اپنی آنکھ، ناک، کان، ہاتھ اور زبان کو تمام صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے بچائے رکھیں اور شب و روز اسی تصور میں گم رہیں کہ آج ہماری زبان پاک رہی یا نہیں نیز اسی طرح یہ بھی معلوم کریں کہ ہاتھ پاؤں بھی محفوظ رہے یا گناہوں کی گندگیوں میں ملوث ہوگئے اگر یہ معلوم ہوجائے کہ گناہ کی گندگی میں کوئی عضو مبتلا ہوگیا تھا تو فوراً توبہ کی جائے اور ایمان کی تجدید کر کے فوراً خدا کی عبادت میں مشغول ہوجانا چاہئے اگر آپ اس فکر میں مشغول اور اسی غم میں مسحور رہے تو تمام مخلوقات کی نیکیوں (کا ثواب) آپ کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا، اس زمانے میں حلال روزی کھانے والا اور گناہوں سے پاک رہنے والا ہمارے زمانے کا جنید ہے اور تدبر اور تفکر سے کام لیا جائے تو یہی اصل اور خلاصہ کلام معلوم ہوگا باقی دوسری باتیں تو ایسی ہیں جیسے پانی پر لکیر (جو فوراً ختم ہوجائے گی) جب بھی یہ دولت حاصل ہوجائے تو شکر واجب و لازم ہے اور اگر یہ نصیب نہ ہوسکے تو پھر شریعت پر چلتا رہے اس لیے کہ جو دنیا کی زندگی میں شریعت پر چلتا رہے گا وہ کل پل صراط پر

بھی سلامتی سے گزر جائے گا اور جو شخص دنیا میں شریعت پر چلنے میں لغزش کھاتا رہے تو وہ کل کو پل صراط پر بھی یقیناً لغزش کھائے گا۔

شعر

دوزخ و جنت اریں جامی برند　　　راحت و محنت از ینجامی برند

(دوزخ و جنت پر تو اسی دنیا میں لوگ چلتے ہیں۔ راحت و مشقت بھی اسی دنیا میں اٹھاتے ہیں، یعنی آخرت میں یہیں کی کمائی کا ثمرہ پیش کیا جائے گا۔ دوزخ و جنت اور آخرت کی راحت و مشقت وہ دنیا ہی کے کاموں کا نتیجہ ہوگا کوئی نئی چیز نہیں ہوگی) جہاں تک ہو سکے شریعت کے حدود میں رہ کر اس پر ثابت قدم رہو تاکہ اندرونی اور بیرونی سعادتوں کو حاصل کر سکو۔ آہ تمام عمر فسق و فجور میں گزر گئی اور عمر بھر میں ایسی دو رکعات بھی نصیب نہ ہو سکیں جو خدا کے دربار میں منظور و پسندیدہ ہوتیں اور نہ ہی کوئی ایسا روزہ نصیب ہو سکا جس کو فی الواقع روزہ کہا جا سکے، ہمارے حالت تو یہ ہے کہ صبح کو مسلمانوں کی مانند اٹھتے ہیں اور دن بھر (کافروں کی طرح) گناہوں میں مصروف رہتے ہیں اور رات کو سوتے وقت پھر اسلام لاتے ہیں۔

رباعی

فسق است و فجور کار ہر روزۂ ما　　　پر شد زحرام کاسہ و کوزۂ ما

می خندد روزگار وی گوید عمر　　　برطاعت و برنماز و بر روزۂ ما

(ہمارا دن بھر کا مشغلہ فسق و فجور ہی ہے، ہمارا لوٹا اور پیالہ حرام سے بھرے ہوئے ہیں زمانہ تو ہنس رہا ہے اور عمر ہماری اطاعت، نماز اور روزہ پر رو رہی ہے۔)

اب تو طاعت و عبادت کا غم نہیں بلکہ ہر وقت یہی فکر دامنگیر رہتی ہے کہ ایمان کی تجدید کر کے کلمہ شہادت پڑھتا رہوں تاکہ بوقت مرگ اسی کا ورد زبان پر رہے۔ اگر ایمان لسانی اور توحید زبانی کی بھی توفیق نہ ہوئی تو اس میدان سے یہ کہتے ہوئے رخصت ہوگے۔

شعر

در مجلس وصالت خمہا کشند مرداں　　　چوں دور خسرو آید مے در سبو نماند

(آپ کی وصل کی مجلس میں لوگ پیالوں پر پیالے چڑھا گئے لیکن جب خسرو کی باری آئی تو اس وقت صراحی میں شراب ختم ہو چکی تھی۔)

اب عمر کا آخری وقت ہے زندگی کی اکہتر بہاریں گزر چکی ہیں اب کسی ماہ و سال کی امید نہیں تمام دوستوں میں فقط ایک دوست ہے جو اپنی پاکیزگی میں مصروف ہونے کے باوجود بوقت فراغت اس مفلس، بے نوا، پرانے بت پرست اور نفس امارہ کی قید کے مبتلا کو اپنے شیخ کی محبت کی وجہ سے جس دن اور جس وقت یہ فقیر یاد آئے سلامتی ایمان و توحید اور خیر و عافیت کی دعاؤں سے یاد رکھے (اسی طرح) دوسرا خط ایک متلاشی راہ حق کو تحریر فرمایا جس میں لکھتے ہیں کہ ایک اسم الٰہی مقرر متعین کر کے پڑھا کرو، برائے نام آپ کو بہت سے درویش ملیں گے لیکن وہ فی الواقع شعبدہ باز اور ریا کار (بے دین لوگ) ہیں۔ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کا گھرانہ نہ ملمع ساز تھا اور نہ ہے، آپ کے در دولت سے لوگوں نے طریقت کا درس لیا، اور اور ماسوی اللہ سے الگ رہنا سیکھا، آپ فرمایا کرتے ہیں۔

شعر

بولایت محبت صفر یست عاشقاں را بجہاں چہ دید آنکس کہ ندید ایں جہاں را

(محبت کی سلطنت میں وہ عاشق تہی دامن رہے، جنہوں نے اس جہان میں اس جہاں کو نہ دیکھا)

جو قدم راہ حق پر نہیں اٹھایا گیا اس قدم کے اٹھانے کی محبت و مشقت بیکار ہے ایسے آدمی کو چاہئے کہ وہ روئی دھنتا رہے اسی میں اس کے لیے نماز، روزہ اور دیگر عبادات سودمند ہیں۔ مردوں اور ہیجڑوں کے کام میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے۔ فرشتوں کو بت پرستی سے کوئی تعلق نہیں، جو چیز آپ کو صحیح راستہ سے روکے وہی آپ کا طاغوت ہے۔ والسلام

مجھے لوگوں کے التفات و عنایت کی پرواہ نہیں، خیریت و سلامتی اسی میں ہے کہ انسان خود مضبوط رہے اگر بت خانہ سے بھی نصیحت اور خیر و بھلائی کی آواز آئے تو اسے بھی قبول کر لینا چاہئے۔ جوانی کے زمانے میں بڑھاپے کے آنے کی فکر نہ کرو۔ کسی ایک ماہ میں مرض کے دو تین چکر لگانے سے فکر نہ کرو کام کرتے رہو خیریت سے رہو گے اصل کام عادت کو تبدیل کر کے اچھے کاموں میں مشغول ہونا ہے۔

اس کی مثال وضو کی سی ہے اگر وضو نہیں ہوگا تو نماز وغیرہ بھی درست نہ ہوگی کیونکہ اصل چیز طہارت ہے (اور فقدان طہارت سے عبادت مردود ہوتی ہے) اسی طرح اگر سلوک میں طہارت حاصل نہ ہوگی تو کچھ بھی نہ ملے گا، آپ نے جو یہ لکھا ہے ''کہ سردی سے تکلیف ہوتی ہے اگر اجازت ہو تو کپڑے پہن لیا کروں'' تو اس کے بارے میں عرض کرتا ہوں کہ لباس، کفن اور خرقہ پہننا یہ ایک رسم ہے اور فقیر تو ایک بلند منزل کا متمنی اور طلبگار ہے اسے کپڑے پہننے کا کوئی اختیار نہیں۔ اللہ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا، جو چاہو پہن لو۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ طالب حق کو جہاں کسی ظاہری صورت سے سمجھنے میں اشکال ہو تو اس سے انکار یا اس پر اعتراض کرنا موجودہ مرتبہ تک رسائی حاصل کرنے کی ناشکری ہے ہمارے اکابر بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جب تم بھوکے ہو اور کہیں سے غذا مل جائے تو پیٹ بھر کر نہ کھاؤ بلکہ آدھی بھوک باقی رکھو، اسی طرح اگر پیٹ بھرنے کے لیے پانی میسر ہو تو اسے بھی سیر ہو کر نہ پیؤ کیونکہ اس سے بھی بجز توفیق الٰہی کے کوئی فائدہ نہیں ہوتا (جب اصل کارگر اور کارفرما توفیق الٰہی ہے تو دوسری چیزوں سے سیری حاصل نہ کی جائے) یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ ہمیشہ پانی پیتے رہنے سے حرارت میں اضافہ ہوتا ہے اور پیاس تیز تر ہوتی رہتی ہے۔ جب بہت بھوک ہو یا پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہو تو معمولی مقدار میں پانی استعمال کر لیا جائے لیکن اصل بات وہی ہے کہ زیادہ تر بھوکا ہی رہنا مناسب ہے اس لیے کہ آدمی خوب سیر ہو کر کھاتا ہے اور اسی طریقہ پر برسہا برس گزار دیتا ہے تو بعض اوقات اس میں فائدہ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

اس کے برعکس اتنا بھوکا رہنا جو ہم نے لکھا ہے یا اتنی شب بیداری جس میں تجدید وضو کی ضرورت ہی نہ پڑے یا تھوڑی دیر سونے کے بعد جاگنا اور وضو کر کے رات جاگتے جاگتے عبادت میں گزار دینا، یہ سب چیزیں سود مند اور نافع ہیں ان کے ذریعہ دل کی صفائی اور حیا پیدا ہوتی ہے اگر قلت کلام ربط اور ذکر یکجا جمع ہو جائیں تو ان کے ذریعہ سے بھی قلب کی صفائی ہوتی ہے اور یہ بات تجربہ شدہ ہے کہ گریہ وزاری آہ و بکا بالکل بیکار ہے، اصل بات تو دل کی حفاظت کرنا ہے کیونکہ یہی بلند تر درجہ ہے جس کے لیے جسمانی قوت اور اوائل جوانی کا زمانہ درکار ہے، شبانہ روز میں سے کھانے کا ایک وقت مقرر کیا جائے اور اس کے بعد اپنے

دل کو تمام چیزوں سے فارغ کر کے رات کو حضور قلب سے اللہ کی معرفت کی کوشش اور سعی کرے اور اللہ کے حرکات وسکنات، اقوال وافعال، عزت ودبدبہ کا مشاہدہ کرے (اس لیے کہ خدا کا ارشاد ہے)

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ   تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔

(اور اتنی کوشش کرے کہ وہ اس آیت کا مصداق) کھلم کھلا دیکھ لے، اگر اس مقام تک رسائی حاصل کرے اور اکثر و بیشتر اوقات اسی فکر میں لگا رہے تو اس مشغولیت حق کو تمام دولتوں سے عظیم ترین دولت سمجھے۔

شعر

ہر کہ درد اہل ہنر در اھل عیب   آفتابے دارد اندر جیب غیب
عاقبت روزے بود کاں آفتاب   در برش گیرد بر انداز دنقاب

(جو شخص اہل عیب میں سے اہل ہنر ہو گیا ہے دراصل وہ ایک پوشیدہ آفتاب کا حامل ہے، انجام کار وہ خود ایک دن آفتاب بن جائے گا اسی کے دروازے کا ہو جا ورنہ وہ کسی دن غروب ہو جائے گا۔)

اگر کوئی شخص اس مشغولیت سے محروم رہ جائے تو وہ درد سے واویلا نہ کرے اور اس مشغولیت سے حرماں کے سبب تمام اوراد و وظائف سے محروم نہ ہو جائے اگر وہ چیز نہیں ملی تو اوراد و وظائف پر ہی اکتفا کرے۔

شعر

از بخت بدم اگر فروشد خورشید   از نور رخت مہا چراغی گیرم

(اگر میری بدبختی سے چاند غروب ہو گیا (تو کیا ہوا) اے چاند تیرے نور کی بجائے میں ایک چراغ سے روشنی حاصل کرلوں گا۔

جب آپ کاروبار بہادر اور شیر قسم مردوں کی مانند معرض وجود میں نہ آئے تو اس عجز سے ناامید نہ ہو جانا چاہئے بلکہ کام میں مردانہ وار مشغول ہو جانا چاہئے اپنی جانب سے اپنے تمام افعال واقوال، حرکات وسکنات میں اس امر کی پوری کوشش کی جائے کہ راہ حق میں کسی

چیز کو ترک نہ کیا جائے اور ہر وقت ایسے کام کرتے رہنا چاہئے جو سچے اور حق ہوں، اس طرح سے انشاء اللہ دین اور دنیا دونوں عالم میں کامیابی ہوگی۔

مکتوب

اللہ تعالیٰ بلند ہمت اور اپنے عزم میں پیکر استقلال لوگوں کو محبوب رکھتا ہے اور گھٹیا وردی قسم کے لوگوں کو ناپسند کرتا ہے اور بلند ہمتی یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہورہا ہے اس سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنی ہمت کی پرواز کا رخ خدا تعالیٰ کی رضا مندی اور خوشنودی کی طرف کرے، شیخ عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ اپنے نفس کو خطاب کر کے فرمایا کرتے تھے کہ اے عبداللہ! دنیا میں اپنی خواہشات اور اپنے نفس کی مخالفت جیسی اور کوئی چیز نہیں ہے، یہ قوم (مراد صوفیائے کرام) اپنے نفسوں سے اس طرح لڑائی اور جنگ کر رہے ہیں کہ قبر تک جانے تک صلح کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، اگر کسی وقت اپنے نفس کی موافقت کرتے ہیں تو وہ بھی ظاہراً نہ کہ اعتقاداً اور باطناً اور ظاہراً یہ لوگ زنار پہنے ہوئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ظاہر کو باطن کے ہم آہنگ کر دیا جائے تا کہ بظاہر نفاق کی صورت بھی لازم نہ آئے، قرآن مجید میں ہے۔

اَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ — کیا آپ نے اس کو دیکھا جو اپنی خواہش کو اپنا خدا بنائے ہوئے ہے۔

جملہ کائنات سے دل برداشتہ ہو کر دلجمعی سے خدا کی جانب متوجہ ہو جانا اولیاء اور انبیائے کرام کا کام ہے، اور تمام دنیا چند ایکڑ زمین اور معدودے لقموں کے چکر میں پھنسی ہوئی ہے اور خوش و خرم نظر آتی ہے لیکن یہ زمین اور قریہ ان کی دلجمعی کا سبب نہیں ہیں، دنیا والے اللہ والوں اور فقیروں سے اتنا ڈرتے ہیں کہ اتنا خدا سے بھی نہیں ڈرتے، اور دنیا میں کوئی ایسا آدمی نہیں جو تمام دنیا سے اپنے عقاد کو ہٹا کر صرف خدا تعالیٰ کی ذات پر کلی اعتماد و اعتقاد خالی ایک ماہ یا چھ ماہ تک بھی کر سکتا ہو (اگر کوئی اس طرح کر کے دکھائے) تو کافروں کو معلوم ہو جائے کہ خدا پر اعتماد کرنے والوں کو خدا ضائع نہیں کرتے (یعنی ایسے آدمی کی خدا تعالیٰ ضرور معاونت فرماتے ہیں) بہادر اور جوانمرد بنو تا کہ اہل دنیا سے الگ رہ سکو، اور خدا تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ کرو تا کہ وہ تمہیں اس طرح بلند رتبے عطا کرے، جس طرح

تمہیں چھوٹے سے بڑا کیا اور بچپن سے جوانی دی۔

مکتوب- خدا کی معیت مخلوق کے ساتھ

دوستو اور بھائیو! میں اس مکتوب کے اندر ربوبیت والوہیت کے اسرار کو بیان کروں گا، ہر وہ شخص جو شیخ الاسلام شیخ مظفر کے نقش قدم پر چلتا ہے وہ حق پرست ہوتا ہے اور باطل پرستی سے اس کا کوئی علاقہ نہیں ہوتا، آپ ہی نے ان اسرار سربستہ کو کھولا اور پھر انہیں زنادقہ کے خیالات باطلہ سے ملوث نہ ہونے دیا۔

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ — تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔

اس کے ظاہری معنی تو یہی ہیں کہ تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے، ایک شے کو دوسری شے کے ساتھ ہونے کو معیت کہتے ہیں، اور یہ معیت دو قسم پر ہے ایک حقیقی، دوئم مجازی۔ علمائے محققین کی رائے ہے کہ اس آیت میں معیت مجازی مراد ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کی کسی شے کے ساتھ باعتبار جسد و ذات کے نہیں بلکہ خدا کی معیت دنیا کی چیزوں کے ساتھ باعتبار علم وقدرت کے ہے چنانچہ متکلمین بھی یہی کہتے ہیں لیکن صوفیائے کرام اس کے ظاہری معنی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس کے حقیقی معنی تلاش وطلب کرتے ہیں۔ ان کا مذہب یہ ہے کہ خدا کی معیت تمام چیزوں کے ساتھ باعتبار ذات کے ہے لیکن اس بات کا خیال ضرور رکھا جائے اس کی معیت اس طرح نہیں جیسے ہمارے ہاں ایک جسم دوسرے جسم کے ساتھ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا جسم نہیں، اور نہ ہی خدا کی معیت کا مطلب یہ ہے کہ جیسے جواہر کی معیت جواہر کے ساتھ ہوتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ جوہر بھی نہیں اور نہ ہی اس کی معیت کا مطلب یہ ہے کہ جیسے عروض کو جوہر سے معیت ہوتی ہے اس لیے کہ وہ عرض بھی نہیں چنانچہ متکلمین نے ان ہی تین چیزوں کی معیت سے خدا کی معیت کو جداگانہ قرار دیا ہے۔ لیکن صوفیائے کرام خدا کی معیت مخلوق کے ساتھ ایک چوتھی قسم کی معیت سے ثابت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا کی معیت مخلوق سے اس طرح ہے جس طرح روح کی معیت جسد کے ساتھ، اس لیے کہ روح نہ قالب کے اندر ہے اور نہ باہر نہ قالب سے متصل اور نہ ہی منفصل، بلکہ روح اور جسد دونوں علیحدہ علیحدہ عوام سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس طرح روح کو جسد میں داخل خارج متصل اور جدا ہونے سے کوئی نسبت نہیں اور ان میں سے کسی ذرے میں حقیقتاً

ذاتی اعتبار سے روح موجود نہیں لیکن تمام دنیا کو معلوم ہے کہ روح جسم میں پائی جاتی ہے، بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کا حال ہے۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ ۔ جس نے خود کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو بھی پہچان لیا۔

اس میں اسی سر کی طرف اشارہ ہے۔ اس جگہ ایک اشکال ہوسکتا ہے وہ یہ کہ اس طرح تو خدا تعالیٰ کی ذات تمام ناپاک اور گندے مقامات پر بھی موجود ماننی پڑے گی جو بظاہر ممکن ہے۔ صوفیائے کرام جواب میں فرماتے ہیں کہ اس بات پر جمیع امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ تمام ناپاک اور گندی چیزوں کو خدا تعالیٰ ہی نے پیدا فرمایا ہے اور اسی کی حفاظت کے بغیر ان چیزوں کا بقا ناممکن ہے تو اس قسم کی معیت سے خدا کی ذات میں کوئی عیب لازم نہیں آتا۔ نیز یہ بھی سب جانتے ہیں کہ فعل بغیر فاعل اور صفت بغیر موصوف کے وجود میں نہیں آیا کرتے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ روح حاکم ہے اور جسم کے تمام اجزاء میں موجود ہے جسم کے تمام اجزاء اور حیات وغیرہ تمام اسی کے ہاتھ میں ہے، اسی اعتبار سے جسم کی اندرونی کیفیات مثلاً خون وغیرہ روح کی طہارت پر اثر انداز نہیں ہوسکتیں۔ متکلمین اللہ واحد کی معیت کو سمجھ نہ سکے، بلا تقدیر تجزی وتقسیم وحلول تمام ممکنات میں ماننے میں تاویل کرتے ہیں واللہ الھادی الی الصواب ۔

مثنوی

گفت تو کے دیدی آں رخسار را ـــ چشم مجنوں باید آں دیدار را

تانیابد عشق مجنونے بدید! ـــ کے بود لیلٰے بجا تو نے پدید!

گر بچشم من نہ بینی روئے او ـــ توتیا سازی زخاکِ کوئے او

(تو اس حسین رخسار کو نہیں دیکھ سکتا اسے دیکھنے کے لیے تو مجنون جیسی آنکھیں درکار ہیں جب تک تیرے اندر عشق نہیں تو کسی مجنون کو دیکھ تاکہ اس سے لیلٰے کے مقام کا اندازہ کر سکے اگر تو اسے میری آنکھوں سے نہیں دیکھتا تو پھر اس کی گلی کی خاک کو سرمہ سمجھ کر اپنی آنکھوں میں ڈالئے۔)

جب بڑے باہمت لوگوں کی سعی اور کوشش اپنے مقصد کو طلب کرنے میں کوتاہی کرنے

لگی تو میں نے انہیں تحریص دلانے کے لیے اپنے قلم کو ہاتھ میں لیا تا کہ جو لوگ قلب کی صفائی سے محروم ہیں ان کو مولیٰ کے اسرار کے مراقبہ سے آگاہ کردوں تا کہ وہ لوگ اپنے وجود کو خدا کے ساتھ اور خدا کی ذات کو اپنے ساتھ سمجھیں جو لوگ خدا تعالیٰ کو اپنے سے دور سمجھتے ہیں وہ بے ادب اور احکام خداوندی کے مخالف ہیں، سب سے زیادہ محروم وہی لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کو اپنے ساتھ نہیں سمجھتے۔ والسلام۔

مکتوب، اللہ کے حقیقی ناموں کے بیان میں

اے بھائی! موحدین کی اصطلاح جو شرح آداب المریدین میں ہمارے شیخؒ کی مشہور و معروف کتاب منازل السائرین سے لی گئی ہے آپ کو معلوم ہی ہے کہ اسم حقیقی میں ذات باری تعالیٰ ہے اور جب تک موحدین کی اصطلاح نہ معلوم ہو جائے اس وقت تک اللہ کے حقیقی اسماء اچھی طرح فہم میں نہیں آسکتے، انشاء اللہ (ہمارے اس مکتوب سے) اسماء حقیقی کی وضاحت ہو جائے گی۔ اس کو اولاً ایک مثال سے سمجھو کہ ایک جگہ ایک گہرا پانی ہے جو ذات صفات، اسباب، نفس اور ہستی سے موصوف ہے یہی پانی تمام نباتات کو سیراب کرتا ہے اور تمام جگہوں پر گھوم جاتا ہے اور دیگر ضروریات (مثلاً پینا، نہانا، برتن و کپڑے وغیرہ صاف کرنے) میں کام آتا اور استعمال ہوتا ہے۔

یاد رکھو! کہ پانی کی ہستی اس کی ذات ہے اور اس کا نفس عموماً استعمال ہوتا ہے یہی پانی تمام نباتات میں ایک خاص قسم کی تاثیر رکھتا ہے اور اپنی ذات کے اعتبار سے تمام درختوں وغیرہ کو نشو و نما دیتا اور پھلوں کے اندر مختلف الوان اور مزے پیدا کرتا ہے، اور یہ پانی کے اوصاف ہیں۔ پھل، پتہ، شاخ، کانٹا اور پھول میں پانی ہی کی صفات اثر انداز ہیں، اور وہ اپنے اثر ہی کے ذریعہ مختلف رنگوں اور شکلوں میں جلوہ گر ہے۔

پانی کے اندر چونکہ یہ تاثیر ہے اسی لیے اس کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے اور اسی وجہ سے اس سے امتیازات حاصل ہوتے ہیں یہ اسماء ہیں اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ یہ اس کے من وجہ اسماء ہیں اور وہ حقیقی اسماء ہیں جن سے مرتبہ بمرتبہ امتیاز حاصل ہوتا ہے اور ان اسماء حقیقیہ پانی تو علامت ہے اور وہ عین اس کے نام ہیں جو اس سے علیحدہ نہیں ہوتے اور پانی کی تاثیرات فی الواقع پانی ہی ہیں جو دونوں مرتبوں کا مجموعہ ہے پانی کی ذات کو اسی لیے

صورت جامعہ کہا جاتا ہے اور دوسرا نام عالم اجمال ہے اور پانی کی تاثیر کی صورت متفرقہ اور عالم تفصیل کہتے ہیں کیونکہ پانی میں ہزار ہا شکلیں اور صورتیں موجود ہیں اور وہ تمام صورتیں پانی ہی کا کمال ہے، پس اگر تم کسی قسم کے نباتات کو دیکھنا چاہتا ہے تو پانی کو دیکھ لے، اس میں آپ کو اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ کا سر جلوہ گر نظر آئے گا۔

اس کے بعد غور سے سنو! کہ خدا تعالیٰ کی ذات ستودۂ صفات اوپر، نیچے، دائیں بائیں، آگے پیچھے وغیرہ سمتوں سے بلند تر ہے اس لیے کہ وہ تو ایک غیر محدود اور لامتناہی نور ہے (وہ محدود چیزوں میں کیسے سما سکتا ہے) وہ ابتدا و انجام اور ترکیب وغیرہ سے پاک ہے، اسی طرح وہ تغیر و تبدل، تقسیم و فنا اور عدم کے اوصاف سے وراء الوراء ہے، وہ فی الواقع وحدہ لاشریک ہے اس کی ذات میں کثرت کا احتمال نہیں۔

جب آپ نے یہ مقدمہ ذہن نشین کرلیا تو اب یہ سمجھئے کہ وہ حقیقی نور ہے، لامحدود ولامتناہی ہے وہ نقص کی تمام تر اوصاف سے منزہ ہے اس کا اور نفس ہے، اس حقیقی نور کی نظر و تاثیر اور ہے اور اس کا وہ نور جو اس حقیقی نور سے عام اور تمام موجودات کو شامل ہے وہ اور تاثیر رکھتا ہے اور ان دونوں کی مجموعہ کی تاثیر اور ہے۔ جب آپ نے یہ باتیں سمجھ لیں تو اب یہ سمجھ لیا جائے کہ اس کی ذات ایک نور ہے اور وہ نور تمام موجودات کو شامل ہے اور اس نور کی صفات یہ ہیں کہ مختلف شکلوں کی اس میں قابلیت ہے۔

اے بھائی! یہ نور تمام موجودات میں عام ہے اور تمام چیزوں کا وجود اور بقاء اسی نور پر موقوف ہے۔ دنیا میں کوئی ذرہ ایسا نہیں جس میں خدا تعالیٰ کا نور کارفرما اور محیط نہ ہو، نور کے اس احاطہ کو وجہ نور کہتے ہیں، جو شخص خدا کے وجہ تک رسائی حاصل کرلیتا ہے وہ اس کو دیکھتا ہے اور دیکھ کر اس کی عبادت کرتا ہے لیکن موحدین کی اصطلاح میں یہ مشرک ہے۔

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ترجمہ: (اکثر لوگ اللہ پر ایمان لانے کے باوجود مشرک ہوتے ہیں) اس لیے کہ روزانہ لوگوں سے جنگ میں مشغول ہیں اور اللہ پر انکار کررہے ہیں، ہر وہ شخص جو وجہ خدا سے گزر کر خدا کو دیکھتا ہے اور اس کی پرستش کرتا ہے وہ موحد ہے وہ اعتراض و انکار سے آزاد رہتا ہے اور مخلوق خدا سے صلح و آشتی کرتا ہے۔

اے بھائی! میں بحر محیط، نور غیر محدود و لامتناہی تک رسائی حاصل کرنی چاہئے اور اس

نور کو دیکھنا چاہئے اور اس نور کو عالم میں دیکھے تا کہ شرک سے پاک رہ سکے اور حلول واتحاد کے عقیدے کا بطلان ہو سکے اور انکار و اعتراض کی گنجائش نہ رہ سکے، اسی طرح مخلوق سے صلح اور دوستی کرنے کا طریقہ حاصل کیا جا سکے، میری اس تمام تقریر میں نیکو کار تامل کرے تا کہ اس کے فوائد سے بہرہ مند ہو کر اسمائے حقیقیہ سے روشناسی حاصل کر سکے۔

شیخ شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ

۶۵۲ھ ۷۲۴ھ

آپ پانی پت کے رہنے والے تھے، آپ کو بوعلی قلندر بھی کہتے ہیں، بڑے مشہور مجذوب اور ولی اللہ تھے، مشہور ہے کہ اوائل عمر میں آپ نے تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنی تمامتر توجہات کو سلوک و طریقت کی طرف مبذول کر دیا تھا اور تمام کتب کو دریا برد کر کے مجذوب بن گئے، یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کس سے بیعت تھے البتہ بعض لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ آپ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ خواجہ نظام الدین اولیاء سے بیعت تھے، لیکن یہ دونوں روایتیں بلا دلیل و بلا حجت ہیں آپ کے کچھ مکتوبات بھی ہیں جو آپ نے عشق و محبت کی زبان میں اختیار الدین کے نام تحریر فرمائے جس میں یہ مضامین ہیں۔

(۱) توحید کے معارف و حقائق، (۲) ترک دنیا، (۳) طلب آخرت،
(۴) محبت الٰہی

آپ کا ایک دوسرا رسالہ بھی عوام الناس میں حکم نامہ شیخ شرف الدین کے نام سے مشہور ہے لیکن ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسالہ آپ کا نہیں بلکہ وہ عوام کی اپنی اختراعات ہیں واللہ اعلم۔

منقول ہے کہ ایک بار شیخ شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ کی مونچھیں بہت بڑھ گئیں، مریدوں میں سے کسی کو یہ جرأت نہ تھی کہ آپ سے یہ کہہ دیں کہ حضرت انہیں درست کروا لیجئے چنانچہ ایک دفعہ مولانا ضیاء الدین سنامی جو شریعت کا کوڑا ہاتھ میں لیے پھرتے تھے ایک دفعہ آپ کے ہاں تشریف لائے تو آپ کی یہ کیفیت دیکھ کر قینچی منگوائی اور ایک ہاتھ سے

ڈاڑھی پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے آپ کی مونچھوں کو درست کر دیا، کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ اپنی ڈاڑھی کو یہ کہہ کر چوما کرتے تھے کہ یہ شریعت کی راہ میں پکڑی گئی ہے۔

آپ کا روضہ پانی پت میں ایک پر رونق جگہ پر ہے لوگ آپ کی قبر پر برائے حصول برکت زیارت کو آتے ہیں وہاں آپ کے ایک محبوب مرید مبارک خاں کی بھی قبر ہے۔

مکتوب

اے بھائی! جب تجھ پر خدا کی عنایت ہوئی تو اس نے تیرے اندر ایک جذبہ پیدا کر دیا اور تجھے خودرائی سے بچالیا اور پھر تم میں عشق پیدا کر کے حسن کا جلوہ دکھا دیا، جب تم عشق کو پہچان لو گے تو لامحالہ معشوق کو بھی پہچان لو گے اور تم بھی معشوق کے حقیقی عاشق بن جاؤ گے اور جب معشوق اور عاشق ایک دوسرے سے ملیں تو تجھے معشوق کے طریقہ اور عاشق کے فریضہ کے نقش پا پر چلنا ہوگا تا کہ تو عاشق و معشوق کو پہچان سکے۔

اے بھائی! معشوق کو بھی آپ ہی کی شکل وصورت میں خدا نے پیدا کیا ہے اور معشوق کو تمہارے اندر اس لیے بھیجا گیا ہے تا کہ وہ تمہیں صحیح راستہ کی رہنمائی کرے۔

اے بھائی! اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ دونوں کو پیدا فرما کر ان دونوں سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ میں تم کو بھروں گا اور پر کروں گا، معشوق کو اس کے عاشقوں سمیت جنت میں داخل کیا جائے گا اور شیطان کو اس کے چیلوں سمیت دوزخ میں جھونکا جائے گا۔

اے بھائی! جنت اور دوزخ میں عاشق ہی اپنے حسن عشق اور خراب عشق کی وجہ سے داخل کئے جائیں گے۔ بہشت دوستوں سے وصال کا مقام ہے اور دوزخ دشمنوں سے فراق کا، یہ فراق کافر اور منافق لوگوں کے لیے ہوگا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں کے لیے وصال ہوگا۔

اے بھائی ذرا آنکھیں کھول کر دیکھ کہ عاشق نے اپنے عشق سے کیا کیا پیدا کیا اور اور دنیا کو کیسا تماشا گاہ بنایا، اور اپنے حسن کو ہر درخت میں پنہاں رکھا اور مختلف الاقسام میوہ جات پیدا فرمائے اور ہر میوے کا علیحدہ علیحدہ مزہ بنایا اور اس درخت کو خود اپنی اور پھول و پھل کی خبر تک نہیں اور اسی طرح اس نے گنے کو تیرے لیے شیریں بنایا اور اس کو اپنے مٹھاس کی خبر نہیں، اسی طرح ہرن کی ناف میں مشک رکھا اور اس کو بھی اس کی خبر نہیں، سمندری گاؤ

سے عنبر پیدا کیا اور اس کو اس کی خبر نہیں اور مشک بلاؤ سے تمہارے لیے زباد پیدا کیا اور اس کو اس کا علم نہیں اور ایک قسم کے درخت سے کافور پیدا کیا اور کافور کو اس کی خبر نہیں، صندل کو تمہارے لیے پیدا کیا اور اس کو اس کا علم نہیں۔

اے بھائی! عاشق بنو اور اس جہان کو معشوق کا حسن سمجھو، اسی طرح اپنی ذات کو بھی معشوق کا حسن سمجھو، عاشق نے اپنے عشق سے تجھے پیدا کیا تاکہ تیرے آئینہ میں اپنے حسن و جمال کا مشاہدہ کرے اور تجھے اپنا محرم اسرار بنائے اور الانسان سری تمہاری ہی شان میں ہے، عاشق بن کر ہمیشہ حسن دیکھتے رہو اور دنیا اور آخرت کو اس طرح تصور کرو کہ آخرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مملکت ہے اور دنیا شیطان کی، تم ان دونوں کے متعلق معلوم کرو کہ یہ کس لیے پیدا کی گئی ہے اور ان کا مطالبہ کیا ہے۔ اے بھائی! اپنے نفس کو خوب سمجھ لے، جب تو اپنے نفس کو پہچان لے گا تو دنیا کی حقیقت خود بخود تیرے سامنے واضح ہو جائے گی اسی طرح روح کو بھی پہچانو اس لیے کہ روح کی معرفت پر آخرت کی معرفت موقوف ہے۔

اے بھائی! اس دنیا میں جو حسن تزین کفر اور اہل کفر کو دیا گیا ہے اسے عاشق لوگ ہی پہچانتے ہیں، سو جو دنیا کا عاشق ہے اس کا معشوق حسن کفر ہے۔

اے بھائی! تجھے کیا خبر کہ کفر نے اپنے غم خوردہ حسن سے اہل دنیا پر کیسے کیسے جور و ستم کروائے اور انہیں اپنا عاشق بنایا۔

اے بھائی! اپنی معرفت حاصل کرو اور اپنی ذات کو پہچانو، جب اپنی ذات سے روشناس ہو جاؤ گے تو عشق کے اسرار خود بخود تم پر کھلتے جائیں گے اور جب عشق کو اپنے حسن پر دیکھو گے تو ہر ایک کی زبان پر اپنا چرچا پاؤ گے، خلاصہ یہ کہ عاشق بن جاؤ اور معشوق کو اپنے اندر ہی معائنہ کرو اور حسن کو اپنے دل کے آئینہ میں دیکھو

اشعار

آں شاہد معنی کہ ہمہ طالب اویند — ہم اوست کہ از چادر تو ساختہ سرپوش

در بادیہ، ہجر چرا بند بمانیم — در عین وصالیم نگار است در آغوش

(وہ معشوق ہے جس کے تمام طالب ہیں، یہ وہی ہے جس نے تمہاری چادر سے اپنا سر چھپالیا ہے، ہم ہجر کے غم سے جنگلوں میں کیوں جائیں، اس لیے کہ معشوق تو ہمارے

آغوش میں ہے)

اے بھائی! گڑ کا ایک ٹکڑا لو اور اس سے سو گولیاں بناؤ اور ہر ایک کا الگ الگ نام رکھو، مثلاً ان میں سے کسی کا نام گھوڑا اور کسی کا نام ہاتھی وغیرہ رکھو، تو جب تک وہ چیزیں ان ہی شکلوں میں ہیں جو تم نے بنائیں اور ان کے نام رکھے اس وقت تک تو ان کے وہی نام رہیں گے لیکن اگر ان تمام شکلوں کو ملا دو تو ان کے نام ختم ہو جائیں گے اور وہی نام یعنی گڑ رہ جائے گا۔

آپ ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں کہ اے بھائی! کچھ خبر نہیں کہ لوگوں کو کیوں پیدا کیا گیا ہے، لوگ کیا کر رہے ہیں، کیا کریں گے اور انہیں فی الواقع کیا کرنا چاہئے۔ میں ہر وقت اسی کشش و پیچ میں مبتلا ہوں اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا، کبھی یہ خیال آتا ہے کہ وہ ہمارے آئینہ دل کو اس لیے صاف دستھرا کر رہا ہے تاکہ عاشقوں کو اس میں اپنا جمال دکھائے اور عاشق خستہ حال کو بتلا دے کہ میں معشوق ہوں، عاشق کا فریضہ اور کام یہ ہے کہ وہ معشوق کے احکام کی فرمانبرداری اور اسی کے طریقے پر چلنے کی کوشش کرے اور اپنے کو عشق اور حسن معشوق سے معمور کرے اور اس حسن میں محو ہو کر عاشق سب کو فراموش کر دے اور باطن میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کو دیکھ کر اس پر عمل کرے۔

اے بھائی! کبھی نفس کا خیال آتا ہے تو فوراً ہی حال میں بھی خیال کی موافقت کا دم بھر کر دنیا کمانے کے چکر میں پڑ جاتے ہیں اور دنیا کی زیب و زینت اس خیال کو مزید ترقی دیتی ہیں اور اس خیال میں مبتلا ہو کر حیراں و سرگرداں ہو کر دنیا کے معشوقوں کے دروازوں کا چکر لگاتا ہوں حالانکہ اس راہ کے عاشق و معشوق دونوں ہی ذلیل وخوار ہیں اور ان دونوں کو دنیاوی زیب و زینت میں محو ہو کر اپنی ذلت وخواری کی خبر نہیں رہتی اور ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ کس سے ایفائے عہد کیا جائے اور کس سے نہ کیا جائے اور یہ حالت ایسی دوام پذیر ہو جاتی ہے کہ انہیں موت تک کی فکر نہیں رہتی اور یہ دنیا کے عاشق دنیا کے حسن و جمال میں اس طرح کھو جاتے ہیں اور انہیں اس بات کی بالکل خبر نہیں رہتی کہ تمام دنیا پر معشوق حقیقی کا قبضہ ہے وہ جس طرح چاہتا ہے اور چاہے گا دیسا کرے گا، علاوہ ازیں دنیا کے عاشق اس بات سے بھی صرف نظر کر لیتے ہیں کہ ہمیں آخرت کا کٹھن سفر بھی درپیش ہوگا۔

اے بھائی! غور وفکر اس بات کی کرو کہ تمہیں ایک زبردست مہم حل کرنی ہے اس لیے تمہیں اپنے لیے ایک مونس و ہمدرد کی ضرورت ہے، ذرا ہوش کرو اور اس بات کا یقین کرلو کہ تم بحالت موجودہ اپنے نفس اور اپنی خواہشات کے غلام بن چکے ہو اس سے کسی طرح چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیر کرو۔

اے بھائی! کچھ معلوم نہیں کہ خیالات وافکار تمہیں کس بدحالی تک لے جائیں (اب تو کچھ معلوم نہیں ہورہا) البتہ جب بدنصیبی اور بدقسمتی ظاہر ہوگی تو معلوم ہوگا کہ یہ بدبختی اور بدنصیبی دراصل برے خیالات اور نفس کی اتباع کا ہی نتیجہ ہیں۔

اے بھائی! مجھے کچھ خبر نہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور کیا کر رہا ہوں مجھے اپنے کس فعل کی خبر نہیں، البتہ میری زبان خدا کے قبضہ میں ہے اس لیے چاہتا ہوں کہ ایسی باتیں کہوں جو دو عالم میں پسندیدہ ہوں۔

اے بھائی! مجھے اتنا ضرور معلوم ہے کہ تم خودی پیدا کرو اور خودی ہی کے متمنی اور خواہشمند رہو اللہ تعالیٰ نے جو چاہا سو کر دیا اور جو چاہے گا وہی کرے گا، کسی کو اس کے ارادے میں دخل اندازی کا حق نہیں۔

شیخ عثمان سیاح رحمۃ اللہ علیہ

۶۵۱ھ ۷۵۸ھ

آپ شیخ رکن الدین ابوالفتح کے مریدوں میں سے تھے بہت زیادہ سیر و سیاحت کے رسیا تھے اسی لیے ہمیشہ سیر و سیاحت میں رہتے، لیکن بالآخر اپنے وطن دہلی تشریف لائے، سماع کے بہت شائق تھے۔ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کی محفلوں میں ہمیشہ تشریف لاتے اور سماع سے محظوظ ہوتے اور وجد و حال میں رقصاں رہتے پرانی دہلی میں ہفت پل جسے سلطان محمد عادل نے بنوایا تھا اس کے قریب آپ کا مزار ہے۔

شیخ ابوبکر موئے تاب رحمۃ اللہ علیہ

۶۸۶ھ ۷۴۷ھ

آپ بدایوں کے رہنے والے تھے، ضیا نخشبی نے اپنی کتاب بنام سلک السلوک میں

لکھا ہے کہ شیخ ابوبکر موئے تاب ذکر الٰہی میں ایسے فنا تھے کہ ان کا بال بال ذکر الٰہی میں مشغول رہتا تھا اور وہ عالم بالا میں جانے ہی والے تھے کہ میں ان کی عیادت اور مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوا دیکھا کہ اس پر اسرار شعر کو پڑھ رہے تھے

شعر

قالب چوں غبار است میان من وتو — امید کہ اینک از میاں بر خیزد

(اے اللہ یہ جسم آپ کے اور میرے درمیان غبار کی طرح حائل ہے امید ہے کہ یہ پردہ بہت جلد اٹھ جائے گا)

شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ

۶۸۹ھ.........................۷۳۶ھ

آپ حق گو کے لقب سے مشہور تھے، آپ کے والد محترم کا نام شیخ فخر الدین زاہدی تھا، آپ کو حق گو اس لیے کہتے ہیں کہ ایک بار سلطان محمد تغلق نے یہ حکم جاری کیا کہ تمام لوگ مجھے عادل کہا کریں، تمام لوگوں نے اس حکم کو تسلیم کر لیا مگر انہوں نے انہیں عادل کہنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ہم ظالموں کو عادل نہیں کہا کرتے۔

اس جرم میں سلطان نے آپ کو دہلی کے قلعہ سے نیچے پھنکوا دیا، آپ کی قبر وہیں ہے۔ آپ شیخ فخر الدین ثانی کے مرید تھے جو بہت بڑے بزرگ تھے، ان کی قبر بھی دہلی شہر میں فیروز آباد کی جانب ہے۔

سید محمد رحمۃ اللہ علیہ

آپ یوسف الحسنی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے اور شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے خلیفہ تھے آپ سیادت اور علم و ولایت کے جامع اور بڑے رفیع الدرجہ عظیم البرکت اور قادر الکلام بزرگ تھے، آپ مشائخ چشت کا طریقہ رکھتے تھے اور اسرار طریقت میں خاص مہارت رکھتے تھے ابتداً دہلی میں رہا کرتے تھے لیکن شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کی وفات کے بعد گلبرگہ چلے گئے اور وہاں شہرت عامہ حاصل کی وہاں کے تقریباً تمام لوگ آپ کے فرمانبردار ہو گئے اور وہیں آپ کی وفات ہوئی۔

آپ گیسو دراز کے لقب سے مشہور تھے، اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کی پالکی جس طرح دوسرے مرید اٹھاتے تھے اسی طرح سید محمد بھی اٹھایا کرتے تھے، ایک دن آپ اپنے شیخ کی پالکی اٹھانے لگے تو اس کے ایک حصہ میں آپ کے بال الجھ گئے اگر نکالتے تو دیر لگتی اور اس سے شیخ کے کبیدہ خاطر ہونے کا خطرہ محسوس کرتے تھے اس لیے شیخ کے کبیدہ خاصر ہونے کا خطرہ محسوس کرتے تھے اس لیے کہ شیخ کے عشق و محبت میں اسی کیفیت سے چلتے رہے بہت فاصلہ طے کر جانے کے بعد جب شیخ کو معلوم ہوا تو وہ بہت خوش ہوئے اور آپ کی اس سچی محبت اور پکی عقیدت پر آفریں کی اور یہ شعر پڑھا

ہر کہ مرید سید گیسو دراز شد　　　　والله خلاف نیست کہ او عشقباز شد

(جو کوئی سید گیسو دراز کا مرید ہو گیا بخدا بلا تخلف وہ عشقباز بن گیا) آپ کے ملفوظات بھی ہیں جو جوامع الکلم کے نام سے مشہور ہیں جن کو آپ کے ایک مرید بنام محمد نے جمع کیا تھا جس میں لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام نصیر الدین مجھ پر شفقت فرمایا کرتے تھے، میرا اولاً یہ خیال تھا کہ شیخ کی خدمت میں جلدی جلدی حاضری دیا کروں مگر میں پیر کی خدمت میں حاضری کے آداب نہ جانتا تھا اس لیے حاضر نہ ہوتا تھا اور یہ بات میں نے اپنے والد سے جو شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے شیخ نظام الدین کی خدمت میں حاضری کے وقت سنی تھی، ایک بار میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ محمد! تم ہمیشہ بے وقت آتے ہو، اور جب آتے ہو تو میں کبیدہ خاطر ہو جاتا ہوں اس لیے چاہتا ہوں کہ تم سے مفصل گفتگو کروں اور اس وقت میری عمر پندرہ سال کی تھی کم سنی کی وجہ سے شیخ کی یہ بات سن کر میں متحیر ہو گیا مگر پھر میں نے عرض کیا کہ سبحان اللہ! اس سے بڑھ کر میرے لیے اور کیا خوش قسمتی کی بات ہوگی کہ شیخ کی خواہش مجھ سے گفتگو کرنے کی ہے۔ ایک دن میں نماز اشراق کے بعد شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا فرمایا کیا آپ کو صبح کی نماز کا وضو اشراق تک رہتا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں شیخ کی برکت سے باقی رہ جاتا ہے تو اپنے فرمایا کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ اسی وضو سے اشراق کی دو رکعت بھی پڑھ لیا کریں! میں نے عرض کیا کہ آپ کی برکت سے یہ بھی پڑھتا ہوں پھر فرمایا کہ اسی وضو سے دن کے شکرانہ اور طلب خیر کی بھی دو

رکعت پڑھ لیا کریں کچھ روز میں نے اس کا بھی اہتمام کیا، ایک روز فرمایا کہ اشراق پڑھتے ہو، میں نے عرض کیا جی ہاں، آپ نے فرمایا کہ اسی وضو سے چاشت کی چار رکعت بھی پڑھ لیا کرو تو ادا ہو جائیں گی اور اشراق کے فوراً انہیں پڑھ لیا کرو۔ میں رجب میں ہمیشہ روزے رکھتا تھا، فرمایا کہ رجب کے روزے رکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں تو آپ نے فرمایا کہ شعبان کے روزے بھی رکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ شعبان کے تو صرف نو روزے رکھتا ہوں مگر اگر اکیس ۲۱ روزے اور رکھ لیا کرو تو تین ماہ کے روزے مسلسل ہو جایا کریں گے، میں نے عرض کیا کہ آپ کی برکت سے انہیں بھی رکھا کروں گا، چنانچہ میرے والد محترم ابھی تک آپ سے بیعت نہیں ہوئے تھے میں نے یہ واقعہ ان سے بیان کیا تو وہ سن کر مجھ پر ناراض ہوئے، میں نے عرض کیا کہ ابا جی آپ کو اختیار ہے آپ جو چاہیں کریں لیکن میں اپنے شیخ کے حکم کی خلاف ورزی کیسے کرسکتا ہوں، میں رمضان کے بعد عید کے بھی چھ روزے رکھا کرتا تھا، اسی دوران میں ایک دن اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھے دیکھتے ہی آپ نے فرمایا کہ ہمارے بزرگ داؤدی روزے نہیں رکھتے تھے بلکہ مسلسل روزے رکھا کرتے تھے اب تم بھی ہمیشہ روزے رکھا کرو، آپ کے ملفوظات میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دن خواجہ محمود بقاء جو مولانا برہان الدین غریب کے دوستوں میں سے تھے وہ اور میں دونوں بیٹھے ہوئے رسالہ قشیری کا مطالعہ کررہے تھے اس وقت میری عمر بہت کم تھی اتفاق سے اس وقت خواجہ راجہ بزاق تشریف لائے اور بیٹھ گئے۔ اس وقت ہمارے زیر بحث یہ بات تھی کہ حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب تک آدمی تین بار موت کا مزہ نہ چکھ لے اس وقت تک مراتب عالیہ نہیں حاصل کرسکتا، یہ درست ہے اور وہ تین موتیں یہ ہیں:

(۱) سفید، (۲) سرخ، (۳) سیاہ۔

سفید موت کے معنی یہ ہیں کہ فقیر اور درویش بھوکا رہے۔ سرخ موت کے معنی یہ ہیں کہ اپنے اندر تحمل اور برداشت کا مادہ پیدا کرے۔ سیاہ موت کے معنی ہیں مفلس ہو جانا۔ خواجہ راجہ نے برائے امتحان مجھ سے دریافت کیا کہ بتاؤ ان تین موتوں کو کس سبب سے سفید، سرخ، سیاہ قرار دیا گیا ہے میں نے عرض کیا کہ بھوک کا تعلق پاکیزگی اور طہارت سے اور ہر اچھی چیز کو سفید کہتے ہیں اس لیے ایسی موت کو سفید موت کہتے ہیں اور تحمل و برداشت کرنے

میں چونکہ خون جگر پینا پڑتا ہے کیونکہ غصہ کی حالت میں بوقت انتقام خون کھولتا ہے اور بردباری اور تحمل میں غصہ دور ہو جاتا ہے اس لیے اس موت کو سرخ کہتے ہیں، رہا افلاس سو اس کے متعلق پیغمبر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

الفقر سواد الوجه فی الدارین افلاس دو عالم میں باعث روسیاہی ہے۔

اور حقیقت بھی یہ ہے کہ لوگ اپنے اندر ذلیل و عاجز اور مجسمہ خجالت فقیروں ہی کو جانتے ہیں اس لیے اس کو موت سیاہ کہتے ہیں۔

ایک دن فرمایا کہ شیخ فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شیخ منور فضل اللہ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ شیخ کے گنبد میں اکثر لوگوں نے آپ کے جسم کو سات حصوں میں جدا جدا پڑا ہوا دیکھا ہے، بتایئے! اس میں کیا راز ہے؟ میں نے کہا سبحان اللہ! مجھے کس نے دیکھا اور کون کہتا ہے، جو کہتا ہے وہ جھوٹ کہتا ہے، اور اگر آپ نے اس کے متعلق دریافت ہی فرمایا ہے تو اس کے متعلق جو صوفیاء کی کتب میں لکھا ہے وہ یہ ہے کہ پروردگار کی تجلی طالب پر اس طرح پڑتی ہے کہ اگر اس وقت اس تجلی کے سامنے بڑے بڑے پہاڑ بھی آ جائیں تو وہ بھی ریت کے ذرے بن جائیں اور اگر وہ تجلی آگ پر پڑے تو اس میں جلانے کی طاقت نہ رہے۔ خلاصہ یہ کہ اسی تجلی کے اثرات ہی آدمی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں، سات ٹکڑے کیا انسان کے لاکھوں ٹکڑے ہو جاتے ہیں، اس تجلی کے اس مرد خدا پر ہزار ہا پہاڑ اور آگ کے شعلے نمودار ہوتے ہیں جس کو وہ مشاہدہ کرتا اور دیکھتا ہے اور وہ اسے اس وقت بہت اچھے اور لطیف نظر آتے ہیں، وہی تجلی اس آدمی کو اپنی جانب کھینچتی ہے اور پھر بدن کے تمام اعضاء اس کی جانب کھنچ کر چلے جاتے ہیں پھر ان اعضاء کو دست قدرت، قوی، مکمل اور لطیف بنا دیتا ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ وہ سفر جس سے باطن پر برے اثرات مرتب نہ ہوں تو وہ مبارک سفر ہے اس لیے کہ صوفیائے کرام کی دولت و ثروت تو صرف دل جمعی کے ساتھ خدا کے حضور حاضری دی جائے تو وہ ایسی جنت ہے کہ جس پر ہزار (حقیقی) جنتیں قربان کی جا سکتی ہیں، ایسا کوئی لمحہ ضرور حاصل کرنا چاہئے، ابھی تک تو تمام وقت بیکار اور ضائع ہی ہوتا رہا اور کوئی کام نہ ہو سکا۔

بفراغ دل زمانے نظرے بخو بروئے   بہ ازانکہ چتر شاہی ہمہ عمر ہائے ہوئے

فرماتے ہیں کہ جب کبھی صحابہ کرام کی فضیلت اور افضلیت کا قصہ چھڑا تو میں نے کبھی اس بحث میں حصہ نہیں لیا، البتہ گفتگو کے دوران خدا کی قسم میں نے اپنے مخلص دوستوں سے یہ ضرور کہا ہے اور اب بھی کہتا ہوں کہ تمام صحابہ میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور آپ کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بعدہٗ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، البتہ بوقت ضرورت لفظی بحث ضرور کی جاتی ہے اور میں اصحاب کبار اور خلفائے عظام کے کارناموں کی برکت سے لوگوں کو کیسے ناآشنا رکھ سکتا ہوں۔ علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مسلمانوں کے لیے زندگی بہتر ہے یا موت؟ سو بعض زندگی کو بہتر کہتے ہیں اور کچھ موت کو، لیکن میری رائے یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور آپ کی حیات میں زندگی بہتر تھی اور آپ کے بعد موت بہتر ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اپنے دوستوں میں عمار بن یاسر کے اوصاف بیان کیجئے! تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ پختہ مومن ہیں اور ان میں اتنا ایمان بھرا ہوا ہے کہ بہہ رہا ہے، پھر اس نے حضرت سلمان فارسی کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ان کے پاس اگلے اور پچھلے لوگوں کی معلومات کے خزانے ہیں، اسی طرح حضرت حذیفہ کے بارے میں فرمایا کہ حضرت حذیفہ نبی علیہ السلام کے صاحب اسرار تھے اور ان میں ایک یہ صفت بھی تھی کہ وہ منافقین کے حالات سے باخبر رہتے تھے، سائل نے کہا کہ اے علی رضی اللہ عنہ! آپ اپنے بارے میں بھی تو فرمائیں، آپ نے فرمایا اچھا میرے متعلق دریافت کرتے ہو تو سنو میری حالت یہ ہے۔

اذا سالت اعطیت واذا سکت ابتدیت   میں جو مانگتا ہوں دیا جاتا ہوں اور اگر میں خاموش رہتا ہوں تو وہ مجھ سے کلام کرنے میں ابتدا کرتے ہیں۔

قوت القلوب میں ہے کہ یہ مقام محبوبوں کا ہے جن کی مرادیں پوری کی جاتی ہیں۔
ایک بار فرمایا کہ ہمارے مشائخ عاشق منش صوفی گزرے ہیں لیکن شیخ شہاب الدین اور ان

کی جماعت تمام کے تمام بڑے بزرگ واصل باللہ اور عارف تھے اور عشق تو ایک دنیا ہی دوسری ہے۔

ایک مرتبہ صوفیاء اور علماء کے اختلاف کا ذکر آ گیا، تو فرمایا کہ صوفیوں اور عالموں میں اس کے علاوہ کوئی اختلاف نہیں کہ صوفیائے کرام خدا کی ذات میں فنا ہو کر اپنے وجود سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ یہ جو مشہور ہے کہ علم سب سے بڑا حجاب ہے اس کا مطلب کیا ہے؟ فرمایا کہ اللہ کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں وہ سب حجاب ہیں اور حجاب جتنے ہیں وہ سب قبیح، کثیف اور بہت ہی برے ہوتے ہیں لیکن ایک لطیف حجاب ہے جس کا اٹھانا اور جس کو دور پھینک دینا بہت اچھا اور ضروری ہے۔ علم سے مراد اصول حدیث، فقہ، تفسیر وغیرہ علوم شرعیہ مراد نہیں بلکہ علم سے مراد وہ علم ہے جو خدا کی ذات اور صفات سے متعلق ہے کیونکہ وہ دلائل سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ اس کے لیے تو مشاہدہ درکار ہے۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے اندر دو چیزیں بڑی تیزی سے بدعت کو پیدا کر رہی ہیں۔ ایک قلندرانہ صورت اور دوسری یہ کہ جو لوگ کلمہ توحید کو اپنی جان سے بھی عزیز رکھتے ہیں انہیں تکلیف دی جاتی ہے اور انہیں بدنام کیا جاتا ہے ان کے اہل و عیال کو قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور ان کے بچوں کو ذلیل اور اغوا کیا جاتا ہے اور اس پر طرہ یہ کہ اس قسم کی حرکات شنیعہ کرنے والے اپنے کو مسلمان بھی کہتے ہیں یہ تو بڑا اچھا ایمان اور دین ہے۔

ایک مرتبہ کسی نے دریافت کیا کہ **لا ھو الا ھو** کے معنی کیا ہیں تو فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ماہیت اس کی ذات سے زائد نہیں بلکہ اس کی ماہیت عین ذات ہے اور مصنف لطائف قشیری کا یہ کہنا کہ پورا عالم اس کے وجود پر گواہی دے رہا ہے اس کے بھی یہی معنی ہیں کہ اللہ کی ذات مع صفات تمام عالم میں کارفرما ہے صوفیائے کرام کہتے ہیں کہ اگر کسی کو حرام چیزوں کی خواہش باقی رہے تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی تو اس کو چاہئے کہ وہ سچے دل سے توبہ کرے اس لیے کہ طالب کے لیے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے اختیار کے بغیر اس کے دل میں کوئی خواہش پیدا نہ ہو سکے بلکہ تمامتر خواہشات اس کے دل سے مٹ جائیں اگر تمام اہل عقل اس مقام کے حاصل کرنے کے ناممکن اور محال ہونے پر

اتفاق کرلیں تب بھی صوفیاء اس کی جانب التفات نہیں کرتے کیونکہ انسان کی طبیعت احکام کے تجسس اور مقاصد کے حصول کے لیے متردد اور متامل رہتی ہے مگر جو اس کے دل میں خدا تعالیٰ نے آفتیں ڈال دی ہیں وہ لوگوں کے کہنے سننے سے کب ختم ہوسکتی ہیں۔ فرمایا کہ ہر چیز میں کوئی نہ کوئی آفت اور مصیبت ہوتی ہے مگر عشق میں دو آفتیں ہیں۔ ایک ابتداء میں اور ایک انتہا میں۔ ابتدائی آفت تو یہ ہے کہ عاشق پر عشق اور معشوق کی جستجو کا غم سوار رہتا ہے اور جب تک اس کے لیے وصال کی کوئی راہ نہیں کھلتی وہ برابر اسی غم میں مبتلا رہتا ہے اور غم کا خوگر ہو جاتا ہے۔ اور اسی غم میں زندگی بسر کرتا ہے پھر آہستہ آہستہ اس کی سوزش اور غم میں کمی آتی رہتی ہے اور وہ اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے اور انجام کار محروم اور مایوس ہو کر خسارے میں رہتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس آفت سے بچائے اور محفوظ رکھے۔ اور انتہائی آفت یہ ہے کہ جب معشوق کا عاشق کو وصل ہو جاتا ہے اور وصال کی لذتوں میں مشغول ہو جاتا ہے تو دردِ غم اور الم وفراق کی سوزش اس سے ختم ہو جاتی ہے اور وصال کو علی سبیل التابید والدوام ہوتے رہنے سے کبھی اس کے اندر بھی ذوق وشوق ختم ہو جاتا ہے اور جو ذوق وشوق اس کو اول وہلہ میں تھا وہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور عشق کی سوزش ختم ہو جاتی ہے اور محبوب کے جمال کے ذوق وشوق سے بے نیاز ہو جاتا ہے، اللہ ہم کو اس سے بھی محفوظ رکھے اس لیے کہ اس آدمی کو اگرچہ وصال ہو چکا ہے مگر ذوق کہاں ہے اور پھر آرام وراحت سے رہتا ہے تو وہ وصال کس کام کا!

بخلاف اس آدمی کے جو عشق خوردہ اور عشق کا مارا ہو اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں ابتداً فراق، جدائی ذوق وشوق کی زیادتی ہوتی ہے اس کو جس قدر وصال ہوتا جاتا ہے اس کے ذوق وشوق میں اسی قدر اضافہ ہوتا جاتا ہے اور طلب بڑھتی جاتی ہے، جس عاشق کا درد غم بڑھتا رہے اور ذوق وشوق میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے ایسے ہی عاشق کے لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا انجام بھی اچھا ہوتا ہے یہ اپنے عشق کا پھل پاتا اور پورا حصہ حاصل کر لیتا ہے اگرچہ عارف لوگ ایسی صورت کو نقصان سے تعبیر کرتے ہیں مگر ذوق تو اسی کا نام ہے کہ کمال ونقصان سے صرف نظر کرتے ہوئے محبوب کی طلب میں کوشش کی جائے۔

آپ فرماتے ہیں کہ عوارف میں لکھا ہے کہ جب آدمی کامل فقیر بن جاتا ہے تو اس کو

سماع کا شوق نہیں رہتا اور یہ عشق کے کمال کی دلیل ہے یعنی اب اس پر عشق کی انتہائی صورت وارد ہو چکی ہے جو اس کو ایسی باتوں سے دور رکھنا چاہتی ہے جو لوگ سماع سننے کے عادی بن جاتے ہیں ان کا ذوق ٹھنڈا پڑ جاتا ہے ممدوح کی انتہائی حالت جس پر کوئی آفت نہ پڑی ہو وہ یہ ہے جس کا اس شعر میں اشارہ کیا گیا ہے۔

شعر

عجبے نیست کہ سرگشتہ بود طالب دوست عجب اس است کہ من واصل و سرگردانم

(طالب کا حیران و پریشان ہونا تعجب کی بات نہیں، تعجب کی بات تو یہ ہے کہ میں واصل بھی ہوں اور حیران بھی)

سماع میں فقیر و درویش کی یہ حالت ہونی چاہئے کہ وہ ازخود رفتہ نہ ہو بلکہ اپنی خودی میں رہے، جو کچھ کہے اس پر عمل بھی کرے اور اس کو سمجھے بھی کہ میں کیا کہہ رہا اور کر رہا ہوں اور اس وقت فقیر کی گھٹیا حالت ہوتی ہے کہ وہ سماع سننے کے بعد ازخود رفتہ ہو جائے اور اسے اپنی حرکات و سکنات تک کا علم نہیں ہوتا، اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی غصہ کی حالت میں اپنے حرکات و سکنات پر کنٹرول نہیں کر سکتا اسی طرح اس فقیر کی کیفیت ہے یہ دونوں احوال و حالات میں برابر ہیں۔ سماع کوئی اتنی اہمیت کی بات نہیں فقیر اور صاحب حال لوگوں کا مقصود سماع سے فقط اتنا ہوتا ہے کہ ان کے تمام پراگندہ خیالات مجتمع ہو جائیں اور تمام ماسوی اللہ سے الگ ہو جائیں، لیکن جو شخص سماع میں بے خود ہو کر اپنی سوجھ بوجھ اور ہوش و ہواس ختم کر دیتا ہے تو وہ اس قابل نہیں کہ اس کی تعریف کی جاسکے۔

فرمایا کہ مولانا جمال الدین مغربی نگینہ جات کے بڑے ماہر تھے، آپ بڑے سیاح حکیم جہاندیدہ اور معمر بزرگ تھے، بڑے بڑے بزرگوں سے ملے مگر کسی سے عقیدت نہ تھی، بڑے زبردست عارف تھے اور نگینہ جات کے خواص جاننے میں بھی آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی اور اس کا اعتقاد رکھتے تھے انہوں نے اس کے خواص خصوص میں ایک بہت عمدہ کتاب بھی لکھی ہے۔

فرمایا کہ میں اور یہ مولانا صاحب ایک برس تک ایک جگہ رہے مجھے جو احادیث و آیات قرآنیہ اس کی تائید میں یاد تھیں سناتا رہتا تھا۔ ایک دن باتوں ہی باتوں میں میں نے

ایک شرعی مسئلہ میں لطیف اشارہ سے اپنی رائے کے اختلاف کا اظہار کیا تو وہ اس طرح چونک اٹھے جیسے کوئی نیند سے بیدار ہوتا ہے اور کہنے لگے میرے آقا! میں آپ کا معتقد ہوں آپ ایسی بات کیوں کہتے ہیں۔ ابتدا میں میں اپنی بات کو عقلاً اور نقلاً اس طرح ثابت کرتا رہا ہوں کہ اس میں چھ ماہ تک آپ نے اختلاف رائے کا اظہار نہیں کیا، پھر روزانہ آپ میرے دلائل کی نفی میں بحث کرتے ہیں اور میں ان ہی دلائل سے ثابت کرتا ہوں، اس کے بعد مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ میر سید محمد! درود شریف پڑھیے، کیونکہ اہل عرب کا قاعدہ ہے کہ جب متکلم اپنی بات کو اچھی دلیل سے واضح اور ثابت نہیں کرسکتا تو سننے والا اسے کہتا ہے کہ درود شریف پڑھیے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنی بات کی کوئی توجیہ اور وضاحت نہ کرو، بلکہ نبی علیہ السلام پر درود پڑھو۔ ایک دن مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی زوردار بحث ہو رہی تھی اثنائے گفتگو میں مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ میر سید محمد ذرا میری طرح دوزانو ہو کر تھوڑی دیر مراقبہ کرو اس وقت مولانا کی عمر اسی ۸۰ برس اور میں بیس سال کا نوعمر اور نوجوان تھا، چنانچہ میں بھی دوزانو بیٹھ گیا اور ہم نے مراقبہ شروع کر دیا، مراقبہ ختم کرنے پر مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ سید محمد! تم ایک ایسے درویش ہو جنہوں نے ہم کو مسلمان بنا دیا، پھر انہوں نے اپنے کان پکڑے اور سر کو جھکا دیا اور فرمایا کہ جو شخص بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرتا ہے اس کو کسی نہ کسی چیز میں اختصاص نصیب ہوتا ہے اور وہ اپنی اس خاص صفت میں کمال مہارت حاصل کر لیتا ہے چنانچہ میں گفتگو کے فن میں ماہر ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے اسرار بیان کرنے کی طاقت عطا فرمائی ہے میں جتنی بھی کوشش کرلوں کہ اپنے بیان میں لغزش کروں مگر خدا کے فضل و کرم سے ذرہ برابر بھی لغزش نہیں ہوتی اس لیے کہ میری تمام توجہ اپنی گفتگو پر ہوتی ہے اور اس وجہ سے میں دائماً متفکر رہتا ہوں کہ میرے اندر وہ حالت پیدا نہ ہو جس سے میں دلائل اور ثبوت مدعیٰ سے عاجز و لاچار ہو جاؤں۔

اس کے بعد مولانا نے فرمایا کہ تفسیر ام المعانی میں لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر کسی مصلحت سے حضرت علی کو باہر بھیجا تھا جب حضرت علی واپس تشریف لائے تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اے علی آپ کو معلوم ہے کہ کل رات اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کیا فرمایا، حضرت علی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول مجھے معلوم نہیں، تو آپ

نے فرمایا کہ کل میں نے اپنے الدین اور چچا ابو طالب کی مغفرت کی دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے پیارے حبیب ہم اس بات کا فیصلہ کر چکے ہیں کہ جو شخص آپ پر ایمان نہ لائے اور اپنے باطل معبودوں سے کنارہ کش نہ ہو ہم اس کو جنت میں ہرگز داخل نہ کریں گے، اچھا اے میرے حبیب! اگر آپ اصرار کرتے ہیں تو فلاں گھاٹی پہ چلے جایئے اور وہاں اپنے والدین اور چچا کو آواز دے کر بلایئے وہ زندہ ہو کر آپ کے پاس آئیں گے آپ انہیں اسلام کی دعوت دیں، وہ اسکو تسلیم کر کے اس پر ایمان لائیں گے (اس کے بعد میں انہیں جنت میں داخل کر دوں گا) چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا تو وہ تینوں اپنی قبروں سے زندہ اٹھ کر مجھ پر ایمان لائے اور اس طرح ان تینوں نے عذاب سے نجات پائی۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد سید محمد گیسو دراز بیان کرتے ہیں کہ یہ واقعہ میں نے صرف تفسیر ام المعانی میں دیکھا ہے اس کے علاوہ اور دوسری کتابوں میں یہ بات کہیں نظر سے نہیں گزری (مطلب یہ تھا کہ یہ بات اور یہ قصہ درست نہیں۔ فاضل) سید محمد گیسو دراز کی ایک مشہور کتاب بنام ''کتاب الاسماء'' ہے جس میں آپ نے اشارۃً اور کنایۃً حقائق و معارف لکھے ہیں اس میں کا خواب کا ایک قصہ ہے۔

انچاسواں قصہ

ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ ایک لمبے چوڑے دریا میں جس کی گہرائی کمر سے زیادہ نہ ہوگی بہت سے لوگ گئے اور ان لوگوں میں ایک میں بھی تھا، اور ایک دوشیزہ جس کی عمر پندرہ برس کے قریب ہوگی وہ بھی اس پانی میں تھی، عجوبہ یہ تھا کہ ہم سب ہی لوگ برہنہ تھے اور وہ دوشیزہ اتنی خوبرو اور خوبصورت تھی کہ اس کے عکس اور حسن کے پرتو سے کئی حوران جنت پیدا ہوسکتی تھیں اور جو اس کے حسن سے پیدا ہوتیں وہ بھی اتنی خوبصورت ہوتیں کہ بہت ممکن ہے کہ وہ اپنے حسن کی وجہ سے خدائی کا دعویٰ کرتیں، اس دوشیزہ کے رخساروں کا رنگ و روپ نہایت ہی دلکش و دلفریب تھا اور اس کا قد ایک نوجوان لڑکے کی مانند تھا، اور اس کا حسن میرے دل کو موہ رہا تھا، میرے اور اس کے درمیان تقریباً ایک میل کا فاصلہ تھا، جب اس نے مجھے دیکھا تو اپنی طرف بلایا، میں اس کی جانب اس طرح جا رہا تھا جیسے ایک بادشاہ شب عروسی میں اپنی دلہن کی طرف جاتا ہے میرے اور اس کے درمیان ایک فرلانگ کا فاصلہ تھا

کہ یکا یک ایک غیبی شخص آ گیا اس نے ہمارے اوپر کپڑا ڈالا اور ہمیں وہ کپڑے اس طرح پہنائے جیسے کوئی کسی کو پہناتا ہے چنانچہ اس کے بعد میں نے اس دوشیزہ کو خوب مزے سے دیکھا، چنانچہ وہ میری اور میں اس کا عاشق ہوگیا۔ اسی دوران میرے اور اس کے درمیان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ظاہر ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں اللہ کا بیٹا ہوں، چنانچہ ہر دونوں فریق میں اختلاف ہوگیا، میں کہتا تھا کہ یہ میرے بیٹے ہیں اور وہ دوشیزہ کہتی تھی کہ یہ میرے بیٹے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہم دونوں کا بیٹا ہونے سے انکار کر رہے تھے اور کہتے تھے کہ نہ میں آپ سے ہوں اور نہ ہی اس عورت سے میں تو خود بخود آیا ہوں اور جس پانی کا میں نے ذکر کیا وہ تمام میں ہی ہوں۔ واللہ اعلم۔

سید شیخ محمد جعفر مکی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

۷۰۶ھ............۸۴۱ھ

آپ شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز خلفاء میں سے تھے، مقام توحید و وحدت میں عالی مرتبہ رکھنے کے علاوہ بڑے بلند پایہ بزرگ اور ولی تھے، آپ نے جو اپنے ظاہری و باطنی حالات تحریر فرمائے ہیں ان کو دیکھ کر انسانی عقل حیران رہے بغیر نہیں رہ سکتی اگر ان تمام احوال کو بغیر کسی تاویل کے اپنے ظاہر ہی پر محمول کرلیا جائے تو یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ واقعی آپ اپنے وقت کے بہت بڑے کامل بزرگ تھے۔

آپ نے اپنی کتاب ''بحر المعانی'' میں توحید کے اکثر دقائق اور مختلف قوموں کے علوم اور معرفت کے اسرار کو بیان فرمایا ہے اور آپ کی تحریر کا انداز بڑا ہی پیارا اور مستانہ وارانہ ہے۔ آپ نے اور بھی دو کتابیں جن میں ایک کا نام دقائق معانی اور دوسری کا نام حقائق معانی لکھنے کا وعدہ کیا ہے خدا معلوم آپ کی یہ کتابیں لکھی گئی ہیں یا نہیں، علاوہ ازیں آپ کے یہ رسالہ جات بھی ہیں۔ (۱) یہ رسالہ روح کے بیان میں ہے، (۲) پنج نکات، (۳) بحر الانساب، اس میں اپنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کا نسب نامہ لکھا ہے۔ آپ نے بہت سے دعوے کیے ہیں لیکن آپ کے حالات ان کی سچائی پر بین دلیل اور ظاہر شاہد ہیں۔ آپ نے بڑی لمبی عمر پائی، کہ سلطان محمد تغلق کے زمانہ سے سلطان بہلول کے زمانہ

تک زندہ رہے اور ایک سو سال سے زائد عمر پائی، آپ کے آباؤ اجداد مکہ کے بڑے شرفاء میں شمار کیے جاتے تھے، آپ مکہ سے دہلی تشریف لائے اور اس کے بعد سرہند رہنے لگے اور وہیں وفات پائی چنانچہ آپ کی قبر بھی وہیں ہے۔ آپ بحر المعانی میں لکھتے ہیں کہ میں نے اپنی عمر کے ساٹھ سال علوم ظاہری میں صرف کیے تھے اور بڑے کمالات حاصل کرتا رہا، چنانچہ اس طویل زندگی میں اپنے محبوب ازلی اور مقصود ابدی سے غافل رہا اور اب تیس ۳۰ برس سے قوت بینائی جو دکھاتی ہے اسے دیکھتا ہوں اور جو کچھ کانوں کے ذریعہ سنائی دیتا ہے اسے سنتا ہوں، اے محبوب! اہل ظاہر کے دل اور ان کی بانجھ عقل اس راستہ میں حائل تھی اور اگر مجھے اس کا علم نہ ہوتا تو اپنا سامان ابدی اور لم یزل جنگل کی طرف باندھ چکا تھا۔ اے محبوب! میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے لوگوں نے ابھی تک سنا نہیں، اور اللہ رب العزت نے بغیر حرف اور آواز کے جوام الکتاب میں عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے اسے جب حروف اور آواز کے ذریعہ سے لوگوں تک ظاہر کرتا ہوں تو لوگ اسے سمجھتے ہی نہیں ۳۳ برس ہو گئے ہیں کہ لوگوں کی طرح کہنے سے میں نے توبہ کر لی ہے اور جو کچھ کہتا ہوں اس میں اپنی کوئی غرض شامل نہیں ہوتی۔ اسی کتاب میں آپ نے ابدالوں، قطبوں، اوتادوں اور رجال الغیب، ان کے اسماء ان کی تعداد، ان کے مراتب و درجات، ان کی عمریں اور حالات بھی درج کیے ہیں اور اس تفصیل سے لکھا ہے کہ اس سے زائد کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، آخر میں لکھتے ہیں کہ میں نے ان سب سے ملاقات کی ہے اور سب سے ایک ایک تحفہ حاصل کیا ہے اور ان کے مقامات کا مشاہدہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں ۳۵۷ ابدالوں سے ملا ہوں جو دریائے نیل کے کنارے پر پہاڑوں میں رہتے ہیں جو درختوں کا گوند اور جنگلوں کی ٹڈیاں کھاتے ہیں۔ اے محبوب! ان کے علاوہ بھی لامحدود افراد ہیں، جو اہل دنیا کی آنکھوں سے مستور ہیں، ان لوگوں کو صرف قطب جانتے ہیں یا وہ کامل لوگ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سلوک پر چلتے ہیں اور قلبی طور پر ان کا تعلق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے اس لیے بہت بلند مرتبے پاتے ہیں، جس طرح کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی مراتب علیا کا حصول رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، سو جب کوئی شخص اپنا قلبی تعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ کر لیتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کو قطب بنا دیتے ہیں اور پھر وہ مقام معشوقیت یعنی

احدیت میں محو ہو جاتا ہے۔

اے محبوب! تمام لوگوں میں سے صرف دو آدمی مقام قطبیت سے مقام معشوقیت تک رسائی حاصل کر سکے ہیں۔ ایک شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی اور دوسرے شیخ نظام الدین بدایونی، ان دونوں بزرگوں نے نبوت کے چشمہ سے خوب سیر ہو کر علوم نبوت کو حاصل کیا ہے۔

اے محبوب۔! آپ اس بات کا یقین کریں کہ میں جو کچھ کہتا اور لکھتا ہوں اس کا پہلے مشاہدہ کرتا ہوں۔

اے محبوب! ایک دن میں اور حضرت خضر علیہ السلام مصر میں دریائے نیل میں ایک کشتی پر سوار تھے اور ہم دونوں میں رب تعالیٰ کے مشاہدے کے سلسلہ میں گفتگو ہو رہی تھی، اسی دوران میں خضر علیہ السلام نے مجھ سے یہ بھی فرمایا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ نظام الدین بدایونی مقام معشوقیت تک پہنچے ہوئے تھے، ایک جگہ آپ فرماتے ہیں کہ اے محبوب! میں مسلسل نوے برس تک بیدار رہا ہوں اور اکیس ۲۱ سال تک ایسا مست رہا ہوں کہ مجھے اپنی ذات کی خبر تک نہ ہوا کرتی تھی، یہ اس زمانے کی بات ہے کہ جب میں زمانہ کے قطب شیخ یعقوب کے پڑوس میں رہتا تھا، انہوں نے ہی مجھے میری اکیس ۲۱ برس کی کیفیت کو سنایا تب مجھے معلوم ہوا کہ میں اتنی طویل مدت تک بے خود رہا ہوں اور اب کچھ برس سے اپنے پیر کی برکت سے مقام فردانیت میں آیا ہوں۔

شعر

فریدم فرد بہ نشستم کہ درخود — زفردیت لبے انوار دارم
اگر موسیٰ نیم موسیٰ چہ ہستم — دردن سینہ موسیقار دارم

اے محبوب! ابن عربی صاحب فصوص الحکم لکھتے ہیں کہ منصور حلاج کو جب خدا کی ذات کی تجلی ہوئی اس وقت وہ مقام فردانیت ہی میں تھا لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر منصور حلاج کو ذات باری کی تجلی ہوئی ہوتی تو وہ ہرگز ہرگز انا الحق نہ کہتا اور نہ ہی انا سبحان کے نعرے لگاتا کیونکہ خدا کی تجلی میں تو ایک خاص قسم کی محویت حاصل ہو جاتی ہے اور جو شخص خدا کی ذات کے مشاہدہ میں محو و مستغرق ہو جائے اسے کیا خبر کہ میں کون اور کیا ہوں وہ اس

کیفیت و حالت میں کسی وقت بھی انا الحق و سبحانی نہیں کہہ سکتا، اس لیے کہ جس کو خدا کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اس کی زبان پھر خدا کی تجلی میں ہی محو ہو جاتی ہے، البتہ تجلی صفات کی حالت میں زبان کھلتی رہتی ہے اور اس حالت میں وہ اپنے افعال و اثرات کو اپنی زبان سے بیان کرتا ہے۔

اے محبوب! جس وقت کسی درویش کو تجلی صفات میں استغراق ہو تو اسے کے لیے ضروری ہے کہ اپنی جمالی صفات کو اللہ کی صفات تصور کرے یعنی درویش صفات الٰہی میں مستغرق ہو کر اس کی جمالی صفات کے نور کا ایک حصہ اور ٹکڑا بن جائے اس وقت وہ واجب الوجود کی صفتوں کو بیان کرتا ہے اس وقت چونکہ وہ تمام آلائشوں سے پاک ہو جاتا ہے، علاوہ ازیں چونکہ وہ واجب الوجود کی صفتوں میں مستغرق ہے اور اسے اپنی ذات کی کوئی خبر نہیں اس لیے وہ ان ہی اوصاف کو کبھی انا الحق اور کبھی سبحانی سے بیان کرتا، تو فی الواقع وہ نہیں بول رہا بلکہ خدا کی صفت اس کے اندر بول رہی ہے اس کا ثبوت حدیث میں بھی ملتا ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ان اللہ لینطق علٰی لسان عمر ترجمہ: (کہ اللہ تعالٰی عمر کی زبان میں بولتے ہیں۔)

کیا کروں! ابن عربی اس وقت زندہ نہیں ورنہ جو کچھ مجھے کہنا تھا وہ سب دل کھول کر کہتا اور یقین ہے کہ وہ ضرور تسلیم کرتے، میرے ملفوظات صرف بحر المعانی ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ اور بھی ہیں جو اے محبوب تمہیں کسی روز لکھوں گا۔

اے محبوب! میں صاحب حقیقت شیخ نصیر الدین محمود سے مرید ہونے کے بعد آپ کی برکت سے تصوف اور سلوک کے راستہ میں ترقی کرتا رہا اور مقام تجلی صفات سے تجلی ذات میں جو مستور و پوشیدہ رکھنے کا مقام ہے داخل ہوا، ایک روز صاحب حقیقت شیخ نصیر الدین محمود ذکر خفی فرما رہے تھے اور اس میں آپ کی خدمت میں نہایت متواضعانہ صورت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا اے میدان عالم لاہوت کے شہباز، اے عالم بجروت کے پاکیزہ، اے عالم ملکوت و فاسوت کے شہسوار آیئے آیئے، اس کے بعد میری آنکھوں میں سرمہ کی ایک سلائی ڈالی اور فرمایا کہ یہ اللہ کی ذات کے جمال کے نور کا سرمہ ہے۔ یہ واقعہ ۸۱۱ ہجری کا ہے۔ چنانچہ جب رات ہوئی تو میں اڑنے لگا اور شہر ختلان سے مصر

پہنچ گیا اور شیخ اوحد سمنائی کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے بھی مجھے انہیں کلمات سے یاد فرمایا جن کلمات سے شیخ نے یاد فرمایا تھا۔ بعدہٗ مجھے اپنے کمرے کے ایک گوشہ میں بٹھا دیا جہاں دو آدمی میرے علاوہ اور بھی بیٹھے تھے ان میں سے ایک صوفی تھا اور دوسرا طالب علم، قطب عالم شیخ اوحد سمنانی کی امامت میں میں نے عشاء کی نماز ادا کی اس کے بعد رات کے دو تہائی حصہ تک میں نے قرآن کریم کے تیرہ پارے پڑھے بعد ازیں جو میں نے اپنے قطب کو دیکھا تو اسے نور سے لبریز پایا جو عرش پر محیط ہو چکا ہے اور اس طرح معلوم ہو رہا ہے کہ گویا عرش میری نظروں میں رائی کے ایک دانہ کی مانند ہے اس کے بعد میں نے اپنے بالوں کو دیکھا تو ایسا محسوس ہوا کہ میرا ہر ہر بال ایک علیحدہ وجود و ہستی کا مالک ہے بعدہٗ وہ شکلیں ختم ہونے لگیں، پھر میں نے دیکھا کہ تمام دنیا اور اس کی تمام چیزیں اپنی صورتیں بدلنے لگی ہیں اور تمام تجلیات صفات افعال اور اسماء و آثار نے بھی اپنی صورتیں تبدیل کرنا شروع کر دی ہیں۔

اے محبوب! محو در محو ہونا اسی کو کہتے ہیں، اس طرح میں نے آنکھ کے جھپکنے کی دیر ہی ستر ہزار عوالم کی سیر کی ہے، اس کے بعد بذات خود میں نے یہ حکم سنا کہ اے میرے پر جلال بندے! تیرے اور میرے درمیان حجاب جمال در پیش ہے اور میرے جمال کے انوار پر جلال ہیں اور تو اس وقت جلال و جمال کے مابین ہے خلاصہ یہ کہ اتنی گفتگو کے بعد میں رب تعالیٰ کی تجلی سے سرفراز ہوا جس کی کیفیت صرف مشاہدہ سے تعلق رکھتی ہے، بعدہٗ مقام لاہوت میں جس کو مقام فردانیت بھی کہتے ہیں، میں ٹھہرا رہا اور رب العالمین کی تجلی کے بعد سترہ دن تک میں عالم بیداری اور حیرانی میں اوحد سمنانی کے کمرے میں یہ پڑھتا رہا۔

اشعار

از شراب شوق گشتم مست او	ہست من گم گشت اندر ہست او
بود ما در بود او نابو دشد	ہر چہ جز غیرش بداں مردود شد
چوں مجرد گشتم از ہستی تمام	نے وجودم ماند آنجا ونہ نام
چوں شدہ فانی محمد از وجود	غیر او دیدہ کہ کس دیگر نبود

اے محبوب! تجلی ذات الٰہی کے بعد میں شیخ اوحد سمنانی کے کمرہ میں بالکل بے ہوش

پڑا رہا اور میری بے ہوشی کے زمانے میں شیخ میری پیشانی کو چومتے رہتے تھے، شیخ جو ولی تھے اگر انہیں میری اندرونی کیفیت کا علم نہ ہوتا تو مجھے اسی کمرے میں مردہ اور میت سمجھ کر دفن کر دیتے اور اس بے ہوشی کے عالم کو ختم ہو جانے کے بعد میں سترہ روز تک اسی کمرے میں بیدار تھا اور آنکھیں پھاڑے حیران بیٹھا دیکھتا رہتا تھا اس لیے کہ یہ تجلیات کی ابتداء تھی (جس کی وجہ سے میرے اوپر بہت اثر ہوا) اس کے بعد تو میں جدھر دیکھتا مجھے ایک نور دکھائی دیتا جو مجھے جوانب اربعہ سے گھیرے ہوئے ہوتا، مقام فردانیت میں اس صورت کو افاقہ کہتے ہیں جو تمام کائنات پر بحیثیت قدرت و تمکنت کے قابض اور سایہ کئے ہوئے ہے، اور یہ تمام حالات محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کی برکتیں ہیں۔

میرے والد بزرگوار امیر کبیر جعفر نصیر ایک روز میرے شیخ خواجہ نصیر الدین محمود کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، میرے شیخ نے ان سے فرمایا کہ اے جعفر! سید محمد میدان لاہوت کا شہباز ہے، تین سو اسی سے زیادہ اولیاء اور اقطاب ان سے فیض حاصل کریں گے اور ان کی بیعت سے سرفراز ہوں گے اور یہ وہ زمانہ تھا جبکہ میں خواجہ نظام الدین اولیاء کے خلیفہ مولانا شمس الدین یحییٰ سے تلخیص پڑھا کرتا تھا۔

اے محبوب! جب میں اس مقام تر پہنچا تو یہ اشعار پڑھا کرتا تھا۔

اشعار

گفتم اکنوں من ندانم کیستم — بندۂ بارے نیم بس چیستم!
بندۂ شد محو آزادے نماند — ذرہ در دل غم و شادے نماند
بے جہت گشتم نگشتم بے جہت — عارفم اما ندارم معرفت!
می ندانم تو منی یا من توئی — محو گشتم در تو گم شد دوئی

اے محبوب! کوئی گمراہ بھی یہ کلام نہیں کہہ سکتا، سو جس نے یہ کہا ہے تو (وہ معذور تھا اس لیے کہ اس نے) تجلی صفات کے بعد یہ کہا ہے کیونکہ اس کلام ہی سے تجلی ظاہر ہو رہی ہے، جب میرے دل میں آتا ہے کہ آپ کے لیے کچھ لکھوں تو تجلی ذات کے نہ دیکھنے کی وجہ سے حیران و پریشان ہو جاتا ہوں، وگرنہ کہاں آپ اور کہاں یہ گفتگو، آپ کو تو میرے حق میں یہ دعا کرنا چاہئے کہ میری حیرانی کے زمانہ میں آپ میرے ہمراہ رہیں تا کہ اس کتاب کو جو بغیر

حروف وآواز کے ہے آپ پر حروف وآواز کی صورت میں بیان کرسکوں، اے محبوب! بڑی غور وفکر سے سوچو اور انسانی نظر سے مجھے نہ دیکھو

اشعار

مردا دراے کاندریں راہ ! نے بوئے ہمی خزندونے رنگ
افتادہ مباش در رہ تنگ زنار مغانہ بر میاں بند
میداں بہ یقین در دو عالم ! در راہ تو جز تونیست خرسنگ

مکمل ہوا یہ مبارک خط مورخہ ۳۰ شوال ۸۲۴ ہجری

آپ بحر المعانی میں ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ میرے قلم سے جو کچھ نکلتا ہے وہ فی الواقع میرے دل کی صدا ہوتی ہے، ان باتوں کو میرا دل روح سے اخذ کرتا ہے اور میری روح ان باتوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کرتے ہیں، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم براہ راست ان باتوں کو خدا تعالیٰ کی ذات سے لیتے ہیں۔

اے محبوب! میں جتنا زیادہ لکھتا ہوں اتنا ہی زیادہ مشکلات میں مبتلا ہو جاتا ہوں، یقین جانئے کہ بحر المعانی کے مضامین برسہابرس تک سفر وحضر میں مجھ سے حضرت خضر علیہ السلام دریافت فرماتے رہے مگر میں نے انہیں نہیں بتلائے، اور اب بھی پوچھتے رہتے ہیں مگر خدا کی قسم میں انہیں ہرگز ہرگز نہیں بتاؤں گا، سبب اس کا یہ ہے کہ میں نے ابتدا یہ باتیں حضرت خضر علیہ السلام سے دریافت کی تھیں مگر انہوں نے کچھ ایسے بے رخے پن سے جواب دیا کہ میری تسلی نہ ہوسکی اور اب انہیں آرزو ہے مگر میں احتراز کرتا ہوں، وہ ان اسرار کے ذریعہ اپنی جان کی حفاظت کے خواہاں ہیں یعنی نیم جان کی حفاظت چاہتے ہیں اور میری کیفیت یہ ہے کہ اگر مجھے ہزار ہا جانیں دی جائیں تو میں ان سب جانوں کو چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔

اے محبوب! آپ بھی جاں نثار بن جائیں تا کہ حضرت خضر علیہ السلام جیسے ہزاروں آپ کے لیے سرگرداں نظر آئیں خیر الکلام قل و دل دامنگیر ہے اس لیے میں اپنے مافی الضمیر کو اجمالاً لکھ رہا ہوں، اگر تفصیل سے لکھوں تو توراۃ کی مانند ایک ایسی ضخیم کتاب

بن جائے جس کو اونٹ پر لادے بغیر نہ اٹھایا جا سکے چونکہ یہ تمام کلمات فی الواقع قرآن کریم کی شرح ہیں اس لیے ان کو بھی خیر الکلام ہی کہا جائے۔

بحر المعانی میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ اس بوڑھے فقیر نے خدا تعالیٰ کے عاشقوں کے آستانہ پر برابر بیس برس تک خاکروبی کی ہے بعدہٗ صاحب حقیقت شیخ نصیر الدین محمود کی خدمت عالیہ میں تین مہینے بارہ یوم تک حاضر باش رہا اور بیعت ہونے کے بعد آپ کی تین ہدایات پر عمل کرنے میں ہمہ تن مشغول ہو گیا۔

پہلا کام یہ کہ پانچوں وقت پانی لا کر اپنے شیخ کو وضو کرانا،

دوسرا کام یہ کہ شیخ کے گھر کی روشنی کا انتظام کرنا،

تیسرا کام یہ کہ شیخ کے استنجاء کے لیے ڈھیلے لانا، مگر میں انہیں حاصل کرنے کے بعد اپنے رخساروں پر مسل کر صاف کر لیا کرتا تھا، یہ اس زمانہ کی بات ہے جبکہ سلطان تغلق کے دور حکومت میں میرے والد بزرگوار کے پاس تمام علاقہ کنبہات کی جاگیر تھی اور آپ کے لیے ایک ہزار تین سو سوار بھی مقرر تھے، اپنے شیخ کی اجازت سے میں نے تین ہزار اولیائے کرام کو پایا اور ان کی خدمت کی، ہر ایک سے مجھے فائدہ ہوا، ظاہر پرست صوفیاء اور عوام الناس یہ سمجھتے ہیں کہ یہ منزل بڑی آسان ہے (حالانکہ یہ منزل بہت مشکل ہے)۔

نیز بحر المعانی میں ان تین ہزار بیاسی مشہور بزرگوں کے حالات اور جائے سکونت اور مقام ملاقات، سفر و قیام اور ان کی خدمت میں اپنے ٹھہرنے کی مدت وغیرہ تمام چیزوں کو تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ صفوان بن قیس عبد مناف کے بھائی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر مسلمان ہوئے میں نے انہیں ایک غار میں (عبادت میں) مشغول دیکھا ہے، میں نے جس دن ان کی ملاقات کا شرف حاصل کیا اس وقت ان کی عمر نو سو بانوے برس کی تھی (ان سے میں نے دریافت کیا کہ آپ اس وقت یہاں کیسے ہیں) تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے درازی عمر کی دعا کی تھی۔

میں مؤلف اخبار الاخیار کہتا ہوں کہ صفوان کا یہ واقعہ آپ کی ایک دوسری کتاب ''بحر الانساب'' میں بھی مذکور ہے یہ غرابت سے خالی نہیں ہے جو کتب احادیث اور سیر کے موافق نہیں (یعنی یہ قصہ صحیح نہیں بلا سند و بلا دلیل ہے) واللہ اعلم بالصواب آپ ایک جگہ اور

فرماتے ہیں کہ اے محبوب! میں نے اتنی سیر کی ہے اور اس دوران اتنے مختلف مذاہب کے لوگوں سے ملا ہوں اور ان سے گفتگو کی ہے کہ اگر اس کی تفصیل سے ذکر کروں تو ایک ایسا ضخیم ذخیرہ ہو جائے جس کو اٹھانے کے لیے اونٹوں کی ضرورت محسوس کی جائے گی۔ ایک اور جگہ آپ لکھتے ہیں کہ میں اگر ان تمام کلمات کو بحر المعانی میں درج کر دیتا جو میرے اوپر وارد ہوئے ہیں تو یہ جہان لرزہ براندام ہو جاتا، میں اپنے نانا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیرت کی وجہ سے بڑا ہراساں ہوں (یعنی اس بات سے ہمیشہ ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھ سے ایسا کام سرزد نہ ہو جائے جس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غیور ہونے کی وجہ سے مجھ سے خفا ہو جائیں) اور دو غیوروں کے درمیان میں پڑا ہوں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ انا غیور و اللہ اغیر منی ترجمہ: (میں غیور ہوں، اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیور ہیں۔)

اے محبوب! موسیٰ علیہ السلام جب علم نبوت اور ولایت میں مکمل ہو گئے تو آپ بھی خضر علیہ السلام کی طرح تین چیزوں کا تحمل نہ کر سکے اور خضر علیہ السلام میرے ان کلمات سے ابھی تک سرگرداں ہیں۔

اے محبوب! موسیٰ علیہ السلام تو تین چیزوں کا تحمل نہ کر سکے، اور اے محبوب تو نبی علیہ السلام کے در کا فقیر بحر المعانی کے تمام (مضامین مشکلہ) کا حامل بن گیا اگر موسیٰ علیہ السلام اس زمانے میں ہوتے تو تو ان سے وہی کہتا جو کہا گیا ہے اس لیے خدا کی نعمت کا شکر ادا کیا جائے اور اپنے عزائم وارادے بلند رکھو تا کہ بحر المعانی کے دقائق لکھ سکو اور میرے لیے شب و روز دعا کیا کرو تا کہ زندگی یاری کرے۔

شعر

از دعائے زاہداں چوں برنیا یدکار من   شاہداں راپائے بوسی بدکہ دل کارے کند

بحر المعانی کے اخیر میں لکھتے ہیں کہ جمعرات ۲۷ محرم الحرام کو ۳۶واں خط تحریر کر رہا تھا اور اسرار عشق میں قلم بڑی جولانی سے چل رہا تھا جب یہاں پہنچا زرغبا تزدد حبا ترجمہ: (ایک دن چھوڑ کر زیارت کر کے محبت کو بڑھاؤ تو ایک دوسرے ہی جہان میں جا پہنچا اور گھٹنوں پر سر رکھ کر حیران بیٹھ گیا، اسی عالم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد قباء میں

تشریف فرما دیکھا، تمام اصحاب رسول، اولیائے کرام حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لے کر شیخ نصیر الدین محمود تک تمام کے تمام لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فارسی زبان میں فرمایا، اے فرزند مست حضرت لم یزل ولایزال، بحر المعانی رابیار (اے خدا کی ذات میں مست بیٹے، بحر المعانی لاؤ، چنانچہ اس وقت میں نے جو ۳۵ یا ۳۶ مکتوب لکھے تھے فوراً پیش کر دیئے، آپ نے ان تمام مکتوبات کو نبوت کی طاقت سے بہت جلدی پڑھ کر فرمایا، اے بیٹے! تمام تعریف اس ذات کی ہے جس نے آپ کو یہ رموز الہام کئے اور فرمایا کہ اللہ تمہیں اس سے بھی زیادہ علم دے، پھر نبی علیہ السلام نے فارسی زبان میں فرمایا، اے دوستو! بحر المعانی کا یہ مصنف وہ شخص ہے جس نے قرآن کریم کے حقیقی معانی کو بحر المعانی میں لکھ دیا ہے اگر دنیا کے تمام علوم ختم ہو جائیں اور علوم کا ایک ورق بھی باقی نہ رہے تب بھی یہ شخص ان علوم کو قلم کی ایک جنبش سے تحریر کر دے گا۔ پھر فرمایا، اے خدا کے مست بیٹے! ان رموز واسرار کو صحرا میں نہ ڈال دینا کیونکہ شریعت کے امور دنیا میں کم ہوتے چلے جا رہے ہیں اور اہل مذہب سے اہل دنیا نفرت کرنے لگے ہیں۔ میں نے اقرار کیا کہ آپ کا ارشاد سر آنکھوں پر، چنانچہ ۳۶ ویں مکتوب سے آگے اس واقعہ کے بعد لکھنا شروع کیا اور بحر المعانی کو مکمل کیا۔

اے محبوب! اس کے بعد نبی علیہ السلام نے یہ کتاب خود دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دی۔ انہوں نے حسن بصری کو، انہوں نے خواجہ عبد الواحد بن زید کو اس کے بعد سلسلہ وار تمام مشائخ کے پاس سے ہوتی ہوئی وہ کتاب شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے ہاں پہنچی۔

اے محبوب! یہ فقیر اس بات کا منتظر تھا کہ نبی علیہ السلام اس بات کی اجازت دے دیں کہ بحر المعانی کے حقائق و دقائق کو تحریر کیا جائے، چنانچہ جب آپ نے مجھے یہ فرمایا کہ ارشدك الله فی زیادة علمك تو میں نے اس کو تصنیف کی اجازت پر محمول کیا۔ والسلام

بحر المعانی میں لکھتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام صاحب ذوق موسیٰ علیہ السلام صاحب لذت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صاحب حلاوت پیغمبر تھے۔

نیز بحر المعانی میں لکھتے ہیں کہ شیخ عبد القادر جیلانی فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں خدا تعالیٰ کو اُمی صورت میں دیکھا اور اُمی، تو فرمایا کہ جس کا ذکر اللھم صل علیٰ محمد

النبی الامی میں ہے ارشاد ہے کہ تمام اولیائے کرام میری قبا کے دامن میں ہیں **لا یعرفهم غیری**، اس غیری میں یائے متکلم نہیں بلکہ یائے نسبتی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا، یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی اپنے پیاروں کو پہچانتے ہیں اور اس کے پیارے اپنے پیاروں کو جانتے ہیں۔

ایک جگہ اور لکھتے ہیں کہ سماع روح کی معراج ہے اور نماز دل کی معراج ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **انی لاجد نفس الرحمان جانب الیمن** ترجمہ: (میں رحمت کی ہوا یمن کی جانب سے محسوس کرتا ہوں) اس سے مراد پردۂ یمن ہے۔

اے محبوب! آپ نے اس آواز کو سنا ہوگا جس کو ہندوستان میں بسنت راگ کہتے ہیں جو پردۂ یمن سے بڑی نرم آواز سے کھینچا جاتا ہے۔

اے محبوب! نبی علیہ السلام نے اپنے سماع میں کنایۃً بیان فرمایا ہے، اے محبوب اہل ظواہر اور علماء نادان کیا جانیں کہ میں کیا لکھتا ہوں افسوس اس بات کا ہے کہ اب کوئی ایسا آدمی ہی نہیں جس سے دل کی بات کہی جائے۔

میں (مؤلف اخبار الاخیار کہتا ہوں کہ اہل سکر کے وہ کلمات جو حالت ذوق کے غلبہ کے وقت صادر ہوں اور معرض وجود میں آئیں وہ قواعد عقلیہ اور نقلیہ کے اعتبار سے معتبر نہیں ہوتے (چونکہ وہ کلمات ان سے حالت سکر میں صادر ہوتے ہیں اس لیے وہ اس میں معذور ہوتے ہیں۔ ۱۲۔ فاضل)

اور یہ بات بلاشبہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ یائے نسبتی مشدد ہوتی ہے اور اس کا مخفف ہونا کبھی ضرورت کی وجہ سے جائز رکھا گیا ہے (اور اس جگہ کوئی ضرورت نہیں کہ غیری کی یا کو مخفف مانا جائے)

علاوہ ازیں اگر مذکورہ حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو اس سے یمن شہر مراد ہے (نہ کہ پردہ) اور بعض مجذوب اور صاحب ذوق لوگوں سے جو اسرار ظاہر ہوتے ہیں ان کے لیے قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ انہیں پوشیدہ رکھا جائے اور آگے بیان نہ کیا جائے اللہ تعالیٰ نے تمام عارفین کے اسرار مقدس و پاکیزہ بنائے ہیں۔ واللہ اعلم۔

بحر المعانی میں آپ کے جو بعض اشعار ہیں ان میں سے ایک غزل لکھی جاتی ہے

اے صورتِ تو جہانِ معنی	یا صورتِ تست جانِ معنی
یکسر شاخ گلے نہ بستہ صورت	مثل تو بہ بوستانِ معنی
از صورت تست خاطر ما	منزل گہ کاروانِ معنی
ہر عضو کند بصد زباں پیش	از صورتِ تو بیانِ معنی
در صورتِ وصف تو محمد	تا حشر نہادہ خوانِ معنی

سید جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ

۷۰۷ھ ۷۸۵ھ

آپ کا لقب مخدوم جہانیاں تھا۔ بڑے عالم، ولی اور شیخ تھے، شیخ الاسلام شیخ رکن الدین ابوالفتح قریشی کے مرید اور شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، مکہ معظمہ میں امام عبداللہ یافعی سے آپ کو مصاحبت نصیب ہوئی، آپ نے اپنے ملفوظات ''خزانہ جلالی'' میں امام یافعی کا بکثرت ذکر کیا ہے۔ آپ نے بے انتہا سیر وتفریح کی اور بہت سے اولیائے کرام سے نعمتیں اور برکتیں حاصل کیں۔ آپ کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ آپ جس سے معانقہ کرتے اور گلے ملتے، اس سے اس کی کرامتیں چھین لیتے یعنی اس پر اتنی توجہ ڈالتے اور خدمت کرتے کہ اس کے پاس جتنی نعمتیں اور برکتیں ہوتیں وہ بے اختیار آپ کو دے دیتے۔

تاریخ محمدی میں ہے کہ آپ نے ابتداً اپنے چچا شیخ صدرالدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے خرقہ پہنا، پھر حرم شریف کے شیخ الاسلام امام المحدثین شیخ عفیف الدین عبداللہ المطری سے کلاہ ارادت اور خرقہ تبرک حاصل کیا اور متواتر دو سال تک شب وروز ان کی خدمت میں رہے اور معرفت وسلوک کی کچھ کتابیں بھی انہیں سے پڑھیں اسی طرح علم طریقت اور ذکر اللہ کا طریقہ بھی انہیں سے حاصل کیا، اس کے بعد شیخ عفیف الدین نے آپ سے فرمایا کہ تمہارے لیے علم کا حاصل کرنا موقوف ہے گازرون میں۔ جب آپ گازرون پہنچے تو انہیں شیخ امین الدین مرحوم کے بھائی شیخ امام الدین نے کہا کہ مجھے شیخ امین الدین مرحوم نے بوقت انتقال یہ فرمایا تھا کہ میری ملاقات کے لیے سید جلال الدین اوچی ملتان کے راستہ سے

آرہے تھے کہ شیطان نے ان سے راستہ میں جھوٹ بولا اور کہا کہ شیخ امین الدین اس دارفانی سے منتقل ہو کر دارالقرار میں چلے گئے ہیں اور وہ یہ خبر سن کر مکہ معظمہ چلے گئے ہیں وہ واپسی میں گازردن آئیں گے ان کو میرا اسلام کہنا اور میری جائے نماز اور قینچی دے کر میرا خلفیہ مجاز بنا دینا، چنانچہ شیخ امام الدین نے اپنے بھائی کی وصیت کے مطابق کیا۔ سید السادات سید جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس بزرگ سے بہت فائدہ حاصل کیا اور پھر وہاں سے واپس آکر سید رکن الدین سے خرقہ تبرک حاصل کیا اور پھر سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں شیخ الاسلام کے عہدہ پر فائز ہوئے۔

سیوسیان اور اس کے اردگرد کا علاقہ آپ کی جاگیر قرار دیا گیا، وہاں آپ نے ایک خانقاہ تعمیر کرائی جس کا نام ''خانقاہ محمدی'' رکھا پھر چند دنوں کے بعد سب کچھ چھوڑ کر حجاز چلے گئے، آپ چودہ خانوادوں کے خلیفہ تھے (پھر حجاز سے واپس آئے) تو سلطان فیروز کے دور حکومت میں کئی مرتبہ اوچ سے دہلی تشریف لائے، سلطان فیروز بڑی عقیدت اور خلوص کے ساتھ آپ سے ملا کرتا تھا، مخدوم جہانیاں کو سلسلہ قادریہ کے ساتھ والہانہ محبت تھی، آپ اپنے ملفوظات المسمی ''خزانہ جلالی'' میں شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ نقل کرتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خوشخبری ہے اس کے لیے جس نے مجھے دیکھا...... اور خوشخبری ہے اس کے لیے جس نے میرے دیکھنے والے کو دیکھا، اسی طرح خوشخبری ہے اس کے لیے جس نے میرے دیکھنے والے کو دیکھا، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ چونکہ شیخ عبدالقادر اپنے وقت کے قطب اور بات کے سچے تھے اس لیے مجھے امید ہے کہ ان کی اس بات کے بموجب اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم وکرم کریں گے۔

اس کے بعد اس سلسلہ میں ایک ہی واسطہ سے شیخ شہاب الدین سہروردی کے حوالہ سے جس میں شیخ بہاؤالدین زکریا کے واسطہ کا بھی ذکر نہیں بیان کرتے ہیں کہ میں نے فلاں شخص کو دیکھا ہے جس نے شیخ سہروردی کو دیکھا تھا اور ان کو شیخ محی الدین عبدالقادر کی صحبت نصیب ہوئی ہے۔

منقول ہے کہ ایک روز آپ جس جگہ تشریف فرماتھے وہاں آگ لگ گئی آپ نے مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور اس پر بلند آواز سے شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا نام لے کر آگ پر پھینک

دیا، چنانچہ آگ اسی وقت ختم ہوگئی۔

ہمارے دیار میں ایک کتاب جو "تکملہ فارسی" کے نام سے مشہور ہے یہ آپ کے ایک مرید کی لکھی ہوئی ہے جو اصل میں امام عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب روض الریاحین کے تکملہ کا ترجمہ ہے۔ مخدوم جہانیاں شب برأت ۷۰۷ہجری پیدا ہوئے اور ۷۸ برس کی عمر میں عیدالاضحیٰ کے دن ۷۸۵ہجری میں انتقال فرمایا، نیز ایک بات اس طرح بھی سننے میں آئی ہے کہ دفعہ میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ بغرض ملاقات آپ کے پاس گئے اور ان کے کمرے کے باہر بیٹھ گئے، خادم نے مخدوم جہانیاں کو اطلاع دی کہ میر سید علی ہمدانی آپ کی ملاقات کی غرض سے باہر بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ غیب کو جاننے والا اللہ کے سوا اور کوئی نہیں (مطلب یہ تھا کہ وہ جو باہر بیٹھ گئے ہیں اور مجھے اطلاع تک نہیں دی تو کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میں غیب والا ہوں اور مجھے بغیر اطلاع کے معلوم ہو جاتا ہے کہ باہر کون آیا ہے۔ فاضل ۱۲) اس وجہ سے انہیں اندر نہیں بلایا، اس بات سے میر سید علی ہمدانی کو سخت کوفت اور صدمہ ہوا۔ پھر سید علی ہمدانی نے اس تقریب پر ایک رسالہ ہمدان کی حقیقت پر لکھا ہے جس میں ایسی باتیں لکھی گئی ہیں جو سید جلال الدین مخدوم جہانیاں کی عظمت اور جلال کے لائق نہیں۔ واللہ اعلم۔

شیخ علاؤ الدین بن اسعد لاہوری بنگالی رحمۃ اللہ علیہ

۷۰۱ھ.............................۸۰۰ھ

آپ شیخ سراج الدین ملقب بہ اخی سراج الدین کے خلیفہ تھے، ابتدائی زمانے میں مالدار اور غنی ہونے کی وجہ سے نہایت ہی شان وشوکت سے رہا کرتے تھے مگر جب سراج اخی کے مرید ہوئے تو سب کچھ چھوڑ کر فقیرانہ اور مستانہ وار گوشہ نشینی اختیار کر لی مشہور ہے کہ اخی سراج الدین جب شیخ نظام الدین اولیاء سے خلافت حاصل کی تو اپنے آبائی وطن جانے کی اجازت چاہی اور جاتے وقت عرض کیا کہ حضرت وہاں ایک بہت بلند پایہ بزرگ شیخ علاؤ الدین رہتے ہیں، میرا اور ان کا نباہ کیسے ہوگا۔ شیخ نظام الدین اولیاء نے فرمایا کہ فکر مند نہ ہو اور کوئی غم نہ کرو وہ تمہارا خادم بن کر رہے گا، چنانچہ جیسا خواجہ نظام الدین نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔

منقول ہے کہ شیخ سراج اخی اکثر و بیشتر سفر ہی میں رہا کرتے تھے اور کچھ کھانا پکا کر اپنے ساتھ رکھتے تھے اور شیخ کے خادم ایک بہت بڑا دیگچہ شوربے سے بھرا ہوا شیخ علاؤ الدین کے سر پر رکھ دیا کرتے تھے جس کی وجہ سے آپ کے سر کے بال گر گئے تھے، شیخ اکثر وقت ان لوگوں کے ہاں سے گزرتے تھے جو شیخ علاؤ الدین کے زمانے میں وزیر وغیرہ ہوا کرتے تھے مگر اس سے علاؤ الدین کی طبیعت پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ شیخ علاؤ الدین کی خانقاہ میں کچھ قلندر آئے ان کے ساتھ ایک بلی تھی جو یہاں آ کر گم ہوگئی، قلندروں نے شیخ سے کہا کہ ہماری بلی تلاش کیجئے، شیخ نے کہا کہ تم لوگ بلی کہاں سے لائے تھے؟ ایک نے کہا کہ ہرن کے سینگ سے، آپ نے فرمایا تم کو سینگ ہی مارے گا، دوسرے نے خصیہ دکھا دیا (کہ ہم بلی یہاں سے لائے تھے) آپ نے فرمایا کہ تجھے یہی ملے گا، چنانچہ شیخ ان کو لے کر بلی کی تلاش میں باہر نکلے، جس نے کہا تھا کہ ہم بلی ہرن کے سینگ سے لائے تھے اس کے پاس ایک گائے آئی اور اس نے اس آدمی کو خوب زور سے ٹکر ماری اور جس نے خصیہ دکھایا تھا اس کے خصیہ میں اتنا ورم آیا کہ اسی وجہ سے مر گیا۔

شیخ علاؤ الدین بڑے سخی آدمی تھے اور بے انتہا خرچ کیا کرتے تھے، آپ کا خرچ اتنا زیادہ تھا کہ جس پر بادشاہ وقت کو بھی رشک ہوتا تھا، یہ حالت دیکھ کر اس وقت کا بادشاہ کہا کرتا تھا کہ میرا خزانہ شیخ کے باپ کے پاس ہے جو انہیں خرچ کرنے کے لیے دیتا ہے۔ اسی مغالطے کی بناء پر بادشاہ نے حکم دیا کہ شیخ میرے شہر سے باہر سنار گاؤں میں چلے جائیں، چنانچہ اس گاؤں میں پہنچ کر شیخ نے اپنے خادموں سے فرمایا کہ پہلے تم جتنا خرچ کرتے تھے اب اس سے دوگنا خرچ کرو، چنانچہ شیخ کے حکم سے پہلے سے دوگنا خرچ ہونے لگا۔ شیخ کے اخراجات بہت زیادہ تھے لیکن آمدنی کا کوئی مستقل ذریعہ نہ تھا۔ شیخ کے آبائی دو باغ تھے جن کی سالانہ آمدنی آٹھ ہزار روپے تھی، ان پر ایک آدمی نے ناجائز قبضہ کر رکھا تھا مگر شیخ نے اس سے کبھی واپسی کا مطالبہ نہیں کیا، شیخ کا ہاتھ بہت کھلا ہوا تھا اور لوگوں کو خوب مال دیتے اور فرمایا کرتے تھے کہ میرے شیخ جتنا خرچ کرتے تھے میں اس کا عشر عشیر بھی خرچ نہیں کرتا، آپ کا مزار پنڈوہ میں ہے آپ کی وفات ۸۰۰ ہجری میں ہوئی۔

مولانا خواجگی رحمۃ اللہ علیہ

۷۶۸ھ.................۸۱۹ھ

آپ شیخ نصیر الدین محمود دہلوی کے خلیفہ اور مولانا معین الدین عمرانی کے تلمیذ رشید اور قاضی شہاب الدین کے استاد محترم تھے، منقول ہے کہ جس زمانے میں مولانا خواجگی دہلوی میں پڑھا کرتے تھے اس وقت اپنے استاد سے سبق پڑھنے کے بعد شیخ نصیر الدین کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے، مولانا معین الدین کا بھی شیخ نصیر الدین کے بارے میں وہی نظریہ تھا جو عام علماء کو فقیروں سے ہوتا ہے اس لیے کبھی ان سے ملاقات نہ کی تھی۔

ایک مرتبہ مولانا معین الدین کو اتنی سخت کھانسی ہوئی کہ طبیبوں سے علاج کرانے کے باوجود بھی افاقہ نہ ہوا اور اس میں اتنی شدت ہوگئی کہ مولانا اپنی زندگی سے مایوس ہوگئے۔ مولانا خواجگی نے اپنے استاد سے بصد ادب و احترام عرض کیا کہ حضرت اگر اس میں کوئی مضائقہ نہ سمجھیں تو شیخ نصیر الدین کے پاس چلیں اور ان سے صحت کی دعا کروائیں۔ ممکن ہے خدا تعالیٰ صحت عطا فرمادیں یہ مشورہ ابتدأ تو مولانا معین الدین نے قبول نہ کیا لیکن جب کھانسی کی تکلیف سے بہت تنگ ہوگئے تو شیخ نصیر الدین سے دعا کرانے کے لیے آمادہ ہوگئے اور شیخ سے ملنے کے لیے روانہ ہوگئے۔ چنانچہ جب شیخ کی خانقاہ میں پہنچے تو اسی وقت شیخ اپنے گھر اندر تشریف لے گئے، کھانا تیار تھا لیکن گھر والوں کو سادہ چاول اور دہی بھی منگوانے کا حکم دیکر فوراً خانقاہ میں تشریف لے آئے اور مولانا معین الدین سے ملاقات ہوئی تھوڑی دیر تک دونوں بزرگوں کی صحبت گرم رہی اتنے میں خادم کھانا لایا اور دسترخوان بچھا دیا اس میں سادہ چاول اور دہی شیخ نے مولانا کی طرف بڑھا دیئے اور کھانے کا حکم دیا، مولانا نے ابتدأ تو انکار کیا کہ یہ دونوں چیزیں کھانسی کی حالت میں کھانا اپنے کو موت کی دعوت دینا ہے مگر شیخ نے جب اصرار کیا تو انکار نہ کرسکے اور خوب پیٹ بھر کر کھایا اس کے بعد کھانسی کا دورہ شروع ہوگیا تو شیخ نے خادموں کو حکم دیا کہ ایک طشت آپ کے سامنے رکھ دو آپ اسی میں تھوکتے رہیں، چنانچہ جتنا بلغمی مادہ تھا وہ سب خارج ہوگیا اور سب کا سب طشت میں آگیا، خلاصہ یہ کہ مولانا معین الدین کو شیخ نصیر الدین محمود کے پاس وہی چاول کھانے سے

مکمل صحت ہوگئی اس دن کے بعد سے مولانا معین الدین کی شیخ سے سؤ عقیدت، حسن ارادت سے متبدل ہوگئی اور مولانا کو شیخ سے نہایت درجہ کی عقیدت ہوگئی، اس کے بعد دونوں ایک دوسرے سے بڑی خندہ پیشانی سے ملنے لگے۔

مولانا خواجگی رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی چھوڑ کر کالپی کو اپنا مسکن بنالیا تھا جس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ایک بار میر سید محمد گیسو دراز کو خواب آیا تھا جس کی تعبیر یہ کی گئی تھی کہ اب مغلوں کا دورہ ہونے والا ہے اور یہ اس وقت کی بات تھی جب کہ ابھی تک گورگاں نمودار ہی نہ ہوا تھا، اس تعبیر کے پیش نظر مولانا نے دہلی کو ترک کر کے کالپی کو اپنا مستقر بنالیا تھا اور بقیہ تمام عمر وہیں کالپی ہی میں گزار دی۔ آپ کا مزار بھی کالپی شہر کے باہر ہے جہاں عام و خاص لوگ زیارت اور برکت حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں۔

مولانا معین الدین رحمۃ اللہ علیہ

۶۸۴ھ.....................۷۹۲ھ

آپ بہت بڑے عالم اور شہر بھر کے استاد تھے، آپ کی مشہور تصانیف حاشیہ کنز الدقائق، حسامی اور مفتاح ہیں، لوگوں میں مشہور ہے کہ سلطان محمد تغلق نے جب عضد کو اس غرض سے ہندوستان بلانا چاہا کہ وہ شرح مواقف لکھ کر سلطان کے نام سے موسوم کردیں تو مولانا معین الدین کو ایک قاصد اور فرستادہ کی حیثیت سے روانہ کیا کہ وہ قاضی عضد کو بلا لائیں، مولانا عمرانی جب قاضی صاحب کے گھر اور شہر میں پہنچے تو آپ سے بلا قصد وارادہ کچھ کمالات ظاہر ہوگئے ان چیزوں کو دیکھ کر قاضی عضد نے ہندوستان آنے کا ارادہ ترک کردیا (اس غرض سے کہ جب ہندوستان میں ایسے ایسے باکمال بزرگ موجود ہیں تو مجھے وہاں کیا سمجھا جائے گا) جب بادشاہ کو اس کا علم ہوا تو اس نے اپنے تمام کاروبار چھوڑ دیئے اور فوراً قاضی عضد کے پاس گیا اور کہا کہ آپ تخت سلطنت پر تشریف رکھیں میں آپ کی ہر ممکن خدمت کروں گا، اور میری بیوی کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب آپ کو دیتا ہوں اور آپ اس کے مالک ومختار ہیں، قاضی عضد نے بادشاہ کی اتنی مہربانی اور بخشش کے باوجود ہندوستان آنے کا ارادہ نہیں کیا اور وہیں اپنے دیار میں تمام زندگی گزار دی۔

مولانا احمد رحمۃ اللہ علیہ

۷۴۹ھ...........۸۲۰ھ

آپ تھانیسر کے رہنے والے اور شیخ نصیر الدین محمود دہلوی کے مریدوں میں سے تھے، علوم ظاہری کے علاوہ بڑے فضل وکمال کے مالک تھے، اگر چہ مولانا خواجگی کے ساتھ آپ کے برادرانہ تعلقات تھے مگر جب انہوں نے دہلی کو ترک کیا تو آپ نے ان کا ساتھ نہیں دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ امیر تیمور گورگانی کی بڑی عظیم الشان فوج نے دہلی پر حملہ کر کے لوٹ و مار کا بازار خوب گرم کیا، اس کسمپرسی کے عالم میں مولانا احمد رحمۃ اللہ علیہ کے متعلقین کو امیر تیمور گورگانی کے لشکریوں نے گرفتار کرلیا، بعدہٗ جب فتنہ وفساد ختم ہوا تو آپ امیر تیمور گورگانی کے درباری مقرر ہو گئے، امیر تیمور کے دربار میں مولانا برہان الدین مرغنیانی صاحب ہدایہ کے پوتے شیخ الاسلام اور آپ کے درمیان میں ادھر ادھر کی گفتگو ہوا کرتی تھی، ایک دن امیر تیمور نے شیخ الاسلام کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مولانا احمد سے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ مولانا برہان الدین مرغنیانی صاحب ہدایہ کے پوتے ہیں۔ مولانا احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کے دادا نے ہدایہ کے اندر کئی جگہ غلطیاں کی ہیں، اگر کوئی ایک آدھ غلطی ہوتی تو کوئی حرج کی بات نہ تھی اس پر شیخ الاسلام نے فرمایا کہ مولانا ذرا بتلایئے تو سہی کہ میرے دادا نے ہدایہ میں کہاں کہاں غلطی کی ہے اور اس کو دلائل سے ثابت کیجئے، اس پر مولانا نے اپنے بیٹوں اور تلامذہ سے فرمایا کہ صاحب ہدایہ کی غلطیوں پر مفصل تقریر شروع کردیں لیکن امیر تیمور نے صاحب ہدایہ کی عزت وناموس کی حفاظت کی غرض سے اس مجلس کو کسی دوسرے موقع پر ملتوی کردیا، اس کے بعد مولانا احمد دہلی سے بمع اہل وعیال کے رحلت فرما کر مستقل سکونت کے لیے کالپی تشریف لے گئے اور مولانا خواجگی سے پھر سے برادرانہ تعلقات وابستہ ہو گئے، اسی زمانے میں مولانا احمد رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا خواجگی کے روحانی بیٹے اور شاگرد قاضی شہاب الدین کے مابین نزاع کی صورت پیدا ہوگئی، قاضی شہاب الدین نے مولانا احمد کے بیٹوں کی مولانا خواجگی سے شکایت کرتے ہوئے مدد کی درخواست کی تو مولانا خواجگی رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی صاحب کی شکایت کے جواب میں شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ دو شعر لکھ کر دیئے۔

اشعار

اے بیش ازانکہ در قلم آید ثنائے تو! — واجب بر اہل مشرق و مغرب ثنائے تو
اے در بقائے عمر تو نفع جہانیاں — باقی مباد آنکہ نخواہد بقائے تو!

آپ کی قبر کالپی کے قلعہ میں ہے لوگ زیارت کر کے برکت حاصل کرتے ہیں مولانا احمد نے ایک نعتیہ قصیدہ بھی لکھا ہے جس میں آپ نے فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیئے ہیں، اس میں سے چند ابیات لکھے جاتے ہیں۔

اطار لبی حنین الطائر الفرد — وهاج لوعة قلبی التائیه الکمد
لیت الهوی لم تکن بینی وبینکم — ولیت حبل و دادی غیر منعقد
مشتا بها وعیون البین راقدة — والقلب فی جذل والدهر فی رفد
ولیس والدین والدنیا و اخرتی! — سویٰ جناب رسول الله معتمد
بـــرٌّ رؤف سید ســـنـــد — سهل الفناء رحیب الباع والصفد

اور اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات محامد اور معجزات کو بھی آپ نے ابیات میں شمار کیا ہے، اور ان کے آخر میں فرماتے ہیں

یا افضل الناس من ماض و موقنق — واکرم الناس من حر و عبد
افدیك بالروح والقلب والمشوق معاً — والنفس والمال والاهلین والولد
یا حیاتی و یا روحی ویا جسدی — یافوادی و یاظهری و یا عضد
یا رب صل وسلم دائماً ابدا — علیٰ النبی بنی الحق والرشد
وما تغر و غربد علے فتن! — غض الا رومة مخضل و ملتبد

....

شیخ صدر الدین حکیم رحمۃ اللہ علیہ

۶۰۲ھ ۶۸۴ھ

آپ شیخ نصیر الدین محمود کے اجلاء خلفاء میں سے تھے علاوہ ازیں خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے منظور نظر تھے، کہتے ہیں کہ آپ کے والد بزرگوار ایک بڑے تاجر تھے،

اور خواجہ صاحب کے معتقدین میں سے تھے، ان کی عمر تقریباً بڑھاپے تک پہنچ چکی تھی اور اس عرصہ میں ان کے کوئی اولاد نہ ہوئی (جیسے عموماً لوگوں کو اولاد کے نہ ہونے کا قلق ہوتا ہے) ان کو بھی اس کا قلق اور افسوس تھا، ایک دن خواجہ نظام الدین پر حال کی کیفیت طاری ہوئی تو اسی عالم میں خواجہ صاحب نے اپنی پیٹھ ان کے والد بزرگوار کی پیٹھ سے رگڑی اور فرمایا کہ جاؤ تمہارے لڑکا ہوگا آپ چونکہ خواجہ صاحب کے نہایت ہی عقیدت مند تھے اس لیے بچے کی خواہش میں اپنی بیوی کے پاس گئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی بیوی کو حمل ہوگیا، جب صدر الدین متولد ہوئے تو ان کے والد ان کو خواجہ صاحب کے پاس لے گئے چنانچہ شیخ نے انہیں اپنی گود میں لے لیا، جب تک صدر الدین خواجہ صاحب کی گود میں رہے تو خواجہ صاحب کے چہرے ہی کو دیکھتے رہے، صدر الدین کی آنکھوں سے اس وقت شعور کے اثرات مترشح ہو رہے تھے جس کا حاضرین نے بھی احساس کیا، پھر خواجہ صاحب نے اپنی قباس سے تھوڑا سا کپڑا اپھاڑ کر صدر الدین کا کرتہ سیا، اور ان کو شیخ نصیر الدین دہلوی کے سپرد کر دیا، اور آئندہ چل کر ان کے عظیم المرتبت اور رفیع الدرجت بزرگ ہونے کی پیشگوئی بھی کر دی۔

شیخ صدر الدین نے چند کتابیں لکھی ہیں جن کی عبارت نہایت شستہ اور عمدہ ہے، جن میں معارف، حقائق، وعظ و پند اور حکمت کی باتوں کو بیان کیا ہے، علاوہ ازیں صدر الدین فن طب میں بھی بے انتہا مہارت و کمال رکھتے تھے۔

منقول ہے کہ حکیم صدر الدین کو ایک دفعہ پریاں اڑا کر کہیں لے گئیں تاکہ ان سے ایک بیمار پری کا علاج کرائیں، خدا تعالیٰ نے دست فیض سے اس پری کو صحت اور شفا عطا فرمائی، تو آپ جب واپس ہونے لگے تو اس پری نے حکیم صدر الدین کو لکھ دیا اور کہا کہ فلاں گلی میں جو ایک کتا پڑا رہتا ہے یہ خط اس کو دکھا دینا، چنانچہ حکیم صاحب اس پتہ پر اس گلی میں پہنچے اور وہاں اس کتے کو وہ خط دکھایا تو وہ کتا آپ کے آگے آگے چلنے لگا، کچھ فاصلہ کے بعد وہ کتا ٹھہر گیا اور زمین کریدنے لگا۔ حقیقتاً وہاں ایک بہت بڑا خزانہ اور دفینہ تھا جس کی وہ کتا نشاندہی کر رہا تھا مگر صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے درویشوں کی طرح بلند ہمتی کا ثبوت دیا اور اس دفینہ کی طرف مطلقاً کوئی توجہ نہ دی، آپ کا مزار پرانی دہلی میں قلعہ

علائی کے اندر ہے، آپ کے خطوط حقائق اور معارف سے لبریز ہوا کرتے تھے۔

مکتوب (عقبات کے بیان میں)

اے میرے اسلامی بھائی! اللہ رب العزت ہر دو عالم میں آپ کو معزز بنائے، آپ کے مقاصد حل کرے اور آپ کا انجام بہتر کرے، عقبات کے متعلق مجھے تو کچھ خبر نہیں اس کو تو کوئی کامل شیخ ہی جانتا ہوگا، لیکن آپ نے دریافت کیا ہے اس لیے عرض ہے کہ عقبہ اولیٰ، تو معاصی اور جرائم ہیں اور اللہ تعالیٰ دیکھنے والے اور مافی الضمیر چیزوں سے آگاہ اور خبردار ہیں جیسا کہ ارشاد ہے۔

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا — کان، آنکھ، دل تمام کے تمام خدا کے دربار میں یہی سوال کئے جائیں گے۔

اور حدیث شریف میں آتا ہے ان لم تکن تراہ فانہ یراك (کہ اگر تو خدا کو نہیں دیکھتا تو اس بات کا یقین کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے)

اس بات کا ہمیشہ خیال رکھو، زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، موت انتظار کر رہی ہے، اس لیے تمنائیں اور آرزوئیں حتی المقدور کم سے کم کردو اگر آپ نے اس پر دوام اختیار کرلیا تو آپ پر شرم وحیاء غالب رہے گی اور دشمن (نفس وشیطان) مغلوب ہو جائے گا۔

اور دوسرا عقبہ پیٹ اور فرج کی شہوت ہے جو فی الواقع شیطانی معجون ہے اس کی وجہ سے شیطان ابن آدم کی رگوں میں خون کی مانند دوڑتا ہے اس لیے انسان کو چاہئے کہ اس کے راستوں کو تنگ کرنے کے لیے بھوک اور پیاس کا نسخہ استعمال کرے اور اس بھوک سے جو فرحت وراحت آنے والی ہے دل کو اس سے خوش رکھے، صدیقین کا طعام بھوک ہے تو بھی اس دسترخوان سے یہی حاصل کر اور روزے کے کوثر سے پانی پی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ روزے کی جزاء میں ہوں ان چیزوں سے اس کا علاج کر تب شفاء پائے گا۔

تیسرا عقبہ یہ ہے کہ اپنی ذات اور اپنے دیگر متعلقین کی ہلاکت وغیرہ کا کوئی غم نہ کرو، اور اگر فطری اور طبعی اعتبار سے کبھی غم آئے تو اس کو یہ آیت پڑھ کر دور کر دیا کرو۔

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى — جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور رسول کے لیے

اللہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ یُدْرِکْہُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُہٗ عَلَی اللہِ
ہجرت کر کے نکلے پھر اسے موت آ جائے تو اس کا اجر اللہ پر واقع ہو گیا۔

اور اس بات کا بھی یقین کر لو کہ زندگی اور رزق مقرر اور مقسوم ہے جو دوڑ و دھوپ کرنے سے کم وبیش نہیں ہوتا، جب رزق بلا کسی شرط کے ملتا ہے تو پھر کیا ہی بہتر ہو کہ انسان اپنی عمر کو خدا کی عبادت میں گزار دے اور سلوک کی آخری منزل تک رسائی حاصل کرے، امیر وغریب سب اسی کے بندے ہیں وہ سب کو رزق دیتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللہِ رِزْقُھَا
کوئی جاندار زمین میں ایسا نہیں جس کو اللہ رزق نہ دیں۔

اور ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَاِیَّاھُمْ
ہم تمہیں اور تمہاری اولاد کو رزق دیتے ہیں۔

اور ایک دوسری جگہ قسم کھا کر فرماتے ہیں۔

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّہٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا اَنَّکُمْ تَنْطِقُوْنَ ۔
آسمان اور زمین کے رب کی قسم رزق دینا ہمارا حق ہے جس طرح کہ تم کہتے ہو۔

اے جوانمرد بھائی! جو اس بات کا یقین نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں بلکہ کافر ہے رزق ملنے کا مطلب یہ ہے کہ نیکی کے کام کرو اور اللہ کے لطف وکرم پر مکمل بھروسہ رکھو اور اپنے کو ہیچ اور ناکارہ سمجھ کر تمام مخلوق سے مایوس اور ناامید ہو جاؤ، اور اس بات کا یقین کرو کہ دو غم ایک دل میں اور دو تلواریں ایک نیام میں جمع نہیں ہو سکتیں۔

حسن گر عشق می درزی چنیں بر جاں چہ می لرزی
بیک دل درنمی گنجد غم جاناں و غم جاناں

ایک اور بزرگ نے بڑا اچھا کہا ہے کہ اگر موتی میں لاکھوں خوبیاں ہوں اور تمام مخلوق میری عیال ہو جائے تو خدا کی قسم میں ان کی جانب کوئی توجہ نہ کروں گا۔

چوتھا عقبہ یہ ہے کہ فرائض وسنن پر اکتفا کر کے نوافل کو ترک نہ کرو، اس لیے کہ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل
بندہ میرا مقرب نوافل کی وجہ سے بنتا ہے یہاں

حتی احبه فاذا احبه کنت له سمعا وبصراً ویداً ولساناً فبی یسمع و یبصروبی یبطش وبی ینطق
تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں اور جب محبوب بنالیتا ہوں تو پھر میں اس کا کان، آنکھ، ہاتھ اور زبان بن جاتا ہوں پس وہ میری آنکھ سے سنتا اور دیکھتا ہے اور میرے ہاتھ سے پکڑتا ہے اور میری زبان سے بولتا ہے۔

بے نمازیوں سے کہو کہ خدا تعالیٰ نے ہم پر نماز پنجگانہ فرض فرمائی ہے اور پنجگانہ نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، اور نماز میں اس بات کا خیال رکھنا فرض عین ہے کہ ہم خدا کے ہاں حاضر ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے،

لا صلوٰۃ الا بحضور القلب
حضور قلب کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی۔

اور یہ حضور قلب پنجگانہ نماز میں از اول تا آخر ضروری و لابدی امر ہے جیسا کہ نماز کے مکتوب میں انشاء اللہ اس کو مکمل تحریر کروں گا اور اگر کسی فرض کفایہ سے فرض عین میں خلل واقع ہوتا ہو تو اس فرض کفایہ کو ترک کر دینا چاہیئے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ عبادت لازمیہ سے عبادت متعدیہ بہتر ہے ان کو جواب دو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت پر ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا جس میں دیندار اپنے دین کو محفوظ نہیں رکھ سکے گا مگر ایک بلندی سے دوسری بلندی تک اور ایک بستی سے دوسری بستی تک راہ خرار کرے گا، تا کہ دین محفوظ رہ سکے، جب کسی پر ایسا زمانہ آجائے تو اس کو چاہیئے کہ وہ عبادت خاصہ یعنی عبادت لازمہ پر ہی اکتفا کرے (اس میں اس کی خیریت ہوگی ورنہ بے دینی کے سیلاب کی متلاطم موجوں میں دوسرے کی مانند یہ بھی ہو جائے گا) قرآن کریم میں ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ
اے ایماندارو! تم پر اپنے نفسوں کو بچانا ضروری ہے۔

پانچواں عقبہ یہ ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ انسان مال و دولت اور عزت و شان کے بغیر حقیر و ذلیل سمجھا جاتا ہے تو ان کے سر پر ان العزۃ للہ ورسولہ وللمؤمنین (عزت تو حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول اور مؤمنین کے لیے ہے) کی تلوار مارو اور ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ، کی تیغ ان کے سینہ پر مارو اور الیس اللہ بکاف عبدہ کا خنجر ان کے

گلے میں گھونپ دو، یہ ان کے لیے کافی ہوگا، اور پھر یہ کہو کہ اپنی ہستی کو دیکھو اور مستی نہ کرو۔

شعر

بادوست کنج فقر بہشت است و بوستاں
بے دوست خاک بر سرِ جاہ و توانگری

چھٹا عقبہ یہ ہے کہ اگر آپ کے دوست متعلقین اور اہل و عیال اپنے اخراجات میں اضافہ کا مطالبہ کریں تو ان کو قرآن کریم کا یہ کھلا اور صاف حکم سنا دو۔

قل لا زواجك ان كنتن تردن الحيوٰة الدنيا وزينتها فتعالين امتعكن واسرحكن سراحاً جميلاً o وان كنتن تردن الله ورسوله والدار الاخرة فان الله اعد للمحسنت منكن اجرا عظيماo

اپنی ازواج سے کہہ دیجئے کہ اگر تم کو دنیاوی زیب وزینت درکار ہے تو آؤ میں تم کو سامان اور نان ونفقہ دے کر اپنے گھر سے رخصت کردوں، اور اگر تم کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ وآخرت کی بھلائیاں درکار ہیں تو پھر اس بات کا یقین کرلو کہ اللہ تعالیٰ نے تم جیسی نیک عورتوں کے لیے اجر عظیم مقرر کیا ہے۔

اور ان کا مطالبہ اگر حد سے بڑھ جائے اور وہ اپنے مطالبہ سے باز نہ آئیں تو انہیں مہر دے کر رخصت کردو، اور اگر خود نہیں مہر ادا کر سکتے تو کسی سے قرض لے کر ادا کردو، اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو اپنے کو جیل کے حوالہ کردو اور جیل خانہ کی تنہائیوں میں خوش رہو، لیکن اتنی بات اور بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اگر سالک اور صوفی اپنے کام میں سچا ہے تو اس کے اہل وعیال لازماً اس کی رائے سے اتفاق کریں گے اور بالآخر وہ لوگ بھی اسی کا راستہ اختیار کریں گے اور اس کی صحبت کی برکات سے اہل وعیال کے علاوہ دوسرے رشتہ دار بھی فیض یاب ہوں گے۔

ساتواں عقبہ یہ ہے کہ خدانخواستہ اگر تمہارے والدین تمہیں شرک کرنے پر مجبور کریں تو ان کی یہ بات ہرگز نہ مانو، اگرچہ یہ عدم تسلیم بھی شرک خفی ہے مگر رب العزت اس کو معاف کردیں گے اس لیے کہ تم نے والدین کے حکم نہ ماننے میں خدا کے حکم کی تعمیل کی ہے، لیکن ایسی حالت میں بھی والدین کو ادب اور نرمی سے جواب دو اور خدا تعالیٰ کے احکام کو ادا کرنے میں ہمیشہ چاق وچوبند رہو اور اگر اس پر رشتہ دار وغیرہ اعتراض کریں تو ان سے کہو

نہ ہمرہی تو مراراہ خویش گیرد برد ترا سعادت بادا مرانگو نساری

عزیز من! جو شخص تمہیں خدا کے احکام پر عمل کرنے سے منع کرے وہ تمہارا دشمن ہے اور دشمن کی بات پر کبھی توجہ نہ دیا کرو۔

آٹھواں عقبہ یہ ہے کہ فضول محنت ومشقت اور بے وقت کی ریاضت ومجاہدہ کے لیے شیخ کی ضرورت ہے تاکہ اس محنت در یاضت پر کوئی ثمرہ مرتب ہو سکے، اللہ کی رضامندی کے لیے جو موانع پیش آتے ہیں انہیں شیخ ہی جانتا ہے اور ان موانعات کو ایمان ویقین کے ذریعہ دور کرتا ہے۔

نواں عقبہ یہ کہ لوگوں کے اعتقادات کی اچھے اخلاق اور تواضع سے اصلاح کرو اور ان کے اندر خدا کے روبرو عاجزی وانکساری کرنے کی قوت پیدا کرو، اور ساتھ ساتھ اپنی ذات کو ایک مردہ کی مانند تصور کرو اور دیگر مخلوق کو پتھر اور مٹی کے ڈھیلے کی مانند سمجھو اور اس بات پر کامل یقین رکھو کو خدا کی ذات کے علاوہ کوئی نفع ونقصان مارنے اور زندہ کرنے کا مالک نہیں ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جب انسان عاجز ولاچار ہے تو وہ دوسروں کو نفع یا نقصان کیسے پہنچا سکتا ہے، اور یہ بات بھی تسلیم شدہ ہے کہ کسی کو اپنے انجام کی خبر نہیں تو پھر کیا معلوم کہ کس کی طاعت وعبادت قبول ہو اور کس کی مردود، اور سب اعمال خدا کی توفیق ہی سے ہوتے ہیں، ان باتوں کو اپنے دل کی تختی پر لکھ لو تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ تمہیں تمام مصائب سے محفوظ رکھیں۔

اے جوانمرد! یہ راستہ بڑا لمبا اور طویل ہے اس کو تقریر وتحریر کے ذریعہ طے نہیں کیا جاسکتا، میں اس سے پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اس راستہ کو طے کرنے کے لیے شیخ کامل کی ضرورت ہے وہ سوچ سمجھ کر تمہیں اس راہ پر چلائے گا، اور دراصل بات تو یہی ہے کہ سب چیز کی توفیق اللہ ہی جانب سے ہوتی ہے اس لیے تمام تعریفیں دو جہانوں کے پالنے والے کے لیے ہیں اور درود وسلام ہو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہٗ صفات اور آپ کی آل وتمام اصحاب پر والسلام۔

شیخ سراج الدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

۶۰۳ھ ۶۷۲ھ

آپ کے والد بزرگوار کا نام عالم اور دادا کا نام قوام الدین تھا، آپ شیخ زین الدین الخوانی کے اصحاب اور خلفاء میں سے تھے، علوم ظاہری اور باطنی میں اپنے زمانہ کے ماہر و کامل عالم تھے، اگر چہ آپ کے آباء و اجداد ملتان کے رہنے والے تھے مگر آپ کی پرورش ہرات میں ہوئی، شیخ زین الدین الخوانی کے انتقال کے بعد شیخ کی وصیت کے مطابق لوگوں نے آپ کو شیخ کا جانشین مقرر کر دیا تھا، چنانچہ آپ اپنے شیخ کے مسلک کو زندہ رکھنے کے لیے ہرات ہی میں مستقل رہائش پذیر ہو گئے اور وہیں عبادت میں مشغول رہنے لگے۔

منقول ہے کہ شیخ زین الدین الخوانی نے ایک بار فرمایا کہ ہزاروں لوگ میرے مرید ہوئے مگر سوائے سراج الدین کے کسی نے میری خوشنودی کو ملحوظ نہیں رکھا، اور انہوں نے برسوں میری خدمت کی اور کبھی میری رضا کے خلاف کام نہیں کیا، منقول ہے کہ مشائخ ہرات کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ نے فرمایا تھا کہ جن اولیاء اللہ کو میں جانتا ہوں ان میں سے شیخ سراج الدین ملتانی بھی ایک ولی اللہ ہیں، آپ کی قبر گجرات کے علاقہ کے ایک شہر نہروالہ میں ہے۔

سید تاج الدین شیر سوار رحمۃ اللہ علیہ

۷۰۵ھ ۷۹۴ھ

آپ کی قبر نارنول میں ہے، آپ شیخ قطب الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے تھے، آپ نے نارنول کے جنگلوں اور پہاڑوں میں اتنی کثرت سے ریاضت کی کہ چرند و پرند بھی آپ کے فرمانبردار ہو گئے اور درندے اور چڑیاں آپ سے محبت کرنے لگے۔

مشہور ہے کہ جب آپ اپنے شیخ کے پاس ہانسی جانا چاہتے تو جنگل سے ایک شیر پکڑتے اور اس پر سوار ہوتے اور سانپ کو پکڑ کر اس کا ہنٹر بنالیا کرتے، ایسی حالت میں اپنے شیخ کی ملاقات کے لیے روانہ ہوتے اور جب شہر ہانسی کے قریب پہنچتے تو شیر اور سانپ کو باہر چھوڑ کر پیدل شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔

منقول ہے کہ ایک دن شیخ قطب الدین منور ایک دیوار پر بیٹھے تھے، سید قطب الدین پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی اور وہ شیر پر سوار ہونے کی حالت میں اپنے شیخ کے پاس پہنچے، آپ کے شیخ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ سید! یہ تو حیوان ہے، اللہ والے اگر دیوار کو حکم دیں جو بے جان ہے تو وہ بھی چلنے لگے، لوگ کہتے ہیں کہ جس دیوار پر شیخ قطب الدین بیٹھے تھے اسی وقت حرکت کرنے لگی، دیوار کو متحرک دیکھ کر شیخ نے دیوار سے فرمایا کہ یہ بات تو میں نے برسبیل تذکرہ کہی تھی (میرا مطلب یہ نہ تھا کہ تو حرکت کرے) اس لیے رک جا، آپ کا مزار نارنول کے باہر شہر کے نزدیک ہی ہے، آپ پیدا بھی نارنول ہی میں ہوئے تھے، سید تاج الدین کا ایک لڑکا بھی تھا جس کو شیخن کہتے تھے، وہ دنیا اور دنیاداروں سے دور بھاگتا تھا لیکن بقدر ضرورت دنیا سے گریز بھی نہ کرتا تھا، اس کا ہمیشہ کا شغل ہی یاد الٰہی تھا، آپ کے دروازے پر ایک پتھر پڑا رہتا تھا جو اب بھی موجود ہے، آپ اپنی زندگی میں اس پتھر پر ایک کٹورا رکھ دیا کرتے تھے آنے جانے والے اس میں کچھ ڈال دیا کرتے تھے، اور آپ اس کے ذریعہ ضروریات زندگی پورا فرمایا کرتے تھے، پھر لطف کی بات یہ ہے کہ آپ کو جتنی ضرورت ہوتی اتنی نقدی اس کٹورے سے نکلا کرتی تھی، اگر کسی زمانے میں غلہ اور دیگر اشیاء گراں ہوتی تو نقدی زیادہ برآمد ہوتی اور اگر غلہ وغیرہ میں ارزانی ہوتی تو اسی قدر نقدی میں کمی واقع ہو جایا کرتی تھی۔

قاضی شمس الدین شیبانی رحمۃ اللہ علیہ

۷۴۰ھ............................۸۰۹ھ

آپ بہت بڑے عقلمند تھے، سلطان محمد تغلق کے زمانے میں دہلی سے نارنول میں تشریف لے گئے تھے، ابتدائی زمانہ میں شادی سے پہلے آپ حج کے ارادہ سے نکلے راستہ میں جب گجرات پہنچے تو ایک مسجد میں دیکھا کہ ایک معتزلی منبر پر اپنے مذہب معتزلہ کے پیش نظر بندوں کے خالق افعال ہونے پر تقریر کر رہا ہے، اس نے اپنی تقریر کے دوران لوگوں سے کہا کہ دیکھو یہ میرا ہاتھ ہے، اگر میں اسے کھولنا چاہتا ہوں تو یہ کھلتا ہے اور اگر مٹھی بند کرنا چاہتا ہوں تو بند ہو جاتی ہے۔ قاضی شمس الدین صاحب کھڑے ہوئے اور آپ نے اس

معتزلی سے فرمایا کہ اگر آپ اپنے تمام افعال کے خالق ہیں اور اپنے وجود کے متعلق سب کچھ کر سکتے ہیں تو پھر اپنے ہاتھ کو اپنی پیٹھ پر لے جا کر کیوں نہیں ملا سکتے؟ قاضی شمس الدین کا یہ اعتراض حاکم گجرات کو بہت پسند آیا اور اس پسندیدگی کا اظہار اس طرح کیا کہ دارالحرب سے جو لونڈیاں آئی تھیں ان میں سے ایک لونڈی شیخ کی خدمت میں پیش کی جس کے بطن سے آپ کو اولاد ہوئی، اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولاد میں اس طرح برکت عطا فرمائی کہ سب کو علم سے نوازا، آپ کی اولاد میں سے ایک بزرگ جن کا لقب تاج الافاضل تھا ان کے پانچ لڑکے تھے جو سب کے سب عالم، متقی اور بڑے عقلمند تھے، آپ کے یعنی تاج الافاضل کے ایک صاجبزادے قاضی مجد بھی تھے جو شیخ احمد مجد کے والد تھے جن کے حالات ان کے بیان میں لکھے جائیں گے، ان سے بھی سات لڑکے ہوئے تھے جو سب کے سب عالم باعمل تھے۔

سید یوسف ابن سید جمال الحسینی رحمۃ اللہ علیہ

۷۰۲ھ.........................۷۹۰ھ

آپ کے آباء واجداد نے مشہد سے آکر ملتان میں سکونت اختیار کی، سلطان فیروز کے زمانہ میں آپ ایک فوجی کی حیثیت سے ملتان سے دہلی تشریف لائے۔ آپ فوج ہی میں تھے کہ سلطان فیروز نے آپ کی بزرگی اور علمی کارناموں کے پیش نظر آپ کو اپنے اس مدرسہ میں جہاں اس نے حوض خاص علائی اور اپنا مقبرہ بنوایا تھا مدرس مقرر کر دیا، آپ نے برسوں تک اس مدرسہ میں تعلیم دی اور لوگوں کو علم سے نوازا، منقول ہے کہ آپ جمعرات کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کیا کرتے تھے، آپ نے قاضی نصیر الدین بیضاوی کی مشہور کتاب ''لب اللباب فی علم الاعراب'' کی ایک مفصل شرح بھی لکھی ہے جو ''یوسفی'' کے نام سے معروف ہے، ''لب اللباب'' ایک مختصر اور مفید کتاب ہے جو ہمارے ہاں دہلی میں بہت مشہور ہے، نیز آپ نے مشہور کتاب منار کی بھی ایک شرح لکھی ہے جو ''توجیہ الافکار'' کے نام سے مشہور ہے، آپ کے استاد مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ تھے جو مولانا قطب الدین رازی کے تلامذہ میں سے تھے اور مولانا قطب الدین وہ مشہور

عالم ہیں جنہوں نے شمسیہ اور مطالع کی شرعیں لکھیں ہیں، سید یوسف کا مزار حوض خاص علائی پر ہے آپ نے ۷۹۰ ہجری کے قریب وفات پائی، اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

قاضی عبد المقتدر رحمۃ اللہ علیہ

۷۰۲ھ.........۷۹۱ھ

آپ کے والد بزرگوار کا نام قاضی رکن الدین شریحی کندی تھا، آپ شیخ نصیر الدین محمود کے خلفاء میں سے تھے، بہت بڑے عقلمند، سخی اور کامل درویش تھے آپ قاضی شہاب الدین کے استاد تھے، آپ کا کلام بھی فصاحت و بلاغت سے لبریز ہوتا تھا، آپ نے بہت سے قصیدے اور غزلیں بھی کہی ہیں، مشہور قصیدہ لامیہ کے جواب میں آپ نے قصیدہ لامیۃ العجم لکھا ہے جو آپ کے کمال فصاحت کا مظہر ہے، آپ ہمیشہ درس و تدریس علم سے لوگوں کو فائدہ پہنچانے میں مشغول رہتے تھے، حضرت شیخ نصیر الدین دہلوی کے اکثر خلفاء کا یہی طریقہ تھا کہ وہ درس و تدریس وغیرہ علمی مشاغل میں مشغول رہتے تھے اور شیخ نصیر الدین اپنے مریدوں سے اسی کی تلقین فرمایا کرتے تھے کہ علم میں مشغول رہ کر شریعت کی حفاظت کرتے رہو، قاضی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہزار رکعت عبادت جس میں ریاکاری اور مکاری شامل ہو ان پر افضلیت اس لحہ کو ہے جس میں کسی شرعی مسئلہ پر غور و فکر کیا جائے۔

کہتے ہیں کہ قاضی عبد المقتدر اپنے طالب علمی کے اوائل میں جبکہ شیخ نصیر الدین سے پڑھا کرتے تھے بحث و مباحثہ میں بڑی دلچسپی رکھتے تھے، شیخ آپ کے اس بحث و مباحثہ کو بہت پسند فرماتے اور مزید علم کے حصول کی ترغیب دلاتے تھے آخر کار آپ شیخ سے بیعت ہوئے اور ظاہری علم کے ساتھ ساتھ باطنی نعمتوں کو بھی حاصل کیا، قاضی صاحب کے ایک ارادتمند اور مرید نے ایک کتاب "مناقب الصدیقین" لکھی ہے جس میں انہوں نے تمام مشائخ چشت کے حالات لکھنے کے علاوہ قاضی عبد المقتدر کی اکثر کرامات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ اسی کتاب میں وہ لکھتے ہیں کہ ایک دن قاضی شہاب الدین کو کہیں سے کچھ سونا ملا، تو انہوں نے اپنی والدہ سے خلوت اور تنہائی میں کہا کہ اس کو کہیں چھپا دینا چاہئے، اس کے بعد

قاضی شہاب الدین اپنے استاد قاضی عبدالمقتدر کے پاس پڑھنے کے لیے گئے تو قاضی عبدالمقتدر نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا کہ قاضی شہاب الدین! تم تو سونا چھپانے کے چکر میں پڑے ہوئے ہو، اپنی تعلیم میں کب مشغول ہوگے؟

قاضی عبدالمقتدر نے اٹھاسی ۸۸ برس کی عمر میں ۲۶ محرم الحرام ۷۹۱ ہجری کو وفات پائی، آپ کی اور آپ کے والد صاحب کی قبر خواجہ بختیار اوشی کے مزار کے ملحق حوض شمسی کی جنوبی سمت میں ہے جو شیخ عبدالصمد کی خانقاہ کے نام سے مشہور ہے اور شیخ عبدالصمد سلطان سکندر کے زمانے کے بڑے لوگوں میں سے تھے، جونپور سے دہلی آئے تھے جنہوں نے اپنے باپ دادا کے مقبرے بھی بنائے جو اس وقت بھی موجود ہیں۔

قصیدۂ لامیہ

باسائق الظعن فی الاسحارو الاصل	سلم علی دار سلمیٰ فابك ثم سلِ
عن الظباء من دابها ابداً	مید الاسود مجسن الدل والنجلِ
وعن ملوك كرام قد مضوا قدداً	حتّٰی محبیك عنهم شاهد الطللِ
اضحت اذا بعدت عنها كواعبها	اطلالها مثل اجفان بلا مقلِ
فدیٰ فوادی اعرابیة سكنت	بیتاً من القلب معموراً بلا حولِ
من نورها وجنتها وحسن غرتها	من طیب طرتها من طرفها الثملِ
الشمس فی اسف والبدر فی كلف	والمسك فی شغف والریم فی الحجلِ

اور آخیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کرتے ہیں

محمد خیر خلق الله قاطبة	هو الذی جل عن مثل وعن مثلِ
له المزایا بلا نقص ولا شبه	وله العطایا بلا من ولا بدلِ
له المكارم ابهیٰ من نجوم دجی	له الغرائم امضی من قنا البطلِ
له الجمال اذا ما الشمس قد نظرت	الیه قالت یا لیت ذلك لی
له الفضائل اجدی من عصا كسرت	له الشمائل احلیٰ من جنا العسلِ

....

شیخ زین الدین رحمۃ اللہ علیہ

۷۲۲ھ............۸۲۸ھ

آپ نصیر الدین محمود دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجہ، خلیفہ اور خادم تھے، شیخ نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''خیر المجالس'' اور ملفوظات میں آپ کا ذکر ہے۔ آپ کے ایک مرید نے اپنی کتاب ''جندائن'' کی ابتداء میں آپ کی مدح و تعریف کی ہے، آپ کی قبر شیخ نصیر الدین کے گنبد کے پائیں والے اس گنبد میں ہے جو قبرستان کے صحن والے حصہ میں ہے۔

شیخ نور الحق والدین رحمۃ اللہ علیہ

۷۲۲ھ............۸۱۳ھ

آپ شیخ نور قطب عالم کے نام سے مشہور تھے اور شیخ علاء الحق کے بیٹے مرید اور خلیفہ تھے، ہندوستان کے بہت بڑے ولی اور صاحب ذوق و شوق اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔

منقول ہے کہ آپ اپنے والد محترم کی خانقاہ کے جملہ درویشوں اور فقیروں کی خدمت کرتے اور اپنے ہاتھ سے ان کے کپڑے دھویا کرتے اور ان کی ضروریات کے لیے پانی گرم کر کے دیا کرتے تھے، ابتداء میں آپ کے سپرد پانی کا انتظام تھا اتفاق سے ایک دن آپ پانی کے انتظام میں مصروف تھے کہ اچانک ایک فقیر کے پیٹ میں درد ہوا اور وہ سیدھا آبخانہ میں گھس آیا اور اسے اتنا بڑا دست آیا کہ جس سے نور الحق کے تمام کپڑے خراب ہو گئے، اتفاقاً اسی وقت آپ کے والد بزرگوار شیخ علاؤ الحق بھی وہاں سے گزرے تو اپنے فرزند نور الحق کو اس حالت میں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اس کے بعد آپ کے سپرد ایک دوسرا کام کر دیا گیا کہ اب یہ کام کیا کرو۔

شیخ حسام الدین مانکپوری کے ملفوظات رفیق العارفین میں لکھا ہے کہ شیخ نور الحق نے متواتر آٹھ برس اپنے شیخ کے گھر کی لکڑیاں چیری ہیں۔ شیخ نور الحق کے بڑے بھائی اعظم خاں جو اس وقت کی حکومت کے وزیر تھے، آپ کی یہ حالت دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ قاضی نور الحق! تم نے تمام خوبیاں غارت کر دیں اور اپنی عزت خاک میں ملا دی۔

ایک روز شیخ علاؤ الدین نے نور الحق سے کہا کہ اے نور الحق! دیکھو یہ عورتیں جہاں پانی بھرتی ہیں وہ زمین مسلسل پانی کے قطرات گرنے سے گیلی ہوگئی ہے، جس کی وجہ سے پاؤں کے پھسلنے اور گھڑوں کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہے اس لیے تم ان لبریز اور بھرے ہوئے گھڑوں کو اپنی گردن پر اٹھا اٹھا کر ان عورتوں کو باہر لا کر دیا کرو، چنانچہ شیخ نور الحق نے چار برس تک یہ خدمت بھی انجام دی، آپ کے اکثر دوست اس جگہ سے جو عورتوں کے پانی بھرنے سے گیلی ہو جاتی تھی گھڑے باہر نکال کر آپ کے حوالہ کیا کرتے تھے اور آپ انہیں گردن پر اٹھا کر باہر لاتے تھے اس حالت کو دیکھ کر اکثر جگالی لوگ آپ پر ہنسا کرتے تھے۔

شیخ نور الحق فرمایا کرتے تھے کہ میرے شیخ نے فرمایا ہے کہ بزرگان سلف ۔نے اسماء الحسنیٰ کی طرح سلوک کی بھی ننانویں منزلیں مقرر کی ہیں تا کہ سالک ان تمام پر چل کر مکمل ہو سکے، اور ہمارے بزرگوں نے سلوک کی پندرہ منزلیں مقرر کی ہیں اور اس فقیر نے مختصر کر کے صرف تین مقرر کر دی ہیں۔

منزل اول یہ کہ خدا کے ہاں حساب ہونے سے پہلے ہی اپنے نفس کا محاسبہ کر لیا جائے۔

منزل دوئم یہ کہ جس کے دو دن برابر رہے (نیکی نہ کرنے میں) وہ خسارے میں ہے۔

منزل سوئم یہ ہے کہ فقیر اس طرح عبادت کرے کہ دل کے تمام خیالات ختم کر دے، ان تین طریقوں کی تکمیل کے بعد انشاء اللہ سالک کی اپنی منزل بھی مکمل ہو جائے گی۔ نیز فرماتے ہیں کہ ایک دن شیخ عبادت الٰہی میں مشغول تھے کہ ان پر وجد کی حالت طاری ہوگئی، آپ اسی حالت میں گھر سے نکلے اور باہر ایک درخت کے نیچے جا کر بیٹھ گئے، غیب سے آواز آئی۔

مصرعہ۔

حیلت رہا کن عاشقا دیوانہ شو دیوانہ شو

آپ کے ملفوظات میں ہے کہ ایک دن آپ اپنی پالکی میں سوار تھے اور روتے ہوئے یہ مصرعہ پڑھ رہے تھے۔

مصرعہ

ہم شب بزاریم شد

آخر ایک بڑھیا بیوہ کے گھر تشریف لے گئے اور اس سے کچھ دینی مسائل دریافت کئے اور وہاں بھی روتے رہے اور اس کے گھر سے واپسی پر آپ نے فرمایا کہ اگر میری بخشش ہوئی تو اس بیوہ بڑھیا کے طفیل ہوگی، آپ فرماتے ہیں کہ ایک دن میرے شیخ علاؤ الحق ایک سواری پر سوار کہیں جارہے تھے اور بہت سے لوگ آپ کے ہمراہ پیدل چل رہے تھے وہ سب بے خودی اور مستی کے عالم میں تھے اور بے انتہا گریہ وزاری کر رہے تھے، میں آگے جارہا تھا تو شیخ نے فرمایا کہ اتنی مخلوق میری فرمانبردار ہے، ان میں سے بعض لوگ سجدہ کرتے ہیں اور بعض میرے پاؤں دباتے ہیں اور بوسے دیتے ہیں اور بعض مصافحہ کرتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ کل قیامت کے روز یہی لوگ میرا سر کچل دیں، آپ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ علاؤ الحق فرمایا کرتے تھے کہ ریاضت کی آخری حد یہ ہے کہ فقیر ہر وقت سوتے، جاگتے، اٹھتے بیٹھے اپنے قلب کو یاد الٰہی میں مشغول رکھے جیسے وہ بچہ جو سوتے وقت ایک کھیل میں مصروف تھا اور سو گیا جب وہ بیدار ہوگا تو اسی کھیل کو تلاش کرے گا اور پھر اسی میں مشغول ہو جائے گا۔

آپ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ نے مجھے رخصت کرتے وقت یہ فرمایا تھا کہ اے نور الحق! سخاوت میں سورج کی مانند، تواضع وانکساری میں پانی کی مثل اور حلم اور بردباری میں مٹی کی طرح ہو کر لوگوں کے جور وستم کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہنا۔

آپ اپنے ملفوظات میں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ علاؤ الدین سخت سردیوں کے زمانہ میں صرف گدڑی ہی پہنا کرتے تھے اور سجادہ پر کبھی نہ بیٹھتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ سجادہ پر بیٹھنے کا وہ حق رکھتا ہے جو اپنے دائیں اور بائیں نہ دیکھے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ایک روز ایک آدمی نے شیخ علاؤ الدین کو ہر قسم کی گالیاں دیں، اس کی تمام گالیاں سننے کے بعد بھی شیخ کے چہرے پر کوئی تبدیلی نہ آئی، اس گالیاں دینے والے نے آخر میں کہا، بیا وزد خدا (آ اے خدا کے چور) تو شیخ نے کھڑے ہو کر اس کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ ہم خدا کے ساتھ ہیں اور خدا ہمارے ساتھ ہے، اتنا فرمانے کے بعد شیخ بیٹھ

گئے اور اس کو بھی بیٹھنے کے لیے فرمایا، تو اس نے کہا کہ یہ زمین حرام ہے، پھر آپ نے خادم سے کھانا لانے کو کہا، چنانچہ دستر خوان بچھایا گیا (اور اس سے کھانا کھانے کو کہا گیا) تو اس نے کہا کہ یہ مینڈک کا گوشت ہے میں نہیں کھاتا، آخر کار شیخ نے اسے ایک تنگہ (روپیہ) دیا وہ اسے لے کر چلا گیا، اس کے چلے جانے کے بعد شیخ نے لوگوں سے فرمایا کہ دیکھا فقیر نے کتنا شور کیا، نیز فرماتے ہیں کہ ایک آدمی خانہ کعبہ (کی زیارت کر کے دیار حبیب) سے واپس شیخ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ حضرت آپ سے میری ملاقات باب السلام میں ہوئی تھی، اس پر شیخ نے فرمایا کہ سب لوگ جانتے ہیں کہ میں نے آج تک گھر سے باہر قدم تک نہیں رکھا، (اس لیے مجھ سے ملاقات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) البتہ بعض لوگ ایک دوسرے کہ ہم شکل وہم صورت ہوتے ہیں (اس لیے ہوسکتا ہے آپ نے میری ہم شکل کسی اور آدمی سے ملاقات کی ہو) اس نے کہا کہ حضرت بھلا ایسا ہوسکتا ہے، میں نے تو آپ کو خانہ کعبہ میں بھی دیکھا ہے آخر کار شیخ نے اسے کچھ دے کر رخصت کیا اور فرمایا کہ یہ واقعہ کسی سے نقل نہ کرنا۔

آپ کے ملفوظات میں ہے کہ شیخ نور الحق سے کچھ لوگوں نے دریافت کیا کہ مشائخ جو فرضی نمازوں کے بعد مصافحہ کرتے ہیں اس میں کیا راز ہے؟

آپ نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ جب کوئی مسافر سفر سے واپس آتا ہے تو وہ اپنے دوستوں سے مصافحہ کرتا ہے اور درویش جب نماز پڑھتا ہے تو وہ اس میں اس قدر مستغرق ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی ذات کو بھی بھول جاتا ہے اور جب نماز ختم کرتا ہے تو گویا اس نے باطنی سفر طے کرلیا اور نماز میں سلام پھیرنے کے بعد اس کو اپنا شعور ہونے لگتا ہے اس لیے مشائخ باہم یکدیگر سلام ومصافحہ کرتے ہیں۔

شیخ نور الحق یعنی شیخ نور قطب عالم کے خطوط کے اندر وہ شیرینی، اور لفاظ کے معنی میں وہ لطف وسرور ہے جو دل والوں کے دل کا علاج اور اہل محبت کے لیے محنت کا پیغام ہے ،آپ کے مکتوبات میں سے چند کلمات نقل کئے جاتے ہیں۔

مکتوب

از جانب نور...... بجانب نجم

بے چارے مسافر اور غم کے زخمی نور کی عمر ختم ہونے کے قریب ہے اور حال یہ ہے کہ ابھی تک گوہر مقصود دستیاب نہیں ہو سکا، میدان تیہ اور حسرت میں گیند کی طرح لڑھکتا رہا

ہمہ شب بزاریم شد کہ صبا نداد بوئے   ندمید صبح بختم چہ گنہ نہم صبارا

عمر ساٹھ برس سے بھی زائد ہو چکی ہے، گویا تیر کمان سے نکل چکا ہے تمام زندگی نفس امارہ کے شر و فساد کے چکر سے ایک لمحہ بھی خالی نہیں گزرا اور فضا میں خالی ہاتھ مارتا رہا، دل میں آگ سلگتی رہی، آنکھوں سے آنسو جاری رہے، سر پر خاک پڑتی رہی لیکن بجز ندامت کے اور کچھ نہ ملا، اور آہ و بکاء سے محفوظ نہ رہ سکا، اے بھائی! درد و غم کے خوگر بن جاؤ

دل مردانِ دیں پر درد باید   زمحنت فرقِ شاں بر گرد باید

اگرچہ میں نے تمام قسم کی محنتیں اور کوششیں کی ہیں مگر مجھے تو ابھی تک اپنی منزل مقصود تک رسائی نہیں ہو سکی۔

قطعہ

گفتم مگر کہ کار بسامانِ خود نشد   یار از جفائے خویش پشیماں شود نشد

گفتم مگر زمانہ عنایت کند نکرو   بختِ ستیزہ کار بفرماں شود نشد

دنیا دھوکے کی جگہ ہے اور تم اس درخت کے تنہ کی مانند ہو جس کے اوپر سے اس کی چھال اتار لی گئی ہو اور خدا کی ذات بڑی غیور ہے، ان حالات کے ہوتے ہوئے دل میں فرحت و سرور کیسے آ سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بذریعہ وحی مطلع فرمایا کہ اے داؤد! اپنی امت کے گناہ گار بندوں سے فرما دے کہ میں گناہگاروں کے گناہ بخشنے والا اور بڑا مہربان ہوں اور جو لوگ صدیقین ہیں ان سے فرما دیجئے کہ میں بڑا غیرت مند ہوں (اس لیے وہ ذرا ہوشیار ہو کر رہیں)

شعر

راہ نا ایمن است و منزل دور   مرکبت لنگ دیار سخت غیور

سو غیرتِ الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ بندے اور خدا کے درمیان اور کوئی نہ رہے اور جس نے اس خدا کے بغیر پرواز کی اس کو ختم کر دیا۔

شعر

باہر کہ انس گیری از و سوختہ شوی — بنگر کہ انس چیست و مصحف ز آتش است

اے برادر! میں نے برسہا برس اس بات پر خرچ کر دیئے کہ اس نفس امارہ کو اپنا بنالوں مگر ایک لمحہ کے لیے بھی اس کے شر و فساد سے محفوظ نہ رہ سکا اور اس نے ایک منٹ بھی آرام سے نہ رہنے دیا۔

شعر

کردیم لبے سپید رہے — از ما نشد ایں سیہ گلیمے
شستیم لبے بچارہ سازی — پیرا ہن مانشد نمازی!

نیز آپ کے مکتوبات میں یہ بھی مسطور اور لکھا ہوا ہے کہ درویش کو بے قرار میں قرار و سکون آتا ہے، درویش کی عبادت ماسوی اللہ سے بیزاری اور علیحدگی ہے اللہ کی عبادت کے بغیر اور کسی چیز میں مشغول ہونا (درویش کے نزدیک) گرفتاری ہے اور دل کا باطن کے ماسوا کسی اور چیز میں استغراق بیکار محض ہے اور عبادت کو ظاہر کرنا بدکاری ہے، اپنا خون جگر پینا بزرگواری ہے اور غیر سے آنکھیں بند کر لینا برخورداری ہے، عام لوگ اپنے ظاہر کو پاک کرنے کی کوشش اور سعی کرتے ہیں اور خواص ہمہ وقت اپنے باطن کی پاکیزگی کے پروگرام بناتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی غصہ سے بھری ہوئی آواز آرہی ہے کہ اے میرے بندے تو نے اپنے جسم کو پاک و صاف کرنے میں ایک مدت صرف کر دی لیکن کیا کسی وقت تو نے اس جگہ کو بھی صاف کیا جس سے میں دیکھا جاسکتا ہوں اور یونہی تو نے تمام عمر لیٹ کر گزار دی، ظاہری طہارت تو بدن سے کسی چیز کے نکلنے اور پیشاب و پاخانہ کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے اور باطنی طہارت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی یاد کرنے سے ختم ہو جاتی ہے، مشائخ کرام کا مقولہ ہے کہ جس کے دل میں دنیا کا خیال آجائے تو اس کو اس طرح غسل کرنا چاہئے جس طرح

جنابت کا غسل کرتے ہیں، کسی چیز کو دل میں جگہ نہ دو اور کسی غیر اللہ کی محبت کو دل میں نہ آنے دے کیونکہ تمام مخلوق بدعہد و بے وفا ہے، شیخ نور الحق کی ۸۱۳ ہجری میں وفات ہوئی آپ کی قبر شہر پنڈوہ میں ہے۔

سید صدر الدین راجو قتال بخاری رحمۃ اللہ علیہ

۷۴۱ھ.................................۸۲۷ھ

آپ اپنے والد محترم سید احمد کبیر کے مرید اور خلیفہ تھے، اسی طرح اپنے بھائی مخدوم جہانیاں کے بھی خلیفہ تھے اور ان کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔

لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ مخدوم جہانیاں اکثر و بیشتر یوں فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مخلوق کی خدمت میں مشغول رکھا ہے اور شیخ راجو کو اپنی ذات میں مصروف کر دیا ہے، چنانچہ سید صدر الدین پر ہمیشہ استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی اور لوگوں سے بالکل علیحدہ اور جدا رہتے تھے، تاریخ محمدی میں لکھا ہے کہ کچھ لوگ براہ راست شیخ راجو قتال کے مرید تھے اور کچھ لوگ آپ کے فرزند شیخ ناصر الدین محمود سے بیعت ہو کر آپ کے سلسلہ میں داخل ہوئے، سید صدر الدین بڑے بزرگ اور صاحب تصرف ولی اللہ تھے آپ کا مزار اُچہ (ملتان) میں ہے۔

خواجہ اختیار الدین عمر ایرجی رحمۃ اللہ علیہ

۷۳۸ھ.................................۸۰۹ھ

آپ کے آباء واجداد علاقہ ایرج کے رئیس لوگوں میں سے تھے جو حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز المرام تھے، آپ نے اپنے جذبہ حق کی وجہ سے دنیاوی عزت، سامان راحت اور بڑے اونچے عہدے کی بڑی تنخواہ وظیفہ برضا ورغبت ترک کر کے علم وزُہد میں قدم رکھا اور شیخ نصیر الدین محمود دہلوی کے مرید و خلیفہ قاضی محمد ساوی سے جو اس زمانہ کے بہت بڑے صالح عالم تھے، تعلیم حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے، تحصیل علم کے بعد انہی سے بیعت ہو گئے اور خلافت واجازت حاصل کی، آپ نے ۱۴ محرم الحرام ۸۰۹ ہجری میں وفات پائی آپ کی قبر بھی ایرج ہی میں ہے۔

شیخ یوسف بدہ ایرجی رحمۃ اللہ علیہ

۷۷۲ھ.................۸۳۴ھ

آپ کے آباء واجداد زمانہ کی ستم ظریفی اور بعض ناسازگار حالات کی بناپر خوارزم سے ہجرت کر کے ہندوستان تشریف لائے تھے اور مقام ایرج میں اپنی سکونت اختیار کی، آپ خواجہ اختیارالدین عمر ایرجی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید، خلیفہ اور شاگرد تھے علاوہ ازیں سید جلال بخاری اور شیخ راجو قتال کی بھی بے انتہا خدمت کی جس کے صلہ میں ان دونوں بزرگوں نے بھی انہیں خلافت سے نوازا، آپ نے کئی کتابیں بھی لکھی ہیں اور امام غزالی کی کتاب منہاج العابدین کا آپ نے ترجمہ بھی کیا ہے، آپ فن شعر میں بھی کمال رکھتے تھے، تاریخ محمدی کے مؤلف بھی آپ ہی کے تلمیذ اور مرید تھے۔ صاحب تاریخ محمدی لکھتے ہیں کہ آپ ایک روز ۸۳۴ ہجری میں اپنی خانقاہ میں بیٹھے ہوئے سماع سن رہے تھے کہ اسی حالت میں جان جان آفریں کے حوالہ کی، آپ کا مزار خانقاہ کے صحن میں ہے، آپ کے مزار پر سلطان علاؤالدین مندوی نے ایک بے نظیر اور بیش بہا گنبد تعمیر کروایا ہے۔

شیخ قوام الدین رحمۃ اللہ علیہ

۷۲۷ھ.................۸۱۰ھ

آپ مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری کے مرید تھے، آپ مریدوں کی تربیت اور ارشاد میں بڑے عالی مقام بزرگ تھے، آپ کا مزار لکھنؤ میں ہے جس کی لوگ زیارت کر کے برکت حاصل کرتے ہیں، آپ نے ۸۱۰ھ میں انتقال فرمایا۔

شیخ سارنگ رحمۃ اللہ علیہ

۷۷۵ھ.................۸۳۲ھ

آپ اوائل عمر میں سلطان فیروز شاہ کے بڑے مشہور امیر لوگوں میں سے تھے ہندوستان کا مشہور شہر سارنگپور آپ ہی نے آباد کیا تھا، لیکن اواخر عمر میں خدا تعالیٰ کی عنایت اور فضل نے یاوری کی جس کی وجہ سے آپ نے راہ سلوک میں قدم رکھا جو واصل باللہ لوگوں کے لیے مخصوص ہے، آپ نے شروع شروع میں شیخ قوام الدین کی خدمت کی اور مرید بھی ہو گئے

اور انہی سے باطن کی اصلاح اور ذکر خفی کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد حجاز کا سفر کیا اور حرمین شریفین کی زیارت سے مستفیض ہوئے اور پھر شیخ الوقت جناب شیخ یوسف ایرجی کی ایک دراز مدت تک صحبت میں رہے اور ان سے علوم طریقت حاصل کئے، آپ کے خلوص اور طلب صادق کو دیکھ کر شیخ راجو قتال نے آپ کے طلب کئے بغیر آپ کو خرقہ اور دیگر امانتیں جو آپ کو مشائخ طریقت سے ملی تھیں آپ کے پاس آپ کے گھر بھیج دیں، چنانچہ جب وہ تمام چیزیں آپ کے پاس پہنچیں تو آپ نے واپس فرما دیں اور دریافت کیا کہ یہ چیزیں کس غرض ومقصد کے لیے میرے پاس بھیجی گئی ہیں۔ جب وہ چیزیں شیخ راجو قتال کے پاس (جمع تنقیح) پہنچیں تو آپ نے ان اشیاء کو پھر سے آپ کے پاس بھیجا اور شیخ حسام الدین کو تمام تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے تاکید فرما دی کہ یہ خرقہ اور بقیہ امانتیں شیخ سارنگ کے سپرد کرنا آپ کے ذمہ ہے، چنانچہ شیخ حسام الدین نے شیخ راجو قتال کی بھیجی ہوئی جملہ چیزوں کو قبول کرنے کے لیے شیخ سارنگ کو ترغیب دی، بالآخر شیخ سارنگ نے جملہ اشیاء مرسلہ کو قبول کر کے ان غیبی سعادتوں سے بہرہ یاب ہوئے۔ آپ نے ۸۳۲ ہجری میں وفات پائی۔

شاہ مینا رحمۃ اللہ علیہ

ھ.......................۸۷۰ھ

آپ شہر لکھنو کے بڑے ولی اللہ تھے، آپ کا نام شیخ محمد تھا، شیخ قوام الدین نے بچپن میں آپ کو اپنی زیر تربیت رکھا اور نعمتوں سے نوازا، پھر آپ شیخ سارنگ کے مرید ہوئے اور تصوف کے کاموں میں مشغول ہو گئے۔

منقول ہے کہ شیخ قوام الدین کے ایک لڑکے کا نام محمد تھا جسے لوگ مینا کہا کرتے تھے، لکھنؤ کے محاورہ میں مینا ہنرمند اور باعزت سردار کو کہتے ہیں، شیخ محمد مینا جوانی میں دنیاداروں کی طرح خواہشات نفسانیہ کے زرخرید اور اسی طرح دیگر فضولیات کے رسیا تھے، اس وقت آپ اپنے زمانہ کے بادشاہ کے ملازم تھے، چونکہ اکثر احکام وامراء آپ کے والد بزرگوار شیخ قوام الدین کے مرید اور عقیدت مند تھے، اس لیے وہ تمام لوگ شیخ محمد مینا کی راحت رسانی

میں کوئی کسر باقی نہ رکھتے تھے لیکن آپ کے والد شیخ قوام الدین آپ کی عادات شنیعہ سے سخت بیزار تھے اور بیٹے کی جانب سے باپ کی رضا مندی کے آئینہ میں گرد و غبار جمع ہو چکا تھا، یہ اس زمانے کی بات ہے جبکہ محمد مینا بادشاہ کے حکم سے لکھنؤ سے کسی باہر علاقہ میں متعین تھے وہاں سے انہوں نے اپنے والد مکرم کو خوش کرنے کی بڑی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے (مگر اب تقدیر بدل چکی تھی اس لیے) انہوں نے اپنے والد محترم کے روبرو اپنے جرائم و گناہ معاف کرانے کی غرض سے لکھنؤ آنے کا ارادہ کیا، جب آپ لکھنؤ آ گئے تو لوگوں نے آپ کے والد کو ان کے آنے کی اطلاع دی تو آپ کے والد صاحب نے فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ ایسا نامعقول آدمی میرے سامنے آئے چنانچہ اس کے بعد ایسا ہوا کہ وہ ابھی اپنی جگہ سے روانہ بھی نہ ہوا تھا کہ اسے ایک ایسی مہلک بیماری لاحق ہوئی جو بالآخر جان لیوا ثابت ہوئی اور وہ وہیں مر گیا، اس کے بعد شیخ قوام الدین نے اپنے ایک خادم شیخ قطب سے فرمایا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے ہاں جب بیٹا پیدا ہو تو اس کا نام شیخ محمد مینا رکھا جائے اور وہ تمام اولاد کا نعم البدل ہو، چنانچہ شیخ قطب کے ہاں بیٹا پیدا ہوا اور اس کا نام شیخ محمد مینا رکھا گیا، شیخ قوام الدین نے اس نومولود کو اپنے بچوں کی مانند رکھتے اور اس سے غایت درجہ کی محبت فرماتے تھے۔

منقول ہے کہ شیخ محمد مینا کو جب مکتب میں داخل کیا گیا تو آپ نے پہلے ہی دن، ا ب ت ث کے وہ رموز اور حقائق بیان فرمائے کہ جن کو سن کر تمام حاضرین انگشت بدنداں رہ گئے، حضرت محمد مینا آخر دم تک تارک الدنیا رہے، اور نہ ہی شادی کی، سلوک کے زمانے میں آپ نے بے انتہا ریاضت کی، لوگوں میں مشہور ہے کہ شیخ محمد مینا اپنے شیخ اور پیر شیخ سارنگ کے مزار پر جو لکھنؤ سے تقریباً چالیس میل کے فاصلہ پر ہے ہمیشہ کھڑاؤں پہن کر یا ننگے پاؤں پیدل زیارت کرنے جایا کرتے تھے، جس راستہ سے آپ جاتے تھے وہ بہت خراب تھا اور اکثر مقام پر خاردار درخت بھی تھے مگر آپ ان تمام تکالیف شاقہ کو برداشت کر کے اپنے شیخ کے مزار پر حاضری دیا کرتے تھے، آپ جب سلوک کے مراحل طے فرما رہے تھے تو آپ کی ریاضت اور مجاہدہ کا یہ عالم تھا کہ رات کو اکثر و بیشتر دیوار پر اس لیے عبادت کیا کرتے تھے کہ اگر نیند کا غلبہ ہو جائے تو دیوار سے زمین پر گر کر بیدار ہو جایا کروں، اور اگر کبھی زمین پر

عبادت کرتے تو اپنے اردگرد بہت سے کانٹے جمع کرلیا کرتے تھے کہ اگر نیند کا غلبہ ہوا تو ان کانٹوں پر گروں گا جن کے چبھنے سے بیدار ہو جایا کروں گا، اکثر و بیشتر آپ سردیوں میں اپنے کپڑے بھگو کر شیخ کے مزار کے پاس صحن میں بیٹھ کر خدا کی یاد کیا کرتے تھے، آپ کا مزار بھی لکھنؤ میں ہے جس کی لوگ زیارت کر کے برکت حاصل کرتے ہیں۔

شیخ احمد کھتو رحمۃ اللہ علیہ

۷۲۷ھ.....................۸۴۹ھ

آپ علاقہ گجرات کے مشائخین میں سے بڑے شیخ تھے، احمد آباد کے مضافات میں ایک قصبہ سرکیج میں آپ کا مزار ہے، آپ کا مقبرہ نہایت ہی پاکیزہ، منزہ اور ہوا دار ہے کہ اس کی مثال دنیا میں شاید ہی کہیں ہو۔ کھتو ایک گاؤں کا نام ہے جو اجمیر کے قریب ہے، شیخ احمد کے آباء و اجداد دہلی کے باشندے تھے اور آپ کا بھی بچپن دہلی میں گزرا تھا۔

مشہور ہے کہ آپ ایک بار ایک گاؤں میں بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ سخت طوفان و آندھی آئی جو آپ کو وہاں سے اڑا کر کسی اور جگہ لے گئی اور آپ اپنے وطن سے دور مسافروں کی طرح بے یار و مددگار ہو گئے، اس زمانے میں آپ کسمپرسی کی حالت میں ادھر ادھر گھوم کر وقت گزارا کرتے تھے، ایک دن بابا اسحاق مغربی کے ہاتھ لگ گئے جو اس وقت کے بڑے کامل درویش تھے وہ آپ کو اپنی قیام گاہ علاقہ کھتو میں جو اجمیر کے قریب ایک گاؤں ہے اپنے ہمراہ لے آئے چنانچہ شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بابا اسحاق مغربی کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی، اور ان کی مہربانیوں اور عنایتوں سے اس طرح مالا مال ہوئے کہ انہوں نے آپ کو کامل ولی اللہ بنا دیا، بعدہٗ خلافت و اجازت بھی عنایت فرما دی۔ آپ کا سلسلہ شیخ ابو مدین مغربی سے جا کر ملتا ہے چونکہ آپ نے زندگی کی بڑی طویل بہاریں حاصل کی تھیں اس لیے آپ کے اور نبی علیہ السلام کے درمیان مشائخ کا واسطہ بہت کم ہے، یعنی صرف پانچ بزرگوں کے واسطہ سے آپ کا سلسلہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک مل جاتا ہے، آپ کے تمام بزرگوں کی عمریں ڈیڑھ سو برس سے زائد تھیں، آپ نے ابتداً دہلی میں تعلیم حاصل کی اور تحصیل علم کے بعد مسجد خان جہاں میں بے انتہا ریاضت کی، اس زمانے

میں آپ کی کیفیت یہ تھی کہ دن بھر روزے سے رہتے اور شام کو کھلی کے ایک ٹکڑے سے روزہ افطار فرماتے، بس یہی آپ کی غذا تھی، پھر جب چلہ کشی کرنے لگے تو چالیس روز میں صرف ایک کھجور کھایا کرتے تھے، آپ نے دنیا کو اس طرح ترک کیا کہ عمر بھر شادی نہیں کی، اس زمانہ میں آپ عالم بالا اور عالم فرشتگان کی سیر فرمایا کرتے تھے، آپ حرمین شریفین کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے تھے، آپ کو نبی علیہ السلام نے (کوئی نامعلوم) بشارت بھی دی تھی اور متعدد بزرگوں کی صحبت سے فیض یاب ہوئے تھے، ظفر خاں جو فیروز شاہ کی حکومت کی طرف سے نہر والہ کا حاکم تھا اور بعد میں سلطان مظفر کے لقب سے مشہور ہوا وہ جب گجرات کا بادشاہ ہوا تو ان قدیم تعلقات کی بناء پر جبکہ شیخ احمد دہلی میں مقیم تھے اور باہم شناسائی تھی اس سلطان مظفر نے شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ کو مجبور کیا کہ آپ گجرات تشریف لائیں، اور یہیں مستقل سکونت اختیار فرمائیں، چنانچہ آپ تشریف لے آئے اور سرکچ میں رہنے لگے، وہاں کے لوگوں نے آپ کی ظاہری اور باطنی برکتوں سے استفادہ کیا، آپ لوگوں کی حتی المقدور امداد فرماتے، آپ کے اخلاق عالیہ کی وجہ سے تمام لوگ آپ سے محبت کرنے لگے، آپ کی زندگی میں ہر آنے والے فقیر کے لیے آپ کا دسترخوان وسیع تھا، اس لیے آپ کے انتقال کے بعد بھی اس طریقے کو بحالہ جاری رکھا گیا، جس سے فقیر، امیر، غریب اور بادشاہ بھی سیراب ہوتے ہیں۔

آپ کے ایک مرید بنام محمود بن سعید ایرجی نے آپ کے حالات واقوال کو جمع کر کے اس کا نام "تحفۃ المجالس" رکھا ہے اس کتاب میں لکھا ہے کہ ایک دن میں شیخ احمد کھتو کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ بہت بڑا تاجر تقریباً تیس سیر مصری اور مشک کا ایک نافہ ہمارے پاس اس زمانے میں لایا جب کہ ہم مسجد خان جہاں میں تھے، میں نے اس سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں! اور ہمیں کب سے جانتے ہیں، اس نے جواب دیا کہ میں شیخ نور کا مرید ہوں جو پنڈوہ میں رہتے ہیں اور اب وہیں سے آرہا ہوں، اصل بات یہ ہے کہ اس سے پہلے میں متعدد مرتبہ دہلی سے مال وغیرہ خریدتا رہا ہوں، اس دفعہ جب دہلی سے مال وغیرہ خرید کر واپس پنڈوہ گیا تو اپنے شیخ نور کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم نے دہلی میں کون کون سے بزرگوں کی زیارت کی؟

میں نے جن جن بزرگوں سے ملاقات کی تھی سب کے نام بتا دیے، تو شیخ نے فرمایا کہ کیا شیخ کھتو سے بھی ملے؟ (چونکہ میں آپ سے ملا نہ تھا) اس لیے خاموش رہا، شیخ نے فرمایا کہ جب آپ شیخ احمد کھتو سے نہیں ملتے تو آپ کا دہلی جانا بالکل بیکار ہے، اس کے بعد میں پریشانی کی حالت میں وہاں سے روانہ ہوا اور شیخ کے حکم کے مطابق آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اس تاجر کے پیر شیخ نور سے میری کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ انہوں نے کبھی مجھے دیکھا اور نہ میں نے انہیں، لیکن انہوں نے اپنے کشف وکرامت سے جو خدا کی ایک خاص نعمت ہے مجھے خود ہی پہچان لیا، اسی مقام پر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ سلطان فیروز کو بھی شیخ سے بہت عقیدت وارادت تھی، امیر تیمور کے دہلی آنے سے پندرہ دن قبل شیخ نے اپنے کچھ مریدوں اور ارادتمندوں اور خود سلطان فیروز کو اس کے دہلی پر قابض ہونے کی خبر دیدی تھی، چنانچہ سلطان فیروز شیخ کی پیشگوئی کی وجہ سے دہلی چھوڑ کر جونپور چلا گیا تھا (شیخ کو بھی سلطان نے ساتھ چلنے کو کہا) مگر آپ نے فرمایا کہ ہم کو تو دہلی والوں ہی کے ساتھ رہنا ہے، بالآخر شیخ اور آپ کے کچھ متعلقین مغلیہ فوج کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے، آپ کی کرامات کی جب امیر تیمور کو اطلاع ہوئی تو اس نے ان تمام لوگوں کو جو شیخ کے ہمراہ گرفتار ہوئے تھے بڑی عزت وادب سے رہا کردیا۔ شیخ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے ساتھ چالیس فقیر جیل میں بند تھے، غیب سے روزانہ اللہ تعالیٰ ہمارے پاس چالیس گرم گرم روٹیاں بھیج دیا کرتا تھا، اس کے بعد شیخ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ رہائی کے بعد ہم حج کے لیے روانہ ہوئے ہمارا بحری بیڑا جارہا تھا میں وضو کے لیے باہر نکلا، اتفاق سے میرا پاؤں پھسل گیا اور میں سمندر میں گر گیا، ابھی تھوڑی ہی دور تیرتا ہوا گیا تھا کہ مجھے اپنے پاؤں کے نیچے پتھر محسوس ہوا چنانچہ میں اس پر کھڑا ہوگیا پانی میری کمر تک تھا اور میں حافظ یا حفیظ یا رقیب یا وکیل یا اللہ اسم اعظم پڑھ رہا تھا، اس کے بعد کپتان وغیرہ نے مجھے مچھلی کی طرح اوپر اٹھالیا اور میں خانہ کعبہ پہنچ گیا چنانچہ حج کیا اور مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوا۔

آپ کے ساتھ مسجد خان جہاں کے امام اور شیخ تاج الدین سرپچھی اور ایک دوسرا آدمی بھی تھا، جب یہ تمام لوگ مسجد میں ٹھہرے تو تمام ساتھیوں نے کہا کہ کھانے کا انتظام کرنا

چاہیئے، شیخ نے فرمایا کہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہوں اس لیے مجھے کھانے کا انتظام کرنے کی ضرورت نہیں تم اپنے لیے مختار ہو، چنانچہ وہ لوگ بازار گئے اور کھانا کھا کر واپس آگئے، ہم سب نے عشاء کی نماز یکجا پڑھی وہ لوگ نماز پڑھنے کے بعد سو گئے اور میں ہاتھ صاف کر کے تسبیح پڑھنے میں مصروف ہوگیا، اچانک کسی آواز دینے والے نے آواز دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان کون ہے؟ میں سمجھا کہ شاید کسی دوسرے شخص کو آواز دی جارہی ہے اس لیے خاموش رہا، دوسری مرتبہ اور پھر تیسری مرتبہ جب اس طرح آواز آئی تو میں سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان تو میں ہی ہوں چنانچہ میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو کر آواز دینے والے کے پاس گیا وہ اپنے ہاتھ میں ایک طشت لیے کھڑا تھا اس نے مجھے دیکھ کر کہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے میں نے اپنا دامن پھیلایا، اس نے طشت کی کھجوریں میرے دامن میں انڈیل دیں اور طشت خالی کر کے واپس چلا گیا (میں نے جب ان کھجوروں کو کھایا تو وہ ایسی میٹھی تھیں کہ ان کی لذت و مٹھاس کو الفاظ کے ذریعہ بیان ہی نہیں کیا جاسکتا اس کے بعد میں بھی سو گیا، صبح کے قریب جو خواب میں دیکھا وہی خواب میرے دوسرے تین دوستوں نے بھی دیکھا، وہ خواب یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہوادار اور روشن مقام میں تشریف فرما ہیں، اور صحابہ کرام آپ کے ارد گرد کھڑے ہوئے ہیں اور ایک عورت مزین لباس پہنے ہوئے عطر میں بسی اور زیورات میں لدی ہوئی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے موجود ہے، نبی علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ اسے قبول کرلو، میں نے عرض کیا کہ میرے والد نے اسے قبول نہیں کیا (لہٰذا میں بھی اسے قبول نہیں کرتا) نبی علیہ السلام نے اشارہ کیا کہ تمہارے والد تو یہ ہیں، میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ منہ میں انگلی ڈالے کھڑے ہوئے تھے، مجھ سے فرمایا کہ بابا احمد اسے قبول کرلو، چنانچہ میں نے اس عورت کو قبول کرلیا، اس کے بعد فوراً میرے دل میں خیال آیا کہ یہ عورت دراصل دنیا ہے، اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اب مجھ پر دنیا کے دروازے کھول دیئے ہیں۔

مدینہ منورہ سے واپسی کے وقت میں اپنے تینوں دوستوں کے ہمراہ روضہ اقدس پر آخری سلام کے لیے حاضر ہوا، روضہ مبارک کے خادم روضہ سے دس گز کے فاصلے سے اپنے

ہاتھوں میں سیاہ دستانے پہنے ہوئے کھڑے تھے۔انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ یہ دستار لو اور اسے سر پر باندھ لو، میں نے ان سے عرض کیا کہ میرے شیخ چونکہ ٹوپی ہی پہنا کرتے تھے اس لیے میں یہ دستار نہیں باندھوں گا انہوں نے کہا کہ رات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا تھا کہ یہ دستار فلاں شخص کو دیکر ساتھ ہی میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ اس کو باندھنے کا میں حکم دیتا ہوں، اس کو سر پر باندھ لو اور اسلام کی دعوت وتبلیغ میں لگ جاؤ چنانچہ میں نے وہ عطیہ قبول کیا، چوما اور سر پر باندھ لیا۔ایک دفعہ پھر ملاقات ہوئی تو نبی علیہ السلام نے مجھ سے مسجد خان جہاں میں رہ کر پہلے سے زیادہ مجاہدہ و ریاضت کا حکم دیا اور شیخ سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی غیب سے اشارہ ہوا کہ ایک صالح نوجوان ہے جو مسجد خان جہاں میں ریاضت میں لگا ہوا ہے اس سے ملاقات کرو چنانچہ سید میری ملاقات کے لیے مسجد میں تشریف لائے جب وہ مسجد کے قریب پہنچے تو ان کے ایک ارادتمند نے مجھے اطلاع دی کہ سید صاحب تشریف لا رہے ہیں چنانچہ میں فوراً کھڑا ہو گیا اور آپ کی پالکی طرف جس میں کہ آپ آرہے تھے ملاقات کے لیے آگے بڑھا، سید صاحب کو بھی میری آمد کی کسی نے اطلاع دیدی وہ اطلاع ملتے ہی اپنی پالکی سے اترے اور میری جانب بڑھ کر مجھے اپنے سینہ سے لگا لیا اور کافی دیر تک لگائے رکھا پھر میرے کان پر اپنا منہ رکھ کر تین بار یہ فرمایا، اے جوان! دوست کی خوشبو آرہی ہے۔اس کے بعد خدا حافظ فرماتے ہوئے کہنے لگے کہ اچھے وقت میں مجھے یاد رکھنا بھول نہ جانا اور پھر اپنی پالکی میں بیٹھ کر واپس چلے گئے اور میں بھی اپنی جگہ واپس آکر عبادت میں مشغول ہو گیا۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں ننگے پاؤں بلا یار و زاد سامان سفر کیا کرتا تھا اور ہر شہر اور بستی میں پہنچ کر رات مسجد میں گزارا کرتا تھا خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے احتلام سے بھی محفوظ رکھا، میں ہمیشہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتا رہا، سفر میں بھی روزے رکھتا اور اتنی ریاضت کرتا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا اگرچہ سفر میں مشقتیں اور تکلیفیں بے شمار ہوتی ہیں لیکن میرا دل ہمیشہ مسرور رہتا تھا، میں برہنہ پا اور پیادہ اس لیے سفر کرتا تھا کہ حدیث شریف میں آتا ہے،

وامشوا حفاۃ وعراۃً سترون اللہ جھرۃً ای عیاناً تم ننگے پاؤں اور ننگے بدن سفر کرو، عنقریب خدا کو ظاہر باہر دیکھ لو گے۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک فقیر ہمارے پاس آیا اور بابو جیو اس کو روزانہ چار روپے دیا کرتے تھے، میں نے بابو جیو سے عرض کی کہ بابو جیو! یہ فقیر کثرت سے بھنگ پینے کا عادی مجرم معلوم ہوتا ہے، اگر آپ نے اس کو روپے دیئے تو ابھی بازار سے بھنگ خرید کر پی لے گا، بابو جیو نے فرمایا کہ ہم سے ہمارے فعل کی باز پرس ہوگی اور اس سے اس کے فعل کی، یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ میں بارہ سال کا تھا اس وقت سے لے کر آج تک میں بابو جیو کی بات پر عمل پیرا ہوں۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک روز بابو جیو نے مجھ سے فرمایا کہ بابا احمد تم بہت سخی ہو، بھائی جان کبھی کبھی ہاتھ اونچا کیا کرو (یعنی کبھی کبھی لوگوں کو یاد کرو)

میں نے کہا، کہ بابو جیو! آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میرا ہاتھ ہمیشہ اونچا ہی رکھے اور کبھی نیچا نہ ہونے پائے، چنانچہ بابو جیو نے فرمایا کہ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ بابا احمد کا ہاتھ ہمیشہ اونچا ہی رہے اور مخلوق خدا ان سے لیتی رہے اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔

شعر

ہمت بلند دار کہ داد ار کر دگار ... برہمت بلند کند فضل خود نثار

اس کے بعد یہ حدیث پڑھی۔

یا ابن ادم انفق انفق اے آدم کی اولاد! خرچ کر خرچ کر۔

اور پھر یہ آیت پڑھی۔

وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ ھو خیراً وّاعظم اجراً جو بہتر چیز تم اپنی جان کے لیے آگے بھیجتے ہو اسے اللہ کے ہاں بہترین اور عمدہ بدلہ پاؤ گے۔

ایک دن آپ نے فرمایا کہ فقیروں کی محفل میں آنا تو آسان ہے لیکن واپس جانا بڑا مشکل ہے، میں (محمود بن سعید ایرجی مرتب ملفوظات) نے عرض کیا کہ آقائی سید السادات سید بہاؤ الدین جو میری والدہ کے جد امجد تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ تم اپنے پاس آنے

والوں کو درویش نہ سمجھو، اگر تم میں ہمت ہے تو ان کی آنکھ، کان، زبان پر قبضہ کر کے ان کے قلوب کو حاضر کر دو، میں نے اتنی بات عرض کی تھی کہ شیخ نے فرمایا کہ میں سمرقند کی ایک مسجد میں اس وقت پہنچا جبکہ وہاں ایک اہل علم آدمی تعلیم دے رہا تھا اور تعلیم حاصل کرنے والے اس کے اردگرد بیٹھے پڑھ رہے تھے، میں درویشوں والی ٹوپی اور فقیرانہ لباس پہنے ہوئے ان پڑھنے والوں سے ذرا فاصلے پر بیٹھ گیا، ایک طالب علم حسامی کا تکرار کر رہا تھا مگر اس کی عبارت غلط پڑھ رہا تھا، میں نے دور سے بیٹھے ہوئے کہا کہ اعراب درست پڑھو، میری یہ بات سننے کے بعد وہ استاد جو سبق پڑھا رہا تھا اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے پاس آیا اور مجھے اٹھا کر وہاں لے گیا جہاں وہ پہلے سبق پڑھا رہا تھا. پھر اس نے مجھ سے علم اصول کے چند مسائل پوچھے، میں نے ان کا تسلی بخش جواب دیا، تب اس عالم نے کہا کہ آپ نے اس علم کے ساتھ یہ ٹوپی اور پھٹے پرانے کپڑے کیوں پہن رکھے ہیں، میں نے کہا کہ علم کے ساتھ اگر اچھے کپڑے پہنوں تو نفس بدخوئی اور شرارت کرے گا اس لیے میں نے اپنے کو اس لباس میں چھپا رکھا ہے۔

تحفۃ المجالس کے مؤلف لکھتے ہیں کہ ایک رات شیخ احمد نے مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ تم فلاں گاؤں چلے جاؤ، قصہ یہ تھا کہ مولانا نماز تراویح میں تمام قرآن سن چکے تھے اور صرف سورۂ سبح اسم ربک کے بعد والا حصہ رہتا تھا، ان کے دل میں خیال آیا کہ آج رات قرآن سن کر صبح سویرے فلاں کام کے لیے فلاں جگہ روانہ ہو جاؤں گا (شیخ احمد کو خدا نے کشف کے ذریعہ ان کے ارادے اور آئندہ ان کے قرآن کی تکمیل کی خبر دیدی تھی اس لیے فرمایا) کہ مولانا آپ ابھی فلاں گاؤں چلے جائیں مگر مولانا اس خیال سے خاموش کھڑے رہے کہ اگر نفی میں جواب دیتا ہوں تو شیخ ناراض ہو جائیں گے، اور اگر چلا جاتا ہوں تو قرآن کریم پورا نہ سن سکوں گا، چنانچہ شیخ نے پھر حکم دیا کہ آپ فلاں گاؤں ابھی چلے جائیں، شیخ کے اس حکم پر مولانا سلام کر کے اس گاؤں کی جانب روانہ ہو گئے (جہاں ان کو جانا تھا، اس گاؤں کا نام قصبہ دولقہ تھا) چنانچہ مولانا قصبہ دولقہ میں پہنچے تو اس وقت عشاء کی نماز کا وقت ہو چکا تھا اس لیے وضو کر کے فوراً مسجد میں چلے گئے، امام کے ساتھ عشاء کے فرض پڑھے پھر سنتیں پڑھیں اس کے بعد نماز تراویح کھڑی ہوگئی تو امام نے سورۂ سبح اسم

ربک الخ ہی سے نماز تراویح پڑھانا شروع کی، مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے سبح اسم ربک سے پہلے پورا قرآن شریف تراویح میں سن ہی لیا تھا اب اس امام کے پیچھے اسی ترتیب سے شروع ہو گیا (اور مولانا کی ترتیب میں کوئی خلل نہ آیا) پھر مولانا اپنے کام سے فارغ ہو کر اس گاؤں سے واپس تشریف لائے اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ حضرت معاف فرمانا میں نے آپ کے حکم کی تعمیل میں ذرا تامل اس لیے کیا تھا کہ مجھے اس بات کا خطرہ تھا کہ کہیں تمام قرآن سننے کی سعادت سے محروم نہ رہ جاؤں اس لیے کہ سبح اسم ربک کے بعد والا حصہ ابھی تک باقی تھا خیال تھا کہ آج رات اس حصہ کو سن کو صبح سویرے روانہ ہو جاؤں گا، شیخ احمد نے فرمایا کہ مولانا! تمہارے کسی دنیاوی کام کی وجہ سے شیخ دینی کام میں نقصان واقع نہیں ہونے دیگا، درویشوں کو (خدا تعالیٰ بسا اوقات) کام کے انجام سے پہلے ہی واقف کر دیا کرتے ہیں، چونکہ دولقہ کا امام مسجد قرآن کریم کو سبح اسم ربک سے پڑھنے والا تھا اس لیے ہم نے آپ کو کہہ دیا تھا کہ تم فوراً دولقہ چلے جاؤ (دنیاوی کام بھی ہو جائے گا، اور دینی کام میں بھی کوئی فرق نہ آئے گا) آئندہ اس بات کا اہتمام کرنا کہ درویش جو بات کہے اس کی تعمیل میں تامل نہ کرنا۔

سلطان احمد گجراتی نے شہر احمد آباد کی بنیاد رکھی تھی اس کے زمانہ سلطنت میں شیخ احمد کھتو کی بزرگی کا آفتاب اپنی پوری جولانیوں اور درخشانیوں سے لوگوں کو منور کر رہا تھا۔

گجرات کی حکومت کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ سلطان محمد بن سلطان فیروز دہلوی نے یہ سنا کہ گجرات کے اندر کافروں نے فتنہ وفساد کا بازار خوب گرم کر رکھا ہے اور گجرات کا وہ حصہ جو دریا کی سمت ہے وہاں ایک قطعہ ہے جس کو وہ لوگ دیوپٹن کہتے ہیں، وہاں انہوں نے ایک تبخانہ بنا رکھا ہے جسے وہ لوگ سومنات کہتے ہیں اور اس علاقہ کا سابق گورنر نظام مفرح بھی حکومت کی بغاوت پر کمر بستہ ہو چکا ہے اور کنتھایت کے علاقہ میں آزادی سے سلطنت کر رہا ہے، اور سب سے زیادہ افسوسناک یہ بات تھی کہ وہ بھی مسلمانوں کو بہت ستا رہا تھا اور ان کے اموال، دولت، سامان تجارت جبراً چھین رہا تھا۔

سلطان فیروز کو جب دہلی میں یہ اطلاع ملی تو اس نے فوراً ہی اپنے ایک امیر فوجی افسر ظفر خاں کو گجرات کی جانب روانہ کر دیا تا کہ شریر اور بدمعاش لوگوں کے شر کو فرد کر دیں، ظفر

خان وہ شخص تھا جس نے گجرات اور اس کے اردگرد کے متعدد علاقوں کو فتح کیا تھا، اس نے بادشاہ کے حکم میں ذرا تامل نہ کیا اور فوراً تعمیل کے لیے تیار ہو گیا (وہاں پہنچ کر ان کو خوب کامیابی ہوئی) تو تھوڑے دنوں بعد ظفر خاں کے بیٹے نے اپنا لقب محمد شاہ رکھا اور ۸۰۶ ہجری میں گجرات کے بادشاہ ہونے کا اعلان کردیا، ابھی اس کی سلطنت کے کچھ ہی دن گزرے تھے کہ اس نے دہلی پر حملہ کرنے کی تیاریاں کردیں لیکن خدا کی قدرت سے اسی دن مرگیا، محمد شاہ کی وفات کے دن ۸۰۶ ہجری میں ظفر خاں پھر گجرات آیا اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر کے اپنا لقب مظفر شاہ رکھا، چنانچہ انہوں نے گجرات میں تین سال آٹھ مہینے سلطنت کی، اس کے بعد اس کا پوتا سلطان احمد بادشاہ ہوا، اسی نے شہر احمد آباد کی بنیاد رکھی تھی، اس نے بتیس برس چھ ماہ حکومت کی، اس کے بعد اس کی اولاد میں سے لوگ بادشاہ بنتے رہے جن کے اب نام محفوظ نہیں ہیں، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

۸۱۰ ہجری میں شہر احمد آباد بسا اور اس کی بنیاد رکھی گئی اور ۸۱۲ ہجری میں جامع مسجد کی بنیاد رکھی گئی جس کے عدد ''خیر و بخیر'' کے لفظ سے نکلتے ہیں۔

قطب عالم رحمۃ اللہ علیہ

۸۰۱ھ.........................۸۵۷ھ

آپ مخدوم جہانیاں سید جلال بخاری کے پوتے تھے، اپنے آبائی وطن سے منتقل ہو کر گجرات میں آکر مقیم ہوئے اور پھر گجرات ہی کو اپنا جدید وطن بنالیا تھا، آپ کا نام سید برہان الدین تھا اور قطب عالم کے لقب سے مشہور تھے، احمد آباد سے چھ ۶ میل کے فاصلہ پر ایک قصبہ بتوہ ہے وہاں آپ کا مزار ہے آپ نے ۸۵۷ ہجری میں انتقال فرمایا جس کے اعداد ''مطیع یوم الترویہ'' سے نکلتے ہیں۔ آپ کے مزار پر ایک پتھر پڑا ہے جس کے اندر پتھر، لوہے، لکڑی تینوں چیزوں کے اوصاف پائے جاتے ہیں، کسی شخص کو صحیح طور سے یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ کس چیز کا ہے، اگر آپ اسے ابتداً دیکھیں تو آپ کو پتھر معلوم ہوگا، پھر ذرا غور سے دیکھیں تو لوہا اور مزید غور کرنے پر لکڑی معلوم ہوگا، غرضیکہ لوہا، لکڑی، پتھر تینوں کے اوصاف اس کے اندر موجود ہیں اور اس کے کسی حصہ کو جدا اور علیحدہ بھی نہیں کیا جاسکتا، یہ

ایک عجیب چیز ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے (اس عجیب پتھر کے بارے میں روایت یوں نقل کی جاتی ہے) کہ ایک دن آپ پانی میں چل رہے تھے کہ اس دوران میں آپ کے پاؤں میں کوئی چیز چبھی، لوگ اس کو نکال کر لائے تو آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ تو لوہا ہے یا پتھر یا لکڑی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر تینوں صفتیں جمع کر دیں۔

شاہ عالم رحمۃ اللہ علیہ

۸۲۵ھ..............۸۸۰ھ

آپ قطب عالم کے بیٹے تھے، آپ کا نام شاہ منجھن لقب شاہ عالم تھا، آپ کی قبر احمد آباد میں ہے، آپ کا روضہ اس علاقہ کے رہنے والے لوگوں کی زیارت گاہ ہے اور ایک ایسے پاکیزہ، بلند لطیف اور نظیف علاقہ میں واقع ہے جو بہت کشادہ اور وسیع خطہ ہے، جمعرات کو شہر کے اچھے اور برے سبھی لوگ آپ کے مزار پر جاتے اور رات بھر وہیں رہتے ہیں۔

مشہور ہے کہ شاہ عالم کی تصوف اور سلوک میں کچھ عجیب سی حالت تھی، اکثر اوقات آپ پر مستی کا عالم چھایا رہتا تھا کبھی کبھی ریشمی لباس بھی پہن لیا کرتے تھے، اور ملامتیہ فرقے کے پیرو کار نظر آتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ کی ولایت پر کھلے اور واضح دلائل موجود تھے اور شیخ احمد کھتو آپ کی تربیت وارشاد کے ذمہ دار تھے، آپ کثیر الکرامات بزرگوں میں تھے، ۸۸۰ ہجری میں آپ نے وفات پائی جس کے عدد کو لفظ ''فخر'' ظاہر کرتا ہے، شیخ قطب عالم اور شاہ عالم کے کچھ خلفاء بھی احمد آباد میں مدفون ہیں، گجرات کے مشہور شہر پٹن میں خاص طور پر شیخ نظام الدین اولیاء کے مشہور خلیفہ شیخ حسام الدین ملتانی کا مزار بہت مشہور ہے جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے، یہ علاقہ ایسا ہے کہ یہاں سے عشق ومحبت کی خوشبو آتی ہے اور اس کے جنگلوں اور کھنڈروں سے ولایت کی برکت کے انوار درخشاں معلوم ہوتے ہیں، یہ شہر ہمیشہ اہل دل کی آماجگاہ ہے اس لیے آج بھی اس میں اہل دل بستے ہیں۔

شعر

بہر زمیں کہ نسیمے ز زلف او زدہ است   ہنوز از سر آں بوئے عشق می آید

غرضیکہ آپ اپنے وقت کے علماء اور مقبولان درگاہ رب العلیٰ لوگوں میں سے تھے اور

آپ کی برکات کے اثرات ابھی تک اس شہر میں نظر آتے ہیں۔

داور الملک رحمۃ اللہ علیہ

۹۵۲ھ.........................۱۰۳۱ھ

آپ کا نام عبداللطیف تھا (آپ سپاہیانہ ذہن کے آدمی تھے) اس لیے عام لوگوں کے اندر رہتے ہوئے بھی سپاہیانہ لباس پہنا کرتے تھے، آپ خصوصی اوصاف کے حامل تھے، آپ کی عظمت وقبولیت کے بے شمار آثار آپ کے اندر موجود تھے، گجرات میں ایک جگہ جونا گڑھ ہے، وہاں آپ کی قبر ہے، گجرات اور دکن کے علاقہ کے اکثر لوگ ہر سال آپ کی زیارت کے لیے جمع ہوا کرتے ہیں، اندھے اور بیمار قسم کے لوگ خصوصاً آتے رہتے ہیں، جس طرح دہلی میں شیخ بہلیم کی ولایت و بزرگی کا شہرہ ہے اسی طرح گجرات میں آپ مشہور ہیں، شیخ بہلیم کے ذریعہ آپ کے صرف اتنے ہی حالات معلوم ہو سکے کہ جب اسلامی جنگ لڑی جا رہی تھی تو آپ سب سے پہلے فوج میں داخل ہوئے اور کفار سے لڑتے لڑتے بالآخر شہید ہو گئے، اس کے علاوہ بھی آپ کے بہت سے حالات لوگوں میں مشہور ہیں۔

تاریخ فیروز شاہی میں ہے کہ آپ کا نام دراصل سپہ سالار مسعود غازی تھا، آپ سلطان محمود غزنوی کے ساتھ کے غازی تھے، سلطان محمد تغلق جب بہرائچ جاتا تو آپ کے مزار مقدس کی ضرور زیارت کیا کرتا تھا اور وہاں کے مجاوروں کو بہت مال دیا کرتا تھا۔

آپ سے خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہونے کا تاریخ میں کوئی ثبوت نہیں ملتا، اور آپ کے ملفوظات میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں، اور یہ جو مشہور ہے کہ آپ کو جھنڈیاں بہت پسند تھیں اسی لیے لوگ آپ کے مزار پر جھنڈیاں لاتے ہیں، یہ سب زمانہ حال کی پیداوار اور بدعت ہے۔ آپ گجرات کے علاقے کے بڑے کامل ولی تھے، (اس لیے یہ کہنا کہ آپ کو جھنڈیاں پسند تھیں آپ کی ولایت کا انکار کرنا ہے۔)

قاضی محمود رحمۃ اللہ علیہ

۸۴۶ھ.........................۹۲۵ھ

آپ صاحب سکر اور صاحب ذوق بزرگ تھے، عشق ومحبت آپ کا مشرب تھا اور

حلاوت آپ کی کیفیت تھی، ہندی زبان میں آپ نے بہت سی کافیاں لکھی ہیں، جو اس علاقہ کے نعت خواں اکثر پڑھتے رہتے ہیں، یہ کافیاں لوگوں میں بے انتہا مقبول ہیں، موثر ہونے کے علاوہ بڑی بے تکلفانہ انداز اور زبان میں ہیں، آپ کے تمام کلام میں عشق بھرا ہوا ہے۔

منقول ہے کہ جب آپ کا انتقال ہوگیا تو دفن کرتے وقت آپ کے والد بزرگوار نے آپ کے منہ سے کپڑا ہٹا کر دیدار کیا تو آپ آنکھیں کھول کر ہنسنے لگے، یہ حالت دیکھ کر آپ کے والد نے فرمایا کہ بابا محمود! یہ بچوں جیسی ادا کیسی؟ چنانچہ اتنا سننے کے بعد آپ نے آنکھیں بند کرلیں، آپ نے اپنے ابتدائی دور میں جیسے بڑے رئیس لوگ اور بڑے مشائخ ٹھاٹ باٹ سے رہا کرتے ہیں اسی انداز سے زندگی گزاری اور یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ سلطان مظفر بن سلطان محمود کی حکومت تھی۔

آپ ۹۲۰ ہجری میں اپنے آبائی وطن قصبہ سرپور علاقہ گجرات میں تشریف لے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کی، آپ کا مزار بھی اسی قصبہ میں ہے، آپ اپنے علاقہ کے متاخرین مشائخ میں سے تھے۔

شیخ وجیہ الدین رحمۃ اللہ علیہ

۸۹۵ھ ۹۹۷ھ

آپ بڑے معمر اور کامل ولی اللہ تھے، جامع کمالات و برکات ریاضت بہت کیا کرتے تھے، تصنیف و تالیف اور طالب علموں کی تربیت و ہدایت آپ کے محبوب مشغلے تھے، آپ نے اکثر کتب کے حواشی اور شروح بھی لکھی ہیں، شہر کے عام لوگوں جیسا لباس پہنتے تھے، علم سلوک میں آپ کو شیخ محمد غوث سے عقیدت اور نسبت حاصل تھی لیکن بیعت کسی اور بزرگ سے تھے، ۹۹۷ ہجری میں آپ کی وفات ہوئی اور اپنی خانقاہ کے صحن ہی میں دفن کیے گئے۔

میں (شیخ عبدالحق دہلوی مؤلف اخبار الاخیار) جب دیار حبیب کی زیارت کے لیے حجاز جارہا تھا تو راستہ میں گجرات پڑتا تھا، چنانچہ میں نے وہاں شیخ وجیہ الدین کی زیارت کا شرف حاصل کیا، آپ سلسلہ قادریہ کے اکثر طور پر اذکار کیا کرتے تھے، اس وقت آپ کے حقیقی بیٹے شیخ عبداللہ آپ کے جانشین ہیں جو بڑے باعلم، بردبار اور ریاضت و ہمت اور

پاکدامنی میں یکتائے زماں اور درویشوں کے تمام اخلاق واوصاف کے حامل ہیں۔

شیخ علاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ

۵۸۹ھ.......................۶۳۰ھ

آپ قریشی تھے، اور گوالیر میں رہتے تھے، سید محمد گیسو دراز کے مرید اور خلیفہ تھے، ظاہری اور باطنی علوم میں کامل دسترس رکھتے تھے، سید محمد گیسو دراز کو جب فراست سے آپ کے باطنی حالات معلوم ہوئے تو آپ کو ترک دنیا اور مخلوق سے جدا رہنے کا حکم دیا، چنانچہ آپ آخر وقت تک خلوت نشین رہے، اور مخلوق سے علیحدگی کا عالم یہ تھا کہ آپ نے اپنے خادم کو اس بات پر مامور کر دیا تھا کہ وہ تمام گھر کا کچرا، کوڑا کرکٹ اکٹھا کر کے دروازے پر پھینک دیا کرتے تاکہ لوگوں کو یہاں آبادی کا وہم وگمان تک بھی نہ ہو سکے اور ان کے آنے سے شیخ کے اوقات خراب نہ ہونے پائیں محمد آباد عرف کالپی میں آپ کا مزار ہے جس کی زیارت کر کے لوگ برکت حاصل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

شیخ ابوالفتح علائی قریشی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۹۳ھ.......................۱۴۶۴ھ

آپ بھی سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ تھے آپ کو ظاہری اور باطنی علوم میں مکمل دسترس حاصل تھی، اپنے شیخ سے عوارف المعارف وغیرہ کتب پڑھ کر پھر خلافت حاصل کی، آپ نے کئی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے علم نحو میں ''تکمیل'' اور تصوف میں ''مشاہدہ'' مشہور ہیں، اس کے علاوہ بھی آپ کی کئی تصنیفات ہیں، آپ کا مزار بھی کالپی میں ہے۔

شیخ سراج سوختہ رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۳۱ھ.......................۱۴۰۲ھ

آپ قرآن کریم کے حافظ تھے، اوائل عمر میں مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے اور برسوں تک وہاں کی امامت کے فرائض انجام دیتے رہے، دوسرے ائمہ جو علوم ظاہری حاصل کر چکے تھے وہ جب مخدوم جہانیاں کی عنایات اور نوازشات کی آپ پر بارش

ہوتے دیکھتے تو آپ پر رشک کرتے تھے، چنانچہ مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے لوگوں سے فرمایا کہ سراج جب تک خانہ کعبہ کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ نہیں کر لیتے اس وقت تک تکبیر تحریمہ نہیں کہتے، مشہور ہے کہ بہت سی کرامات اور خوارق عادات آپ سے خود بخود معرض وجود میں آتی رہتی تھیں، اگرچہ آپ ان کو مخفی رکھنے کی بے حد کوشش کرتے تھے۔

منقول ہے کہ شاہ مدار شیخ سراج کے زمانہ میں ہرمز سے کالپی تشریف لائے، ان کے پاس لوگوں کا ایک جم غفیر ہمیشہ جمع رہتا تھا چنانچہ وہ چند ہی دنوں میں اس علاقے کے اندر بہت مشہور ہو گئے، شاہ مدار کی کچھ باتیں بظاہر خلاف شرع تھیں، اسی زمانہ میں قادر شاہ ابن سلطان محمد جو سلطان فیروز شاہ تغلق کے خاندان سے تھے وہ اپنے والد کے انتقال کے بعد اس علاقہ کے حاکم اعلیٰ مقرر ہوئے تھے وہ شاہ مدار کی شہرت سن کر ملاقات کے لیے شاہ مدار کی قیام گاہ پر آیا، خادموں نے قادر شاہ سے کہہ دیا کہ اس وقت شاہ مدار سے ملاقات ناممکن ہے کیونکہ وہ ایک درویش کے ساتھ تنہائی میں گفتگو کر رہے ہیں، یہ سن کر قادر شاہ نے شاہ مدار کے خادموں سے کہہ دیا کہ شاہ مدار سے کہہ دینا کہ وہ ہمارے شہر سے چلا جائے، یہ کہہ کر قادر شاہ اپنے گھر آ گیا چنانچہ جب شاہ مدار کو شاہی حکم کی اطلاع ہوئی تو وہ اس شہر سے نکل کر ندی پار چلے گئے اور نکلتے وقت قادر شاہ کے لیے بددعا بھی کر دی، چنانچہ آپ نے اپنے خادموں سے کہا کہ تین دن کے بعد مجھے بادشاہ کی کیفیت سے مطلع کرنا، جب شاہ مدار ندی پار چلے گئے تو قادر شاہ بادشاہ کے جسم پر پھنسیاں نکل پڑیں جس کی سوزش سے قادر شاہ بیتاب ہو کر شیخ سراج سوختہ کے پاس آیا، شاہ مدار نے اپنا کرتہ اتار کر قادر شاہ کو پہنایا، چنانچہ پھنسیاں اسی وقت ختم ہو گئیں اور کوئی سوزش باقی نہ رہی شاہ مدار کے ارادتمندوں نے جب دیکھا کہ قادر شاہ نے شاہ مدار سے پناہ حاصل کر لی ہے تو وہ تین روز تک انتظار کر کے ندی پار چلے گئے اور شاہ مدار کو تمام حالات بتلا دیئے اس کے بعد شاہ مدار جونپور چلے گئے اور پھر وہاں سے قنوج کے ایک قصبہ لکن پور میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

شیخ بدیع الدین مدار رحمۃ اللہ علیہ

۷۷۱ھ ۸۵۱ھ

لوگ آپ کے متعلق بڑے بڑے عجیب و غریب واقعات نقل کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ آپ سمندر میں رہا کرتے تھے جو صوفیوں کا ایک مقام ہے، آپ نے بارہ سال تک کھانا نہیں کھایا، ایک بار جس کپڑے کو پہنتے پھر دھونے کی غرض سے اتارتے نہ تھے، اکثر کپڑے سے چہرہ ڈھانپے رہتے تھے، آپ کے چہرہ پر جس کی نظر پڑ جاتی تو وہ بے اختیار ہو کر آپ کی غایت درجہ تعظیم و تکریم کرتا۔

کہتے ہیں کہ عمر کے طویل ہونے یا کسی اور وجہ سے آپ کا سلسلہ پانچ یا چھ واسطوں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک مل جاتا ہے اور سلسلہ مداری کے بعض لوگ تو آپ کو بغیر کسی واسطہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیتے ہیں، بعضے کچھ اور کہتے ہیں لیکن یہ سب باتیں حدود شریعت سے خارج اور بے اصل ہیں واللہ اعلم بالصواب۔

قاضی شہاب الدین دولت آبادی بھی آپ ہی کے ہمعصر تھے، ایک خط کے متعلق لوگوں میں بہت مشہور ہے کہ یہ خط شاہ بدیع الدین نے قاضی شہاب الدین کو لکھا تھا اور جو کچھ شیخ سراج سوختہ کے متعلق لکھا گیا ہے وہ کالپی کے بعض بڑے فضلاء سے منقول ہے، یہی فضلاء فرماتے ہیں کہ اس خط کا قصہ ہمارے دیار میں بھی مشہور ہے لیکن یہ بلا سند بات ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

شیخ سخائی رحمۃ اللہ علیہ

۸۹۴ھ ۹۷۵ھ

آپ صاحب کشف و کرامات اور بڑے بابرکت بزرگ تھے سلسلہ سہروردیہ کے پیرو اور شیخ نور الدین کے معاصر تھے منقول ہے کہ ایک روز شیخ سخائی کے دل میں آیا کہ اس جگہ ایک قطب قیام کرے گا، اس کے بعد آپ نے ایک دن ایک محفل کے انعقاد کا انتظام کیا اور اس میں شیخ نور الدین قطب کو دعوت دی اور کہلا بھیجا کہ میرے دل میں خیال آیا تھا کہ اس جگہ ایک قطب کا نزول ہوگا، اور چونکہ اس زمانہ میں آپ کے ماسوا اور کوئی قطب نہیں لہٰذا

مہربانی فرما کر غریب خانہ پر تشریف لائیں، شیخ نورالدین آپ کی دعوت قبول کر کے آپ کے گھر تشریف لے گئے، کھانا کھانے کے بعد غزالخواں آ گئے شہر کے بڑے بڑے اولیاء کرام، مفتیانِ عظام اور قضاۃ وغیرہ بھی موجود تھے، جب سماع کی محفل شروع ہوئی تو شہر کے قاضی صدر جہاں کھڑے ہو کر فرمانے لگے کہ سماع ناجائز ہے، یہ کہہ کر اس محفل سے چلے گئے، ان کے بعد مفتیانِ کرام اور دوسرے لوگ جو سماع کے عدم جواز کے قائل تھے وہ بھی اٹھ کر چلے گئے، مولانا تاج الدین اسیجابی شیخ علاؤ الحق کے داماد جو بڑے سمجھدار عالم تھے بیٹھے رہے اور غزل خواں کو منع کیا مگر ان کا منع کرنا بے سود رہا اور نعت خواں بار بار اس شعر کو پڑھ رہے تھے۔

شعر

آں سوار کج کلاہ کز ناز سلطان منست

بس خرابیہا کز و برجانِ و یرانِ منست

شیخ نورالدین اس شعر میں لطف اٹھا کر جھوم رہے تھے، سماع کے دوران ہی میں مولانا تاج الدین نے سماع کے عدم جواز پر بحث شروع کی، آپ کو شیخ نورالدین جواب دیتے رہے لیکن جب مولانا نے شور مچانا شروع کر دیا تو شیخ نورالدین کو غصہ آ گیا اور فرمایا کہ مولانا آپ کے لیے اتنی شوخی مناسب نہیں، اس کے بعد مولانا بھی اس محفل سے اٹھ کر اپنے گھر چلے گئے، جب گھر آئے تو ان کے تمام بدن پر پھنسیاں نکل آئیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے غضب سے محفوظ رکھے۔

مولانا نقی الدین اودھی رحمۃ اللہ علیہ

۷۷۵ھ............۸۳۵ھ

آپ بڑے متقی بزرگ تھے، آپ کا معمول تھا کہ رات کے آخری حصہ میں اپنے وظائف کی کتاب لے کر گھر سے نکل جاتے اور دن بھر کسی (پوشیدہ) جگہ بیٹھ کر اس کے ذکر میں مشغول رہتے اور پھر جب شام ہوتی تو اپنے گھر واپس آ جایا کرتے تھے۔

منقول ہے کہ ایک دن چند ابدال آپ کے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے کہ مولانا

آپ تو ہمارے ساتھ رہیں، آپ نے فرمایا کہ بال بچوں کی ذمہ داریاں میرے اوپر ہیں اس لیے آپ جیسے لوگوں کے ساتھ جو گھر کے غم سے بھی مستغنی ہوں میرا ساتھ نہیں ہوسکتا۔

منقول ہے کہ مولانا کے پاس ایک زرخرید لونڈی تھی، ایک دن اس کو اپنے بچے یاد آگئے (جس کی وجہ سے وہ افسردہ اور آبدیدہ تھی) چنانچہ اسے آدھی رات کو اپنے گھر سے باہر لے گئے اور کہا کہ تم اپنے گھر چلی جاؤ، جب صبح ہوئی تو آپ کی بیوی نے کہا کہ ہماری لونڈی موجود نہیں وہ کدھر گئی، مولانا نے جب اسے تمام ماجرا سنایا تو وہ مولانا پر بہت خفا ہوئیں، چند دنوں کے بعد وہ لونڈی اپنے بچوں اور خاوند سمیت واپس آئی اور مولانا کے قدموں پر گر کر کہنے لگی کہ مولانا ہم تمام آپ کے غلام ہیں، مولانا نے فرمایا کہ میں نے تم سب کو آزاد کر دیا۔ اللہ کی آپ پر رحمتیں ہوں۔

شیخ رفقۃ الدین رحمۃ اللہ علیہ

۸۳۰ھ.........................۸۹۹ھ

آپ شیخ نورالدین قطب عالم کے بڑے صاحبزادے تھے آپ بڑے منکسر المزاج اور صاحب حال بزرگ تھے، شیخ حسام الدین مانک پوری شیخ رفقۃ الدین کا یہ مقولہ نقل کیا کرتے تھے کہ "واللہ میں ایک بازاری کتے سے بھی بدتر ہوں۔"

ایک دفعہ میں (مؤلف اخبار الاخیار) نے یہ واقعہ اپنے والد بزرگوار سے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے بھی اپنی تمام عمر اسی کلمہ کے موافق گزاری ہے اللہ تعالیٰ ان پر اور عارف باللہ لوگوں پر اپنی رحمتیں فرمائے۔

شیخ انور رحمۃ اللہ علیہ

۸۳۳ھ.............۸۹۸ھ

آپ شیخ نور کے چھوٹے صاحبزادے، بڑے سخی اور بزرگ تھے، بکریاں خرید کر ان کو پالتے، جب وہ خوب فربہ اور موٹی تازہ ہو جاتیں تو ذبح کر کے فقیروں کو کھلا دیتے تھے اور اس میں سے خود کچھ بھی نہ کھاتے، شیخ حسام الدین اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ مخدوم زادہ شیخ انور سے میں نے ایک دن پوچھا کہ عشق کسے کہتے ہیں؟

آپ نے فرمایا کہ جو لوگ آنکھوں والے ہیں وہ آنکھیں کھول کر دیکھتے ہیں کہ دوست یا خیال دوست یا پیام دوست آرہا ہے، فی الواقع آنکھوں والے یہی لوگ ہیں وگرنہ وہ اپنی آنکھوں کو کس لیے کھولتے ہیں۔

میر سید اشرف سمنانی رحمۃ اللہ علیہ

۷۷۰ھ..........۸۷۱ھ

لوگ آپ کو سید جہانگیر کہا کرتے تھے، آپ صاحب کرامت وتصرف اور بڑے کامل ولی اللہ تھے، آپ سید علی ہمدانی کے رفیق سفر رہے تھے بالآخر ہندوستان آکر شیخ علاؤ الدین کے مرید ہوئے، مرید ہونے سے قبل ہی آپ کشف وکرامت کے مقامات علیا حاصل کرچکے تھے، حقائق اور توحید کے بارے میں بڑی بلند باتیں بیان فرمایا کرتے تھے، آپ کے مکتوبات بڑی عجیب وغریب تحقیقات کے مجموعے ہیں، آپ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے معاصر تھے، قاضی صاحب نے آپ سے فرعون کے ایمان کے متعلق جس کا فصوص الحکم میں بھی اشارہ کیا ہے، تفصیلی گفتگو کر کے حقائق معلوم کرنے چاہے، چنانچہ آپ نے قاضی صاحب کو اس سلسلہ میں ایک خط لکھا آپ کا مزار جونپور کے ایک گاؤں کچھوچھہ میں ہے، آپ کی قبر بڑا فیض کا مقام ہے، اور ایک حوض کے درمیان میں ہے، اس علاقہ میں جنات کو دور کرنے کے لیے آپ کا نام لے دینا بڑا نسخہ ہے آپ کے ملفوظات بھی آپ کے ایک مرید نے جمع کئے ہیں۔

مکتوب ۲۲

برادر عزیز جامع العلوم قاضی شہاب الدین! آپ کے دل کو اللہ تعالیٰ نور یقین سے منور فرمائیں، درویشانہ دعا اور فقیرانہ مدحت وثناء فقیر اشرف سے قبول فرمائیں، آپ کا مکتوب جس میں بہت سی باتوں کے ساتھ ساتھ فرعون کے بارے میں آپ نے استفسار کیا ہے ملا، یہ وہی استفسار ہے جس کا جواب فصوص الحکم میں دیا گیا ہے، سو فصوص الحکم میں اس مسئلہ کے متعلق دس مقامات پر دس ۱۰ جوابات دیئے گئے ہیں، اصل میں یہ ایسے مشکل ترین مقامات ہیں جس میں شرح کرنے والے الجھ گئے، اور اصل بات تک نہیں پہنچ سکے۔

حضرت شیخ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرعون جو پانی میں ڈوبنے اور ہلاکت کے خوف سے ایمان لایا تھا یہ ایمان معتبر نہیں اور اس ایمان کی وجہ سے فرعون کو مومن نہیں کہا جا سکتا، اس لیے ایمان تو وہ معتبر ہوتا ہے جو دوزخ کے احوال اور خروی نکال کی اطلاع ملنے پر لایا جائے اور فرعون کا ایمان اس طرح کا نہ تھا کیونکہ وہ تو غرق ہونے اور خراب ہو جانے کی وجہ سے ایمان لا رہا تھا جیسا کہ قیصری میں ہے کہ فرعون نے جب سمندر میں ایک وسیع اور چوڑا راستہ دیکھا جس سے بنی اسرائیل سمندر کی دوسری جانب چلے گئے تھے تو وہ غرغرہ لگنے سے پہلے اور آخرت کی ان چیزوں کو مشاہدہ کرنے سے پہلے ایمان لایا جن کو عموماً لوگ غرغرہ کی کیفیت میں دیکھتے ہیں اس اعتبار سے فرعون کا ایمان معتد بہ اور صحیح ہوگا کیونکہ وہ غرغرہ سے پہلے ایمان لایا تھا نہ کہ آخرت کے عذاب کو دیکھ کر جیسا کہ ایمان خوف ہوتا ہے، چنانچہ جو کافر قتل سے بچنے کی غرض سے ایمان لائے تو اس کا ایمان بلا اختلاف درست ہے۔

فصوص الحکم میں ہے کہ فرعون کی بیوی نے موسیٰ علیہ السلام کی بارے میں فرعون سے کہا کہ وہ میری اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، تو فرعون کی بیوی کی آنکھوں کی ٹھنڈک سے تو اس کا کمال مراد ہے اور فرعون کی آنکھوں کی ٹھنڈک سے اس کا ایماندار ہونا مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو بوقت غرق عطا کیا تھا اور اس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا سے پاک وصاف کر کے قبض کر لیا اس لیے کہ وہ ایمان لانے کے بعد کسی گناہ کا مرتکب نہیں ہوا اور پھر اس کو اپنی قدرت کی ایک نشانی بنا دیا تاکہ میری رحمت سے کوئی ناامید نہ ہو اور اللہ کی رحمت سے تو کافر لوگ ہی ناامید رہتے ہیں، اگر فرعون بھی ان لوگوں سے ہوتا جو اللہ کی رحمت سے ناامید ہوتے ہیں (کافر لوگ) تو وہ ہرگز ایمان نہ لاتا، پھر فرعون کی عورت نے فرعون سے کہا تھا کہ یہ تیری اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل مت کرو، بہت ممکن ہے کہ یہ ہمارے لیے مفید ثابت ہو اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ کیا تو اب ایمان لاتا ہے حالانکہ اس سے پہلے تو گناہوں میں شرابور تھا تو یہ محض عتاب کے طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا، اس سے اس کے ایمان کی نفی ہرگز ثابت نہیں ہوتی، قیامت کے دن گناہگاروں کو دوزخ میں ڈالنے اور دوزخ کو بدترین مقام قرار دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایمان اور دوزخ میں منافات ہے اور فرعون کے کفر پر کوئی صریح نص موجود نہیں اور جن دلائل میں اس کے کفر کا تذکرہ ہے وہ تو اس کے

ایمان لانے سے پہلے کے واقعات کے بطور حکایت کے بیان کیا گیا ہے، ایمان کا فائدہ یہ ہے کہ خود فی النار نہیں ہوگا، البتہ اس نے جتنے مظالم اور معاصی کیے ہیں ان تمام کی اس کو سزا دی جائے گی اور شیخ اس آخری بات کا انکار نہیں کرتے (یعنی اس کا کچھ دنوں کے لیے معذب ہونا) اور شیخ ان تمام باتوں میں مامور تھے کیونکہ جو کچھ بھی انہوں نے اس خط میں لکھا ہے وہ تمام کا تمام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ہی سے لکھا ہے اس لیے وہ معذور ہیں جیسا کہ منکر مغرور معذور ہوتا ہے اور شیخ کا یہ فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی قدرت کی علامت بنا دیا یہ اشارہ ہے اللہ کے اس قول کی طرف۔

فالیوم ننجیك ببدنك ای مع بدنك من العذاب بوجود الایمان الصادر منك بعد العصیان	آج سے ہم نے تیرے بدن کو محفوظ کر دیا یعنی تجھ کو تیرے بدن سمیت کفر کے بعد ایمان لانے کی وجہ سے بچالیا۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر مومن اور کافر کو جاننے والا ہے۔

برادر عزیز، فاضل جلیل! میں خدا تعالیٰ کی عنایت سے اور آپ حضرات کی دعا سے صوفیاء کا مشرب رکھتا ہوں، اس بات کو ہمیشہ پیش نظر رکھا جائے کہ کوئی شخص خدا تعالیٰ کی عنایت اور دستگیری کے بغیر کوئی بلند درجہ حاصل نہیں کرسکتا، آپ کو جو کچھ بزرگی حاصل ہے وہ سب اللہ کی مہربانی ہے اور اللہ اپنی عنایت ومہربانی جس پر چاہتا ہے مبذول کرتا ہے، تصوف اور عزت والے علم کے بارے میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص جاہل ہو اور تصوف وشریعت کے علم سے ناآشنا ہو اس کے لیے خاتمہ بالکفر کا شدید خطرہ ہے، اہل علم حضرات پر خدا کی یہ مہربانی ہے کہ وہ کم از کم اللہ اور رسول کی تصدیق کرتے اور شریعت کے احکام کو مانتے ہیں، شرک خفی کے دریا کی متلاطم موجوں سے نکلنے کے لیے توحید ورسالت کو ماننا ہی بہترین عقیدہ ہے، مشائخ چشت نے جو کچھ فرمایا ہے اور جسے میں بتا بھی چکا ہوں اسے تم روز مرہ کا معمول بنالو اس کے بعد جو کچھ ظاہر ہو وہ ہمیں لکھ بھیجو تا کہ اس کے موافق شیطان کے وساوس سے چھٹکارا دلانے کی کوئی سبیل کی جائے، اور جب بالمشافہ گفتگو ہوگی اس وقت بتلا دیا جائے گا، میرے خط پہنچنے سے پہلے شیخ رضی کا مکتوب آپ کو مل جائے گا جو انہوں نے سلطان ابراہیم کو لکھا ہے وہ غالباً اس کا مطالعہ کر چکے ہوں گے آپ کے اخلاق

عالیہ سے امید ہے کہ اس ضرب المثل کے موافق عمل کرو گے کہ مسلمان کے دل میں خوشیوں کا داخل ہونا سمندر کی مانند ہے اور عبادات قطرہ کی مانند ہیں اور اس پر بھی عمل کرو گے کہ جس نے اللہ کے راستہ میں اپنے قدموں کو غبار آلود کیا اس کے جسم پر اللہ تعالیٰ آگ حرام کردیتے ہیں، میں نے اپنی کوشش اور آپ کی رعایت کرنے میں کوئی طریقہ نہ چھوڑا۔

شعر

گر برآید کاری از دست کسے — بہ کہ در کارش زند صد دست و پا

کار باید کرد از روئے دل — کار او نبود، بود کارِ خدا

اس زمانہ کے درویشوں کے زخمی دل لوگوں کو معلوم ہے کہ جناب والا کو اس فقیر سے والہانہ الفت و محبت ہے اس لیے بھی ضرورت ہے کہ گاہ بگاہ آپ کو بیدار کرتا رہوں تاکہ آپ اپنے قیمتی اوقات کو ضائع نہ کیا کریں۔

شیخ فتح اللہ اودھی رحمۃ اللہ علیہ

آپ حکیم شیخ صدر الدین کے خلیفہ تھے، اوائل عمر میں آپ دہلی کے عالموں میں سے تھے اور کئی برس تک جامع مسجد دہلی کے نیچے منار شمسی کے مدرسہ میں مسند افادیت و تعلیم پر رونق افروز رہے، آخر کار حکیم شیخ صدر الدین سے بیعت ہوئے اور انہیں کے واسطہ سے سلوک کی منازل کو طے کیا۔

کہتے ہیں کہ آپ نے بے انتہا ریاضت کی لیکن عالم بالا کی روح پرور ہواؤں سے اچھی طرح محظوظ نہ ہو سکے، اپنی اس کیفیت کی آپ نے جب اپنے شیخ سے شکایت کی تو انہوں نے فرمایا کہ پڑھنا پڑھانا چھوڑ دو اور کتابوں کی دنیا کو اپنے دل سے نکال دو، چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا، البتہ چند عمدہ کتابیں اپنے پاس رکھ لیں، باب معرفت کھلنے میں جب دیر لگی تو اپنے وہ کتب جو اپنے پاس رکھی تھیں کسی کو دیدیں لوگوں نے دیکھا کہ جب آپ دریا کے کنارے بیٹھ کر کتابوں کے اوراق کو دھویا کرتے تھے تو آپ کی آنکھوں میں لگاتار آنسو جاری ہوا کرتے تھے چنانچہ بہت مدت تک آپ یوں کرتے رہے بالآخر آپ کے دل کی تختی ماسوی اللہ سے بالکل پاک وصاف ہوگئی اور ظاہری علم کے عوض میں باطن کے علم سے

نواز دیئے گئے۔

شیخ قاسم اودھی آپ کے ارادتمند اپنی کتاب آداب السالکین میں لکھتے ہیں کہ شیخ اپنے مریدوں اور دوستوں کو مندرجہ ذیل اشیاء مرحمت فرمایا کرتے تھے۔

جانماز، تسبیح، کنگھا، عصا، قینچی، سوئی، لوٹا، کاسہ، نمکدان، طشت، جوتا، کھڑاؤں۔ ان تمام چیزوں سے آپ کی ایک خاص مراد ہوا کرتی تھی چنانچہ جانماز سے اطاعت وعبادت میں ثابت قدمی۔

تسبیح سے دلجمعی، یعنی دل میں پریشان کن اور جو متفرق حالات تھے وہ سب جمع ہو گئے ہیں اور یہ تمام خطرات جمع ہو کر اب ایک خطرہ بن گیا ہے جس طرح کہ تسبیح کے تمام دانے اکٹھے ہو چکے ہیں۔

کنگھا سے شر وفساد کا دور ہو جانا مراد ہے،

عصا سے خدا تعالیٰ کی ذات پر اعتماد و بھروسہ مراد ہے،

قینچی سے دنیا کی خرابیاں اور برے خیالات کا ختم ہو جانا مراد ہے،

سوئی سے صورت ومعنی، ظاہر و باطن ایک طریقہ پر بنا لینا مراد ہے لیکن سوئی بغیر تاگے کے نہیں دیتے تھے،

شعر

سوزن درشتہ از پئے پیوند ! آں بدو ایں بدوست حاجتمند

لوٹا اور کاسہ سے یہ مراد ہوتا کہ فقیر اور درویش مال جمع نہیں کرتے بلکہ وہ ہمیشہ روٹی اور نام کے محتاج رہتے ہیں، اور جو کچھ خدا کی طرف سے ملے اسے فقیروں اور درویشوں کو کھلا دو اور پلا دو،

نمکدان وطشت اور آفتابہ سے آپ کی مراد یہ ہوتی تھی کہ بزرگوں کا ورع اور تقویٰ اس کے حوالہ کر دیا گیا ہے۔

جوتے اور کھڑاؤں سے ثابت قدمی اور ثبات علی الاسلام مراد ہوتا تھا، اور جب کسی کو کنگھی دیتے تو اسے کپڑے یا کاغذ میں لپیٹ کر دیا کرتے تھے، اس لیے کہ یہ بالوں کو جدا جدا کرنے والی چیز ہے (کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ اس سے جدائی اور علیحدگی پر دلالت کرنے

لگیں اس لیے بند کر کے دیتے ہیں) اور اسی طرح اگر کسی کو چاقو دیتے تو اسے بھی بند کر کے دیتے تھے اور اس کے ساتھ خربوزہ یا گوشت کا ٹکڑا بھی دیا کرتے تھے، اسی طرح لوٹا یا اسی کی مثل اور کوئی چیز دیتے تو اسے پانی سے بھر کر دیتے اور فرمایا کرتے کہ جب کنگھی کو کنگھی دان میں رکھا جائے تو اس کے دندانے اندر کی طرف ہونے چاہئیں کیونکہ کنگھی ہی بالوں کو جدا کرنے کے لیے بڑا آلہ ہے اس لیے جو آلہ تفریق کا سبب ہے اس کی دوری واضح کرنے کے لیے دندانے اندر کی جانب رہنا بہتر ہے۔

حضرت مسعود بک رحمۃ اللہ علیہ

آپ سلطان فیروز کے رشتہ داروں میں سے تھے، آپ کا اصلی نام شیر خاں تھا، عرصہ دراز تک غنی اور مالدار رہے اور امیروں جیسا لباس پہنتے تھے، اچانک خدا نے ان کے قلب کو اپنی جانب متوجہ کر لیا اور فقیروں اور درویشوں کی مجلس میں بیٹھنے لگے اور شیخ رکن الدین یمان رحمۃ اللہ علیہ ابن شہاب الدین امام کے مرید ہو گئے، (اس کے بعد آپ کی کیفیت یہ ہوتی کہ) اکثر اوقات مست رہا کرتے، خدا کی وحدت میں مست ہو کر مستانہ وار باتیں کیا کرتے، آپ کی طرح کسی گزشتہ بزرگ نے نہ مستی کا اظہار کیا اور نہ ہی حقیقت کے اسرار بیان کئے، آپ کی آنکھوں سے اکثر و بیشتر اشک و آنسو گرتے رہتے تھے اور وہ اتنے گرم ہوتے کہ اگر کسی کی ہتھیلی پر گرتے تو وہ اپنی ہتھیلی پر ان کی گرمی کو محسوس کرتا۔

آپ نے تصوف میں اکثر کتابیں بھی لکھی ہیں، ہمدانی کی تمہیدات کی طرح آپ کی بھی ایک کتاب تمہیدات کے نام سے ہے جس میں قصائد، اشعار اور غزل وغیرہ کے حقائق کو ظاہر کیا گیا ہے اور اکثر اشعار کے اندر امیر خسرو کو جواب دیا گیا ہے، آپ کے بہت سے اشعار میں فنی اعتبار سے کچھ خامیاں بھی ہیں مگر بعض اشعار ایسے لطیف و بہترین ہیں کہ جن کو پڑھنے والا پھڑک اٹھتا ہے، آپ کی ایک تصنیف اور بھی ہے جس کا نام مراۃ العارفین ہے اس میں فرماتے ہیں۔

ما نسخہ محمد مرسل فتادہ ایم زیرا کہ ہر ولی است بدیں نسخہ نبی

آپ کی قبر آپ کے پیر کے مقبرے میں خواجہ قطب الدین کے مزار کے قریب لاڈو کی سرائے میں ہے، یہ مقام باقی تمام آبادی سے جدا اور علیحدہ ہے، آپ مراۃ العارفین میں

لکھتے ہیں، زمانے کی زبان ناطق ہے اور غیب کی آنکھ شاہد ہے، ہم لوگ غائب تھے (پیدائش سے پہلے) اور اب موجود ہیں اور جو موجود تھے وہ اب غائب ہیں (یعنی فوت ہو گئے) ہم اپنے وجود کے اعتبار سے پیدا نہیں ہیں اور ہم کالعدم کے اعتبار سے ہویدا ہیں، اگر رموز سے پردہ اٹھا دینے کو عیب سمجھا جائے تو اپنے کو "ما" نہ کہو، یہ حروف ہیں جو پردوں کے برتن ہیں، اور نقطے اسرار و رموز کی حقیقت ہیں، اور جو سفیدی ہے یہ دل کی آنکھوں میں سیاہی پیدا کرتی ہے اور جو سیاہی ہے یہ دل کی سیاہی کا سبب بنتی ہے، نور تو فی الواقع وہ ہے جو آنکھوں کو بینا کردے اور دل کو روشن کردے اور (عشق کی) آگ وہ ہے جو اللہ کے راستے میں حائل ہونے والے تمام پردوں کو خاکستر کردے، ہم طور کا ایک سرسبز درخت ہیں کہ اس جگہ ہمارا نور آگ دکھائی دیتا ہے، ہم پر اس کا نور پڑا اور تمام ظلمتیں دور ہو گئیں، اس وقت ہم بغیر "ما" کے پاتا ہے اور تم کو بغیر "شما" کے تلاش کرتا ہے یہی سب سے بڑا حجاب ہے اس کو دور کرو اور محرم راز بن جاؤ یہاں کی جتنی صورتیں اور شکلیں ہیں وہ کشف کے آئینہ میں بالکل واضح نظر آتی ہیں اور یہی وہ مقام ہے جو عارفوں کے نزدیک عروس اور دلہن کہلاتا ہے جو اسرار اور حقائق کے تمام زیورات سے مزین اور مسجع ہے، یہی عارفوں کا آئینہ ہے اگر تمہیں بھی چشم بصیرت میسر ہو تو اس مقام کو دیکھو، یہ ہے مراۃ العارفین کا مقدمہ، اور اتنی ہی عبارت اس کتاب کے بلند اور بالاتر ہونے کی بین دلیل ہے۔ اس کتاب کے اندر چودہ کشف بیان کئے گئے ہیں، اس کتاب کے اندر ایسے عمدہ اور بہترین مضامین لکھے ہیں کہ ان جیسے مضامین اور کسی کتاب میں نہیں ملتے، چنانچہ اسی کتاب کے کشف نمبر ۱۴ میں روح کا بیان اس طرح لکھتے ہیں۔

روح کے راز اور اس کی حقیقت کو خدا تعالیٰ نے تمام مخلوق سے پوشیدہ اور مخفی رکھا ہے، عقل و شعور اور ظاہری آنکھوں سے اس کو کسی نے نہیں دیکھا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي — فرما دیجئے روح اللہ کے امر میں سے ہے۔

اس آیت سے روح کا وجود ثابت ہوتا ہے کہ روح بھی کوئی چیز ہے اور

وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ — تم کو جو کچھ علم دیا گیا ہے۔

یہ روح کے مشاہدہ کرنے کی طلب سے نفی کا حکم ہے، روح اگرچہ اپنے آثار کے

اعتبار سے ظاہر ہے لیکن عقل اس کی حقیقت و ماہیت سے قاصر و عاجز ہونے کے باوجود اس کے معلوم کرنے میں کوشاں ہے، روح کی ماہیت وحقیقت کو الفاظ کے ذریعہ بتانا اور بیان کرنا ناممکنات میں سے ہے، عارفوں کا مقولہ ہے کہ روح کو روح ہی پہچانتی ہے، روح کی حقیقت اس وقت نظر آتی ہے جب پروردگار اپنے جمال کا پردہ اٹھالیتا ہے اس کے بعد عقل کی روشنی اس نور معرفت سے منور ہو کر مستفید ہوتی ہے، روح تو اصل میں انسان ہی کا نام ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے۔

وکنت بالروح لا بالجسم انساناً — میں روح کے ساتھ انسان ہوں جسم کے ساتھ نہیں۔

اور انسان رحمان کی صورت میں ہے جیسا کہ ارشاد ہے،

ان اللہ خلق اٰدم علیٰ صورتہ — کہ انسان کو خدا نے اپنی صورت میں پیدا کیا۔

روح ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ کے جمال وحسن سے منور اور روشن ہوتی ہے جس آئینہ میں کوئی قابل قدر جوہر موجود ہوتا ہے وہ خود بخود ہی خدا کے جمال کو قبول کر کے منور ہو جاتا ہے روح کے متعلق تفصیلی گفتگو ناجائز ہے اس لیے کہ وہ از قبیلہ صانع ہے قبیلہ مصنوع ومخلوق میں سے نہیں (جب وہ خدا کی صفت ہوئی) تو خدا کے اسرار کو ظاہر کرنا کفر ہے (لہٰذا روح کے اسرار پر گفتگو کرنا ناجائز ہوا) اے حبیب! آپ جس آئینہ میں اپنی صورت دیکھتے ہیں اس کی حالت یہ ہے کہ اس کو دیکھنے والا فی الواقع اپنی ہی صورت کو دیکھتا ہے، اسی طرح روح بھی انسانیت کے آئینہ میں پروردگار کا جمال ہے، اس اعتبار سے جو اللہ کا جمال دیکھتا ہے وہ قدیم ہونے کے راستہ میں قدم رکھتا ہے اور جو شخص محض آئینہ کو دیکھتا ہے وہ اپنے دامن کو حدوث ہونے سے ملوث کرتا ہے اور حدوث کو فناء ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ آئینہ دیکھنے والا جب تک آئینہ میں اپنی صورت دیکھتا رہتا ہے تو وہ اس میں موجود ہے اور جب آئینہ کے پاس سے ہٹ جاتا ہے تو اس کی صورت بھی آئینہ سے علیحدہ ہو جاتی ہے۔

اے حبیب! روح کے متعلق اتنی مختلف کیفیات ہیں جو اور کسی چیز میں نہیں پائی جاتیں اور جو شخص روح کو عرضیات میں سے شمار کرتا ہے وہ پاگل اور عقل کا مریض ہے، اور جو شخص یہ

کہے کہ روح ایک جسم دار چیز ہے وہ بھی جاہل اور ناواقف کار ہے، اور جو روح کو جوہر کہے وہ بھی دماغی مریض ہے، غرض کہ جو شخص کسی طرح سے بھی روح کے لیے کوئی نام تجویز کرے تو وہ اس کی معرفت سے ناآشنا ہے (کیونکہ علم کی تعریف ہی یہ ہے) کہ کسی چیز کے ادراک سے عاجز رہنا اور روح کو اگر کوئی دوسرا نام دیا جائے تو وہ مناسب نہیں، بعض صوفیاء کہتے ہیں کہ روح ایک لطیف شے ہے جو اللہ تعالیٰ سے جدا ہو کر متفرق مقامات میں گھومتی پھرتی ہے اور اس کی اتنی کثرت کے باوجود اس کو کسی چیز سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا، وہ نہ شراب ہے نہ پیالہ، نہ بادل ہے اور نہ ہی چاند۔

محققین کہتے ہیں کہ روح کے دو اعتبار ہیں، ایک اعتبار سے سراج اور دوسرے اعتبار سے زجاج ہے، اور لوگوں نے اپنے کشف سے جو روح کی تفصیل بیان کی ہے تو وہ اس کے زجاج ہونے کے اعتبار سے نہ کہ سراج ہونے کے اعتبار سے،

محققین کہتے ہیں کہ اللہ نور السموت والارض ایک سراج ہے اور اس کے سامنے ہزاروں لیمپ ہیں جو اس سے روشنی حاصل کر کے منور ہوتے ہیں تو یہ روح کے اندر جو تعدد اور کثرت ہے وہ اس کے زجاج ہونے کے اعتبار سے ہے سراج کے اعتبار سے نہیں، اور روح کا حادث ہونا بھی اسی اعتبار سے ہے۔

آفتاب ایک ہے اور ہزاروں آئینہ اس سے روشن ہوتے ہیں، اسی طرح زجاج ہے جو اپنی لطافت اور پاکیزگی کے اعتبار سے تمام موجودات کی صورت میں موجود ہے آفتاب سے زمین تین طریقوں سے اثر قبول کرتی ہے، ایک سایہ جو دوری کی وجہ سے حائل ہوتا ہے، دوئم۔ بلا حیلولہ کے آفتاب کی روشنی حاصل کرنا، سوئم۔ ہر صاف اور ستھری چیز کا آفتاب کا اثر قبول کرنا، اگرچہ یہ تمام کیفیات موثرہ مختلف ہیں، لیکن سورج کی تمازت اور تیزی سب پر برابر ہے، اسی لیے کہتے ہیں کہ نباتات کی روح ایک سایہ جیسی ہے او حیوانات کی روح آندھی طوفان اور سخت گرمی کی طرح ہے جو بغیر کسی کے فعل کے خود بخود موثر ہوتی ہے، اور انسانی روح کی مثال ایک عکس اور پرتو کی سی ہے جو اپنی پاکیزگی اور لطافت کی وجہ سے براہ راست سورج سے نکلتا ہے۔

اے برادر! یہ ایک راز کی بات ہے اور تحقیق و تفتیش کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ

انسان نام ہے عکس کا (جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ پر انسان کی تعریف میں فرمایا ہے مجموعة الاعدام مع عکوس ملکات ۔۱۲ فاضل) اس لیے کہ عکس کا کوئی اپنا وجود نہیں بلکہ عکس اصل چیز کے سایہ ہی کو کہتے ہیں، اور اس شخص کے اندر بھی اپنا کوئی نور نہیں، بلکہ اس کے اندر بھی اصل شے کی حرکت کا عکس ہے، جس طرح عکس کا وجود ہے اسی طرح اس کی اصل کا بھی وجود ہے، اگر اصل کا وجود نہ ہوتا تو ''انا الحق اور سبحانی'' کیوں معرض وجود میں آتا، اگر آپ کے دل میں خیال آئے (کہ جب روح ایک ہی چیز ہے) تو انسان کے اندر یہ روح متفاوت کیوں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تفاوت تو اثر قبول کرنے والے کے اعتبار سے ہے، اصل کے اندر کوئی تفاوت نہیں، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ سورج، یہ اپنی روشنی تو ہر جگہ پہنچاتا ہے لیکن ظرف جتنا اور جس قدر ہوتا ہے وہ سورج سے اتنی ہی روشنی اور حرارت قبول کرتا ہے (تو سورج کی حرارت برابر ہے مگر اس کی حرارت کو حاصل اور قبول کرنے والے ظروف مختلف ہیں وہ اپنی اس تعداد اور بساط کے مطابق اس سے حرارت حاصل کرتے ہیں، اسی طرح روح کا معاملہ ہے) اور ظاہر ہے کہ انسان تمام برابر نہیں، سو اللہ تعالیٰ کا عکس جب تمام انسانوں میں سے صاف انسان پر پڑتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ نفخت فیہ من روحی (کہ میں نے اس کے اندر روح ڈال دی) سے تعبیر فرمایا، اس اعتبار سے فرشتوں کی ارواح بھی من امر اللہ ہیں اور انسانوں اور فرشتوں کی ا[illegible]ح میں ستارے اور چاند کی نسبت ہے۔

چاند اگرچہ اپنے ابتدائی حال (اور انتہائی میں) کچھ فرق رکھتا ہے لیکن اس کی روشنی اور تابانی وقت کے گزرنے سے ترقی کی جانب مائل ہوتی ہے اس کے مقابلے میں ستارے ہیں وہ آخرت وقت تک ویسے ہی رہتے ہیں جس طرح اول وقت میں تھے ان کی ہیئت میں کوئی فرق نہیں آتا اور ستارے (کم روشن اس لیے ہیں) کہ سورج سے بہت دور ہیں، اسی طرح فرشتے ہیں کہ ان میں بھی کوئی ترقی نہیں ہوتی (جس طرح پیدا ہوئے تازیست عبادت کرنے کے باوجود بھی اس حالت میں رہتے ہیں ۔۱۲ فاضل) جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

وما منا الا لہ مقام معلوم — کہ ہر فرشتہ کا ایک معلوم مقام ہے۔

اسی لیے فرشتے دیدار الٰہی سے دور رہتے ہیں، ستارے کسی وقت بھی سورج کو نہیں دیکھ

سکتے (اور چاند کے قریب ہیں) مگر چاند سے بھی روشنی حاصل نہیں کر سکتے، اس لیے کہ چاند کے اندر خود اپنی روشنی نہیں وہ تو (سورج کے قریب ہونے کی وجہ سے) سورج کی روشنی سے منور ہے، دل کی دنیا میں کسی اور کو بادشاہ اور حاکم بناؤ تو بڑی آسانی سے سمجھ لو گے کہ روح کیا چیز ہے، جس دل میں جوہر قابل موجود ہوگا وہ اس کی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے، اور ممکن کو ممکن اس لیے کہتے ہیں کہ وہ معدوم ہے لیکن وہ واجب الوجود کے قبول کرنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ ہر شخص نے روح کی حقیقت سے نقاب کشائی کر کے اس کا کوئی نہ کوئی نام رکھا ہے لیکن اہل کشف کے کامل اور ماہر لوگوں کا کہنا ہے کہ روح ایک لطیف چیز ہے جس کی حقیقت کوئی نہیں جانتا، البتہ اس کے اوصاف ظاہر ہیں اور وہ اپنے سبعہ صفات کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے اور جسم کے ساتھ متعلق رہتی ہے اور جسم سے متحد ہو جانے سے ختم ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کی تصرف کی یہ صورت بیانیہ ہے اس کی حقیقت اور کنہ کو کسی کی عقل نہیں پا سکتی۔

اے حبیب! روح کی حالت یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے پوشیدہ اور مخفی ہے اور اپنے اثرات کے اعتبار سے انسانی وجود پر موثر ہے، جسم اس کی صفات کی موجودگی میں تصرفات کرتا ہے اور جب وہ جسم سے زائل ہو جاتی ہے تو جسم کا تصرف بھی ختم ہو جاتا ہے، اور وہ باعتبار تصرف کے جسم میں صورت بیانیہ رکھتی ہے اور اس جہان میں اس کا تصرف **ولہ المثل الاعلیٰ** کا مصداق ہے اور اس عالم میں جسم اس کا ایک نمونہ ہے اور اعضاء اس کے اندر دوسری چیزیں ہیں اور یہی حال دیگر نباتات اور حیوانات کا ہے کہ اگر روح ان میں موجود ہے تو وہ زندہ ہیں اور اگر روح جسم سے مفارق ہوگئی تو ان کے اجساد و اجسام بھی ختم ہو جاتے ہیں، اس اعتبار سے روح خدا تعالیٰ کے جمال کا پرتو ہی نہیں بلکہ اللہ کے جمال کے سایہ کا سایہ ہے اللہ نہ تو دنیا میں ہے اور نہ ہی دنیا سے الگ ہے، اسی طرح روح جب کسی کے اندر آتی ہے تو وہ چیز بھی دوئی سے یکسو ہو جاتی ہے بلکہ وہ چیز اس روح میں بے خود ہو کر اپنی ہستی ہی ختم کر دیتی ہے،

اے حبیب! اللہ تعالیٰ اگر اپنے امر روح کو جسم انسانی کے حوالہ نہ کرتا تو اس کی معرفت ناممکن ہو جاتی، اللہ تعالیٰ نے ابتداً انسان کے اندر اپنی صفات کو ظاہر کیا جس کے ذریعہ انسان نے خدا کی معرفت حاصل کی اور روح کو جانا، اللہ تعالیٰ ہی کے علم کی وجہ سے انسان کے اندر

علم ہے اور اس کی قدرت حیات کی وجہ سے اس کی حیات ہے، انسان کا سننا، بولنا، مس کرنا، یہ سب اللہ کے علم ہی سے ہے، اسی لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے خدا کو پہچان لیا کیونکہ انسان صورت رحمان میں ہے اس لیے اس کو پہچاننا فی الواقع خدا کو پہچاننا ہے، پس اس کی معرفت حق کی معرفت کے لیے بیان ہے بلکہ اہل تحقیق کی نظر میں اس کی معرفت عین اسی کی معرفت ہے، لیکن روح کے لیے کچھ تجلیات ہیں اور ہر تجلی کے لیے کوئی وجہ ہے اور ہر تجلی کے لیے ایک مبداء اور ایک معاد ہے۔

صوفیاء نے روح کے متعلق بڑی عمیق اور عجیب وغریب باتیں کہی ہیں، صوفیاء مبداء خلق کو سر روح کہتے ہیں جس کا رکن خدا تعالیٰ کی قدوسیت کا جمال ہے جس کو علم قوت بھی کہتے ہیں، جس طرح کہ سورج کے اندر روشنی کرنے کی قوت ہے اور معاد اس کا چمکنا ہے، یہی حالت ہے دل کے آئینہ کی بھی، جس کے ظاہر ہونے کے طرق مختلفہ ہیں، جس طرح سورج سے چاند روشنی حاصل کرتا ہے، جب کسی کا محل کلیۃ صاف اور شفاف ہو جاتا ہے تو وہ دوسرے کے اوصاف اختیار کر لیتا ہے جیسا کہ ہلال قمریت کے آئینہ میں بدر ہو جاتا ہے اور آفتاب باندازۂ قمر دکھائی دیتا ہے، اس کا نام کمال ہے، یہی حالت ہے روح کی جو مبداء کے اعتبار سے ازلی اور معاد کے لحاظ سے اس کا ظہور جمال ہے اور اس کے معاد کا اظہار قوالب بشریہ میں کفر وایمان سعادت وخذلان کے اعتبار سے اسی وجہ سے ہے، اس کے کمال کو طلب کرنے میں نبوت کے ادوار اور ولایت کے اطوار کا راز ہے، جس طرح سورج کی روشنی جس سے چاند منور ہوتا ہے چنانچہ چاند اور سورج دو الگ الگ وجود ہیں، اور چاند کو چمکتا ہوا دیکھ کر کوئی شخص بھی اسے آفتاب نہیں کہتا حالانکہ وہ اپنی تابانی اور درخشانی میں سورج کا ہم پلہ ہے، اسی طرح چاند کو سورج کا جزو اور ایک حصہ بھی نہیں کہا جا سکتا، اور تمام چیزیں خدا کے ماسوئی ایک دن میں برباد ہو جائیں گی، پس معاد سے مراد رویت باری ہے اور اس کا ظہور بھی ازلیت کی وجہ سے ہے جو صورت میں ابدیت کے ہے اور حدوث سے مراد یہ ہے کہ اس کا مختلف درجات میں ظاہر ہونا اس سے معلوم ہوا کہ تمام چیزیں اللہ ہی کے نور سے روشن اور زندہ ہیں، اس درویش نے اسی مضمون میں کہا ہے۔

اشعار

گراز خودی خویش بروں آئی تو — در پردۂ توحید دروں آئی تو
دراز روش چوں و چرا بگذری — از خود شدۂ بے چراو چوں آئی تو

سدید اللہ رحمۃ اللہ علیہ

۸۱۱ھ.................۸۴۹ھ

آپ میر سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اور خلیفہ تھے، عشق و محبت آپ کا بہترین مشغلہ تھا، منقول ہے کہ آپ ابھی بچہ تھے کہ سید محمد گیسو دراز نے وضو کرتے ہوئے سر کا مسح کرتے وقت اپنی ٹوپی اتار کر ایک جگہ رکھ دی تھی۔ اسی اثناء میں سدید اللہ بھی اس طرف آئے اور ٹوپی کو دیکھ کر بچوں کی طرح اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی، یہ دیکھ کر میر سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ خلعت ہے، اور الحمد للہ کہ امانت اس کے حقدار اور اہل کو مل گئی، اس کے بعد سید گیسو دراز جس کو مرید کرتے اس کو سدید اللہ کے سپرد کر دیا کرتے البتہ ذکر وغیرہ کی تلقین خود فرما دیا کرتے تھے۔

مشہور ہے کہ سدید اللہ کو ایک عورت سے عشق ہو گیا تھا چنانچہ آپ نے اپنے دل پر کنٹرول کیا اور اس کی الفت کو صیغہ راز ہی میں رکھا بالآخر اس سے نکاح کر لیا، وہاں کے علاقے کے رواج کے موافق ان کی صبح کو ملاقات ہوئی۔ سدید اللہ نے اس کے جمال پر ایک نظر کی کہ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور عالم پائدار کی جانب روانہ ہو گئیں اور شادی کی مجلس غم میں تبدیل ہو گئی۔ سدید اللہ نے اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑا اور اس کے پاس بیٹھنے سے پہلے آپ نے بھی جان جان آفریں کے سپرد کر دی چنانچہ لوگوں نے دونوں کو ایک دوسرے کے بازو میں دفن کر دیا۔

شیخ پیارے رحمۃ اللہ علیہ

۸۰۴ھ.................۸۶۲ھ

آپ سدید اللہ کے مرید اور میر سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ سے تربیت یافتہ تھے، مشہور ہے کہ شیخ پیارے جب ابتداً سید محمد گیسو دراز کے ہاں آئے تو سید گیسو درا

رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت کیا کہ درویش تم کسی پر عاشق بھی رہے ہو؟

شیخ پیارے نے شرم کرتے ہوئے بڑی تکلیف سے کہا، کہ حضور! میں تو عشق ہی سیکھنے کے لیے جناب کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، مجھے کچھ خبر نہیں کہ عشق کیا ہوتا ہے سید گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے اس سوال سے آپ کی حالت کا امتحان اور آپ کے طرز طریق کی کیفیت معلوم کرنا ہے اس لیے عشق کے متعلق آپ پر جو بھی واقعہ گزرا ہوا سے بلا تکلف بیان کر دو، چنانچہ شیخ پیارے نے کہا کہ ایک مرتبہ میں ایک غیر مسلم عورت کو دل دے بیٹھا اور اس سے ملنے کا موقعہ کسی طرح ہاتھ نہ آتا تھا چنانچہ اس سے ملاقات کرنے کی غرض سے میں نے اپنے گلے میں زنار ڈالا اور اس مندر میں چلا گیا جہاں وہ پوجا پاٹ کرنے کے لیے آیا کرتی تھی تاکہ اس کو خوب دیکھوں، اس کے بعد سید گیسو دراز نے ان کو گلے سے لگا لیا اور فرمایا کہ آپ جیسا بلند ہمت مجھے کون ملے گا، آؤ تمہیں اللہ سے محبت کرنے کا طریقہ سکھاؤں، تمہارا یہ کام تو تمہاری بلند ہمتی کی دلیل ہے، ایمان سے زیادہ اور کون چیز محبوب ہوسکتی ہے اور تم نے اتنی جرأت کی کہ اس کو محبت کے راستہ پر لٹا دیا، اب میں تم کو حقیقی عشق کا راستہ بتاؤں گا، چنانچہ آپ نے شیخ فریدالدین شکر گنج کے کمرہ میں جو خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ میں ہے شیخ محمد پیارے کو مسلسل چلہ کرنے کا حکم دیا اور پھر انوار معرفت حاصل کرنے کے قابل بنا دیا، اس کے بعد حضرت گیسو دراز کے حکم پر شیخ پیارے سدید اللہ کے مرید ہوئے اور سعی بلیغ کرکے درجہ کمال تک رسائی حاصل کرلی۔

شیخ جلال گجراتی

۸۳۹ھ.................۸۹۹ھ

آپ شیخ پیارے رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور اپنے وقت کے کامل ولی اللہ اور صاحب کرامات تھے اور ظاہری و باطنی کمالات کے حامل تھے، کہتے ہیں کہ علاقہ گجرات کے رہنے والے تھے لیکن گور و بنگالہ میں بادشاہوں کی طرح رہتے اور احکام جاری کرتے تھے اہل غرض لوگوں نے بادشاہ گور کے دل میں آپ کے متعلق مختلف قسم کے وہم اور شبہات پیدا کر دیئے جس کی وجہ سے بادشاہ نے آپ کو شہید کرا دیا۔

منقول ہے کہ جلاد اور قاتل آپ کی خانقاہ میں داخل ہوئے اور خون ریزی شروع کر دی، وہ جب آپ کے کسی مرید کو قتل کرتے تو آپ یا قہار یا قہار پڑھتے لیکن جب ان لوگوں نے آپ پر تلوار چلائی تو آپ نے یا رحمٰن یا رحمٰن پڑھا اور یہی کہتے کہتے شہید ہو گئے، شہید ہو جانے کے بعد آپ کا سر زمین پر پڑا ہوا اللہ اللہ کی صدائیں بلند کر رہا تھا۔

شیخ محمد ملاوہ رحمۃ اللہ علیہ

۸۰۳ھ ۹۰۰ھ

آپ کو لوگ مصباح العاشقین کہا کرتے تھے، ابتدا آپ شیخ احمد رادتی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے اور انہیں کی خدمت میں رہ کر ریاضت ومجاہدہ کرتے رہے، بعدہٗ شیخ جلال گجراتی کی خدمت میں پہنچے اور عشق ومحبت کی نسبت انہی کے ذریعہ درست کی، آپ کامل شیخ اور صحیح الحال بزرگ تھے، سماع اور وجد کے رسیا تھے۔

منقول ہے کہ ایک غزل خواں آپ کے سامنے وہ اشعار پڑھ رہا تھا جن میں فراق وجدائی کا تذکرہ تھا، آپ پر ایسا وجد طاری ہوا کہ مرنے کے قریب پہنچ گئے، آپ کی اس حالت سے ایک شخص باخبر ہوا، اس نے غزل خوانوں سے کہا کہ وہ اشعار پڑھو جس میں وصل وقرب کا تذکرہ ہو چنانچہ اس مضمون کے اشعار سنتے ہی آپ میں ایسی بشاشت وفرحت آ گئی کہ گویا نئے سرے سے آپ میں جان آ گئی۔

الوصل یحیی والفراق یمیت فمازلت فی العشق حیا و میا

گہ بلطفم می نوازد گہ بنازم مے کشد
زندہ می سازد مرا آں شوخ و بازم می کشد

منقول ہے کہ ایک دفعہ آگ کے گھر میں آگ لگ گئی اور گھر کے اندر غلہ وغیرہ جو کچھ بھی تھا سب جل کر راکھ ہو گیا، اسی غلہ کے اندر بغرض تخم ریزی تھوڑے سے دھان بھی رکھے ہوئے تھے چنانچہ بقیہ غلہ کے ساتھ وہ بھی جل گئے، جب تخم ریزی کا وقت آیا تو گھر والوں نے آپ سے گزرا ہوا تمام قصہ بیان کیا اور کہا کہ تخم ریزی کے لیے جو دھان محفوظ رکھے ہوئے تھے وہ بھی تمام غلہ کے ساتھ جل چکے ہیں، یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ ہم سوختہ جانوں کے پاس جلے ہوئے دھانوں کے علاوہ اور کیا ہوگا، اس کے بعد وضو کیا اور دو رکعت

نماز ادا کی اور بایں الفاظ دعا مانگی، کہ اے اللہ تو ہمیشہ اپنی حکمت سے کام کرتا ہے اس دفعہ اپنے بندے کے لیے اپنی قدرت کا مظاہرہ فرمائیے گا، اے اللہ میرے پاس جتنے دھان تھے، وہ تمام آپ کے حکم کے موافق جل چکے ہیں اب میرے پاس تخم ریزی کے دھان کا کوئی ایک دانہ بھی نہیں ہے بتائیے اب میں کیا کروں۔

کہتے ہیں کہ اس سال ان کی زمین میں اتنی کثرت سے دھان پیدا ہوا جنہیں دیکھ کر اس وقت کے بادشاہ سلطان سکندر نے اللہ کے حضور سجدہ شکر ادا کرتے ہوئے کہا کہ میری سلطنت میں ایسے اللہ کے بندے بھی موجود ہیں کہ جو وہ چاہتے ہیں خدا سے حاصل کر لیتے ہیں۔

منقول ہے کہ ایک دن شیخ محمد ملاوہ سماع سن کر وجد میں محو تھے، اسی اثناء میں اس وقت کا ایک غیر مسلم سردار ادھر سے گزرا اور تماشا دیکھنے کی غرض سے اس نے آپ کے کمرے کی کھڑکی میں سر داخل کیا، اس نے آپ کے چہرے کو دیکھ کر اپنے دوسرے ہندو ساتھی سے کہا کہ مجھے باہر کھینچ لے ورنہ میں جا رہا ہوں، چنانچہ اس کا ہندو ساتھی اس کو کھڑکی سے کھینچ کر مشکل سے اپنے ساتھ لے گیا، یہ ہندو ایک عرصہ دراز تک بے خود اور مست رہا، جب اسے ہوش آیا تو اس کے دوستوں اور ساتھیوں نے اس سے اس بے خودی کی تفصیل پوچھی تو اس نے کہا کہ یہ مسلمان اپنے خدا کو اپنی گود میں لے کر ناچ رہا تھا، اگر تم لوگ مجھے کھینچ کر باہر نہ لاتے تو میں اس کی جانب جا رہا تھا اور اس کے پاؤں میں گر کر اس کے مذہب میں شامل ہونے والا تھا۔

عاشق گرد دہر کہ بکویت گذرو   آری ز درد بام تو میا رد عشق

آپ نے ۹۰۰ ہجری میں وفات پائی، علاقہ قنوج کے مشہور گاؤں ملاوہ میں آپ کا مزار ہے، بہت سے لوگ آپ کے مرید ہو کر خلافت کے مستحق ہوئے اور راقم الحروف (مصنف اخبار الاخیار) کے دادا بھی آپ ہی کے مریدوں میں سے تھے۔

شیخ سعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ

۸۵۱ھ............۹۱۷ھ

آپ شیخ محمد ملادہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، سلطان سکندر کے دورِ حکومت میں جب شیخ ملادہ دہلی تشریف لائے تو آپ کی خدمت میں شیخ سعد اللہ ایک عرصہ دراز تک آتے جاتے اور خدمت کرتے رہے، شیخ سعد اللہ تعالیٰ نے دردِ عشق اور ثابت قدمی کے اپنے شیخ سے سبق سیکھے تھے، اور فقیر (مصنف اخبار الاخیار) کے آپ بڑے چچا تھے۔

شیخ رزق اللہ رحمۃ اللہ علیہ

۸۵۱ھ............۹۱۷ھ

آپ کا تخلص مشتاق تھا، آپ بھی شیخ محمد ملادہ کے مریدوں میں سے تھے اور شیخ آپ پر خصوصی عنایت فرمایا کرتے تھے، شیخ رزق اللہ مردِ کامل، فاضل نوادرِ روزگار اور یادگار سلف صالحین تھے، فضائل صوری اور معنوی میں جامع تھے، اسی طرح مشرب عشق و محبت، سلامت عقل اور وسعت حوصلہ وصبر کے مالک تھے، دوامِ حضور اور مستقل مزاج ہونے میں یکتائے روزگار تھے، بانوے برس کی عمر تک پہنچ جانے کے باوجود آپ کے اندر عشق و ذوق اسی طرح تازہ تھا جس طرح کہ جوانی کے عالم میں تھا۔

مصرعہ

من اگرچہ پیر شدم عشق جوان است ہنور

آپ کی شان پر بڑا صادق آتا ہے، آپ سے جو کوئی ملاقات کرتا اس سے ایسے معارف آمیز اور محبت انگیز نکات بیان فرمایا کرتے تھے جنہیں اہل وجد اور اہل ذوق سن کر تڑپ جایا کرتے تھے، قصے اور مشائخ کے احوال اور ہندوستان کے بادشاہوں کی تاریخ بڑی خوش اسلوبی اور روانی کے ساتھ بیان فرمایا کرتے تھے، آپ کی مثل بہت کم اولیاء اللہ گزرے ہیں، آپ نہایت اطمینان اور بے نظیر انداز سے گفتگو کیا کرتے تھے، محبت کی باتوں کو بڑے شوق سے کہتے اور سنتے تھے اور اس وقت اکثر و بیشتر آبدیدہ ہوا کرتے تھے، آپ کثیر الاسفار تھے اور ان سفروں میں لوگوں کی صحبت حاصل کر کے بڑے تجربے کار بزرگ

بن گئے، آپ ہمیشہ فقیروں درویشوں اور مشائخ کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے، ہندی اور فارسی کے شاعر بھی تھے، مدت دراز تک ہندی زبان میں شعر کہتے رہے آپ کی نظموں کا مجموعہ "پیان وجوت نرنجن" نہایت مقبول ہے، ہندی زبان میں جب شعر کہتے تو اپنا تخلص راجن، اور فارسی میں مشتاق رکھتے تھے، ۸۹۷ ہجری میں عالم وجود میں آئے اور ۲۰۔ ربیع الاول ۹۸۹ ہجری عالم دنیا سے عالم پائدار میں چلے گئے، میں مصنف اخبار الاخیار نے ان کی تاریخ وفات اس طرح کہی ہے۔

قطعہ

مخدومی عارف زماں مشتاقی !	دے گفت بوقت نقل مشتاق حقم
حقے جو بتاریخ وفاتش نگریست	نوک قلمش ہماں سخن کرد رقم

رحمة الله وعلي جميع اسلافنا۔

شیخ ابوالفتح جونپوری رحمۃ اللہ علیہ

۷۷۲ھ.................۸۵۸ھ

آپ اپنے جدامجد قاضی عبدالمقتدر کے تلمیذ و مرید تھے اور اپنے دادا ہی کے طریقہ پر قائم رہے جو بڑے عقلمند عالم تھے، اور انہی کی وصیت کے مطابق درس و تدریس اور عوام کو فائدہ پہنچانے میں مشغول رہے، عربی زبان میں قصیدے اور فارسی زبان میں اشعار کہا کرتے تھے، آپ کے قاضی شہاب الدین سے اصول علم کلام اور فقہی مسائل میں بہت مناظرے ہوئے تھے، سیاہ بلی کے پسینہ کو شیخ پلید کہتے تھے اور قاضی صاحب طاہر اور یہ بات ان رسائل کے اندر بھی موجود ہے جو اس بحث پر لکھے گئے ہیں، آپ کی اولاد میں سے بعضوں کا بیان ہے کہ شیخ ابوالفتح موالیوں کی طرح بدزبان تھے وہ اپنے مخالفوں کو غصیہ کی حالت میں گالیاں دیتے تھے، ممکن ہے کہ مناظرے کے وقت ان کی یہ حالت ہو جاتی ہو یا دیدہ و دانستہ دشمنوں کو برا کہتے ہوں، واللہ اعلم بالصواب۔

لوگ کہتے ہیں کہ آپ کے گھر میں سونے کی بارش ہوا کرتی تھی، اگرچہ یہ بات عام لوگوں میں مشہور ہے لیکن آپ کے ملفوظات میں جو آپ کے خلفاء نے لکھے ہیں کہیں اس کا

ثبوت نہیں ملتا اور نہ ہی اس واقعہ کی ان کی اولاد سے تصدیق ہوتی ہے سوائے شیخ عبدالوہاب کے جو آپ کی اولاد میں سے بڑے بزرگ تھے وہ فرماتے ہیں کہ شیخ ابوالفتح نے اپنے دادا قاضی عبدالمقتدر کے ملفوظات جمع کیے ہیں اس میں لکھا ہے کہ قاضی شاہ جو قاضی عبدالمقتدر کے خلفاء میں سے تھے وہ ایک دن شیخ نصیرالدین محمود کے پاس دہلی تشریف لائے اور فرمایا کہ میں ایک دن قاضی عبدالمقتدر کے پاس گیا اس وقت ان کے گھر میں تین روز سے فاقہ تھا جس کا قاضی صاحب نے مجھ سے ذکر بھی کیا تھا چنانچہ میں ان کے ہاں سے اٹھ باہر آیا، ان کے اس جانکاہ واقعہ سے میں خود بڑی پریشانی کی حالت میں ان کے گھر کے سامنے بیٹھ گیا کہ پندرہ بیس روپوں کی ان کے گھر میں بارش ہوئی، میں نے ان تمام سکوں کو اٹھالیا اور قاضی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کو وہ روپے پیش کئے اور تمام واقعہ بھی سنا دیا لیکن وہ مجھ پر سخت ناراض ہوئے میں نے بہت اصرار کیا کہ اگر ان تمام کو قبول نہیں فرماتے تو ان میں سے کچھ تو ضرور قبول فرمالیجئے لیکن میں جتنا اصرار کرتا آپ کا غصہ اتنا ہی بڑھتا جاتا، بالآخر انہوں نے ایک روپیہ بھی قبول نہیں کیا، پس یہ فی الواقع شیخ عبدالمقتدر کی کرامت تھی۔

لوگوں میں مشہور ہے کہ اس کے بعد قاضی عبدالمقتدر کے معتقدین نے وہ روپے قاضی صاحب سے ایک بڑی رقم دے کر خرید لیے تھے، شیخ ابوالفتح ابتداً تو دہلی میں رہتے تھے لیکن امیر تیمور کے غدر کے وقت دہلی کے دوسرے بزرگوں اور بڑے لوگوں کے ہمراہ جونپور تشریف لے گئے تھے، اس کسمپرسی کے عالم میں قاضی شہاب الدین بھی دہلی سے جونپور آئے تھے، شیخ ابوالفتح ۱۴ محرم الحرام ۷۷۲ ہجری میں بمقام دہلی اس دنیا میں تشریف لائے اور بروز جمعہ ۱۳ ربیع الاول ۸۵۸ ہجری میں جان جانِ آفریں کے حوالہ کی۔

شیخ تقی رحمۃ اللہ علیہ

۸۲۵ھ.....................۸۹۸ھ

آپ کڑہ مانک پور کے رہنے والے تھے، آپ پیشہ کے اعتبار سے جولاہے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو تقویٰ اور کرامت کی نعمتوں سے نوازا تھا، آپ کا نام لینے سے زہریلے جانوروں کے زہر کا اثر فوراً ختم ہو جایا کرتا تھا، اسی طرح سانپ پکڑنے والوں میں یہ بات

مشہور ہے کہ سانپ کا زہر بھی آپ کا نام لینے سے اتر جایا کرتا تھا۔

سید شمس الدین طاہر رحمۃ اللہ علیہ

۵۹۱ھ..........................۷۴۱ھ

آپ شیخ نور قطب عالم کے مرید اور بڑے بلند پایہ بزرگ تھے، شہر زنتھور کے باشندے تھے اور معمر بزرگ تھے، آپ کی عمر ڈیڑھ سو برس کی تھی، خواجہ معین الدین کے ارادتمند اور انہی سے محبت کرتے تھے باوجودیکہ آپ اتنے بوڑھے ہوگئے تھے لیکن آپ نے کبھی بھی اجمیر کی کسی گلی وغیرہ میں ناک کا فضلہ نہیں پھینکا اور نہ ہی کسی جگہ تھوکا، پیشاب و پاخانہ کا تو ذکر ہی کیا، آپ شہر میں بلاوضو کبھی داخل نہ ہوتے تھے، آپ نے اپنی اتنی طویل عمر میں مختلف اوقات میں بارہ شہروں میں سکونت اختیار کی تھی، آپ جب اپنے کسی شہر میں داخل ہوتے تو مکمل طہارت سے آتے اور جب بول و براز کی حالت ہوتی تو اسی وقت شہر سے باہر چلے جاتے تاکہ شہر میں وضو نہ ٹوٹ جائے۔

شیخ عبداللہ شطاری رحمۃ اللہ علیہ

۱۵۰۶ء..........................۱۶۰۱ء

آپ شیخ شہاب الدین سہروردی کی اولاد میں سے تھے، ظاہری اور باطنی رعب و دبدبہ کے مالک تھے، اپنے وقت کے بہت بڑے شیخ تھے اور سلسلہ شطاریہ میں لوگوں کو ذکر وغیرہ کی تلقین کرتے رہتے تھے، مشہور ہے کہ وہ لوگوں کو نقارہ بجا کر بلایا کرتے تھے کہ جو طلب گار ہے وہ آجائے تاکہ اسے اللہ کی راہ بتادوں جب مجلس میں بیٹھتے تو جوانب اربعہ کی طرف خوب دیکھ کر فرمایا کرتے کہ یہاں کوئی سیاہ دل اور شک وشبہ کرنے والے لوگ نہ بیٹھیں تاکہ اللہ کی باتیں آزادی کے ساتھ بتائی جاسکیں، آپ نے اپنے شہرہ آفاق رسالہ شطاریہ میں سلسلہ شطاریہ کے اذکار و اوراد اور مراقبے لکھے ہیں اور اس رسالہ کی ابتداء میں شیخ شہاب الدین تک اپنا سلسلہ بھی درج فرمایا ہے اور شیخ نجم الدین کبریٰ تک پانچ واسطوں سے آپ کا سلسلہ ارادت پہنچتا ہے، مشہور ہے کہ جب کوئی راہ حق کا متلاشی آپ کے پاس آتا تو اس کی عقل اور حواس کا امتحان لینے کے لیے ایک (خاص قسم کی) روٹی دوسری کھانے کی روٹیوں

کے ساتھ بھیجتے اور ایک آدمی کو مقرر کر دیتے کہ وہ یہ دیکھے کہ اس نے وہ روٹی بھی دوسری روٹیوں کے ساتھ کھالی ہے یا وہ ایک روٹی چھوڑ دی ہے، اگر وہ آنے والا تمام روٹیاں کھالیتا تو اسے اس کی عقلمندی اور دانائی پر محمول کرتے اور اس کو باطنی ذکر و اذکار کے لیے کوئی چیز عنایت فرما دیا کرتے، اور اگر وہ ایک روٹی چھوڑ دیتا تو اس کو اس کے حالات غیر صحیحہ اور اس آدمی کی بے عقلی پر محمول کرتے ہوئے اس کو ظاہری حالت کے لیے کوئی وظیفہ یا دعا بتا دیا کرتے تھے، آپ کا مزار قلعہ مندو میں ہے۔

شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۴۱ء..................۱۴۴۹ء

آپ مانک پور میں مقیم تھے، اور شیخ نور الدین قطب عالم کے مرید و خلیفہ اور اپنے وقت کے بڑے مشائخ میں سے تھے، علم شریعت اور طریقت کے ماہر عالم تھے، آپ کے ملفوظات کو آپ کے مریدوں نے جمع کر کے ''رفیق العارفین'' نام رکھا ہے اس میں آپ فرماتے ہیں کہ مریدوں کی اپنے مشائخ سے متعلق وہی مثال ہے جیسے کپڑے میں پیوند، اور صادق و پختہ کار مرید کی مثال اس پیوند کی طرح ہے جو کپڑے کے ڈھلنے کے ساتھ خود بھی ڈھل کر پاک و صاف ہو جاتا ہے، اسی طرح جو فیض شیخ کو ملتا ہے اس سے مرید بھی بہرہ ور ہوتا ہے اور جو مرید اپنے شیخ کے حکم پر عمل نہیں کرتا (عناداً نہیں بلکہ تکاسلاً و تساہلاً۔۱۲ افاضل) وہ رسمی مرید ہے یعنی اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک سفید کپڑے میں سیاہ پیوند، اگرچہ شیخ کا فیض اس کے عاصی مرید پر بھی ہوتا ہے لیکن اس کو اتنا فائدہ نہیں ہوتا جتنا منقاد اور فرمانبردار ہونے کی حیثیت میں ہوتا، یہ دولت کوئی معمولی نہیں۔

نیز فرماتے ہیں کہ ایک مجلس میں چند اشخاص بیٹھے ہوئے تھے، اچانک ایک مینڈک پھدکتا ہوا اس مجلس کے نزدیک آیا، یہ دیکھ کر ایک شخص اس مجلس سے بھاگ کھڑا ہوا، اس کو بھاگتا دیکھ کر لوگ (اس کی بزدلی پر) ہنسنے لگے اور اس سے دریافت کیا کہ تم مینڈک سے کیوں ڈرتے ہو؟

اس دانا نے کہا کہ میں مینڈک سے نہیں ڈرتا، البتہ اس بات سے ڈرتا ہوں کہ اس کے

پیچھے کوئی سانپ آ رہا ہو۔ اسی طرح اگر کوئی درویش کمزور ہو اور اس کا سلسلہ نہایت مضبوط ہو، تو اس سے ڈرنا چاہئے کیونکہ اس کو رنجیدہ کرنے سے اس کے سلسلہ کے تمام مشائخ کبیدہ خاطر اور رنجیدہ دل ہو جائیں گے۔

نیز فرماتے ہیں کہ اپنے سر پر صافہ باندھنے اور خود رکھنے سے گریہ وزاری کرتے رہنا زیادہ بہتر ہے جیسا کہ ایک اونٹ کو چوہے نے جنگل میں چرتا ہوا دیکھ کر کہا کہ اے اونٹ تم کسی کے ہو رہو۔ اونٹ نے جواب دیا، میں تمہارا ہو گیا، ایک دن اونٹ ایک درخت کے ہرے ہرے پتے کھانے لگا تو اس کی نکیل درخت کی شاخ میں پھنس گئی، اور اونٹ عاجز ہو گیا، اس نے اس برے وقت میں چوہے کو یاد کیا، چنانچہ وہ چوہا اپنے دوسرے چوہوں کے ساتھ آیا، سب نے مل کر درخت میں پھنسی ہوئی رسی کتر دی، اس طرح اونٹ نے نجات پائی۔

یقین میداں کہ شیران شکاری   دریں راہ خواستند از مور یاری

فرماتے ہیں کہ سالک ذکر کرتے کرتے عاشق بن جاتا ہے اور فکر کرتے کرتے عارف بن جاتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات اچانک ہوتے ہیں اور دل سے آگاہ ہو جاتا ہے اس لیے سالک کو ہمیشہ منتظر رہنا چاہئے کہ پردۂ غیب سے کیا ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ فراق کہاں ہے؟ یا وہ خود ہے یا اس کا نور یا اس کے نور کا عکس۔

فرماتے ہیں کہ ایک درویش دوسرے درویش کے پاس گیا اور اس کو اپنے گھر لے گیا، تھوڑی دیر کے بعد مہمان درویش نے کہا، یا اللہ! تو میزبان درویش نے اپنی بیوی کے منہ پر اپنی آستین رکھ دی اور اس کو مستور و محجوب کر دیا، بیوی نے اپنے شوہر سے دریافت کیا کہ اس میں کیا راز ہے؟ جب وہ آیا تھا اس وقت آپ نے مجھے پردے میں رہنے کا حکم نہ دیا اور اب آپ میرے اوپر خود ہی پردہ کر رہے ہیں، تو اس درویش نے اپنی بیوی سے کہا کہ جب یہ آیا تھا تو اس وقت یہ اپنا تھا اور اس کو اپنی کوئی خبر نہ تھی، اور اب جبکہ اس نے یا اللہ کہا ہے تو بیگانہ ہو چکا ہے اور اب بے خودی کے عالم سے نکل کر خودی میں آ چکا ہے (اس لیے اب اس سے پردہ کرنا شرعاً واجب ہے۔)

فرماتے ہیں کہ خلافت ملنے کے بعد میں مسلسل سات برس تک فقر و فاقہ کی حالت

میں رہا، جب شدید بھوک لگتی تو پانی پی کر صبر و شکر کر کے پھر ذکر میں مشغول ہو جایا کرتا تھا، چنانچہ ایک روز میرا ایک بیٹا بھوک سے نڈھال ہو کر میرے پاس آ کر رونے لگا، اس وقت میری زبان سے یہ نکلا۔

مصرعہ

اے عجبا چوں توئی ہیچ منی را نہ بس

اس کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص نے کھانے سے بھرا ایک دسترخوان میرے لیے بھیجا حالانکہ وہ اس سے پہلے میری طرف کوئی چیز نہیں بھیجا کرتا تھا، اسی طرح ایک اور آدمی نے تقریباً ایک من (چالیس سیر) ماش بھیج دیئے، اس سے مجھے بڑی ندامت ہوئی کہ اس امداد کے لیے میری زبان کیوں کھلی اور اپنے نفس کو ملامت کی۔

فرماتے ہیں کہ مجھے اکثر کتب از بر تھیں لیکن جب شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو سب کچھ نسیاً منسیاً ہو گیا اور اب ایک بہترین علم کا مالک ہوں جو ان کتابوں کے علم سے بدرجہا بہتر ہے جس کے ذریعہ ہر نیکی معلوم کر لیتا ہوں، اگر کوئی چاہے تو میں فقہ کی مشہور و معروف کتاب "الہدایہ" کو سلوک کی طرز پر کہہ سناؤں، پھر فرمایا کہ میرے درس و تدریس کے سلسلہ کو ترک کرنے پر والد بزرگوار کو ابتداً ناگواری ہوئی اور وہ مجھ پر ناراض ہو گئے لیکن جب اس کی اطلاع میرے شیخ قطب عالم کو ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ فقیر یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے تابع ہو کر رہے اور صاحب عقل کی تمنا یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے ہوش و ہواس درست رکھے، لیکن جوانمرد وہ ہے جو دونوں کام کرتا ہے اس کے بعد میں نے اور بھی بہت کچھ کہا تھا جو مجھے یاد نہیں رہا، کہتے وقت تو سوچ سمجھ کر کہتا تھا لیکن اب اس محاورہ کا مصداق ہوں، **الماء بحالہ والرجل بحالہ** (کہ غسل کرنے والا بھی حالت پر رہا اور پانی اپنی حالت پر رہا) اس زمانے میں میرے جذب کی یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ اللہ اکبر کہنا بھی میرے لیے مشکل ہو گیا تھا اور جب اللہ اکبر کہتا تو بیتاب ہو کر گر پڑتا، کہ دیکھنے والے بھی میری حالت پر افسوس کرنے اور کہا کرتے تھے کہ یہ نوجوان بڑا اچھا اور عقلمند تھا مگر افسوس کہ بے چارہ پاگل ہو گیا، اسی کیفیت میں میں نے شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا، شیخ مجھے خواب میں فرمایا کرتے تھے کہ کوئی رنج و فکر نہ کیا کرو، میں تمہارے ساتھ ہوں، چنانچہ میں منزل بمنزل چلتا

رہا یہاں تک کہ دریا کے کنارے پر آ کر کشتی پر سوار ہو گیا، اس کشتی میں میرے ساتھ ایک گدڑی والا درویش بھی بیٹھا تھا، جب کشتی کنارے پر لگی تو وہ گدڑی والا درویش دریا میں چھلانگ مار گیا اور ہم سب کی نظروں سے غائب ہو گیا پھر اس کا کسی کو حال معلوم نہ ہو سکا، اس کے بعد جب میں شیخ کی خدمت میں پندرہ حاضر ہوا تو دیکھا کہ شیخ کی اور اس گدڑی والے فقیر کی شکل یکساں تھی اور دونوں کی صورت میں کوئی فرق نہ تھا۔

راہ دانی کہ ملائک پی اند　　　　در رہِ کشف زکشفے کم نیند

آپ نے فرمایا کہ میں ابتدا روزانہ صبح سویرے قرآن کریم کے پندرہ پارے پڑھتا اور اس کے بعد نماز چاشت تک تمام وظائف مکمل کرتا، قرآن کریم پڑھتے وقت تفسیر مدارک کو اپنے پاس رکھتا تھا، جب کسی لفظ کے مطلب و معنی میں اشکال ہوتا تو فوراً تفسیر اٹھا کر دیکھ لیتا، اس طرح قرآن پڑھنے میں بڑا سرور آتا تھا، ایک دن غیب سے آواز آئی کہ آپ کا اس طرح پڑھنا بہت اچھا ہے یونہی پڑھتے رہا کرو۔

فرماتے ہیں کہ اگر کوئی قطب بھی بن جائے تب بھی قرآن کریم کی تلاوت کو ترک نہ کرے، اگر زیادہ نہ ہو سکے تو کم از کم ایک پارہ تو روزانہ پڑھ لینا چاہیے۔

فرمایا، درویش کے پاس چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے ان میں سے دو تو درست اور صحیح ہوں اور دو شکستہ اور ٹوٹی ہوئی، یعنی دین اور یقین درست اور پاؤں و دل شکستہ۔

فرمایا، لالچ بیماری ہے، سوال کے لیے ہاتھ بڑھانا ایسا ہے جیسے نزع و عالم سکرات، اور خدا کے راستہ میں خرچ کرنے والے کو منع کرنا موت کے مترادف ہے۔

فرمایا کہ دنیا سایہ کی مانند ہے اور آخرت آفتاب کی مانند، کوئی شخص سایہ پکڑنے کی چاہے جتنی کوشش کرے وہ سایہ کو پکڑ نہیں سکتا اور جب کوئی آفتاب کی طرف چلتا ہے تو سایہ خود بخود اس کے برابر برابر چلتا رہتا ہے۔

فرمایا کہ اتنے شیریں اور میٹھے بھی نہ بنو کہ مکھیاں کھا جائیں۔

فرمایا سب سے (بشرطیکہ اسلام بھی اس کی اجازت دیتا ہو) مل جل کر رہو اور کسی سے دشمنی نہ کرو۔

فرمایا کہ مرید ہونے کے بعد اپنے پرانے حریفوں کے ساتھ نشست و برخاست نہ کی

جائے ممکن ہے کہ وہ تمہیں گمراہ کر دیں اور تمہارے راستہ میں خلل انداز ہوں، اور دہلیز پر بھی نہ بیٹھا جائے ممکن ہے کہ شیطان صفت انسان آ کر راستہ سے ہٹا دیں۔

مولانا جلال الدین مانک پوری رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۳۱ء............۱۳۲۵ء

آپ شیخ حسام الدین مانک پوری کے جد امجد تھے، بڑے عالم، عابد، صابر متقی بزرگ تھے۔ مشہور ہے کہ نماز عشاء پڑھنے کے بعد آپ اس وقت تک آرام کیا کرتے جب تک عام طور پر لوگ جاگتے رہتے ہیں، جب لوگ سو جاتے تو آپ کھڑے ہو جاتے اور فجر کی نماز تک عبادت کرتے رہتے، روزانہ اکتالیس مرتبہ آپ سورۂ یٰسین پڑھا کرتے تھے اور نماز چاشت کے بعد لوگوں کو مسائل شرعیہ کا درس دیا کرتے تھے اور آپ کا ذریعہ معاش کتابت تھی، قرآن کریم لکھتے اور دہلی بھیج دیتے جس کا ہدیہ پانچ سو روپے ہوتا، اور بلا وضو کبھی آپ قلم کو ہاتھ نہ لگایا کرتے جن دنوں چوروں اور ڈاکوؤں کا شہر میں دور دورہ ہوتا تو آپ اس خطرے سے گوشت کھانا ترک کر دیتے تھے کہ کہیں یہ جانور چوری کا نہ ہو، آپ خواجہ نظام الدین اولیاء کے خلیفہ شیخ محمد کے ارادتمند تھے، شیخ محمد بادشاہوں جیسے بہترین لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے، امیروں کے مثل زندگی بسر کرتے اور بادشاہوں کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ مانک پور تشریف لے گئے، شہر کے قاضی اور ان کے صاحبزادے آپ سے ملاقات کرنے کے لیے آئے اور ان لوگوں نے اپنے دل میں یہ منصوبہ بنایا کہ اگر شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ ہمیں مصری منگوا دیں تو ہم انہیں صاحب کشف و کرامت بزرگ تسلیم کریں گے، چنانچہ شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا جلال الدین سے فرمایا کہ کچھ لوگ ہمارا امتحان لینے کی غرض سے آرہے ہیں کچھ مصری لے آؤ قاضی صاحب بمع صاحبزادگان جب حاضر ہوئے تو مصری کو موجود پا کر دل ہی دل میں شرمندہ ہوئے، اس کے بعد قاضی صاحب نے شیخ محمد کو دعوت دی کہ آپ میرے گھر تشریف لے چلیں، شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ چالیس برس ہو چکے ہیں میں نے کسی قاضی کے گھر کا کھانا نہیں کھایا

(اس لیے آپ کی دعوت قبول نہیں) جب یہ محسوس کیا کہ اس سے قاضی صاحب کبیدہ خاطر ہو گئے ہیں تو فوراً پوچھا کہ آپ کے بیٹے کی محکمہ قضاء کی طرف سے کوئی تنخواہ مقرر ہے؟ قاضی صاحب نے جواب دیا کہ نہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ لڑکا اگر اپنی ملکیت سے کھانے کا انتظام کرے تو ہم ضرور کھانا کھائیں گے۔

مولانا خواجہ

۱۳۷۲ء............................۱۴۰۹ء

آپ شیخ حسام الدین مانک پوری کے والد محترم تھے، بڑے متقی بزرگ تھے اکثر اوقات فاقہ کیا کرتے تھے، ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ کے ہاں تین روز سے مسلسل فاقہ کی حالت تھی، اسی دوران ایک شخص کوئی مسئلہ پوچھنے کے لیے آیا اور ساتھ ہی کچھ نقدی لایا، آپ نے فتویٰ اس کے حوالہ کیا اور وہ نقدی بھی واپس کر دی جب آپ کے گھر والوں کو اس بات کا علم ہوا تو وہ آپ پر سخت برہم ہوئے، مغرب کی نماز کے وقت ملک عین الدین مانک پور آئے وہ ایک دعا پڑھ رہے تھے اس میں کچھ الفاظ مشکل آ گئے جن کے مفہوم کو وہ نہ سمجھ سکے تو لوگوں سے دریافت کیا کہ اس شہر میں کوئی عالم بھی ہے، اس کے ساتھیوں نے مولانا خواجہ کا نام لیا تو اس نے مولانا موصوف کو بلایا اور جو مشکل تھی وہ دریافت کی اور جتنی نقدی پہلے فتویٰ لینے والا لایا تھا اس سے دو چند نقدی اور کپڑے اور کھانے مزید براں مولانا کو دیئے، مولانا نے وہ قبول کر لیے اور گھر واپس لوٹ کر اہل خانہ کو بتلایا کہ میں نے ذرا جرأت و ہمت کر کے مشکوک مال کو رد کر دیا تو خدا تعالیٰ نے اس سے دو چند طیب مال عطا کر دیا اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

شیخ کالو رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۸۹ء............................۱۴۲۵ء

آپ شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ مانکپوری کے مرید اور خلیفہ تھے، آپ کا اصلی نام شیخ کمال تھا لیکن آپ کو شیخ کالو رحمۃ اللہ علیہ سے یاد کیا کرتے تھے، بڑے بلند پایہ اور صاحب ریاضت بزرگ تھے، آپ کا مزار کڑہ (مانکپور) میں ہے، اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

مولانا شیخن رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۸۲ء.............۱۴۴۲ء

آپ قرآن کریم کے حافظ تھے، آپ نے تمام زندگی مانکپور ہی میں خلوت نشینی کے ساتھ گزاری تھی، بڑی کثرت سے لوگ آپ کے پاس آیا کرتے تھے، جو کوئی آپ کو کھانا پیش کرتا تو اس میں سے ایک لقمہ اٹھا کر کھا لیتے اور باقی اسی کو واپس کر دیتے، جب کوئی کاشتکار آپ کے پاس آتا تو اس سے اس کی کھیتی اور جانوروں کے حالات پوچھتے۔

شیخ حسام الدین مانک پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے مولانا شیخن سے دریافت کیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں (یعنی ان لوگوں سے ان کی کھیتی اور جانوروں کی باتیں کیوں کرتے ہیں۔ فاضل ۱۲) تو آپ نے فرمایا کہ ان بے چاروں کو تصوف اور سلوک سے کیا تعلق، ان سے ان کی متعلقہ چیزوں کی باتیں کرتا ہوں تاکہ یہ لوگ خوش ہو جایا کریں اور اپنے گھر جا کر فخر سے بیان کریں کہ ہمارے پیر نے ہم سے یہ یہ پوچھا اور یوں فرمایا۔

شیخ علی پیرو گجراتی رحمۃ اللہ علیہ

آپ صوفی اور بڑے موحد عالم تھے، علوم باطنی اور ظاہری میں کامل دسترس رکھتے تھے، آپ نے بہت سی کتابیں بھی لکھی تھیں جو بہت عمدہ اور مفید ہیں آپ کی تالیفات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) شرح فصوص الحکم، اس میں آپ نے ظاہر کو باطن کے مطابق کرنے کی کوشش کی ہے۔ (۲) جادلۃ التوحید، اس میں بہت ہی مختصر اور پاکیزہ مضامین ہیں۔

ان کے علاوہ بھی آپ نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں، آپ کی پیدائش میں ہوئی (مولانا نے اتنی بات لکھی ہے اور کوئی عدد سن پر نہیں لکھا، شاید کتابت کی غلطی سے سن رہ گیا ہو یا مولانا کو لکھتے وقت سن یاد نہ ہو اور اس پر عدد لکھنے کو مزید تحقیق پر موقوف رکھا ہو اور بعد میں لکھنا بھول گئے ہوں، بہرحال کسی نامعلوم وجہ سے سن متروک ہے۔ فاضل ۱۲) اور رسالہ "جادلۃ التوحید میں"، عقلی و نقلی دلائل سے شکوک و شبہات کا محققانہ انداز سے اماطہ و ازالہ کیا ہے، اس رسالہ کے ابتدا میں بہت سی قرآنی آیات اور احادیث نبوی لکھی ہیں جو نفس مضمون

کے لیے کافی موضح اور مبین ہیں، اور اس کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ وہ دلائل ہیں جو منکرین توحید کے قلوب سے کفر و شرک کے مہیب پردوں کو دور کرتے ہیں۔

(۱) فاینما تولوا فثم وجه الله ان الله واسع علیم ۔

(۲) سنریهم ایاتنا فی الافاق وفی انفسهم حتے یتبین لهم انه الحق ۔

(۳) اولم یکف بربك انه علی کل شیء شهید ۔

(۴) الا انهم فی مریة من لقاء ربهم الا انه بکل شیء محیط ۔

(۵) هو الاول والاخر والظاهر والباطن وهو بکل شیء علیم

(۶) نحن اقرب الیکم منکم ولکن لا تبصرون ونحن اقرب الیه من حبل الورید ۔

(۷) وهو معکم اینما کنتم ۔

(۸) کل من علیها فان ویبقٰی وجه ربك ذوالجلال والاکرام ۔

(۹) الله نور السمٰوٰت والارض ۔

اور اخبار نبویہ میں سے بہترین وہ مقولہ ہے جس کو اہل عرب کہا کرتے تھے لبید کے قول سے ع الا کل شیء ما خلا الله باطل

حدیث میں آتا ہے کہ نوافل پڑھتے پڑھتے بندہ اللہ کے قریب ہو جاتا ہے اور اللہ کا محبوب بن جاتا ہے، اس کے بعد تو بندہ کی اللہ قوت سماعت بن جاتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ سنتا ہے اور قوت دید بن جاتا ہے جس کے ذریعہ وہ دیکھتا ہے، مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اگر تم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو گے تو اللہ کے بن جاؤ گے۔

اس کے علاوہ بھی قرآنی آیات اور نبوی فرمودات اور جمہور امت کے اقوال ہیں جن کو دیکھ کر شبہات دور کر کے اس کی معرفت حاصل کی جا سکتی ہے۔

شیخ محمد عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ

آپ جونپور کے بڑے اولیاء اللہ میں سے تھے، ان لوگوں میں سے تھے جو اللہ کی راہ پر صدق دل سے چلتے ہیں آپ صاحب مقامات عالیہ اور احوال مفیدہ تھے، آپ کی ولایت

اور عظمت و کرامت پر سب کا اتفاق ہے، آپ شیخ فتح اللہ اودھی کے مرید تھے، آپ کے والد بزرگوار شیخ احمد عیسیٰ دہلی کے باعزت لوگوں میں سے تھے، امیر تیمور جب دہلی آیا تو اکثر بڑے بڑے لوگ جونپور چلے گئے تھے انہی لوگوں میں شیخ احمد عیسیٰ بھی شامل تھے، جس وقت دہلی میں فسادات شروع ہوئے اور شیخ محمد عیسیٰ کے والد جونپور کی طرف روانہ ہوئے اس وقت آپ کی عمر سات آٹھ برس کے لگ بھگ تھی، آپ بچپن ہی میں سعادت ازلی اور طبعی استعداد کی وجہ سے شیخ فتح اللہ کے مرید ہوگئے اور شیخ کے ارشاد پر ہی آپ نے ایک دراز مدت تک ملک العلماء قاضی شہاب الدین سے علوم نقلیہ اور عقلیہ کی تعلیم حاصل کی۔

قاضی صاحب نے اصول بزدوی کی شرح بحث امر تک لکھی تھی، آپ نے اس کے مطابق اس کی تکمیل کردی تھی، علوم ظاہری سے فراغت حاصل کرنے کے بعد پھر تزکیہ قلب کے لیے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باطنی علوم کو مکمل طور پر حاصل کیا اور باطن کی صفائی میں اس قدر منہمک ہوگئے کہ ظاہر سے یکسر بے خبر ہوگئے، مشہور ہے کہ اتفاق سے آپ کے کمرے میں سامنے ایک درخت خود بخود پیدا ہوا اور خوب بڑھا مگر آپ کو مدت دراز تک اس درخت کی خبر نہ ہوئی چنانچہ ایک دن جس جگہ پر آپ بیٹھے تھے اس درخت کے چند پتے گرے تو لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ پتے کہاں سے آئے ہیں؟ پھر لوگوں نے تمام کیفیت سے آگاہ کیا تب جا کر آپ کو خبر ہوئی، کہ یہ پتے اس درخت کے ہیں جو اس مکان کے دروازے پر ہی اگا اور بڑھا ہے۔

آپ ہمیشہ مراقبہ میں رہا کرتے تھے، جسم کی تمام ہڈیاں ابھر آئی تھیں اسی طرح سینہ اور ٹھوڑی بھی اندر کو گھس گئے تھے، آپ کا مزار جونپور میں ہے۔

قاضی شہاب الدین دولت آبادی رحمۃ اللہ علیہ

۷۶۱ھ.............................۸۴۸ھ

آپ کے اوصاف کی شہرت بیان کی محتاج نہیں ہے، آپ کے زمانہ میں اگرچہ بڑے بڑے شہیر فی الآفاق اکابر موجود تھے جو آپ کے اساتذہ اور ہمعصر تھے، لیکن خدا تعالیٰ نے جو شہرت اور مقبولیت آپ کو عطا فرمائی تھی وہ اور کسی کو نہیں ملی، آپ کی تصنیفات میں ایک

کتاب، مشہور کتاب کافیہ کا حاشیہ ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔ اور وہ حاشیہ آپ کی زندگی ہی میں تقریباً تمام جہاں میں شہرت پذیر ہو گیا تھا، اسی طرح علم نحو میں آپ کی ایک کتاب بنام ''ارشاد'' ہے جس میں مسائل کے تحت امثلہ بھی بیان کی ہیں اور ایک اچھوتے طرز پر یہ کتاب لکھی ہے اس کی عبارت میں تسلسل اور نہایت عمدگی ہے، نیز علم بلاغت میں قرین اور بدیع البیان بھی لکھی ہیں جس میں سجع کا بہت خیال رکھا گیا ہے، اسی طرح فارسی زبان میں قرآن کی تفسیر ''بحر مواج'' کے نام سے لکھی ہے جس میں ترکیب اور معنی وصل وفراق ہیں اس میں بھی سجع کے تکلفات ہیں یہ نہایت عمدہ کتاب ہے اسی طرح اصول بزددی کی شرح بھی بحث امر تک اور اس کے علاوہ فارسی اور عربی زبان میں کتابیں تحریر فرمائی ہیں اور تقسیم علوم وصنائع وغیرہ میں بھی فارسی زبان میں کتابیں لکھی ہیں، آپ فارسی زبان کے شاعر بھی تھے ایک بادشاہ کے نام ایک لونڈی کی ضرورت پر آپ نے ایک قطعہ بھی لکھا ہے جو بہت مشہور ہے۔

قطعہ

این نفس خاکسار کہ آتش خدائے اوست   بر بادگشت لائق بے آب کردن است

یک کس چناں فرست کہ پا بر سرم نہد   ریز دہمہ منی و تکبر کہ درمن است

آپ نے ۸۴۹ ہجری میں وفات پائی، آپ کی قبر جونپور میں ہے، قاضی شہاب الدین اپنے رسالہ ''مناقب السادات'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے اس رسالہ میں اہل بیت کی محبت وعقیدت تحریر کی ہے جو سرمایہ سعادت وذریعہ نجات اخروی ہوگا۔

اس کتاب کی تالیف کے متعلق لوگوں میں مشہور ہے کہ اس زمانہ میں ایک بہت بڑے بزرگ بنام سید اجمل تھے مگر وہ علم وفضل کے زیور سے خالی تھے شاہی محافل میں اول وآخر درجہ کی نشست کے بارے میں کچھ جھگڑا تھا، قاضی شہاب الدین ابتدا تو علوی سید اور عامی آدمی پر عالم کی فوقیت اور افضلیت کے قائل تھے لیکن اس کے بعد عالم غیر علوی اور علوی کے مقام اور مرتبہ کے برابری اور تسویہ کے قائل ہو گئے اور اسی مسئلہ پر آپ نے یہ رسالہ لکھا، اس میں لکھا تھا کہ ہمارا عالم ہونا تو متیقن اور محقق ہے لیکن تمہارا علوی ہونا مشکوک ہے اس لیے تم سے ہم بہتر ہیں (لہٰذا ہمارا مقام مقدم ہونا چاہئے) مگر قاضی شہاب الدین کی یہ بات

آپ کے استاد کو پسند نہیں تھی، اس لیے آپ کے استاد آپ کی طرف سے کبیدہ خاطر ہو گئے، بعدہٗ قاضی صاحب اپنے ان خیالات سے توبہ کی، اور ایک کتاب بنام "مناقب السادات" لکھی اور پہلے جو کچھ لکھا یا کہا تھا اس سے معذرت چاہی۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ قاضی صاحب کو خواب میں نبی علیہ السلام نے تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ سید اجمل کو راضی کرو، اس کے بعد آپ سید اجمل کے پاس گئے اور معافی مانگ کر ماسبق خیالات سے رجوع کیا، اور پھر مناقب السادات لکھی، واللہ اعلم بالصواب۔

قاضی نصیر الدین گنبدی رحمۃ اللہ علیہ

ا۷۷ھ.........................۸۶۲ھ

آپ بڑے دانشمند بزرگ تھے، دنیا اور اہل دنیا سے بالکل الگ تھلگ رہتے تھے کہتے ہیں کہ آپ کے طالب علم آپ کی خانقاہ کی زنجیر پکڑ کر کھڑے رہا کرتے تھے تاکہ فاقہ اور ضعف کی وجہ سے گر نہ جائیں۔

منقول ہے کہ قاضی شہاب الدین نے کافیہ کا حاشیہ لکھ کر آپ کی طرف بھیجا اور درخواست کی کہ اس میں کچھ اضافہ فرمادیں تاکہ اور بھی زیادہ فائدہ رساں ہو جائے، آپ نے کثرت مشاغل یا بحث ونزاع کے سدباب کے لیے اس پر سرسری نظر ڈال کر لکھا کہ یہ کتاب آپ نے بہترین لکھی ہے اس میں مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں، آپ کا مزار جونپور میں ہے۔

شاہ میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ

۸۰۹ھ.........................۸۸۷ھ

آپ ایک ہی واسطہ کے ذریعہ میر سید محمد گیسو دراز کے مرید تھے، بڑے کامل بزرگ تھے، مندو میں اس وقت آپ سے بڑھ کر اور کوئی بزرگ نہ تھا، آپ مندو کے علاقہ کے مسلم بزرگ تھے، آپ کی عمر ایک سو بیس برس کی اور آپ کے شیخ کی ایک سو پچاس برس کی تھی، کہتے ہیں کہ آپ رجب کے اوائل میں دسویں محرم الحرام تک اعتکاف میں بیٹھا کرتے تھے اور اپنے کمرے کے دروازے کو پتھروں سے بند کروا دیا کرتے تھے اور اس چھ ماہ کے

درمیان کچھ نہ کھایا کرتے تھے، صرف تھوڑا سا پانی پی کر اسی پر اکتفا کر لیا کرتے تھے، اس چھ ماہ کے اعتکاف کو ختم کر کے جب کمرے سے باہر نکلنے کا ارادہ فرماتے تو اندر سے بلند آواز سے چیختے تا کہ کوئی آپ کے سامنے نہ رہے ورنہ آپ کی جلالی نظر کی تاب نہ لا سکے گا، اتفاق سے اگر کوئی آدمی وہاں رہ جاتا اور آپ کی اس پر نظر پڑ جاتی تو وہ تین دن تک وہ بے ہوش پڑا رہتا تھا، شہر کا قاضی آپ کی ولایت وکرامت کا منکر تھا اور اکثر آپ سے احتساب کرتا رہتا تھا، ایک دفعہ جب آپ اپنا اعتکاف پورا کر کے کمرے سے باہر نکلے تو اسوقت اتفاق سے شہر کا قاضی وہاں موجود تھا، آپ کی نظر جونہی قاضی پر پڑی تو وہ بے ہوش ہو گیا، کہتے ہیں کہ ایک بار یہی قاضی ایک ڈولی پر سوار ہو کر آپ کے مکان پر بقصد احتساب آیا، آپ کو اطلاع کی گئی، آپ نے اپنے مکان کی کھڑکی سے قاضی کی جانب نظر کی تو قاضی کے کہاروں کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور قاضی کے ہاتھ سے درہ گر گیا اور قاضی چونکہ شریعت کا بڑا پابند تھا (اس کے عقیدہ میں ذرا برابر بھی فرق نہ آیا) اس لیے درہ کو زمین سے اٹھایا اور چھت پر چڑھنے کا قصد کیا مگر شیخ خود ہی چھت سے نیچے اترے اور قاضی کا ہاتھ پکڑ کر چھت پر لے گئے وہاں قاضی کی ایک بوتل پر نظر پڑی جس میں شراب تھی، پوچھا یہ کیا ہے؟ آپ نے اس میں سے ایک پیالہ بھر کر قاضی صاحب کو دیا جو خالص مصری کا شربت تھا، اس کے باوجود بھی قاضی نے اس شربت کو نہ پیا۔

شیخ کبیر رحمۃ اللہ علیہ

۷۹۹ھ.........................۸۶۳ھ

آپ شیخ فرید بن عبدالعزیز بن شیخ حمید الدین صوفی ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے، بڑے بزرگ اور بلند مرتبہ ولی تھے، علوم ظاہری و باطنی میں آپ کو کمال حاصل تھا، کتاب دہن جو مصباح کی شرح ہے، آپ کی ہی تصنیف ہے، ناگور سے کافروں کی فرقہ پردازیوں کی وجہ سے ہجرت کر کے گجرات چلے گئے تھے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کی۔

خواجہ حسین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۹۰ھ..............................۱۴۹۵ھ

آپ بھی صوفی حمید الدین ناگوری کی اولاد میں سے تھے، بڑے ولی اللہ اور صاحب کرامات و مقامات عالیہ تھے، علم شریعت، طریقت، حقیقت میں جامع بزرگ تھے، تمام سالنان ناگور کے نزدیک آپ مسلم بزرگ تھے، ذوق میں کامل، عشق میں اکمل اور علم میں اتم، زہد و تقویٰ میں اعرف تھے، شیخ وحید کی اولاد میں سے اور شیخ کبیر کے مریدوں میں سے تھے، اپنے شیخ کی گجرات میں عرصہ دراز تک خدمت کرتے رہے، اللہ کی نظر عنایت اور ذاتی محنت کی بدولت ظاہری علوم سے فراغت حاصل کر لینے کے بعد اپنے وطن تشریف لائے اور عرصہ دراز تک خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر مجاور رہے اور خدا کی عبادت کرتے رہے۔

جس زمانہ میں اجمیر غیر آباد تھے اور اس کے اردگرد شیروں کی چراگاہیں تھیں اس وقت خواجہ معین الدین کے مزار پر گنبد وغیرہ نہ تھا تو آپ ہی نے خواجہ صاحب کے روضہ کی عمارت بنانے میں ابتداء کی، پھر خواجہ صاحب ہی کے اشارہ سے اجمیر کو چھوڑ کر ناگور چلے گئے اور علم دین کی تعلیم اور ارباب یقین کے طریقہ کی تلقین میں مشغول ہوگئے، آپ نے ایک تفسیر بنام ''نور الٰہی'' لکھی ہے جس میں ہر پارہ کی علیحدہ علیحدہ تفسیر کی ہے اور ہر ایک کی جدا جدا جلدیں ہیں، اس میں آپ نے حل تراکیب اور قرآن کریم کے وہی معنی جو دوسرے مفسرین نے لکھے ہیں بڑی وضاحت سے بیان کئے ہیں۔ مفتاح کی قسم ثالث پر بھی آپ نے ایک شرح لکھی ہے، علاوہ ازیں اور بھی متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔

کہتے ہیں کہ سوانح شیخ احمد غزالی کی بھی شرح لکھی ہے، آپ نبی علیہ السلام کی محبت میں فنا تھے، چنانچہ اپنا گھر، کنواں اور ایک باغ جو آپ کا کل اثاثہ تھا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر وقف کر دیا تھا۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے اپنے جد امجد کا عرس کیا اور کھانا تیار کرا کر لوگوں کو کھلایا اور اپنے حصہ کا کھانا افطار کے لیے رکھ لیا، آپ کے علاوہ اہل ناگور نے بھی آپ کے

جد امجد کے عرس کے موقع پر چاول اور ساگ وغیرہ کا کھانا تیار کیا، آپ نے اس میں سے بھی اپنا حصہ لیا اور سب کو یکجا کر کے افطاری کے لیے رکھ دیا، اتفاقاً غیب سے چار آدمی آئے جنہیں کوئی نہ جانتا تھا اور یہ چاروں کوڑھی تھے اور یہ مرض اتنا سخت تھا کہ انگلیوں سے خون اور پیپ ٹپک رہا تھا انہوں نے آپ سے کھانا طلب کیا، خواجہ صاحب نے جو کھانا اپنے لیے رکھا تھا وہ ان کے حوالہ کر دیا، انہوں نے وہ کھانا کھا کر تھوڑا سا اس برتن میں بچا دیا اور خواجہ صاحب سے کہا کہ اسے تم کھالینا، چنانچہ خواجہ صاحب نے وہ پس خوردہ سب کھالیا، اس دن کے بعد خواجہ صاحب کے لیے خدا تعالیٰ نے ایک دوسرا دروازہ کھول دیا۔

منقول ہے کہ اہل ناگور کے رواج کے مطابق آپ کے پاس بھی ایک گاڑی تھی جس پر سوار ہو کر خود ہی چلایا کرتے تھے اور خود ہی گاڑی کے بیلوں کی نگہداشت کیا کرتے تھے (سادہ ہونے کی وجہ سے) پھٹے پرانے کپڑے زیب تن فرمایا کرتے تھے، آپ کی اولاد میں سے ایک شخص بنام شیخ عبدالقادر جو فقیرانہ مسلک رکھتا تھا دہلی آیا، اس کے پاس خواجہ حسین ناگوری کی اکثر و بیشتر چیزیں تھیں ان چیزوں میں آپ کی پگڑی، کرتہ، پائجامہ بھی تھا لیکن ان کپڑوں کی کیفیت یہ تھی کہ ان میں سے دو ایک کپڑے تو ایسے تھے کہ جن کی قیمت بمشکل ایک پیسہ فی گز ہوگی، میں مصنف اخبار الاخیار نے ان چیزوں کو اس شخص کے پاس بچشم خود دیکھا ہے۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ سماع میں آپ پر ایک حالت طاری ہوئی، آپ اسی حالت میں جنگل کی طرف روانہ ہوئے، ایک خاکروب آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا وہ اور کچھ غزل خواں بھی آپ کے پیچھے پیچھے ہو لیے، یہ نو مسلم ظاہراً و باطناً پاکیزہ اور صاف تھا، شہر ناگور کے باہر ایک بڑا حوض ہے، شیخ اس حوض پر حالت جذب میں اس طرح چلنے لگے جیسے کوئی زمین پر چلتا ہے، یہ نو مسلم بھی آپ کے پیچھے اس طرح چلتا رہا کہ کبھی گرتا اور کبھی اٹھتا اور پھر چلتا۔

منقول ہے کہ آپ کو مندو کے بادشاہ سلطان غیاث الدین خلجی نے آپ کو بلایا مگر آپ اس کے پاس تشریف نہ لے گئے، ایک دفعہ سلطان کے پاس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک لایا گیا، لوگوں نے بادشاہ سے کہا کہ اگر موئے مبارک کی اطلاع خواجہ

حسین کو ہو جائے تو وہ بے اختیار فوراً یہاں آجائے چنانچہ بادشاہ نے آپ کو اطلاع کرا دی تو آپ اسی وقت مندو کا قصد کر کے درود شریف پڑھتے ہوئے نہایت ذوق وشوق سے روانہ ہوئے اور جب مندو کے نزدیک پہنچے تو بادشاہ اپنے شاہی اعزاز کے ساتھ آپ کے استقبال کے لیے آیا جب اس نے دیکھا کہ ایک غبار آلود پھٹے پرانے کپڑوں والا اپنی گاڑی کو خود چلاتے ہوئے آ رہا ہے تو وہ سمجھا کہ خواجہ حسین شاید کوئی اور ہوں گے جب لوگوں نے بتلایا کہ خواجہ صاحب یہی ہیں تو اس نے خواجہ صاحب کا مزاج پوچھنا چاہا، لیکن شیخ کو اس کے جواب کی فرصت کب تھی وہ تو بے خودی کے عالم میں موئے مبارک کے دیدار کے لیے آ رہے تھے، کہتے ہیں کہ موئے مبارک پر جب خواجہ صاحب کی نظر پڑی تو وہ خود بخود اڑ کر آپ کے ہاتھ میں آ گیا، اس کے بعد بادشاہ آپ کو اپنے والد بزرگوار کی قبر پر لے گیا، اور اس کے لیے دعا کی درخواست کی، آپ نے دعا کی اور کشف کے ذریعہ صاحب قبر کی جو حالت معلوم ہوئی وہ بتلا دی، اس کے بعد سلطان بادشاہ نے آپ کو بڑے قیمتی تحائف دینا چاہے، مگر آپ نے قبول نہ فرمایا، کہتے ہیں کہ ان تحائف کو دیکھ کر خواجہ صاحب کے لڑکے کے دل میں کچھ رغبت پیدا ہوئی شیخ کو کشف کے ذریعہ اس کا علم ہو گیا تو فرمایا اے بیٹے! یہ سانپ ہیں اور سانپ کو کوئی شخص بھی رکھنا پسند نہیں کرتا، اس کے بعد بھی جب دیکھا کہ لڑکے کے دل میں ابھی ان چیزوں کی رغبت باقی ہے تو فرمایا کہ اچھا اگر اس سے خواجہ بزرگ اور اپنے دادا کے روضہ کی عمارت بنوائے تو لے لے کیونکہ میرے شیخ نے فرمایا تھا کہ تمہیں دولت ملے گی اس کو اپنے بزرگوں کی قبروں کی تعمیر پر خرچ کر دینا۔ کہتے ہیں کہ آپ کے اس صاحبزادے کو سوائے اس کے جو مندو میں دولت ملی تھی اس کے بعد اور کچھ نہیں ملا۔

خواجہ صاحب کے مزار کی بالائی عمارت سلطان غیاث الدین خلجی نے خود بنوائی تھی البتہ آپ کے روضہ کا دروازہ مندو کے دوسرے بادشاہوں نے بنوایا تھا شیخ حمید الدین صوفی ناگوری کے روضہ اور دروازہ کی عمارت اور مقبرہ اور ناگور کی چار دیوار سلطان محمد تغلق نے بنوائی تھی۔

شیخ احمد مجد شیبانی رحمۃ اللہ علیہ

۸۳۲ھ.........۹۲۷ھ

آپ بڑے بزرگ اور علوم شریعت و طریقت میں کامل، زہد و تقویٰ کے حامل، ذوق اور وجد و حال کے استاد تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بہت کوشاں رہتے تھے اہل دنیا آپ کی نظروں میں بے وقعت تھے، آپ کی محفل کا رنگ سفیان ثوری کی محفل کی طرح ہوتا تھا، آپ خواجہ حسین ناگوری قدس اللہ سرہٗ کے مرید تھے، کہتے ہیں کہ اٹھارہ برس تک آپ نے مسلسلہ درس تدریس کا کام کیا تھا، نارنول میں پیدا ہوئے اور اجمیر میں پرورش پائی، آپ کے والد قاضی مجد الدین بن قاضی تاج الافاضل بن شمس الدین شیبانی تھے جو امام محمد شیبانی کی اولاد میں سے تھے اور وہ امام ابو حنیفہ کے تلمیذ تھے، قاضی مجد الدین کے سات بیٹے تھے جو سب کے سب ہونہار، متقی، دیانتدار اور چوٹی کے عالم تھے، سب سے بڑے بیٹے کا نام شیخ احمد مجد شیبانی تھا جو علم وعمل میں تمام بیٹوں پر فوقیت رکھتے تھے، آپ طالب علمی کے زمانے میں عالموں سے مناظرہ کرتے اور عربی و فارسی زبان میں تقریر بھی کرلیا کرتے تھے اسی طرح بادشاہوں اور رئیسوں کی محافل میں بھی شریک ہوتے اور دھڑتے سے باتیں کیا کرتے تھے، جوانی ہی میں خواجہ حسین رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوگئے تھے اس کے بعد مباحثہ اور بادشاہوں کے پاس آمد ورفت سے توبہ کر کے علم طریقت شیخ سے حاصل کیا، اٹھارہ برس کی عمر میں نارنول سے اجمیر آئے اور ستر برس تک یہاں ریاضت و عبادت میں گزارے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں آپ کے نزدیک امیر وغریب، اپنا پرایا سب برابر تھے کسی کی جانبداری نہ کیا کرتے تھے۔

منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں ایک مرتبہ تلاش معاش کے لیے اپنے رشتہ داروں کے ہمراہ مندو گیا اس وقت میری عمر بہت معمولی تھی، شیخ محمود دہلوی وہاں کے شیخ الاسلام اور صدر العلماء تھے، نماز میں انہوں نے امام سے قبل ہی اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لیے، نماز سے فراغت کے بعد کسی نے بھی ان سے کوئی تعارض نہ کیا، میں نے جب دیکھا کہ کوئی بھی ان سے کچھ نہیں کہہ رہا تو میں آگے بڑھا اور شیخ الاسلام سے کہا کہ آپ کی نماز

نہیں ہوئی اس لیے کہ آپ نے امام کی تکبیر سے پہلے اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لیے تھے۔

مندو والوں کی عادت تھی کہ زمین کی طرف جھک کر اور اپنا انگوٹھا زمین پر رکھ کر شیخ الاسلام کو سلام کیا کرتے تھے لیکن شیخ احمد مجد اور قاضی ادریس دہلوی، شیخ الاسلام کو اس طرح اس لیے سلام نہ کرتے تھے کہ یہ رسم ناجائز خلاف شرع اور بدعت تھی بلکہ یہ دونوں بزرگ السلام علیکم کہتے اور بادشاہ وقت کے برابر بیٹھتے تھے، بادشاہ وقت نے انصاف کی خاطر قاضی ادریس کو اجمیر کا قاضی مقرر کر کے چار گاؤں انعام میں دیئے اور شیخ احمد مجد کو مفتی بنا دیا جو آپ کے آباء واجداد کا کام تھا، شیخ احمد مجد کو خاندان نبوت سے بڑی محبت والفت تھی، اپنے شیخ کے اصول کے مطابق دسویں محرم اور بارہ ۱۲ ربیع الاول کو نئے اور دھلے ہوئے کپڑے نہ پہنا کرتے تھے اور ان ایام میں راتوں کو زمین پر سویا کرتے تھے، اور سادات کے قبرستان میں اعتکاف کرتے، اور دن کو ازواج مطہرات اور نبی علیہ السلام کی روح کو ایصال ثواب کی غرض سے لوگوں کو کھانا کھلاتے تھے اور دسویں محرم الحرام کو نئے لوٹے شربت سے پر کر کے اپنے سر پر رکھ کر سادات کے گھروں میں جاتے اور ان کے فقیروں اور درویشوں کو پلاتے اور ان دنوں خوب رویا کرتے تھے، اس علاقے کی رسم تھی کہ یہاں کی لڑکیاں جمع ہو کر اس دن خوب نالہ وگریہ کیا کرتی تھیں، جب ان کے نالہ وبکاء کی آواز سنتے تو آپ کی حالت بھی دگرگوں ہو جاتی اور خوب روتے۔

صحابہ کرام اور تمام مشائخین کی فاتحہ خوانی حتی الامکان ترک نہ کرتے، نعتیہ کلام کے خوب رسیا تھے، اس کے طالب نہ تھے اور نہ ہی رقص و وجد کرتے اسی طرح محفل سماع بھی منعقد نہ کرتے تھے، عموماً آپ پھٹا ہوا لباس پہنتے، خوب دھلا ہوا لباس زیب تن نہ فرماتے، اکثر و بیشتر پوٹی پہنا کرتے تھے اور نماز کے علاوہ سر پر دستار بہت کم رکھتے تھے البتہ ایک عمامہ اور ایک نفیس پوشاک ہمیشہ تیار رکھتے تھے جس کو نماز جمعہ اور عیدین میں استعمال فرماتے، اور محفل وعظ میں شیروں کی طرح جوانمردی سے بیٹھتے، اور خدا اور اس کے رسول کے احکام کو ایسی عظمت اور ہیبت سے بیان کرتے کہ بادشاہوں کے دل بھی موم ہو جاتے، اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں سے فرمایا کرتے تھے کہ دنیا والوں کو دینداروں پر ترجیح نہیں دینی چاہئے کیونکہ اہل دنیا محض ظاہر میں ہوتے ہیں (وہ اپنے ظاہر کو صاف رکھتے ہیں

اور اہل دین اپنے باطن کو دیکھتے ہیں بنابریں وہ اپنے باطن کو صاف کرتے ہیں لہٰذا دنیا داروں سے دینداروں کو اچھا سمجھا جائے۔ فاضل ۱۲)

آپ اپنے زمانے اور شہر کے مجذوبوں اور فقیروں کی عزت کیا کرتے تھے، اگر اتفاقیہ آپ کہیں سواری پر جاتے ہوتے اور راستے میں کوئی مجذوب مل جاتا تو اپنی سواری سے اتر کر دست بستہ کھڑے ہو جاتے اور جو وہ حکم کرتا اس پر عمل کرتے، اگر آپ کے سامنے کسی کی غیبت یا کوئی ناجائز بات کرتا تو آپ اس سے فوراً فرماتے کہ بابو خاموش رہو۔

اگر کوئی آپ کے سامنے آپ کا نام مع الاحترام والاعزاز لیتا جیسا کہ عموماً ارادتمند اپنے مطاع کا نام لیتے ہیں تو آپ آبدیدہ ہو کر فرماتے کہ میں تو بہت بدکردار ناہجار ہوں، اور اسی طرح منقول ہے کہ خواجہ حسن کو بھی اپنے تعریف و منقبت پسند نہ تھی جب کوئی ان کے سامنے تعظیم و تکریم سے پیش آتا تو آپ فرماتے کہ میں تو رانک ہوں اور رانک کمینہ کو کہتے ہیں جو لوگوں میں ذلیل سمجھا جائے۔

اگر آپ کے سامنے کوئی آکر کہتا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے تو آپ باادب دوزانو ہو کر بیٹھتے اور تمام واقعہ سننے کے بعد اس کے ہاتھ پاؤں کو چومتے، اس کے دامن و آستین کو اپنے منہ پر ملواتے اور جس جگہ وہ خواب دیکھتا اس جگہ پر بھی جاتے اور اس جگہ کو چومتے وہاں کی خاک و گرد و غبار کو اپنے چہرے اور بالوں پر ملتے، اگر وہ مقام پتھر ہوتا تو اس پتھر کو دھلواتے اور اس پانی کو پیتے اور تمام بدن اور کپڑوں پر گلاب کی طرح چھڑکتے۔

اگر کسی سید سے کسی کی لڑائی جھگڑائی ہوتی تو آپ اس کے پاس خود جاتے اور اس کی خوشامد در آمد کر کے سید کی بات اونچی رکھتے اور فرماتے کہ ان سے اگر کسی مقام پر شرعاً خصومت کا حق بھی ہو تب بھی مروت ہی سے پیش آنا چاہئے۔

منقول ہے کہ جب اجمیر میں خوب گڑبڑ ہوئی اور رانا سانگا جو بڑا بت پرست تھا اس نے مسلمانوں سے قلعہ چھین کر اس پر اپنا قبضہ جما لیا اور بہت سے مسلمانوں کو شہید کر دیا تو اس واقعہ سے سات دن پہلے آپ نے خواجہ معین الدین چشتی کے حکم سے شہر سے باہر نکل کر تمام مسلمانوں کو اس سے آگاہ کر دیا تھا اور فرمایا کہ میں اس شہر پر خدا کے غضب کے آثار

دیکھ رہا ہوں اور خواجہ معین الدین چشتی کی طرف سے میں اعلان کرتا ہوں کہ تمام مسلمان اس شہر سے باہر چلے جائیں او خود مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کو پیر کے دن ۹۲۲ ہجری اجمیر سے باہر لے کر نکل گئے اور پھر دوسرے پیر کے دن کافروں نے اجمیر پر دھاوا بول دیا اور تمام شہر تباہ کر دیا۔

آپ اٹھارہ برس کی عمر میں اجمیر آئے اور تقریباً نوے برس کی عمر تک وہاں رہے اور تین برس تک نارنول میں مقیم رہے، نارنول قیام کے زمانے میں آپ کے پاس ایک دن ایک مجذوب آیا اور آ کر کہا کہ احمد! آپ کو آسمانوں پر طلب کیا گیا ہے اپنے شیخ کے پاس چلے جاؤ، اور آپ نے خود بھی اسی رات اس قسم کی چیز دیکھی۔ چنانچہ آپ اسی وقت ناگور چلے گئے اور کچھ دنوں کے بعد اس جہان فانی سے عالم پائدار کی طرف رخصت ہوئے۔

کہتے ہیں کہ عالم نزع میں جب آپ کو ذرا سا افاقہ ہوتا تو ہاتھ اٹھاتے اور تکبیر تحریمہ کہتے اور پھر بے ہوش ہو جاتے چنانچہ ایک بار اللہ اکبر کہا اور ۲۵ صفر ۹۲۷ ہجری کو جان جان آفرین کے سپرد کی اور مخدوم بزرگ سلطان التارکین کے روضہ میں اپنے شیخ کے پائیں دفن کر دیئے گئے، آپ کی تاریخ وفات آپ کے ایک مرید ملا محمد نارنولی نے لکھی ہے جو بہت نیک اور مقبول خاص و عام اور بزرگوں کے عقیدت مند اور اس علاقہ کے مؤرخ تھے۔

قطعہ

نظر بستہ بود احمد مجد شیباں	زدون خدا ہمچو زاہد نہ شاہد
کہ تاریخ آں پیر خود نارنولی	بر آورد از جملہ شیخ زاہد

(یعنی شیخ احمد)

منقول ہے کہ نارنول کا ایک مشہور آدمی جو شاہی خاندان سے تھا آپ کا مرید تھا اور اپنے کمزور بھائیوں پر ظلم کیا کرتا تھا، ایک دن یہ آدمی اپنے سر پر پانی سے بھری ہوئی صراحی رکھ کر شیخ احمد کی خانقاہ کی جانب روانہ ہوا، تمام شہر میں ایک شور برپا ہو گیا کہ فلاں امیر اپنے سر پر صراحی رکھ کر شیخ احمد کی خانقاہ کی جانب جا رہا ہے، جب وہ آپ کے پاس آیا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ بابو تمہارے اس کام سے میں ہرگز خوش نہیں ہو سکتا، جاؤ اپنے بھائیوں کا جھگڑا ختم کر کے پہلے انہیں خوش کرو تو میں بھی تم سے خوش ہو جاؤں گا، چنانچہ اس شخص نے

اس کے بعد شاہی دربار میں آمدورفت سے توبہ کرلی اوراچھے مریدوں کی طرح اپنی زندگی گزارنے لگا، نیز شیخ احمد کا یہ معمول تھا کہ نصف شب کو بیدار ہو کر خواجہ معین الدین کے روضہ پر حاضر ہوتے اور وہیں نماز تہجد ادا کر کے بیٹھے رہتے اور چاشت کے وقت تک کسی سے کوئی بات چیت نہ کرتے، اور چاشت کی نماز ادا کرنے کے بعد لوگوں کو مذہبی علوم کا درس دیتے، بعدہٗ معمولی سا قیلولہ کرتے پھر اٹھ کر ظہر کی نماز پڑھتے بعدہٗ عصر تک اپنے وظائف وغیرہ پڑھتے رہتے اور عصر کے بعد لوگوں کو تفسیر مدارک پڑھاتے جہاں جہاں عذاب کا تذکرہ آتا وہاں اس طرح گریہ وزاری کرتے جیسے صوفیاء محفل سماع میں کرتے ہیں، بہت رونے کے باعث آپ کی آنکھیں سرخ رہا کرتی تھیں، تفسیر مدارک پڑھانے کا یہ طریقہ اسی مسلک کے مشائخ کا ایجاد کردہ ہے۔ چنانچہ خواجہ حسین ناگوری اور شیخ حمید الدین صوفی بھی اسی طرح کیا کرتے تھے، آپ نے ستر برس تک اجمیر میں اسی طرح زندگی گزاری۔

منقول ہے کہ جب آپ آدھی رات کو خواجہ صاحب کے روضہ پر آتے تو اس کا دروازہ خود بخود کھل جایا کرتا، جب یہ بات مشہور ہوگئی تو اس راز کو معلوم کرنے کے لیے ایک آدمی ایک رات آپ کے پیچھے پیچھے چلا، شیخ احمد جب روضہ پر پہنچے تو روضہ کا دروازہ کھلا اور آپ اندر چلے گئے، یہ شخص بھی اندر داخل ہونے لگا مگر اس کے داخل ہوتے وقت دروازے کے دونوں پٹ اس طرح بند ہوگئے کہ یہ شخص اس کے اندر دب گیا، دبنے کی تکلیف برداشت نہ کر کے اس شخص نے کہا، شیخ احمد مجد! میں ایسا تجسس کرنے سے توبہ کرتا ہوں، چنانچہ دروازہ ڈھیلا پڑ گیا اور وہ شخص وہاں سے چلا گیا۔

مولانا محمد نارنولی اپنے استاد مولانا عبدالمقتدر سے جو شریعت کے بڑے زبردست عالم تھے اور شیخ احمد کے مرید تھے نقل کرتے ہیں کہ ہم نے بھی نارنول میں متعدد لوگوں کے ہمراہ شیخ احمد مجد کے لیے اس طرح دروازہ کھلتا ہوا دیکھا ہے اور یہ روضہ شیخ محمد ترک کے قبرستان میں واقع ہے۔

شیخ حمزہ دھرسوی رحمۃ اللہ علیہ

۸۹۲ھ.............................۹۵۷ھ

آپ شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا کی اولاد میں سے تھے، اور آپ کا سلسلہ میر سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے آپ بڑے بابرکت، صاحب نعمت و کرامت اور دائم العبادت بزرگ تھے، اوقات کے بہت پابند تھے، آپ کی عمر بھی بہت طویل تھی، سلطان بہلول کے زمانہ سے اسلام شاہ کے دور سلطنت تک زندہ رہے، اوائل عمر میں آپ نے کسی سلطان کے ہاں ملازمت بھی کی تھی، کہتے ہیں کہ ایک رات اس کے محل کی آپ نگرانی کر رہے تھے کہ اچانک آپ کے دل میں یہ خیال آیا کہ مجھے اس کا کام کرنا چاہئے جو میری حفاظت کرتا ہو نہ اس کا جس کی میں حفاظت کروں، اس خیال کے آنے کے بعد آپ خواجہ معین الدین کے پاس اجمیر چلے گئے اور وہاں جاتے ہی ایک دیوانے سے ملاقات ہوگئی جس کا نام بھی معین الدین ہی تھا چنانچہ آپ نے انہی سے فیض حاصل کیا اور علاوہ ازیں شیخ احمد مجد کی صحبت سے بھی فیضیاب ہونے تھے اور اس کے بعد اجمیر سے اپنے وطن دھرسو واپس تشریف لائے جو نارنول سے صرف تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور پھر مستقل وہیں رہنے لگے، آپ کے والد محترم اور دیگر رشتہ دار نرھر میں رہتے تھے لیکن آپ دھرسو میں اس لیے مقیم ہوئے کہ یہاں کے اکثر سادات عملاً ٹھیک نہ رہے تھے اور اپنے اسلاف کی وضع قطع سے کوسوں دور جاپڑے تھے، آپ ان کی تربیت کرنے کی غرض سے یہاں رہ گئے چنانچہ آپ نے انہیں ابتدأ علم سے روشناس کرانے کے لیے عربی اور فارسی زبان کے دو استادوں کا تقرر کیا، طالب علموں اور فقیروں سے محبت کیا کرتے تھے، اور غیب سے خدا تعالیٰ آپ کے تمامتر اخراجات پورے فرما دیا کرتے تھے چنانچہ آپ کو جتنا کچھ غیب سے ملتا تھا وہ تمام ہی خرچ فرما دیا کرتے تھے اس میں سے کچھ بچایا نہ کرتے تھے اپنے اہل و عیال کو بھی اس میں سے بقدر حصہ دیتے تھے، آپ نے جس دن سے خلوت نشینی اختیار کی اس دن کے بعد نہ خود اور نہ ہی کسی اپنے خادم کو کسی اہل دنیا کی طرف بھیجا۔

منقول ہے کہ آپ کا یہ معمول تھا کہ آپ ہمیشہ جمعہ کی نماز کے لیے دھرسو سے نارنول

آتے، راستے میں لکڑیوں کو جمع کرتے چلے آتے اور جہاں کوئی فقیر مل جاتا تو ان میں سے کچھ لکڑیاں اس کو دے دیا کرتے تھے۔

منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا آگ کی مانند ہے، اس آگ کو اتنا لیا جائے کہ جس کے ذریعہ کچھ پکا کر کھا سکیں اور سردیوں میں گرم رہیں، یہ آگ جب زیادہ ہو جاتی ہے تو جلا کر راکھ کر دیتی ہے، آپ کا ایک مرید کہا کرتا تھا کہ آپ نے ایک دن مجھے ایک ریگستان کی جانب بھیجا چنانچہ میں آپ کے ارشاد کے مطابق وہاں چلا گیا مگر ریگزاروں میں تو کوئی چیز کھانے اور پینے کی ہوا نہیں کرتی اس لیے میں بھوک اور پیاس سے سخت پریشان ہوگیا، میں نے اپنے دل ہی دل میں کہا کہ مشائخ اپنے مریدن کو وہاں بھیجا کرتے ہیں جہاں پانی تک میسر نہیں، اسی دوران بہت دور ایک گڈریا نظر آیا جو اپنی بکریاں چرا رہا تھا، میں نے اس کے پاس پہنچ کر کہا کہ تم اپنی مشک سے چند قطرے پانی کے میرے منہ میں ٹپکا دو میں پیاس سے مر رہا ہوں، اس نے کہا کہ اس میں پانی نہیں، بلکہ دودھ ہے اور تھوڑا سا دودھ مجھے دیدیا، اس کے بعد میں آگے روانہ ہوا اور پیاس نے مجھے پھر بیتاب کردیا، چنانچہ اس ریگزار میں اچانک میری نظر ایک ایسی مقام پر پڑی جہاں میٹھا ٹھنڈے پانی کا ایک چشمہ تھا، اس سے میں نے خوب سیر ہوکر پانی پیا اس کے بعد مجھے یہ محسوس ہوا کہ گویا مجھے ازسرنو زندگی مل گئی ہے آپ کی وفات ۹۵۷ ہجری میں ہوئی، ۲۵ ربیع الثانی کو مغرب کی دو رکعت پڑھ چکے تھے کہ تیسری رکعت میں جان جان آفریں کے سپرد کی۔

شیخ احمد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

۷۷۶ھ.........۸۳۷ھ

آپ شیخ جلال الدین پانی پتی کے مرید اور صاحب کرامات بزرگ تھے، تمام زندگی تجرد میں گزار دی، ردولی میں پیدا ہوئے اور وہیں آپ کا مزار ہے۔

منقول ہے کہ آپ کی عمر جب سات برس کی تھی تو اس وقت آپ کی والدہ محترمہ تہجد کی نماز کے لیے اٹھا کرتی تھیں آپ بھی ان کے ساتھ اٹھتے اور تہجد پڑھتے، مگر والدہ کو خبر نہ ہونے دیتے، آخر یہ بات کب تک صیغہ راز میں رہتی، بالآخر والدہ کو اس کی خبر ہوگئی تو انہوں

نے محبت مادری کے پیش نظر آپ کو اتنا سویرے اٹھنے سے روکا آپ پر چونکہ خدا کی محبت کا غلبہ تھا اس لیے اپنی امی سے کہنے لگے کہ امی! تم راہزن ہو کیونکہ مجھے خدا کی عبادت سے روکتی ہو، اس کے بعد راہ حق کی تلاش میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے، اس وقت آپ کی عمر بارہ برس کی تھی، آپ اپنے بھائی تقی الدین کے پاس دہلی پہنچے، شیخ تقی الدین عالم تھے اس لیے چاہتے تھے کہ یہ بھی پڑھ جائیں، مگر انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ مجھے آپ کی ظاہری علم سے کوئی تعلق وعلاقہ نہیں مجھے تو خدا کی معرفت کا علم درکار ہے، بالآخر آپ کے بھائی تقی الدین آپ کو شہر کے دوسرے علماء کے پاس لے گئے اور ان سے کہا کہ اس کو میں جو پڑھانا چاہتا ہوں یہ نہیں پڑھتا اور مجھے پریشان کر رکھا ہے آپ حضرات اس کو کوئی نصیحت کریں تاکہ اثر پذیر ہو، چنانچہ ان علماء کرام نے آپ کو ابتداً صرف کی کتابیں پڑھانا چاہا مگر انہوں نے کہا کہ مجھے ان کتابوں سے کوئی سروکار نہیں مجھے تو خدا کی معرفت کا علم سکھائیے کیونکہ مجھے اسی سے محبت ہے تمام دہلی کے علماء کو آپ نے ایک ایک کر کے اسی طرح پریشان کیا، اس کے بعد اپنے بھائی کی مصاحبت کو بھی ترک کر دیا اور اپنے کام میں لگ گئے۔

منقول ہے کہ آپ کے بھائی شیخ تقی الدین نے ایک دفعہ آپ کی کہیں نسبت ٹھہرائی جب آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ لڑکی والوں کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ میں [illegible] ہوں براہ کرم اپنی لڑکی کی شادی میرے ساتھ نہ کیجئے۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ شیخ جلال الدین پانی پتی کی کسی مرید نے دعو[illegible] کی اور اس میں شیخ احمد عبدالحق کو بھی مدعو کیا، اس مجلس میں کچھ باتیں شریعت کے خلاف بھی تھیں جب آپ نے ان چیزوں کو ملاحظہ کیا تو اس وقت شیخ جلال الدین کا خلعت نامہ واپس کیا اور ان سے بیزاری کا اعلان کر کے مجلس سے اٹھ کر جنگل کی طرف چلے گئے اور ایک درخت پر چڑھ کر بیٹھ گئے، ابھی درخت پر بیٹھے ہی تھے کہ دو آدمیوں کو اپنی طرف آتا دیکھ کر ان سے راستہ دریافت کیا، ان دونوں نے کہا کہ تم شیخ جلال الدین کا راستہ ترک کر چکے ہو، آپ نے کہا کہ ہاں بات تو ایسی ہی ہے، تو انہوں نے کہا کہ پھر راستہ [illegible] دشوار ہے جب آپ کو معلوم ہوا کہ یہ دونوں خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں تو اپنے پیر ومرشد کی خانقاہ کی جانب واپس

ہوئے اور پیرومرشد کی خدمت میں حاضری دے کر اپنے اعتراضات سے توبہ کی اور دوبارہ بیعت ہوئے۔

منقول ہے کہ آپ ایک مرتبہ ایک سفر کے دوران جمعرات کو ایک مسجد میں تشریف لے گئے، وہاں کے لوگ اپنے رسم و رواج کے موافق جمعرات کو سات اذانیں دیا کرتے تھے ان لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ بھی اذان دیں، آپ نے دریافت فرمایا کہ آپ لوگ سات اذانیں کس وجہ سے دیا کرتے ہیں؟ ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے سن رکھا ہے کہ اگر جمعرات کو سات اذانیں دی جائیں تو دوسری جمعرات تک کوئی مصیبت اس شہر میں نہیں آتی، آپ کا اس کے متعلق کیا نظریہ ہے، آپ نے فرمایا کہ میرا فعل تمہاری اس نیت کو پورا نہیں کرسکتا، اس لیے کہ جو بندہ خدا کی عبادت کرے اور پھر اس کی بلاؤں سے بھاگے تو وہ خدا کا بندہ نہیں بلکہ اپنا بندہ ہے۔

منقول ہے کہ آپ تلاشِ حق کے سلسلہ میں شیخ نور قطب عالم کی خدمت میں بھی گئے بوقت ملاقات جیسا کہ رواج ہے کہ لوگ بزرگوں کے پاس تحائف لے جاتے ہیں آپ کے دل میں بھی خیال آیا کہ شیخ کی خدمت میں کوئی تحفہ لے جائیں، مگر آپ کے پاس فقر و غربت کیوجہ سے کچھ تھا ہی نہیں کہ اسے بطور تحفہ پیش کرتے، اس لیے آپ نے ایک ہرا پتہ لیا اور بوقت ملاقات وہ پتہ پیش کر کے عرض کیا بابا صاف ہے، شیخ نور نے فرمایا کہ بابا عزت دار ہے، تھوڑی دیر تک وہاں خاموش بیٹھے رہے اور پھر چپکے سے اٹھ کر چلے گئے۔

شیخ عبدالقدوس ''انوار العیون'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ درویش جب کسی چیز کو پاک و صف دیکھتا ہے تو اس میں خدا کی قدرت کے انوار پاتا ہے، چنانچہ شیخ احمد نے شیخ نور سے اس قسم کی صفائی کا مطالبہ کیا، شیخ نور نے ان کو جواب میں عزت دار فرمایا حالانکہ عزت دار کا مرتبہ اس مرتبہ سے گرا ہوا ہے، اس جواب سے شیخ احمد کو اپنا مطلب حل ہوتا نظر نہ آیا، اس لیے واپس لوٹ گئے، اس کے بعد آپ بہار چلے گئے، وہاں دو دیوانے رہتے تھے، ایک کو شیخ علاؤ الدین کہتے تھے اور دوسرے کا نام معلوم نہیں البتہ وہ ننگے رہا کرتے تھے۔ صرف معمولی سی ایک لنگوٹی باندھا کرتے تھے، چنانچہ آپ نے بہار پہنچ کر ان دونوں دیوانوں سے فیض حاصل کیا اور آپ پر جو افسردگی تھی وہ بشاشت اور خوشی سے تبدیل ہوگئی، اس کے بعد وہاں

سے اودھ شیخ فتح اللہ اودھی کے پاس آئے شیخ فتح اللہ بہت متشرع اور متدین بزرگ تھے، زُہد وتقویٰ ان کا شعار تھا، عشق ومحبت ان کا مشغلہ تھا ان سے ملاقات کی اور اپنے نفس کو خطاب کیا کہ اے احمد! تو نے کچھ نہیں پایا ابھی اور بزرگوں کی صحبت اختیار کر، چنانچہ کئی برس تک اودھ میں یا ہادی یا ہادی کے نعرے لگاتے پھرتے رہے، پھر خود اپنے ہاتھ سے اپنی قبر کھودی اور کہا اے خدا! اب تو مرنا بہتر ہے اور چھ ماہ تک اسی قبر میں بیٹھ کر خدا کی یاد کرتے رہے۔

منقول ہے کہ آپ کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عزیز رکھا گیا، پیدائش کے وقت ہی سے اس بچہ کی زبان سے حق حق کی صدائیں بلند ہوتی تھیں، اس کے بعد اس بچہ کی بہت سی کرامات کا ظہور ہوا جس کی وجہ سے لوگوں میں اس کی بڑی شہرت ہوگئی، ایک دفعہ آپ نے لوگوں کا یہ شور وغیرہ سنا تو فرمایا کہ ہمارے گھر کے متعلق لوگوں کا ایسی ایسی باتیں کرنا مجھے پسند نہیں اس کے بعد گھر سے نکل کر قبرستان میں گئے اور ایک جگہ پر کھڑے ہوکر فرمایا کہ عزیز کی قبر یہاں ہوگی چنانچہ اس کے دو تین روز بعد ہی آپ کے لڑکے کی وفات ہوگئی۔

منقول ہے کہ آپ بسا اوقات یہ فرمایا کرتے تھے کہ منصور لڑکا تھا ضبط نہ کرسکا اور خدا کے سرار کو فاش کر بیٹھا، بعض لوگ اس وقت ایسے بھی موجود ہیں جو سمندر پی جاتے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے، نیز فرمایا کرتے تھے کہ نظامی ایک ناقص شاعر تھا جس نے یوں کہہ دیا

صحبت نیکاں زجہاں دور گشت   خوان عسل خانہ زنبور گشت

اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت جیسے صحابہ کرام کو حاصل تھی اب بھی خدا کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کو ویسی ہی صحبت نصیب ہے۔

منقول ہے کہ آپ مسجد میں اول وقت جاتے اور اپنے ہاتھ سے مسجد میں جھاڑو دیتے، چالیس برس تک آپ نے جامع مسجد میں جھاڑو دی مگر مسجد کا راستہ پہچان نہ سکے مسجد جاتے وقت آپ کے ساتھ مریدوں کا ہجوم ہوتا تھا اور حق حق کہتے جاتے اور جدھر وہ چلتے آپ بھی ان کے ہمراہ چلتے رہتے اس لیے کہ عشق خدا کی مستی میں آپ کی آنکھیں ہر وقت بند رہتی تھیں، آپ اور آپ کے مرید ''حق'' کا ذکر کیا کرتے تھے، آپ کے سلسلہ سے منسلک تمام لوگ السلام علیکم کی بجائے حق حق کہا کرتے تھے، اسی طرح چھینکنے والے کے جواب میں بھی حق حق کہتے تھے اور خط وکتابت کرتے وقت خط کے اوپر تین بار لفظ حق لکھتے تھے اسی طرح

دنیا کے تمام امور انجام دیتے وقت اور نماز وغیرہ سے فراغت کے بعد بھی تین بار حق کہتے، شاید اس بات سے کسی کو یہ خلجان واقع ہو کہ یہ بات تو سنت کے خلاف ہے تو اس کے بارے میں فرمایا کہ اب اس رسم کو سنت کے خلاف ہونے کی وجہ سے چھوڑ دو، البتہ خطوط کے سرنامہ پر لفظ حق لکھنے میں کوئی حرج نہیں، آپ کی وفات سلطان ابراہیم مشرقی کے دور میں ۱۵ جمادی الثانی ۸۳۷ ہجری کو ہوئی۔ واللہ اعلم۔

منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ خدا کی ذات پاک اور بلا نام ونشان ہے، اگر اس ذات کا کوئی اسم مقرر کیا جا سکتا ہے تو حق سے بڑھ کر اور کوئی نام بہتر نہیں اس لیے کہ حق کے معنی وہ ذات ہے جس کے اندر تمام کمالات پائے جاتے ہیں اور وہ ذات ثابت بالذات ہو اس اعتبار سے اسم حق کا اطلاق خدا تعالیٰ کی ذات پر بطریق کمال ہوگا۔

شیخ عبدالقدوس نے اپنی کتاب ''انوار العیون'' میں اسم حق کی توجیہ میں بعض باتیں آپ کی اصطلاح کے موافق تحریر فرمائی ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کے اکثر مریدوں کی انتقال کے وقت یہ حالت ہوتی تھی کہ ان کی زبان پر لفظ حق جاری ہوتا تھا، اسی طرح آپ کی خانقاہ میں غیب سے لوگوں نے لفظ حق کی آواز کو سنا۔

منقول ہے کہ آپ نے ایک روز اپنے دوستوں سے فرمایا کہ شہر گازردن میں خواجہ اسحاق گازردنی کا چراغ جل رہا ہے جو قیامت تک جلتا رہے گا، میں نے بھی ایک دیگ کھانے کی پکائی دنیا بھر کے لوگوں نے اس میں سے کھایا اور اس میں سے ذرا سا بھی کم نہ ہوا پھر میں ایک اور دیگ لایا اور اس کو چولہے پر رکھ دیا اور اس کے نیچے خوب آگ تیز کی جب کھانا خوب پک گیا تو اس دیگ کو میں نے سرراہ رکھ دیا تا کہ تمام آنے جانے والے لوگ اس سے کھاتے رہیں لیکن وہ دیگ ویسی کی ویسی بھری رہی، پھر تین دن کے بعد فرمایا اے عبدالحق! شہرت ایک مصیبت ہے اور رزاق مطلق کو خدا ہی کی ذات ہے وہی دینے والا اور اپنے بندوں کو جاننے والا ہے تو اب اس معاملے کو ختم کر اور دیگ کو دیگدان سے اتار لے اور تو فقر کے طالبوں کے لیے ''حق'' کے نعرے کا اضافہ کر دے اور دیگ کو زمین پر پھینک دے۔

شیخ صلاح درویش رحمۃ اللہ علیہ

۷۵۶ھ..................۸۲۵ھ

آپ قصبہ ردولی ضلع بارہ بنکی میں حوض کے اوپر آرام فرما رہے ہیں، شیخ احمد عبدالحق فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر سے جب ردولی واپس آیا تو اگرچہ یہ میرا اصلی وطن تھا لیکن اس کے باوجود میں نے شیخ سے یہاں ٹھہرنے کی اجازت مانگی اس لیے کہ اس علاقہ کے صاحب ولایت آپ ہی تھے چنانچہ میں آپ کے روضہ پر گیا اور وہاں فاتحہ پڑھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر تحفہ درود بھیجا اور بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ مجھے تو صرف ایک جائے نماز اور ایک پانی کا گھڑا کافی ہے تاکہ یہاں قیام کرسکوں، اس کے بعد شیخ کی قبر سے آواز آئی کہ عبدالحق! حوض پر آؤ اور جائے نماز و گھڑا لے جاؤ چنانچہ میں حوض پر گیا اور حوض میں ہاتھ ڈالا تو سب سے پہلے میرے ہاتھ میں ایک گھڑا آیا وہ نکال لیا اس کے بعد ہاتھ ڈالا تو ایک پلنگ کا پرانا ڈھانچہ ملا اس کو بھی نکال لیا کہ شاید میرا مصلے اسی کو قرار دیا گیا ہے۔

شیخ جمال گوجری رحمۃ اللہ علیہ

۸۹۸ھ..................۹۲۲ھ

آپ شیخ صلاح درویش کے مرید تھے اور شیخ احمد عبدالحق کی صحبت سے اودھ میں فیضیاب ہوئے تھے۔ شیخ احمد عبدالحق فرماتے ہیں کہ میں نے بکر سے پنڈوہ تک کا سفر کیا ہے اور اس تمام سفر کے دوران میری کسی مسلمان سے ملاقات نہیں ہوئی البتہ اودھ میں ایک بچہ (مسلمان) دیکھا تھا اور جمال گوجر کی طرف اشارہ کیا۔

منقول ہے کہ شیخ احمد جب اودھ میں رہتے تھے تو آپ کے پاس ایک کتیا بھی رہتی تھی، جب اس نے بچے دیئے تو شیخ احمد نے اس شہر کے تمام رئیس، حاکم اور عوام کی دعوت کی اور کھانا کھلایا، دوسرے دن شیخ جمال گوجر کی آپ سے ملاقات ہوئی تو شیخ جمال نے شیخ احمد سے شکایت کی کہ آپ نے تمام شہر والوں کی دعوت کی اور ہمیں نہیں بلایا، آخر یہ کس گناہ کی سزا تھی، تو شیخ احمد نے آپ کو جواب دیا کہ کتیا کی دعوت میں شہر کے تمام کتوں کو بلایا تھا اس لیے کہ حدیث میں آتا ہے۔ الدنیا جیفۃ و طالبھا کلاب ترجمہ:- (دنیا ایک مردار کی

مانند ہے اور اس کے طالب کتے ہیں) اور آپ کا شمار تو انسانوں میں ہے اس لیے ایسی دعوت میں آپ کو کیسے بلاتا۔

شیخ بختیار رحمۃ اللہ علیہ

۸۹۷ھ..............................۸۵۸ھ

آپ بھی شیخ احمد عبدالحق کے مرید اور مخصوص محرم اسرار اور واقف احوال تھے، آپ سفر وحضر میں شیخ کے ساتھ رہا کرتے تھے، شیخ احمد عبدالحق کی جتنی ان پر خصوصی نظر تھی دوسرے مرید اس نظر عنایت سے محروم تھے، آپ ایک تاجر کے غلام تھے جب وہ تاجر اپنے جواہرات کی تجارت کے ردولی آیا تو آپ بھی اس کے ہمراہ تھے یہاں آکر آپ نے شیخ احمد عبدالحق کو دیکھا اور دیکھتے ہی معتقد ہو گئے، پھر تو روزانہ شیخ کی خدمت میں آتے اور باادب کھڑے رہتے، چھ ماہ اسی طرح گزر گئے اور شیخ احمد نے آپ کی طرف کوئی التفات نہیں کیا اور یہاں تک نہیں پوچھا کہ تم کون ہو کہاں سے آئے مجھ سے کیا کام ہے؟ چھ ماہ کے بعد جب شیخ نے آپ کی طرف دیکھا تو شیخ کی ایک ہی نظر سے آپ بے ہوش ہو گئے اور اس بے ہوشی میں شیخ سے گستاخانہ کہنے لگے کہ شیخ احمد عبدالحق تم اتنی نعمتوں سے نوازے گئے ہو اور خدا کے بندوں کو اس سے محروم رکھتے ہو، شیخ نے ان کو اس بات کے کہنے سے روکا مگر وہ اپنی مستی میں بار بار یہی کہتے رہے، بالآخر شیخ نے پانی منگوا کر شیخ بختیار کو پلایا تو وہ ہوش میں آئے۔ اس کے بعد شیخ احمد عبدالحق نے فرمایا کہ بختیار! اپنے آقا اور مولیٰ کے پاس چلے جاؤ، اس کو راضی رکھو اور اس کے کام میں مشغول رہو، بختیار نے شیخ کی بات کو تسلیم کیا اور جونپور چلے گئے جہاں ان کا مولیٰ رہتا تھا، ان کے آقا نے جب ان کی حالت کو اس طرح دیکھا تو انہیں آزاد کر دیا، بختیار کے اندر عشق ومحبت کی ایسی آگ لگی جو انہیں ایک لمحہ بھی قرار سے نہ رہنے دیتی تھی، کہتے ہیں کہ شیخ شرف الدین پانی پتی نے خفیہ خفیہ شیخ احمد عبدالحق سے بختیار کی سفارش کی اور کہا کہ جیسا آپ کو اس دنیا میں بختیار پہچانتا ہے ویسا کوئی نہیں پہچانتا، مگر بختیار بے چارہ مال واسباب عزت وجاہ کو چھوڑ کر جونپور سے ردولی آگیا اور صدق دل سے شیخ کی خدمت کرنے لگا۔

منقول ہے کہ ایک روز شیخ احمد عبدالحق نے بختیار سے کہا کہ میرا خیال ہے کہ خانقاہ کے صحن میں ایک کنواں کھودا جائے، بختیار شیخ کی اتنی بات سننے کے بعد فوراً زمین کھودنے کے اوزار لے آئے اور کنواں کھود کر شیخ کی خدمت میں پانی نکال لائے، شیخ نے وہ پانی دیکھ کر اللہ اکبر کہا اور اس پانی پر کچھ پڑھ کر لوگوں میں تقسیم کر دیا، پھر شیخ نے فرمایا کہ اے بختیار! اس کنویں کو باہر کی مٹی سے بھر دو اور کنویں سے جو مٹی نکلی ہے اس کا ایک چبوترہ بنا دو، چنانچہ بختیار نے ایسا ہی کیا اور یہ دریافت نہیں کیا کہ کنویں کو کھودنے اور پھر ختم کر دینے سے مقصد کیا تھا۔

منقول ہے کہ ایک روز شیخ احمد اپنے کمرے میں بیٹھے تھے اور بختیار ان کے سامنے کھڑے تھے، شیخ نے فرمایا بختیار کیا دیکھتے ہو؟ بختیار فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے پورے کمرے کو سونے سے بھرا ہوا پایا، اس کے بعد شیخ نے فرمایا کہ بختیار اگر ضرورت ہو تو اس سے کچھ لے لو میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے اب اس کی ضرورت نہیں رہی، شیخ نے فرمایا اچھا اب دیکھو، اس کے بعد مجھے کمرہ اپنی اصلی حالت پر نظر آنے لگا۔

منقول ہے کہ ایک روز شیخ احمد نے اپنے بیٹے عارف کو کہا کہ بختیار کو بلا لاؤ، شیخ عارف نے بختیار کے مکان پر آواز دی، اتفاق سے اس وقت بختیار اپنی بیوی کے پاس سو رہے تھے اور اپنی عورت سے مجامعت میں مشغول تھے، شیخ کا پیغام سنتے ہی بختیار نے کپڑے پہنے اور بھاگتے ہوئے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ شیخ بختیار کے اندر بے انتہا شہوت تھی اور اس کو پورا کرنے کے لیے وہ بے طاقت و مجبور محض کے درجہ تک پہنچے ہوئے تھے ممکن ہے ایسی حالت میں شیخ نے امتحان لیا ہو کہ دیکھیں وہ اپنی خواہش کی اتباع کرتا ہے یا ہماری۔

منقول ہے کہ ایک روز بختیار اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں تجارت کی غرض سے جانا چاہتا ہوں، اجازت دے دیجئے، شیخ نے فرمایا خوشی سے جاؤ لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ دریا کے دوسرے کنارے تک نہ جانا اس لیے کہ ہماری ولایت دریا کے اس کنارے تک ہے۔

کہتے ہیں کہ شیخ بختیار ان پڑھ تھے لیکن اپنے شیخ کی برکت اور صحبت کے فیض سے ان

میں یہ بات خدا نے پیدا کردی تھی کہ ہر بات ان کی قرآن وحدیث کے مطابق ہوتی تھی۔

شیخ عارف رحمۃ اللہ علیہ

۸۱۵ھ......................۸۵۵ھ

آپ شیخ احمد عبدالحق کے بیٹے اور جانشین تھے، تقریباً چالیس برس کی قلیل عمر پائی، ہر گروہ اور مذہب سے پوری واقفیت رکھتے تھے اور تمام لوگ آپ سے خوش رہتے تھے۔

منقول ہے کہ شیخ احمد عبدالحق کا کوئی لڑکا زندہ نہ رہتا تھا، ایک روز آپ کی بیوی نے آپ سے بطور شکایت عرض کیا کہ کیا ہماری قسمت میں ایک بھی بیٹا نہیں؟ جو ہوتا بھی ہے تو خدا کا فرشتہ آتا ہے اور اسے خدا کی رحمت میں لے جاتا ہے، شیخ نے فرمایا کہ ایک بیٹا ہماری قسمت میں ہے جو تجھے ملے گا لیکن ابھی وہ پختہ نہیں ہوا ہے، روم کے سفر میں پکا کر انشاء اللہ تمہارے حوالہ کردیا جائے گا لیکن شرط یہ ہے کہ اس سے کچھ کہنا نہیں اور ہمیشہ اس کو خوش رکھنے کی کوشش کرنا، چنانچہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد آپ کے ہاں ایک فرزند متولد ہوا جس کا نام "عارف" رکھا گیا اور عارف سے بھی ایک بیٹا ہوا جس کا نام "محمد" تھا جو شیخ عبدالقدوس کے شیخ اور پیر تھے۔

شاہ داؤد رحمۃ اللہ علیہ

۹۴۰ھ......................۱۰۰۱ھ

آپ سرہر پور کے باشندے تھے اور چند ہی واسطوں سے شاہ خضر تک جو قطب الدین بختیار کاکی کے خلیفہ تھے سلسلہ پہنچ جاتا ہے، آپ بہت بلند پایہ درویش تھے کہتے ہیں کہ شیخ عبداللہ شطاری جب اس علاقہ میں تشریف لائے تو ملنے والوں کا ایک جم غفیر لگ گیا، شاہ داؤد بھی ان سے ملنے کے لیے ان کے گھر گئے، شیخ عبداللہ کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اپنے گھر کے باہر ایک دربان اور ایک چوکیدار رکھا کرتے تھے چنانچہ اس دربان نے شاہ داؤد کو داخل ہونے سے روک دیا، شاہ داؤد کو غصہ آیا اور انہوں نے چوکیدار کو زور سے دھکا دیا، جس کی وجہ سے وہ گر گیا اور آپ اس کے سینہ سے گزر کر شیخ تک پہنچ گئے، اور جس تخت اور کرسی پر شیخ رونق افروز تھے، اس پر شاہ داؤد بھی جا کر بیٹھ گئے، شیخ نے آپ کی بڑی عزت کی اور نرمی

سے پیش آئے۔اسی دوران شیخ کے خادموں نے شاہ داؤد سے کہا کہ آج تک کوئی بے ادب خدارسیدہ نہیں ہوا، شاہ داؤد سمجھ گئے کہ یہ خطاب مجھ ہی سے ہے اس لیے آپ نے فرمایا کہ ایسا نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ آج تک کوئی باادب خدارسیدہ نہیں ہوا، لوگوں نے پوچھا کہ آپ کیا فرمارہے ہیں تو آپ نے پھر یہی جملہ دہرایا اور فرمایا کہ اگر میں بے ادبی سے کام نہ لیتا اور چوکیدار کو نہ مارتا تو شیخ تک کیسے پہنچ سکتا تھا اور اگر شیخ تک نہ پہنچتا تو پھر خدا تک کیسے پہنچ سکتا تھا یہ بات شیخ کو بہت پسند آئی اس لیے آپ پر مزید عنایت کی۔

شاہ نور رحمۃ اللہ علیہ

۹۵۱ھ............۱۰۲۰ھ

آپ شاہ داؤد کے مرید اور بلند پایہ بزرگ تھے، کشف وتصرف کے مالک تھے، ابتداء میں دھوبی کا پیشہ کرتے تھے، ایک دفعہ کپڑے دھورہے تھے کہ اچانک آپ کے پاس شاہ داؤد تشریف لے آئے اور شاہ نے آپ میں صلاحیت اور جوہر قابل دیکھ کر فرمایا کہ بابا کب تک لکڑیوں پر مارتے رہو گے؟ کوئی اور کام کرو، اس کے بعد شاہ نور نے اپنا پیشہ ترک کردیا اور ریاضت و یاد الٰہی میں مشغول ہوکر کمال حاصل کیا۔

شاہ نور کے ایک مرید وخلیفہ پیرک تھے جو انبالہ میں رہا کرتے تھے، اگرچہ انہوں نے یوسف قتال سے بھی بیعت کی تھی مگر ان کی تمامتر تربیت شاہ نور ہی نے فرمائی تھی وہ بھی شاہ نور کے سلسلہ میں لوگوں کو مرید کرتے تھے، بہت معمر اور صاحب الحال والتصرف بزرگ تھے، لوگ کہتے ہیں کہ شاہ یوسف قتال رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد یہ دہلی تشریف لے آئے اور ان کے روضہ میں بیٹھ کر عبادت کیا کرتے ایک دفعہ انہوں نے ایک واقعہ دیکھا کہ ان سے ان کے شیخ فرمارہے ہیں کہ میں نے تجھ کو بابا ابراہیم خلیل کے سپرد کردیا اور اشارہ کرکے بتلا دیا کہ وہ بزرگ یہ ہیں، چنانچہ یہ ان کی تلاش میں روضہ سے باہر آئے، اس وقت یہ گھوڑوں کی تجارت کیا کرتے تھے، اپنے گھوڑوں کی فروخت کرنے کی غرض سے ضلع بہار کے ایک گاؤں میں پہنچے جس کہ نام خرید تھا، وہاں ایک بزرگ کو دیکھا جو بہترین لباس پہنے ہوئے اور مشائخ کی شکل وصورت میں ہیں، آپ نے ان بزرگ سے بطور استفہام کہا کہ ہندوستان کے بزرگ بھی ایسا ہی لباس پہنتے ہیں، ان بزرگ کو غیب سے ان کے تمام حالات

معلوم ہو چکے تھے انہوں نے فرمایا کہ میں وہی ابراہیم خلیل ہوں جس کی بابت تمہارے شیخ نے تم سے کچھ کہا تھا، چنانچہ پیرک ان کی خدمت میں مصروف ہو گئے اور اس بزرگ نے بھی ان کی بہت وجہ سے تربیت کی اور اس کے بعد وصیت کی کہ اصلاح کرانے میں کسی سے شرم نہ کرنا، اس کے بعد قندھار چلے گئے اور پیر کے حکم پر عمل کرتے رہے، شیخ پیرک سلطان بہلول کے زمانہ سے اکبر شاہ کی ابتدائی حکومت کے زمانہ تک زندہ رہے، اللہ ان سب پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

شیخ سعد الدین خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ

۸۷۲ھ.........................۹۹۳ھ

آپ شیخ مینا رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور حدود شریعت کی حفاظت اور آداب طریقت کی نگہداشت میں عالی ہمت رکھتے تھے، آپ نے دنیا سے الگ رہ کر مجردانہ زندگی بسر کی، اپنے شیخ کی طرح سماع کے بہت رسیا تھے، علوم شریعت و طریقت کے عالم تھے، علم نحو، فقہ اور اصول میں آپ نے کچھ کتابیں بھی لکھی ہیں، جیسے (۱) شرح مصباح، (۲) شرح کافیہ، (۳) شرح حسامی، (۴) شرح بزدوی وغیرہ، (۵) رسالہ مکیہ کی شرح مجمع السلوک، خزانہ جلالی کے طرز پر لکھی جس میں مخدوم جہانیاں کے ملفوظات کو جمع کیا ہے اور شیخ مینا کے بہت سے ملفوظات و حالات کو قلمبند کیا ہے، جب شیخ مینا رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرتے ہیں تو یوں کہتے ہیں کہ میرے شیخ کے شیخ نے یوں فرمایا تو اس سے شیخ قوام الدین لکھنوی مراد ہوتے ہیں۔

شیخ سعد الدین نے ظاہری علوم کی تحصیل و تکمیل مولانا اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے کی جو اپنے زمانے کے بعد بڑے فقیہ اور عالم تھے، حضرت شیخ مینا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عوارف المعارف مولانا اعظم ہی سے پڑھی تھی، ایک دفعہ آپ نے اپنے شیخ سے عرض کیا کہ مقصود تو آپ کی خدمت کرنا ہے اور پڑھنے سے مقصود تصحیح الفاظ ہوتی ہے سو وہ ہو چکی اب مولویوں کے پاس رہنے سے کیا فائدہ، آپ نے فرمایا کہ بابا تمہاری دیانتداری تو یہ ہے کہ علم ہوتے ہوئے بھی علم کا دعویٰ نہ کیا جائے اور اپنے علم پر اکتفا نہ کیا جائے۔

آپ کے کثرت سے لوگ مرید ہوا کرتے تھے چنانچہ شیخ صفی الدین جو صاحب حال

بزرگ تھے اور شیخ مبارک سندیلوی جو احکام شریعت و آداب طریقت میں کامل تھے اور شیخ سالار سے بھی تربیت حاصل کی تھی، آپ کی وفات ۰ ہجری میں ہوئی، اور سید صفی الدین انبالہ کے رہنے والے تھے جو درویشوں کے اوصاف سے موصوف اور انہی کے احوال میں محقق تھے اور بہت پوشیدہ رہا کرتے تھے یہ شیخ مبارک سندیلوی کے مرید تھے اور شیخ سعد الدین کے مریدوں میں سے ایک شیخ اللہ دیا تھے جو بہت بوڑھے اور معمر تھے، آپ اپنے والی عہد کے حکم سے ان دیار میں تشریف لائے اور تکریم و تعظیم کے ساتھ مخصوص ہوئے، آپ سے بہت سی کرامات کا ظہور ہوا اور ۹۹۳ ہجری میں اس دنیائے ناپائدار سے عالم پائدار کی طرف چلے گئے، اللہ ان سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

شاہ سیدو رحمۃ اللہ علیہ

۱۴۳۲ء..........۱۵۲۵ء

اوائل عمر میں آپ بادشاہوں کی خدمت میں رہا کرتے تھے اور بڑے دولت مند تھے اس کے بعد جذبہ الٰہی میں تمام متاع دنیا کو پائے حقارت سے ٹھکرا کر شیخ حسام الدین مانک پوری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے پاس رہ کر ذکر اللہ وغیرہ اشغال میں مشغول رہے اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔

کہتے ہیں کہ آپ اپنی جوانی میں ایک عورت پر بری طرح فریفتہ تھے، درویش بننے کے بعد خرقہ خلافت پہن کر ایک روز اس عورت کے پاس گئے تو اس عورت نے کہا کہ سیدو! اب تو تم الھیہ بن گئے ہو، یعنی گدا اور فقیر۔ فقیر کو ان کے ہاں الھیہ کہتے تھے، اس کے بعد آپ کا لقب ہی سیدو الھیہ ہو گیا اور وہ عورت بھی محبت کی وجہ سے آپ کی خدمت میں آ گئی اور فقیر بن گئی، شاہ سیدو فن شاعری میں بھی دسترس رکھتے تھے چنانچہ آپ کے اشعار میں سے ایک شعر یہ ہے۔

شعر

دل گویدم سیدو بگو احوال خود یک یک براو
آندم کہ خودمی آیدا وسید و کجا گفتار کو!

منقول ہے کہ ایک دفعہ شیخ حسام الدین راجی حامد شاہ اور شیخ سیدو تینوں بزرگوں کے پاس کوئی کپڑا نہ تھا، صرف ایک روئی کی قباء تھی، چنانچہ شیخ حسام الدین نے اس قباء کے تین حصہ اس طرح کئے کہ ایک کو ابرہ اور دوسرے کو استرا، رروئ خود پہن لی اور اوپر سے کچھ دھاگے لپیٹ لیے، اب ان بزرگوں کے پاس پر اوڑھنے کے لیے کوئی کپڑا نہ تھا، چنانچہ اسی حالت میں تینوں بزرگ جامع مسجد کی جانب متوجہ ہوئے راستہ میں ایک آدمی نے حلوا پتوں میں لپیٹ کر دیا تو حلوے کو آپس میں تقسیم کرنے کے بعد ان پتوں کی ٹوپیاں بنالیں۔ شاہ سیدو کا مزار فتح پور ہنسوہ میں ہے جو کٹرہ مانک پور کے قریب ہے۔

راجی حامد شاہ رحمۃ اللہ علیہ

۸۰۹ھ.................................۹۰۸ھ

آپ شیخ حسام الدین مانک پوری کے مرید تھے، صاحب نسبت و حال صاف باطن بزرگ تھے، منقول ہے کہ سلطان شمس الدین التمش کے دور حکومت میں سادات گردیز میں سے دو بھائی دہلی تشریف لائے، ایک کا اسم گرامی سید شمس الدین تھا، انہوں نے میوات کے علاقہ میں سکونت اختیار کی، ان کی بقیہ اولاد بھی وہیں رہتی ہے اور دوسرے سید شہاب الدین تھے جن کی اولاد میں راجی حامد شاہ ہیں، ان کے آباء واجداد اپنے علاقہ کے بڑے معزز و مکرم لوگوں میں سے تھے، وہاں کی زبان میں آپ لوگوں کو راجی کہتے تھے۔

آپ اوائل عمر میں سپاہیوں کے لباس میں رہا کرتے تھے بالآخر شیخ حسام الدین مانکپوری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی صحبت میں رہ کر بہت ریاضت کی جس کی وجہ سے آپ کا دل صاف و شفاف ہوگیا، باطن پاکیزہ و مطہر ہوگیا، اگرچہ آپ علوم ظاہری معمولی پڑھے ہوئے تھے مگر خداداد علمی استعداد کی وجہ سے بڑے بڑے علماء آپ کے معتقد تھے۔

کہتے ہیں کہ اگر کسی کے دل میں خیال آتا کہ آپ کشف کے ذریعہ اس کے احوال ظاہر کریں تو آپ خود بخود ہی اس کے حالات بیان کرنا شروع فرمادیتے اور ان حالات کے ضمن میں اس کے مقصود کو بھی ظاہر کردیتے۔ آپ کا مزار مانک پور میں ہے۔

راجی سید نور رحمۃ اللہ علیہ

۹۰۱ھ.................۹۹۷ھ

آپ راجی حامد شاہ کے بیٹے تھے اور اپنے باپ کی طرح صاحب کرامت بزرگ تھے، سپاہیانہ لباس پہنتے جس میں اپنے حال اور مشغولی باطن کو چھپائے رکھتے تھے، آپ کا مزار بھی مانک پور میں ہے۔ اللہ آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

شیخ حسن طاہر رحمۃ اللہ علیہ

۸۳۱ھ.................۹۰۹ھ

آپ راجی حامد شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے تھے اور راجی سید نور کے خلیفہ تھے، آپ کے والد بزرگوار کا نام شیخ طاہر تھا وہ ملتان سے بہار گئے اور عرصہ دراز تک شیخ بڈھ حقانی سے تعلیم حاصل کرتے رہے، بہار ہی میں شیخ حسن طاہر متولد ہوئے، شیخ حسن کو جوانی ہی کے زمانہ میں طلب حق کا درد دامنگیر تھا، اس لیے درویشوں ہی کی صحبت میں رہے۔

منقول ہے کہ آپ نے اسی زمانے میں فصوص الحکم ایک بزرگ سے شروع کی اور آپ کے والد صاحب فصوص الحکم کے مخالف تھے، انہوں نے ایک دن مسئلہ توحید کے متعلق آپ سے دریافت کیا تو آپ نے اس مسئلہ کو علمائے ظاہر کی طرح ایسی وضاحت سے بیان کیا کہ آپ کے والد صاحب کے بھی چند اشکال ختم ہو گئے اس کے بعد پھر آپ کو فصوص الحکم کے پڑھنے سے منع نہ فرمایا۔ اسی زمانے میں راجی حامد شاہ کی بزرگی اور ولایت کی عام و خاص میں شہرت ہو گئی تھی، شیخ حسن بھی امتحان کی غرض سے ان کے پاس گئے اور پہلی ہی ملاقات میں ان کے معتقد ہو گئے۔

زہرہ آنم کی بایں جاذبہ شوق   رخسار ترا بینم و بتیاب نگردم

علماء میں سے آپ ہی پہلے عالم ہیں جو سید راجی شاہ کے مرید ہوئے تھے، اور وہ جونپور کے مشائخ میں سے تھے، سلطان سکندر کے زمانے میں اسی کی خواہش سے ادھر آئے تھے۔

منقول ہے کہ سلطان سکندر کا ایک بھائی جس پر سلطنت کے حصول کا جنون سوار تھا اور

آپ کا مرید تھا، اسی خیال کو لے کر وہ ایک دن آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ حضرت دعا فرمائیں کہ خدا تعالیٰ دہلی کی حکومت مجھے عنایت فرمائیں، آپ نے اس کو اس خام خیالی سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے تمہارے ایک بھائی کو سلطنت عطا فرمائی ہے تم اس سے کوئی اختلاف وحسد وغیرہ نہ کرو بلکہ اس کے تابع ہو کر رہو، جب اس بات کی اطلاع سلطان سکندر کو ہوئی تو وہ آپ کی کرامت و دیانت کا معتقد ہو کر حاضر ہوا، وہ اس سے پہلے ہی دہلی کے مشائخ سے ملنا چاہتا تھا مگر اس بات نے اس کے اشتیاق ملاقات میں سونے پر سہاگے کا کام کیا۔

آپ ابتداً جونپور سے آگرہ تشریف لائے اور ایک عرصہ تک یہاں اقامت پذیر رہے اس کے بعد دہلی چلے گئے اور وہاں جے منڈل میں جس کا حصار وگنبد سلطان محمد تغلق نے تعمیر کرایا تھا مع اہل وعیال رہنے لگے اور یہیں آپ نے ۲۴ ربیع الاول ۹۰۹ ہجری میں وفات پائی، آپ کی اور آپ کی اکثر اولاد کی قبریں یہیں ہیں۔

طریقہ سلوک اور علم توحید پر آپ نے متعدد کتابیں لکھی ہیں، ان کتابوں میں سے ایک کتاب مفتاح الفیض ہے اس میں لکھتے ہیں۔

سوال:۔ سلوک کیا ہے اور سالک کیا ہے، تزکیہ قلب ونفس کیا ہے، اسی طرح تخلیہ سر اور تخلیہ روح کیا ہے، منزل وجذبہ کیا ہیں، مقصد کہاں ہے اور وصول کہاں ہے، شریعت، طریقت، حقیقت کیا چیز ہے اور ان کا مقام کیا ہے؟

جواب:۔ سلوک کے معنی لغت میں چلنا ہے اور حسی طور پر چلنے کے معنی ہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جانا، اور یہاں سلوک سے معنوی چلنا مراد ہے اور اسی انتقال کو مرتبہ نفس میں تزکیہ کہتے ہیں۔ اور تزکیہ نفس سے مراد یہ ہے کہ حیوانی اوصاف کو ترک کر کے ملائکہ کے اوصاف سے متصف ہو جانا اور نفس امارہ کو نفس لوامہ اور مطمئنہ کے تابع کر دینا۔ دل کے سلوک کو تصفیہ کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنے دل کو دنیاوی تمام فکروں اور رنج وغم کے زنگار سے صاف رکھا جائے۔ تخلیہ سر یہ ہے کہ اپنے سر میں کسی ماسوی اللہ کی کوئی خواہش نہ رکھے اور خدا کے علاوہ خواہ وہ جنت ہی کیوں نہ ہو کوئی خیال نہ کرے اور اپنے سر کی نگہداشت کرے یعنی اپنے دماغ میں غیر اللہ کا تصور تک نہ آنے دے اور اگر اچانک ماسوی

اللہ کا کوئی خیال و تصور آ بھی جائے تو فوراً اس کو نکال کر پھینک دے۔ تجلی روح یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ذوق وشوق اور اسرار و انوار کے ذریعہ روح کو پاک وصاف اور ان اوصاف سے مزین رکھے، حقیقت سلوک سے مراد یہ ہے کہ حیوانی اور انسانی جملہ اوصاف سے نکل کر خدائی اوصاف اور اخلاق کو اپنا لے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے، **تخلقوا باخلاق الله**،

حضرت قطب عالم نے اپنے رسالہ مہمات میں شریعت، طریقت اور حقیقت کے متعلق لکھا ہے کہ شریعت نام ہے اتباع وفرمانبرداری کا اور طریقت کہتے ہیں تمام سے انقطاع کرنے کو اور حقیقت اطلاع اور خبرداری کو کہتے ہیں۔

غرضیکہ شریعت نام ہے انقیاد کا، طریقت نام ہے اپنے نفس پر تنقید کرنے کا اور حقیقت نام ہے اتحاد کا جس کی تفصیل اس طرح ہے کہ شریعت درمیانہ روی اور اعتدال کو کہتے ہیں، اور طریقت اپنے کو چھوڑ دینا، اور حقیقت دوست سے مل جانے کو کہتے ہیں یعنی بطیب خاطر فرمانبرداری کرنا شریعت ہے، غیر سے بیزاری طریقت ہے دوست سے برخورداری کرنا حقیقت ہے۔

شریعت غنا ہے اور طریقت فنا ہو جانے کو کہتے ہیں، اور حقیقت بقاء کو کہتے ہیں، سالک ابتداً اچھی کیفیت رکھتا ہے، درمیان میں معاد کی عقل پیدا ہو جاتی ہے اور آخر کار وہ اللہ کا نور بن جاتا ہے، اللہ تک پہنچنے کے لیے کوئی راستہ اور منزل نہیں ہے کیونکہ راستہ تو ہمیشہ دو چیزوں کے درمیان ہوتا ہے اور جب سالک اور خدا کے درمیان دوئی ہی نہیں تو نہ راستہ کی ضرورت ہے اور نہ منزل کی۔

منصور حلاج سے لوگوں نے دریافت کیا تھا کہ راستہ کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ راستہ دو چیزوں کے درمیان والی چیز کو کہتے ہیں، اور خدا تک پہنچنے کے لیے بے انتہا منزلیں ہیں کیونکہ اس کی بھی کوئی حد اور انتہا نہیں اور مطلب یہ ہے انسان کو وحدت حقیقی تک رسائی ہو، اور شرک واحساس غیریت سے نفرت ہو جائے اور جذبہ کے معنی خاص رحمت کے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے **اتیناہ رحمة من عندنا** ترجمہ:- (اسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت عنایت کی)

نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا بھی یہی ہے **اللهم انی اسئلك رحمة من**

عندك تهدی بها قلبی ترجمہ:۔(اے اللہ میں آپ سے اس رحمت کا طلب گار ہوں جس سے میرا دل راہ راست پر آ جائے) اسی کا نام فیض حق بھی ہے (اور اس جذبہ کی اتنی قدر و قیمت ہے کہ) ایک جذبہ حق، جنون اور انسانوں کے عمل کے مساوی ہوتا ہے۔

مصرعہ

یک ذرہ عنایت تو اے بندہ نواز

تیرے رب کی بعض ایام میں کچھ خصوصی رحمتیں ہوتی ہیں انہیں ضرور حاصل کیا کرو۔

شعر

تو مستحق نظر شو کمال و قابل فیض — کہ منقطع نشو و فیض ہرگز از فیاض

اور اسی کی طرف نبی علیہ السلام نے اشارہ فرمایا تھا کہ انی لاجد نفس الرحمن من جانب الیمن ترجمہ:۔(یمن کی طرف سے مجھے نفس الرحمان کی خوشبو محسوس ہوتی ہے)

مرید باید کہ بوئے داند برد! — ورنہ عالم پر از نسیم صبا است

دریں دیار ازاں سرخوشم کہ گاہ گاہے — نسیم بوئے تو ام زیں دیارے آید!

یہ بھی دائمی تجلی اور فیض حق ہی کی طرف اشارہ ہے، جذبہ حق اور وصول الی الحق کا مطلب یہ ہے کہ اپنے تخیلات اور غیریت سے انقطاع اور علیحدگی اختیار کر لی جائے اور وجود مطلق کی ذات میں جہل و علم کو مرتفع اور ختم کردے۔

مولانا الہ داد رحمۃ اللہ علیہ

۱۴۴۹ء...........۱۵۲۶ء

آپ جونپور کے بڑے عالم تھے۔ کافیہ، ہدایہ، بزدوی اور مدارک کی شرح لکھی ہیں، طالب علمی ہی کے زمانے سے تحریر و تنقیح کامل قدرت رکھتے تھے، راجی حامد شاہ کے مرید اور ایک واسطہ سے قاضی شہاب الدین کے تلمیذ تھے۔

منقول ہے کہ شیخ حسن طاہر اور مولانا الہ داد، سلوک و طریقت کا علم حاصل کرتے وقت ساتھی تھے اور دونوں کے مابین بہت الفت تھی، شیخ حسن طاہر رحمۃ اللہ علیہ جب راجی حامد کے مرید ہوئے تو مولانا الہ داد نے فرمایا کہ میاں حسن! تم نے طالب علموں کی عزت

مٹی میں ملادی۔ حسن طاہر نے جواب دیا کہ آپ ایک دن ان کے پاس چل کر ان کا امتحان کرلیں تو آپ خود بخود سمجھ لیں گے کہ میں معذور ہوں، دوسرے روز دوست شیخ راجی کے پاس جانے کے لیے تیار ہوگئے، مولانا الہ داد نے جاتے وقت ہدایہ اور بزدوی کے چند مشکل مسئلے یاد کرلیے، چنانچہ یہ دونوں دوستوں کو لے کر شیخ راجی حامد شاہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنی عادت اور معمول کے مطابق اپنے حالات بیان کرنے شروع کردیئے اور ان احوال کو کچھ اس انداز سے بیان کیا کہ گفتگو کے دوران ہی مولانا الہ داد کے اشکالات کو حل کردیا (اس کے بعد تو مولانا الہ داد بھی شیخ راجی حامد شاہ کے معتقد ہوکر) بیعت ہوگئے اور سلوک کے راستہ میں ریاضت ومجاہدہ کرنے لگے۔

شیخ معروف جونپوری رحمۃ اللہ علیہ

۸۶۹ھ.................۹۸۷ھ

آپ مولانا الہ داد کے مرید تھے، مجاہدہ وریاضت ذوق وشوق میں مکمل اور صاحب حال ولی اللہ تھے، آپ کے مریدوں میں سے شیخ احمد زین جونپوری بڑے متوکل، متقی اور زبردست عالم وبابرکت شخصیت تھے، اللہ ان دونوں پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

شیخ بہاؤالدین جونپوری رحمۃ اللہ علیہ

۸۷۱ھ.................۹۴۷ھ

آپ جونپور کے معروف مشائخ میں سے تھے اور شیخ محمد عیسیٰ کے مریدوں میں سے تھے۔ تارک الدنیا، مجرد، صداقت وپاکیزگی کا مجسمہ بزرگ تھے۔

کہتے ہیں کہ شیخ حسین ایک بزرگ تھے جو دولقہ علاقہ گجرات سے شیخ محمد عیسیٰ کی زیارت کے لیے جونپور آئے، شیخ بہاؤالدین اس وقت طالب علم تھے ان کی شیخ حسین سے ملاقات ہوگئی اور شیخ حسین کیمیا بنانا بھی جانتے تھے، ان کو شیخ بہاؤالدین جیسے طالب علم کی فقیری کو دیکھ کر صدمہ ہوا اور ان سے کہا کہ تم ہمارے ساتھ جنگل چلو چنانچہ دونوں جنگل میں گئے، شیخ حسین نے وہاں کیمیا کی اکسیر بنا کر ان کو دی اور کہا کہ جب کوئی ضرورت محسوس ہو

تو اس سے سونا بنالیا کرنا اور جب یہ ختم ہو جائے تو پھر ہم سے کہنا ہم تمہیں اور بنا دیں گے ان تمام باتوں کو سننے کے بعد شیخ بہاؤ الدین نے عرض کیا کہ حضرت مجھے آپ سے اس کیمیا کی اکسیر لینے کی نہ ضرورت ہے اور نہ خواہش، میں تو آپ سے ایک دوسری قسم کی اکسیر لینا چاہتا ہوں، یہ سن کر شیخ حسین بہت مسرور ہوئے اور ان کی باطنی تربیت کی طرف مزید توجہ مبذول فرمادی اور اس باطنی تربیت کا سلسلہ اس وقت تک جاری رکھا جب تک کہ خود شیخ عیسیٰ سے خلافت نہ لے لی، اور جب شیخ حسین خرقہ خلافت لے کر اپنے وطن دولقہ روانہ ہونے لگے تو شیخ بہاؤ الدین نے ان سے عرض کیا کہ اب آپ مجھے مرید کر کے اجازت دیدیں، مگر شیخ حسین نے فرمایا کہ آپ کے شیخ تو فی الواقع اسی شہر میں ہیں (یعنی آپ میرے حصہ میں نہیں۔ فاضل ۱۲) ہم سے آپ کو جتنا فائدہ منظور تھا وہ ہوگیا، اس کے بعد شیخ حسین اپنے وطن چلے گئے، اس کے کئی روز بعد شیخ حسین کا قلب شیخ محمد عیسیٰ کی جانب متوجہ ہوا اور ان سے مرید ہو کر فیض حاصل کیا، ابھی آپ خلافت حاصل کرنے نہ پائے تھے کہ شیخ خدا کو پیارے ہوگئے اور آخری وقت یہ فرما گئے کہ اے بہاؤ الدین! تمہارا خرقہ خلافت اس سید کے پاس ہے جو مانکپور میں تشریف لائیں گے چنانچہ راجی سید حامد شاہ کسی وقت جونپور آئے، شیخ بہاؤ الدین نے ان کا استقبال کیا اور انہوں نے پہلی ہی ملاقات میں آپ کو خرقہ، خلافت پہنا کر اپنا خلیفہ بنالیا۔

شیخ بہاؤ الدین شطاری

۸۲۱ھ.................. ۹۲۱ھ

آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے، بہاؤ الدین بن ابراہیم عطاء اللہ انصاری قادری شطاری حسینی، آپ صاحب حال اور جامع کمالات و کرامات بزرگ تھے آپ کا اصلی وطن ہندوستان میں قصبہ جید میں تھا، وہاں آپ کو مندو کے کسی بادشاہ نے بلایا تھا، آپ قادری تھے اور مشرب شطار رکھتے تھے، آپ نے اپنی ایک کتاب میں شطاریہ مسلک کے اذکار و اشغال و آداب بھی لکھے ہیں، آپ نے اپنی نسبت سلسلہ قادریہ تک یوں پہنچائی ہے، شیخ السموات والارضین محی الدین عبدالقادر جیلانی کے ذریعہ ان کے فرزند ارجمند شیخ عبدالرزاق

جن سے دیگر شیوخ کے ذریعہ میرے پیر شیخ احمد جیلی قادری شافعی تک سلسلہ پہنچتا ہے، میرے شیخ نے مجھے تمام اذکار و اشغال سکھائے اور حرم شریف میں مجھے خرقہ خلافت پہنا کر اجازت مرحمت فرمائی کہ میں دوسرے لوگوں کو مرید کر کے خرقہ خلافت سے نوازوں، اس لیے جو میرا مرید ہوتا ہے میں اس کو خرقہ خلافت پہناتا ہوں۔

منقول ہے کہ آپ کو عمدہ خوشبو سونگھنے سے ایسی حالت وجد طاری ہو جاتی تھی کہ مرنے کے قریب پہنچ جاتے تھے، جس زمانے میں آپ بہت کمزور وضعیف ہو گئے تھے کسی نے آپ کو عمدہ لخلخہ سونگھایا تو آپ پر وجد کی ایسی حالت طاری ہوئی کہ اسی کی وجہ سے ۹۲۱ ہجری میں واصل باللہ ہو گئے۔

رسالہ شطاریہ میں آپ لکھتے ہیں کہ اللہ تک پہنچنے کے اتنے طریقے ہیں جتنے مخلوقات کے سانس، لیکن ان میں تین طریقے مشہور و معروف ہیں۔

طریق اول۔ یہ طریقہ نیک لوگوں کا ہے اور وہ روزہ، نماز، حج اور جہاد وغیرہ ہے اس طریق پر عمل کرنے والے بہت مدت کے بعد اپنے مقصود کا تھوڑا سا حصہ پا لیتے ہیں۔

طریق ثانی۔ مجاہدہ اور ریاضت کرنے والوں کا ہے جو اپنے اخلاق رذیلہ و ذمیمہ کو اچھے اخلاق اور تزکیہ قلب سے تبدیل کر لیتے ہیں اور یہ طریق پاکباز لوگوں کا ہے اس طریق سے پہنچنے والے اس طریقہ سے زیادہ ہیں۔

طریق ثالث۔ اس طریقہ کو شطاریہ کہتے ہیں، اس طریقہ پر چلنے والے اپنے مقصود تک ابتدا ہی میں وہاں تک پہنچ جاتے ہیں، جہاں تک دوسرے طریقوں پر چلنے والے اخیر میں پہنچتے ہیں اور یہ طریقہ پہلے دونوں طریقوں کی بہ نسبت اللہ تک پہنچانے کا بہترین ذریعہ ہے۔

طریقہ شطاریہ کی دس اصول حسب ذیل ہیں۔

(۱) توبہ، یعنی تمام ماسوی اللہ سے علیحدہ اور جدا ہو جانا۔

(۲) زہد، یعنی دنیا کی تمام خواہشات سے خواہ کم ہوں یا زیادہ کنارہ کش ہو جانا۔

(۳) توکل، یعنی اسباب کو ترک کر دینا۔

(۴) قناعت، یعنی تمام خواہشات نفسانیہ کو چھوڑ دینا۔

(۵) عزلت، یعنی از ابتداء تا مرگ لوگوں سے جدا رہنا۔

(٦) توجہ الی اللہ، یعنی ماسوی اللہ سے تمام خواہشات کو ختم کر کے صرف خدا ہی کی ذات کو اپنا مطلوب و مقصود بنالینا۔

(۷) صبر، یعنی مجاہدہ کے ذریعہ نفس کی تمام مسرتوں اور خوشیوں کو کچل دینا۔

(۸) رضائے الٰہی، یعنی اپنے تمام ارادوں کو ختم کر کے تا زیست خدا کے احکام کی پیروی کرتے رہنا اور اپنی جملہ تدبیروں کو خدا کی تقدیر کے سپرد کر دینا۔

(۹) ذکر، یعنی اللہ کی یاد کے علاوہ سب کچھ پس پشت ڈال دینا۔

(۱۰) مراقبہ، یعنی اپنے وجود اور اپنی قوت کو ختم کر دینا، گویا کہ اپنے کو مردہ تصور کرنا۔

اسماء ذکر تین قسم پر ہیں:-

۱-اسم جلال، ۲-اسم جمال، ۳-اسم مشرک، جب غرور و نخوت کو اپنے نفس میں محسوس کرو تو پہلے اسم جلال کا ورد کرو تا کہ نفس سرکش مطیع اور منقاد ہو جائے اور اسماء جلالیہ یہ ہیں۔یا قھار، یاجبار، یا متکبر وغیرہ۔اور اسماء جمالیہ یہ ہیں یا ملك یا قدوس یا علیم وغیرہ۔ اس کے بعد اسماء مشترک پڑھے جائیں اور وہ یہ ہیں:-یا مؤمن یا مھیمن وغیرہ، اس کے بعد جب تم میں واضع وانکساری کی صفت پیدا ہو جائے تو اس کے بعد اسماء جمالیہ اور اسماء مشترکہ بعدہٗ اسماء جلالیہ کا ورد و وظیفہ کرو تا کہ دل میں مزید جلاء اور روشنی جلوہ گر ہو جائے اور اللہ کے ذکر سے دل کو اطمینان اور شکیبائی نصیب ہو جائے۔

مقام ذکر کے لیے ننانوے نام ہیں جو اپنے مختلف اثرات رکھتے ہیں اور ان میں سے صدم (صبر) ایک مقام تسکین کا ہے اور ذاکر کو اسم ذات ہی میں قرار وسکون آتا ہے کیونکہ ''اللہ'' اسم ذاتی ہے اور باقی ننانوے اسمائے صفاتیہ ہیں، جب تک اسمائے صفاتیہ کا ذکر ہے جہاں میں مختلف رنگ کاریاں موجود ہیں اور ذاکر کی جب اسم ذات تک رسائی ہو جاتی ہے تو وہ ''اللہ اللہ'' کی کاری ضربوں کی سوزش اور درخشانی سے مضمحل اور فانی ہو کر مقام فنا کو حاصل کر لیتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ فانی وجود کو ختم کر کے وہ باقی رہنے والی ذات تک پہنچانے والے راستے میں قدم رکھتا ہے اس سچے مرید کا دل ذکر اللہ کے بغیر کسی کشادہ نہیں ہو سکتا اور جب اس کا دل ذکر اللہ کے لیے کشادہ ہو جاتا ہے تو اس میں ایک ایسی نورانی کیفیت پیدا ہو

جاتی ہے جس کے ذریعہ اس پر تمام عقدے کھل جاتے ہیں اور عالم بالا میں پرواز کر کے ہر ایک سے ملاقات کرتا ہے اور اس منزل میں ذکر حقیقی جو واقع میں خدا کی ذات کا مشاہدہ کرتا ہے حاصل ہو جاتا ہے۔

علاوہ ازیں آپ نے اپنی اس کتاب میں کیفیت سلوک اور اس کے آداب وطرق تحریر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ کشف ارواح کے ذکر یا احمد، یا محمد کے دو طریقے ہیں اول یہ کہ یا احمد کو داہنی طرف اور یا محمد کو بائیں جانب سے پڑھتے ہوئے قلب میں یا مصطفیٰ کا خیال کرے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ یا احمد یا محمد یا علی یا حسن یا حسین یا فاطمہ کا چھ طرفہ ذکر کرے (یعنی پہلی بار یا احمد سے شروع کرے آخر تک اور دوسری بار یا محمد سے شروع کرے، اور یا احمد کو اس کے بعد وقس البواقی علی ھذا۔ فاضل ۱۲) اس کے بعد تمام ارواح کا کشف ہو جائے گا۔ نیز مقرب فرشتوں کے اسماء کا ذکر بھی یہی تاثیر رکھتا ہے یعنی یا جبرائیل یا میکائل یا اسرافیل یا عزرائیل کا چہار طرفی ذکر بھی یہی اثر رکھتا ہے، نیز یا شیخ یا شیخ ہزار مرتبہ اس طرح پڑھے کہ یا حرف ندا کو دل کی سیدھی جانب سے نکالے اور شیخ کی ادائیگی کے وقت دل پر ضرب لگائے اس سے بھی کشف ارواح ہو جاتا ہے۔

درازیٔ عمر کے لیے وظیفہ

درازیٔ عمر کے لیے فجر کی نماز کے بعد سے طلوع شمس تک **یا حی یا قیوم** پڑھے اور ظہر کی نماز کے بعد **وھو العلی العظیم** اور عصر کی نماز کے بعد **ھو الرحمن الرحیم** اور مغرب کی نماز کے بعد **ھو الغنی الحمید** اور اسی طرح عشاء کی نماز کے بعد **ھو اللطیف الخبیر** ہزار ہزار بار پڑھے یعنی پنجوقتہ مذکورہ بالا ورد کرنے سے عمر دراز ہوتی ہے۔

مراقبہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کی وہ تمام آیات وکلمات جن سے توحید کا مفہوم سمجھا جاتا ہے یہ سب اسمائے مراقبہ ہیں، یعنی جب مراقبہ کرنے کا ارادہ ہو تو ان آیات وکلمات کو پڑھا جائے اور وہ کلمات یہ ہیں۔ **وھو معکم اینما کنتم، اینما تولو فثم وجہ اللہ، الم یعلم بان اللہ یریٰ، نحن اقرب الیہ من حبل الورید، ان اللہ بکل شیء محیط، وفی انفسکم افلا تبصرون، ان معی ربی سیھدین،** اسی طرح **اللہ حاضری اللہ ناظری اللہ شاھدی اللہ معی** اور ذات باری کا مراقبہ **یا حی یا قیوم** کا

مراقبہ انیس کا مراقبہ، تمام اسمائے حسنیٰ کا مراقبہ، قرآن کریم کی تلاوت کا مراقبہ، اپنے فنا ہو جانے کا مراقبہ، مراقبہ کے یہ چند رموز تحریر کردیئے گئے تاکہ ان میں سے کسی کو پسند کر کے مراقبہ شروع کردیں اور فائدہ حاصل کریں۔ اور مراقبہ دراصل نام ہے اپنی ہستی اور تمام کائنات کا مٹا دینے اور خدا کی ذات کو تمام احوال میں ثابت رکھنے کا اور بس، پس ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ جہاں کہیں بھی (بشرطیکہ کوئی شرعی مانع نہ ہو) وہ اللہ کا ذکر کرے اور اس کے ذریعہ اپنے قلب کی پاکیزگی حاصل کرے۔

مراقبہ کی وجہ تسمیہ

یہ ہے کہ مراقبہ کا اصل مادہ ہے رقیب، جس کے معنی محافظ اور نگرانی کرنے والے کے ہیں، یعنی جب تک مرید مراقبہ میں مشغول ہے تو وہ خواہشاتِ نفسانیہ، شیطانی وساوس اور جسمانی شواغل خواطر قلبیہ خناسیہ سے محفوظ ہو کر خدا کی جانب متوجہ ہے اسی لیے مشہور ہے کہ فکر افضل ہے ذکر سے، اس لیے کہ فکر تو ایک باطنی شغل ہے جس کی کسی کو خبر نہیں، یعنی مراقبہ اس کو کہتے ہیں کہ دل کی نگہبانی کر کے خدا کی جانب متوجہ کرنا اور جو چیز خدا کے ماسویٰ ہے اس کو دل میں جگہ نہ دینا، سوایسے آدمی کو صوفیا کی اصطلاح میں اہل دل کہتے ہیں۔

شیخ بڈھن شطاری رحمۃ اللہ علیہ

۸۰۱ھ.....................................۸۹۹ھ

آپ عبداللہ شطاری کی اولاد میں تھے، سلطان سکندر کے زمانہ میں آپ کی مشیخت، ارشاد اور تربیت کی شہرت انتہا تک پہنچ چکی تھی، آپ اپنے مریدوں کو طریقہ شطاریہ کی تلقین فرمایا کرتے تھے، راقم الحروف (مصنف اخبار الاخیار) کے تایا شیخ رزق اللہ شاہ بھی آپ کی خدمت میں پہنچے تھے، چنانچہ انہوں نے میرے تایا کو ذکر کی تلقین بھی کی تھی۔

مخدوم مولانا عماد الدین غوری رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۷۱ء.....................................۱۳۴۱ء

آپ نارنول کے علاقہ کے مشائخ میں سے تھے، آپ کے آباء واجد عرب کے دیار سے ملک عجم آئے تھے اور آپ غور سے سلطان شہاب الدین غوری کے ہمراہ ہندوستان آئے

تھے۔

منقول ہے کہ آپ نے بچپن میں علم حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ پہلوانی کیا کرتے تھے، ایک دفعہ اپنے سے زیادہ طاقتور پہلوان کو پچھاڑ کر فخریہ انداز میں اپنے گھر واپس جارہے تھے کہ راستہ میں ایک عالم نے آپ کو اس حالت میں دیکھ کر افسوس کیا اور آپ کو آپ کی اس حالت پر طعنہ دیا، اس کے بعد آپ کی حمیت اور غیرت نے آپ کو جھنجھوڑا جس کے نتیجہ میں آپ اپنی اس حالت پر پشیمان ہوئے اور علم حاصل کرنے کی درخواست کی، چونکہ بچپن میں تو آپ نے کچھ لکھا پڑھا نہ تھا اس لیے جوانی میں اس عالم سے کچھ حاصل نہ کر سکے اور پڑھنے لکھنے کے قصد کو ترک کر کے شیخ محمد ترک کے روضہ میں بیٹھ گئے، ہمیشہ طہارت کے ساتھ نوافل، عبادت اور تلاوت قرآن کریم میں مصروف ہوگئے اور اتنے التزام سے بیٹھے کہ قضائے حاجت کے علاوہ اور کسی ضرورت سے باہر نہ نکلتے اور مصمم ارادہ کرلیا کہ شیخ محمد ترک سے روحانی طور پر علم حاصل کروں گا، چنانچہ اٹھارہ برس تک مسلسل یونہی عبادت کرتے رہے، ایک رات آپ قضائے حاجت کے لیے روضہ سے باہر نکلے تھے کہ پیچھے سے کسی نے پکڑ کر کہا کہ مانگو کیا مانگتے ہو؟ آپ چونکہ اپنے آباء واجداد کے طریقے کے طلب گار تھے، اس لیے آپ نے علم وتقویٰ کی درخواست کی، چنانچہ اس غیبی بزرگ نے کہا کہ اچھا اپنے بزرگوں کی کتابیں لو اور پڑھانا شروع کردو، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ پر دینی علوم کے دروازے کھول دیئے۔

شیخ احمد شیبانی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ میں نے آپ کو بچپن میں دیکھا تھا، آپ بڑے باکمال شیخ اور متشرع بزرگ تھے، نبی علیہ السلام کی کسی سنت کو ترک نہ کرتے تھے فقیروں درویشوں سے محبت کیا کرتے تھے، آپ ان مولانا عماد الدین کی اولاد میں سے تھے جو سلطان محمد تغلق کے دور حکومت میں مشہور عالم تھے۔

کہتے ہیں کہ سلطان محمد تغلق نے اپنی حکومت کے غرور کے نشہ میں مولانا عماد الدین سے کہا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ کا فیض وکرم ختم ہونے والا نہیں تو نبوت کا فیض کس طرح ختم ہوسکتا ہے اس وقت بھی اگر کوئی نبوت کا دعویٰ کرے اور خوارق عادات ومعجزات دکھائے تو اس کو نبی تسلیم کرنے سے کونسا امر دفع ہے، مولانا نے فی الفور فرمایا کہ پائخانہ نہ کھایئے، آپ

کیا کہہ رہے ہیں؟ اس پر سلطان مولانا عماد الدین پر اتنا ناراض ہوا کہ جلادوں کو حکم دیا کہ آپ کو ذبح کیا جائے اور زبان کاٹ لی جائے، اللہ آپ پر اپنی رحمت فرمائے۔

شیخ علم الدین حاجی رحمۃ اللہ علیہ

آپ بڑے تارک الدنیا ولی اللہ تھے، مزدوری کر کے گزر بسر کرتے تھے، جب حج کی غرض سے مکہ معظمہ گئے تو کلہاڑی اور ایک رمبا بھی اپنے ہمراہ لیتے گئے، راستہ میں لکڑیاں اور گھاس بیچ کر وقت گزارتے تھے اور بھیک وغیرہ نہ مانگتے نیز کسی سے تحفہ اور نذرانہ بھی قبول نہ فرماتے تھے، اپنے کو بزرگ نہ سمجھتے بلکہ ایک عام آدمی کی مانند رہتے تھے۔

کہتے ہیں کہ آپ سید زادہ تھے لیکن لوگوں پر کبھی ظاہر نہ کرتے کہ میں سید ہوں، عالم خاں نامی میواتی آپ کا مرید تھا اس نے متعدد بار درخواست کی کہ حضرت اگر اجازت ہو تو آپ کے لیے ایک مکان اور خانقاہ بنوادوں مگر آپ نے اس کو پسند نہیں فرمایا اور اجازت نہ دی بلکہ یوں فرماتے کہ شیخ محمد ترک واقعی ولی اللہ ہیں تم جو عمارت میرے لیے بنوانا چاہتے ہو اس سے ان کا روضہ بنادو، ابتداً شیخ محمد ترک کا مقبرہ اور اس کی چار دیواری بہت پسند تھی لیکن عالم خاں میواتی نے اس پر ایک عظیم الشان گنبد بنوایا جو اب تک موجود ہے۔

ملا محمد نارنولی شیخ حمزہ دھرسوی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میرے دادا اور شیخ صدر الدین کھرولی اور شیخ علم الدین حاجی یہ تینوں بزرگ حج کے لیے روانہ ہوئے جب سمندر عبور کرنے کے لیے سمندر کے کنارے پہنچے تو ملاحوں نے کہا کہ جو اپنے کمزور رشتہ داروں کو چھوڑ آیا ہے وہ واپس چلا جائے اور ان کے ساتھ صلہ رحمی کرے، ہم اسے نہیں لے جائیں گے، چنانچہ شیخ علم الدین نے اپنی کمر سے بندھی ہوئی کلہاڑی، درانتی اور رمبا نکالا اور کہا کہ دیکھو یہ میرے متعلقین ہیں جو میرے ہمراہ ہیں، یہ بات سن کر ملاح ہنسنے لگے اور آپ کو کشتی میں سوار کرلیا، اور باقی دونوں ساتھی اپنے گھر لوٹ آئے، آپ کا مقبرہ شہر نارنول کے باہر دھرسور جانے والی سڑک کے نزدیک ہے۔

مخدوم شیخ محمد الحسینی الجیلانی رحمۃ اللہ علیہ

۷۹۳ھ.................................۸۹۴ھ

آپ اوچ کے رہنے والے اور شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد سے تھے اور بایں طور چھ واسطوں سے آپ کا نسب نامہ شیخ عبدالقادر تک پہنچتا ہے۔ شیخ محمد حسینی بن سید شاہ امیر بن سید علی بن سید مسعود بن سید احمد بن سید صفی الدین بن سید السادات شیخ سیف الدین عبدالوہاب بن شیخ عبدالقادر جیلانی۔

آپ بڑے باعظمت و صاحب کرامت اور بارعب بزرگ تھے، ظاہری شان و شوکت کے مالک، منقول و معقول میں ماہر تھے، ظاہری و باطنی نعمتوں کا فیضان آپ کی ذات سے جاری تھا، علاوہ ازیں کسبی اور نسبی فضیلتوں سے نوازے گئے تھے، آپ اصل میں روم کے رہنے والے تھے، روم سے خراسان آئے اور وہاں سے ملتان کے قصبہ اوچ میں آ کر مقیم ہوئے۔

آپ نے ایک دفعہ بغیر ساز و سامان پوری دنیا کا سفر کیا تھا اور دوسری بار ہاتھی، گھوڑے، شاہانہ ٹھاٹ، غیر معمولی نوکر اور متعلقین کے ہمراہ ملتان میں تشریف لائے اس وقت کا بادشاہ بھی آپ کا معتقد ہو کر مرید ہو گیا اور آپ کے نوکروں اور متعلقین کے ساتھ بڑی فراخدالی سے پیش آتا تھا، اس وقت ملتان میں علماء و فضلاء کا قحط تھا اس لیے آپ بہت مشہور ہوئے، آپ کو فن شعر گوئی سے بھی آپ کو خاصا رابطہ تھا۔ آپ نے شیخ عبدالقادر کی منقبت میں متعدد نظمیں لکھی تھیں، آپ کا ایک دیوان بھی ہے، آپ کا تخلص قادری تھا، آپ بڑے ذوق سے ترجیعات کہتے تھے ان میں سے چند اشعار یہ ہیں۔

ترجیع بند

رندیم و قلندریم و چالاک ۔۔۔ مستیم و معر بدیم و بیباک

جامیم و صراحیم و بادہ ۔۔۔ در صدفیم و بحر و خاشاک

والی ولایت شش و پنج ۔۔۔ حامی بلاد فہم و ادراک

مجموعہ راز عالمِ دل ۔۔۔ منصوبہ کشائے سرِ لولاک

بگذشتہ زخویش بے کدورت　　　　نگذشتہ زعشق جوہر خاک
آئینہ صاف باغل و غش　　　　صافی دل و پاک رائے شکاک
گر صاف شوی و پاک دائم　　　　میگوئی چو قادری تو ناپاک

ما بلبل بو ستان قد سیم
شہباز سفید دست انسیم

اس آخری شعر میں حضرت شیخ عبدالقادر کی وراثت کی طرف تلمیح اور اشارہ ہے اور یہ اس طرح کہ شہباز سفید، شیخ عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی کا لقب ہے، جس کی بعض متقدمین مشائخ آپ کی پیدائش سے پہلے ہی خوشخبری دیدی تھی کہ شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کو فرشتے باز اشہب کہتے ہیں اور قصیدہ قطبیہ میں فرماتے ہیں۔

انا بلبل الافراح املاء دوحها　　　　طربا وفی العلیاء باز اشهب

آپ کا مقبرہ اوچ میں ہے، آپ کے تین بیٹے تھے، ایک کا نام عبدالقادر ثانی اور مخدوم ثانی سے مشہور تھے، دوسرے کا نام سید عبداللہ تھا جو بہت سلیم الطبع اور اپنے زمانہ کے بے مثل شاعر تھے، کہتے ہیں کہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے شعروں کی اصلاح لیا کرتے تھے، تیسرے کا نام سید مبارک تھا جو بہت بڑے بزرگ تھے، ان سے ایک بیٹا تھا جس کا نام میر میران تھا وہ لاہور میں رہتے تھے۔

مخدوم شیخ عبدالقادر

۸۶۲ھ..............................۹۴۰ھ

آپ شیخ محمد حسنی جیلانی کے فرزند دل پسند اور شیخ عبدالقادر ثانی سے ملقب تھے، بڑے بلند پایہ عالی مقام، صاحب کرامات بزرگ تھے اور کمالات کے ان مقامات تک رسائی کر چکے تھے جو عقل کی حدود سے وراء الوریٰ ہیں، بہت سے کفار وفساق آپ کی محض صورت ہی دیکھ کر اسلام لائے تھے، آپ شہر اوچ میں شیخ عبدالقادر جیلانی کے حقیقی وارث کی حیثیت سے رہتے تھے، اسی لیے آپ کو عبدالقادر ثانی اور مخدوم ثانی کہا جاتا تھا آپ اپنا ثانی نہ رکھتے تھے اسی لیے اس لقب سے مشہور ہوئے۔

منقول ہے کہ آپ نے جوانی کا زمانہ نہایت ہی تزک واحتشام سے گزارا تھا، آپ

عیش ونشاط کے اتنے رسیا تھے کہ مزامیر وغیرہ کو اپنے ساتھ اونٹوں پر جہاں جاتے ساتھ لے جایا کرتے تھے لیکن سجادہ نشین ہو جانے کے بعد آپ نے اسباب تغنی اور ایسی مجالس میں جلوس وغیرہ سے توبہ کر لی اور اپنے مریدوں کو بھی قوالی وغیرہ سے بڑی سختی اور شدت سے منع فرمایا کرتے تھے اور اگر اتفاق سے کسی گانے والے یا طبلہ وسارنگی کی آواز آپ کے کان میں پڑ جاتی تو اتنا روتے اور خدا کے حضور آہ و بکاء کرتے کہ دیکھنے والوں کو یہ یقین ہو جاتا کہ آپ ابھی وفات پا جائیں گے۔

آپ پر جذبہ کی حالت کی ابتدا یوں ہوئی کہ آپ ایک روز اوچ کے کسی جنگل میں شکار کھیل رہے تھے کہ ایک تیتر عجیب وغریب آوازیں نکال رہا تھا چنانچہ اس جنگل میں ایک فقیر اور درویش بھی گھوم رہا تھا، اس نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ سبحان اللہ ایک روز ایسا بھی آئے گا کہ یہ نوجوان بھی اس تیتر کی طرح آہ و نالہ کیا کرے گا، اس فقیر کی یہ بات آپ پر ایسی اثر انداز ہوئی کہ اسی وقت آپ پر وجد طاری ہو گیا، اور ماسوی اللہ سے دل نفرت کرنے لگے، بعدہٗ کیفیت یہ تھی کہ روزانہ آپ پر شوق کے آثار، جذبہ و وجد کے اسباب، محبت الٰہی کے انوار موسلا دھار برسنے لگے یہاں تک تمام چیزوں سے دل ہٹ کر خدا کی جانب متوجہ ہو گیا۔

منقول ہے کہ آپ کے والد بزرگوار کے پاس کہیں سے مخمل کے تھان آئے انہوں نے آپ کے پاس یہ کہہ کر بھجوائے کہ ان سے اپنا لباس بنالو، لیکن شیخ نے ان مخمل کے تھانوں کی اپنے شکاری کتوں کی جھولیں سلوالیں، اس کی خبر جب آپ کے والد صاحب کو ہوئی تو انہوں نے آپ کو بلا کر خوب ڈانٹا، اس کے بعد آپ کے والد صاحب کو اسی رات خواب میں حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی اور فرمایا کہ تم اپنے دوسرے بچوں کی دیکھ بھال کرو، عبدالقادر تو ہمارا بیٹا ہے ہم ہی اس کی تربیت کریں گے تم اسے کچھ نہ کہا کرو۔ اس واقعہ کے ساتھ ہی شیخ عبدالقادر ثانی پر جذب و وجد کی فراوانی ہو گئی۔ توبہ کر کے عیش ونشاط ولذات سے دور رہنے لگے، مزامیر باجے طبلہ وسارنگی سب توڑ کر پھینک دیئے اور شکاری جانور چھوڑ دیئے اور سر منڈوا کر سلوک کی راہ لی۔ آپ کے والد بزرگوار جب رحلت فرمانے لگے تو آپ کے سب بھائیوں میں سے آپ ہی کو اپنا جانشین مقرر کیا، آپ کے دوسرے بھائی اس وقت کے بادشاہ کے خاص ملازم تھے اور آپ نے بادشاہ کی

ملازمت کو ایک عرصہ پہلے ہی ترک کر دیا تھا آپ کی ترک ملازمت پر بادشاہ وقت اگر چہ آپ پر خفا تھا مگر جب آپ کے والد صاحب کا انتقال ہوا تو بادشاہ نے آپ کے باپ کے زمانے کے مقرر کردہ وظائف کے علاوہ مزید وظائف میں اضافہ کیا اور اس کی اطاع کے لیے اپنے ایک خاص آدمی کو آپ کی طرف بھیجا مگر آپ نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ ہمیں آپ کے وظائف کی اب ضرورت نہیں اس کے خواستگار اور بہت ہیں اور برسہا برس آپ نے اسی طرح گزار دیئے اور لوگوں سے جتنی تکالیف اور اذیتیں پہنچتی رہیں سب کو صبر اور خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے۔

منقول ہے کہ بادشاہ وقت نے ایک فرمان بایں مضمون آپ کے نام جاری کیا اور اپنی مجلس میں بلانا چاہا کہ اگر آپ ہم کو اپنی تشریف آوری سے نوازیں تو عین سعادت ہوگی اور اس سے پہلے ہماری مجلس میں حاضر ہونے میں جتنی تقصیرات ہوئی ہیں وہ ہم نے سب کی سب معاف کر دی ہیں، آپ نے ان کو جواب میں یہ لکھا۔

اشعار

ہیچ باب ازیں باب روئے گشتن نیست　　　ہر آنچہ بر سر مامی رود مبارکباد

ترجمہ (ہم اس دروازے کو چھوڑ کر اور کسی دروازے پر نہیں جا سکتے، اس کے صلہ میں ہمیں جو کچھ برداشت کرنا پڑے گا اسے خندہ پیشانی سے قبول کریں گے)

کسے کہ خلعت سلطان عشق پوشیداست　　　بحلہائے بہشتی کجا شود دل شاد

ترجمہ (جس نے عشق کی بادشاہی کا لباس پہن لیا ہو اس کا ان بہترین لباسوں سے دل مسرور نہیں ہوتا)

یہ واقعہ بھی بالکل اسی طرح ہے جیسا کہ سلطان سنجر نے حضرت غوث اعظم کو لکھا تھا کہ اگر آپ ہمارے پاس تشریف لائیں تو سیستان کی حکومت جس کو ملک نیمروز کہتے ہیں آپ کی خانقاہ کے لنگر کے لیے وقف کر دی جائے گی تو آپ نے اس کے جواب میں لکھا،

اشعار

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد　　　جز فقر اگر بود ہوس ملک سنجرم

زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب صد ملک نیمروز بیک جو نمی خورم

بعض لوگ اس حکایت کو شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ کی طرف منسوب کرتے ہیں، واللہ اعلم۔

منقول ہے کہ ابتداً آپ کو ورد و وظائف کا اس حد تک شوق تھا کہ تمام دن عبادت میں مصروف رہتے اور کسی سے کلام نہ کیا کرتے تھے بعدہٗ عشق الٰہی کے استغراق میں یہ کیفیت تھی کہ فرائض و سنن سے فراغت کے بعد جتنا وقت ملتا اسے مراقبہ میں صرف کرتے، فجر کی نماز سے اشراق تک اور اشراق کے بعد سے چاشت تک اسی طرح ایک نماز سے دوسری نماز تک مراقبہ میں مستغرق رہتے، البتہ جب بہت تھک جاتے تو تھوڑی دیر مسجد کی چٹائی پر آرام کرلیتے، بسا اوقات آپ خود ہی اذان و اقامت اور امامت کے فرائض انجام دیا کرتے تھے اور اکثر و بیشتر فجر کی اذان دینے کے بعد گھروں میں جاکر لوگوں کو بیدار کرتے اور فرماتے اٹھو، یہ وقت نیک بختی اور خوشی کا ہے، جب لوگ جمع ہو جاتے تو فرماتے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اسی ساعت میں (یعنی صبح کو) اپنے جمال پرانوار سے نوازا کرتے ہیں اس لیے چاہتا ہوں کہ تم لوگوں کو بھی یہ فیض نصیب ہو مگر تم لوگ اس وقت اٹھنے میں کوتاہی کرتے ہو۔

منقول ہے کہ ایک دن ایک قوال آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اس سے فرمایا کہ توبہ کرو اور رباب و ستار کو توڑ کر پھینک دو اور سر کو منڈوا کر درویش بن جاؤ، اس بدنصیب قوال کو تو یہ سعادت نصیب نہ ہوئی البتہ لنگایت کا ایک رئیس اسی مجلس میں بیٹھا تھا آپ کی یہ بات اس کے دل میں اثر کرگئی اور اس نے اپنے تمام گناہوں سے توبہ کی، ابھی وہ گریہ وزاری ہی کررہا تھا کہ اس کو خدا نے ولایت کے بلند مقام پر فائز کردیا اور وہ یہ کہنے لگا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ میرا گجراتی بھائی فوت ہوگیا اور اس کا جنازہ جارہا ہے اور اب لوگوں نے اسے دفن کردیا، سو آپ کی یہ معمولی سی برکت تھی کہ آپ کی ادنیٰ توجہ سے ایک نومسلم کو اسی وقت جلی کشف حاصل ہوگیا۔

منقول ہے کہ ملتان میں ایک بار بڑی شدت اور تیزی سے طاعون پھیلا، لوگوں کے تمام کاروبار ٹھپ ہو کر رہ گئے، اس زمانے میں لوگ وہاں سے گھاس لے جاتے جو آپ کے وضو کا پانی پڑنے سے اگی تھی اور اسے طاعون کی پھنسی پر لگاتے اور اللہ کے حکم سے صحت

یاب ہو جاتے تھے۔

منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ میں ایسی تاثیر رکھی ہے کہ میں جس بیمار پر ہاتھ پھیر دوں خدا اس کو شفا اور تندرستی عطا فرما دیتے ہیں اور یہ اثر صرف اس وجہ سے ہے کہ مجھے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت ہے کیونکہ آپ کے زمانے کے اکثر لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کرتے تھے اور مردہ دلوں کو زندہ کرتے تھے، آپ کی کرامات میں سے ایک عجیب کرامت یہ ہے کہ اوچ میں ایک دفعہ اس قسم کی وبا پھیلی کہ لوگوں کی پسلیوں میں درد ہوتا اور کسی علاج سے فائدہ نہ ہوتا اور اس درد کی وجہ سے لوگ برابر مر رہے تھے اسی دوران میں غیاث الدین لنگاہ جو بڑے صالح اور متقی بزرگ تھے اور آپ کی خدامت گزاری میں ہمیشہ لگے رہتے تھے ان کو نبی علیہ السلام نے ایک ذراع کے مقدار لمبے بانس کی لاٹھی دی اور فرمایا کہ اس کو لے جا کر ہمارے بیٹے عبدالقادر ثانی کو دیدو اور اسے کہہ دو کہ اس پر دس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر جس مریض کو لگا دو گے وہ بحکم الٰہی فوراً تندرست ہو جایا کرے گا اور اسی رات آپ کو بھی خواب میں نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم نے غیاث الدین کو ایک امانت دی ہے وہ لیلو اور استعمال میں لاؤ، کہتے ہیں کہ اس بانس کے ٹکڑے سے وہ وہ کرامات ظاہر ہوئی جن کو لکھا نہیں جا سکتا اور اس بانس کے ٹکڑے کے متعلق ملتان میں اب تک قصے مشہور ہیں۔ آپ کی والدہ سادات میں سے تھیں اور لڑکی تھیں شیخ ابو الفتح کی جو سید صفی الدین گازرونی کی اولاد میں سے اور شیخ ابو اسحاق کے بھانجے تھے۔

اچہ کی تعمیر بھی سید صفی الدین نے شروع کی تھی، کہتے ہیں کہ سید صفی الدین گازرونی کو ان کے ماموں شیخ ابو اسحاق نے خرقہ خلافت پہنا کر ایک اونٹ پر سوار کیا اور فرمایا کہ جدھر یہ اونٹ جائے تم خوشی سے ادھر ہی چلتے رہو، جہاں جا کر یہ بیٹھ جائے اسی جگہ کو اپنا وطن بنا لینا، چنانچہ اونٹ اچہ کی سرزمین میں آ کر بیٹھ گیا، آپ نے اس کو اٹھانے کی کوشش کی مگر وہ نہ اٹھا تو آپ نے اپنے شیخ کے حکم کے مطابق اسی جگہ کو اپنی جائے سکونت بنایا جسے اس زمانے میں اچہ کہتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ اچہ کے خطہ اور جنگل میں وہ کیفیت و حالت ہے جو کسی دوسری جگہ نصیب

نہیں اور یہی وہ سرزمین ہے جو وادئ فراق و دیوانگی کی راہ دکھاتی ہے۔ اس وقت یہ آبادی پہلے زمانہ کی آبادی کی طرح نہیں ہے ہاں بزرگان ملت کے مقابر موجود ہیں، اب اس کی بہت معمولی آبادی ہے، اس وقت بھی اس جگہ پہنچ کر ایسا وجد و کیف طاری ہو جاتا ہے جو دائرہ تحریر سے باہر ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے تو اس مقام پر اور بھی زیادہ کیفیات طاری ہوتی ہوں گی، یہ شیخ ابوالفتح آپ کی والدہ کے دادا تھے بہت بلند مرتبت بزرگ تھے، جنات کی تسخیر میں مہارت رکھتے تھے۔

شیخ عبدالقادر ثانی نے (۷۸) برس کی عمر پائی اور ۱۸ ربیع الاول ۹۴۰ھ میں انتقال فرمایا، آپ کا مزار اچہ میں مرجع خاص و عام ہے جس کی زیارت کر کے لوگ برکت حاصل کرتے ہیں نیز آپ کے دو بیٹے بھی تھے جو بہت بڑے ولی اللہ تھے۔

شیخ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ

۸۳۵ھ.................۹۴۲ھ

آپ بڑی فضیلت و منقبت کے حامل اور ہمت عالی اور شان بلندتر کے مالک تھے۔ شیخ عبدالقادر ثانی کے فرزند دلبند تھے، جب ان کے والد صاحب کا انتقال ہوا تو آپ موجود نہ تھے کسی وجہ سے جانب ناگور گئے ہوئے تھے، وہیں قیام کے دوران آپ نے ایک دن کہا کہ مجھے میرے والد صاحب بلا رہے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص بات ہے لیکن ناگور سے روانگی کے وقت آپ کو بعض اعذار کی بناء پر تاخیر ہوگئی، اس لیے اپنے والد صاحب کے سانحہ پر بروقت نہ پہنچ سکے بلکہ کئی دن بعد پہنچے اور والد محترم کی وصیت کے مطابق خرقہ خلافت پہن کر شیخ مجاز کی طرح والد کے جانشین مقرر ہوئے، آپ نے ۵ جمادی الثانی ۹۴۲ ہجری میں وفات پائی۔

سید زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ

۸۴۲ھ.................۹۹۴ھ

آپ شیخ عبدالقادر ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے بیٹے تھے، جو اپنے والد کی زندگی ہی میں عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے، آپ کی والدہ صالحات اور قانتات میں سے تھیں،

آپ کے ایک صاحبزادہ میر سید محمد تھے جو آپ کی وفات کے بعد اپنے دادا کی زیر تربیت رہ کر دادا کے منظور نظر رہے، شاہ اللہ بخش اور ان کے دوسرے بھائی جو لاہور میں رہتے تھے یہ میر سید محمد کے بیٹے اور سید زین العابدین کے پوتے تھے، شاہ اللہ بخش اخلاق حمیدہ اور پاکیزہ اوصاف کے حامل تھے۔ ۹۹۴ ہجری میں انتقال فرما گئے۔

مخدوم شیخ حامد رحمۃ اللہ علیہ

۸۸۵ھ ۹۷۸ھ

آپ شیخ عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر ثانی کے بیٹے تھے، شیخ عبدالقادر جیلانی کے سجادہ نشین اور خلیفہ تھے، بڑے بلند پایہ بزرگ تھے۔ ہر قسم کا دنیاوی مال و متاع آپ کے پاس موجود تھا لیکن کبھی اتنی دولت اپنے پاس نہ رکھی کہ نصاب تک پہنچتی اور آپ پر زکوٰۃ واجب ہوتی، جو کچھ آتا غرباء کو تقسیم کر دیتے۔

آپ اپنے دادا شیخ عبدالقادر ثانی کے مرید اور بڑے مقبول بزرگ تھے، آپ کے زمانہ ہی میں آپ کی بزرگی اور مشیخت کا چرچا ہوا اور خلافت کی وجہ سے اس سلسلہ عالیہ کو ترقی ہوئی، جس نے آپ کی مخالفت کی وہ کبھی کامیاب نہ ہو سکا اور وہ اپنی زندگی ہی میں پشیمان اور شرمندہ ہوا، آپ نے عین حیات ہی میں اپنے بیٹے شیخ موسیٰ کو سجادہ نشین مقرر کر دیا تھا اور ساتھ ہی اشغال باطنیہ کی تلقین کی اور لوازمات و متابعات (سلوک) آپ کو دیئے، علاوہ ازیں بوجہ محبت و رضاء، کے جو حضرت مخدوم ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کے ساتھ تھی اور قابلیت و استحقاق کا جوہر آپ کی ذات شریف میں ملاحظہ فرما کر سلسلہ قادریہ کی دولت آپ کے حوالہ کی۔ اور پھر تھوڑے دنوں بعد ۱۹۔ ذی الحجہ ۹۷۸ ہجری میں جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔

شیخ موسیٰ کے اندر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وراثت کے طور پر تھے یہ اپنے ہی زمانہ ہی میں سلسلہ قادریہ کے سجادہ نشین تھے ان کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت باطنی کے علاوہ بھی ایک نسبت تھی جو خاص لوگوں کو ہوا کرتی ہے آپ نے اپنے دادا شیخ عبدالقادر ثانی سے کشف قبور کے طور پر ملاقات کی اور ان کی بیعت کا شرف بھی حاصل کیا، آپ علم، بردباری، شجاعت اور سخاوت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وارث

تھے، حسن صورت وسیرت میں ائمہ اثنی عشر کی مانند تھے، اور اس حدیث کے مصداق تھے۔

کانت فی عینی موسیٰ ملاحۃ من راہ احبہ	موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں میں ایسی تاثیر تھی کہ جوان کو دیکھ لیتا ان سے محبت کرتا۔

اور آپ کی سیرت اس آیت کا مصداق تھی۔

انک لعلیٰ خلق عظیم	آپ بہت خلیق ہیں۔

اللہ تعالیٰ منور کرے جہان کو ان کے جمال کے نور سے جب تک کہ لوگ اللھم صل علیٰ محمد و الہ اجمعین کہتے رہیں۔

شیخ داؤد رحمۃ اللہ علیہ

۸۹۹ھ.........................۹۸۲ھ

آپ شیخ حامد الحسنی الجیلانی کے مرید اور خلیفہ تھے، صاحب الحال و الکشف بزرگ تھے، آپ نے سلوک میں بے انتہا مجاہدے اور ریاضتیں کی تھیں اور غیب سے متعدد ارشارات ومبشرات بھی سنے، آپ کے سلوک میں آنے کا واقعہ یہ ہے کہ تعلیم کے دوران ہی اللہ تعالیٰ نے ریاضت ومجاہدے کی توفیق دی اور اس کا راستہ دکھایا، نفس وخواہشات کے خلاف آپ نے اس ضبط وتحمل سے کام لیا کہ اس کو تحریر یا تقریر میں لانا کسی کے بس میں نہیں کبھی تو ایسا ہوتا کہ شام ہوتے ہی کھڑے ہوتے تو کھڑے کھڑے ہی صبح کو دیتے اور رکوع تک بھی نہ کرتے اور کبھی تمام رات رکوع قعدہ یا سجدہ ہی میں گزار دیتے اسی طرح برسہا برس تک آپ نے صحراؤں اور جنگلوں میں عبادت کی اور اتنی عبادت کی کہ دل کی تمام خواہشات ختم ہوگئیں اور دنیاوی علائق سے بے نیاز ہوگئے، فیض باطن کے ذریعہ تفرقہ بازی اور تشویش کے جھنبیلوں سے نکل کر آرام وراحت کی زندگی گزارنے لگے، اس کے بعد توبہ اور بیعت کی سنت کو قائم کرنے کے لیے جو مشائخ کا طریق ہے خدا کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہوئے، علاوہ ازیں سلسلہ قادریہ میں منسلک ہونے کی غیبی بشارت بھی آپ کو مل چکی تھی، پھر آپ نے خدا سے دعا کی کہ اے اللہ! میں کس کو اپنا شیخ بناؤں تو غیبی اشارہ ہوا کہ شیخ حامد سے تعلق قائم کرو، چنانچہ آپ شیخ حامد کی خدمت حاضر ہوکر بیعت ہوئے اور اس کے بعد

انہی کے خلیفہ ہوئے۔

منقول ہے کہ آپ مجلس میں اس طرح پریشانی کے عالم میں بیٹھتے کہ گویا آپ کی کوئی چیز گم ہوگئی ہے یا محبوب کی راہ دیکھ رہے ہیں پھر یکایک ذوق کی حالت طاری ہوتی اور حقائق ومعارف بیان کرنے لگتے اور فرماتے کہ عراق کی جانب سے میرے دل کو ہوا لگتی ہے جس کے ساتھ اللہ کی خوشبو ہوتی ہے، اکثر وبیشتر آپ بغداد کی طرف دیکھتے رہتے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے نسبت معنوی تھی۔

شیخ قطب عالم فرمایا کرتے تھے کہ جب میں آپ کے پاس گیا تو آپ کو جذبہ عشق اور غلبہ حق کی حالت میں بھی وعظ ونصیحت کرتے پایا، ایک بار میرے دل میں خیال آیا کہ آپ طریقہ مہدویہ کے پیروکار ہیں، اس کے بعد آپ نے فوراً سر کو اٹھا کر فرمایا کہ فرقہ مہدویہ ایک گمراہ فرقہ ہے اور ان کے سلسلہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نسبت حاصل نہیں، اس کے بعد فرمایا کہ ذکر کا ادنیٰ درجہ سماع نفس ہے، آپ کے روحانی جانشین اس وقت شیخ ابوالمعالی ہیں جو عالی منصب رکھنے کے باوجود مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول رہتے ہیں، کافی شہرت کے مالک ہیں تندرست وتوانا ہیں اور حسن مقال کی صفت سے موصوف ہیں، غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی مدح میں فارسی زبان میں بہترین اسلوب سے اشعار بھی کہتے ہیں مجھ مؤلف اخبار الاخیار کو ان سے ملاقات کرنے کا بڑا شوق ہے، انشاء اللہ یہ تمنا بھی پوری ہوگی۔ حضرت شیخ داؤد نے ۹۸۲ ہجری میں وفات پائی اور ان کی تاریخ وفات کو ''مشتاق منان'' متضمن ہے، آپ کا مزار علاقہ پنجاب قصبہ شیر گڑھ میں ہے جو مرجع خاص وعام ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں آپ اپنی زندگی میں رہا کرتے تھے، اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

میر سید اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ

۸۰۹ھ.........................۹۹۲ھ

آپ سید ابدال کے بیٹے تھے جن کا سلسلہ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے بیٹے سید عبدالرزاق تک پہنچتا ہے، آپ ہی وہ بزرگ ہیں جنھوں نے ہندوستان میں سید

عبدالقادر کے سلسلہ کو جاری کیا، شیخ محمد حسن، شیخ امان اللہ اور اسی طرح دوسرے درویش آپ کے فیض یافتہ اور معتقد تھے، آپ کی وفات ۹۰۶ ہجری میں ہوئی، آپ کا مزار نھور میں ہے جہاں آپ کسی تقریب کے سلسلہ میں تشریف لے گئے تھے، اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شاہ قمیص رحمۃ اللہ علیہ

۸۹۷ھ............................۹۹۲ھ

آپ سید ابی الحیوٰۃ کے صاحبزادے تھے، آپ کا سلسلہ بھی سید عبدالرزاق تک منتہی ہوتا ہے، بنگال سے فقر و تجرد کے لباس میں ہندوستان کے قصبہ سالورہ خضر آباد آکر مقیم ہوئے، یہاں شاہ نصر اللہ کی بیٹی سے شادی کی، شادی ہی کی وجہ سے آپ نے سالورہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی، سالورہ اور اس کے گرد و نواح کے اکثر لوگ آپ کے عقیدت مندی کے ساتھ مرید ہوئے، اکثر درویش جو آپ کی صحبت میں رہے اور اپنے کو آپ ہی کے سلسلہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان درویشوں میں شاہ عبدالرزاق جو شیخ بہلول کے نام سے مشہور تھے وہ بھی آپ ہی کے مرید اور خلیفہ تھے، یہ شیخ بہلول علم شریعت اور طریقت میں کامل ولی تھے، جوانی ہی میں عبادت اور نیک کاموں کی طرف مائل تھے اپنی سعادت مندی کی وجہ سے جب علوم ظاہری سے فارغ ہوئے اور اخلاق حمیدہ کے لباس سے مزین ہو گئے تو اس کے بعد حق گوئی میں ان جیسا اور کوئی درویش نہ تھا، یہ لوگوں میں سلوک کی تلقین اس طرح کرتے تھے کہ لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع میں ثابت قدم رہو، واقعہ یہ ہے کہ ایسا بلند کردار شخص کامیاب ہوتا ہے۔

شاہ قمیص رحمۃ اللہ علیہ نے بنگال میں وفات پائی کیونکہ بادشاہ وقت نے آپ کو اپنے ایک ضروری کام سے بنگال بھیجا تھا، وہاں سے ۳۔ ذی قعدہ ۹۹۲ ہجری کو سالورہ میں لاکر آپ کی میت سپرد خاک کی گئی۔

اس عظیم الشان خاندان کا سلسلہ ہندوستان میں ویسے ہی مشہور ہے جس طرح ہم نے بیان کیا اور سید شاہ محمد فیروز آبادی نے بھی اسی سلسلہ کی طرف نسبت کا دعویٰ کیا ہے، شاہ محمد فیروز آبادی کے متعلق ہندوستان میں ایک عجیب و غریب واقعہ مشہور ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ

دکن کے علاقہ سے دہلی آئے اور خود کو حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے سلسلہ کی آخری کڑی کہنے کی دھوم مچائی، چونکہ طور طریقے، ورد و وظائف شکل وصورت، مشغولیت عبادت وغیرہ اوصاف حمیدہ اور افعال ممدوحہ آپ کے اندر موجود تھے اس لیے دہلی والے آپ کے بڑے جلدی معتقد ہو گئے، یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ سلطان ابراہیم کو ظہیر الدین بابر کی جانب سے حملہ کا خطرہ لاحق تھا، سلطان ابراہیم کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے فقیروں اور درویشوں سے دعائیں کرایا کرتا تھا لیکن قضا وقدر کے آگے کسی کی پیش نہیں جاتی، اس لیے ابراہیم کا مقصد حاصل نہ ہوا اور سلطان ظہیر الدین بابر کو فتح ہوئی، اس کے دور حکومت میں بھی سید شاہ محمد ایک عرصہ تک فیروز آباد کے قلعہ میں مقیم رہے، نیز سلطان نصیر الدین کے زمانے میں آپ کی بڑی قدر ومنزلت تھی، البتہ اسلام شاہ ابن شیر شاہ لودھی کے زمانے میں آپ کی بزرگی کو چار چاند لگ گئے تھے اور وہ آپ کا اتنا معتقد ہوا کہ جس کی کوئی انتہا نہ تھی، بادشاہ کو آپ کا معتقد دیکھ کر دیگر ارکان دولت اور عوام بھی جوق در جوق آپ کے مرید ہو گئے علاوہ ازیں بعض درویش بھی آپ سے بیعت کر کے خلافت کے مستحق ہوئے، خلاصہ یہ کہ اس دور میں آپ کی مشیخت کی طوطی بولتی تھی۔

اسی زمانے میں دو بزرگ سید زادے باہر سے دہلی آئے، ایک کا نام میر شمس الدین محمد تھا جو بڑے ذی علم، فلسفی، ہر فن مولا اور علم طب میں بے مثل تھے انہوں نے اپنی تمام زندگی تجرد میں بسر کی اور پوری دنیا کا سفر کیا تھا، وہ چند کتابیں اور دو تین خدمت گار بھی اپنے ہمراہ رکھتے تھے، بڑے باہمت تھے ایک عرصہ تک کابل میں بھی رہے نصیر الدین ہمایوں کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔

دوسرے بزرگ کا نام سید ابو طالب تھا خوبصورت اور نوجوان تھے زمانے کے حوادث کی وجہ سے اپنے وطن بغداد سے نکلے تھے، بعض سفر میں میر شمس الدین محمد اور ان کا اکٹھا سفر کرنے کا اتفاق بھی ہوا تھا، چونکہ ان دونوں میں اسلامی اخوت اور محبت پیدا ہو گئی اس لیے دونوں نے ہندوستان آنے کا ارادہ کر لیا اور اس سفر میں دونوں شریک ہو گئے۔

سید محمد شاہ فیروز آبادی نے جب ان دو بزرگوں کی آمد کی خبر پائی تو ان کو اپنی جانب مائل کرنے کی کوشش کرتے رہے، آپ کی کئی لڑکیاں تھیں ان کی شادی کی یہاں کوئی صورت

نظر نہ آتی تھی، ان دونوں بزرگوں کے آنے سے قبل بھی آپ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ ہم عربی النسل ہیں اور عرب ہی میں ہمارے عزیز و اقارب موجود ہیں جو شریف اور نجیب لوگ ہیں اگر وہ یہاں آ جائیں تو میری لڑکیوں کی شادیاں ان سے ہو جائیں اور یہ دونوں بزرگ چونکہ نو وارد تھے اور اس علاقہ میں بے یارومددگار بھی تھے ان کو آپ نے اپنا مہمان بنالیا، ان کی خاطر تواضع میں آپ نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، کئی روز گزرنے کے بعد آپ نے سید ابو طالب کو اپنی لڑکی سے شادی کا پیغام بھجوایا، ابو طالب نے جواب دیا کہ میں مسافر ہوں اب تک تجرد کی زندگی بسر کرتا رہا اور اب بھی یہی خواہش ہے، شادی کے معاملے میں مجھے معذور سمجھا جائے، اتفاق ایسا ہوا کہ اچانک ان دونوں بزرگوں کو کسی نے آپ کے گھر ہی میں قتل کر دیا، لوگوں میں ان کے اچانک قتل ہو جانے پر ایک شور مچ گیا اور لوگ نہایت ہی افسردہ تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کربلا کا منظر سامنے ہے ان دونوں بزرگوں کے جنازے سیاہ جھنڈیوں کے ساتھ اٹھائے گئے اور لوگوں میں ایک کہرام برپا تھا۔ بچے، بوڑھے، مرد، عورتیں سب ہی رو رہے تھے اور دیوانوں کی مانند غم کر رہے تھے ان کے قضیہ کو ان اشعار میں بیان کیا گیا ہے۔

اشعار

باز اے فلک ز بہر خدا ایں چہ ماجرا است — باز ایں چہ ظلم ایں چہ حسیں ایں چہ کربلا است

باز ایں چہ کوفہ ایں چہ فراق است اینچہ وقت — عاشور نیست ورنہ قضیہ بعینہا است

ایں زہر باز حسن و مجتبےٰ کہ داد ! — ایں تیغ باز بر سر شیر خدا کراست

باز ایں چہ ہجر ایں چہ فراق ایں چہ محنت است — باز ایں چہ درد ایں چہ الم ایں چہ ابتلا است

باز ایں چہ غصہ در جگر انس و جاں نشست — باز ایں چہ فتنہ در سر کون و مکاں نجاست

باز ایں باہل بیت نبوت کہ ظلم کرد — باز ایں بخاندان پیمبر ستم کہ خواست

آن ریش کہنہ را دگراز سر کہ تازہ کرد — وایں داغ خشک رادگراز برکہ پوست کاست

اے دائے برمحبت دنیا د کار او ! — زنہار دل مبند بریں کاروبار او

غرضیکہ ان دونوں بزرگوں کو مدینہ منورہ میں نبی علیہ السلام کے روضہ کے حرم میں دفن کر دیا گیا، ابھی تک ان دونوں بزرگوں کے مزار موجود اور زیارت گاہ مخلوق ہیں اور یہ واقعہ

۹۹۵ ہجری میں معرض وجود میں آیا۔ اس جانکاہ واقعہ کو لوگوں نے شاہ محمد کی طرف منسوب کیا اسی وجہ سے شہر کے تمام لوگوں نے آپ سے بدظن ہو کر بیعت توڑ دی اور جو ارادتمند تھے وہ نکیر کرنے لگے، جو دوست تھے دشمن ہو گئے، جو قریب تھے انہوں نے دوری اختیار کر لی، چنانچہ اس واقعہ کی تحقیق کے لیے تاج خاں اور شیخ فرید جو صوبہ دہلی کے دس ہزاری رئیس تھے شیخ شاہ محمد کے گھر آئے اور آپ سے پوچھا تو آپ نے قتل سے انکار کیا اور فرمایا کہ ایسا ذلیل کام میں ہرگز نہیں کر سکتا بلکہ مجھے اس قتل کی اطلاع تک نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی اب تک پتہ چل سکا ہے البتہ اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ چور ہمارے گھر میں آئے اور انہوں نے ان دونوں بزرگوں کو قتل کر دیا۔

شیر شاہ لودھی جو اس وقت کا بادشاہ تھا اس نے یہ قضیہ علماء کے سپرد کیا اور کہا کہ اس کا فیصلہ شریعت کے حکم کے مطابق کیا جائے، چنانچہ لاہور، دہلی، جونپور وغیرہ کے بڑے بڑے تمام علماء جمع ہوئے اور شاہ محمد کو بلا کر دریافت کیا، آپ نے قتل سے انکار کر دیا۔ اور بھرے مجمع میں کہا کہ آپ لوگوں کو جو کچھ کرنا ہے کیجئے لیکن میں مظلوم بے گناہ اس واقعہ سے بالکل بے خبر ہوں۔ مظلومی، بے عزتی اہل بیت کا ایک قدیمی شعار ہے جو ہم کو وراثت میں ملا ہے۔ آپ لوگ مجھ پر جو ظلم وستم کریں گے میں اس پر صبر کروں گا تمام علماء نے آپ کے اس مقدمہ میں بے انتہا تحقیق و تفتیش کی مگر کوئی ایسا شرعی ثبوت نہ مل سکا کہ جس کی بنا پر آپ کے قتل کا فتویٰ دیتے اور مقدمہ کی کارروائی کے دوران آپ جیل خانہ میں ہر قسم کی تکالیف کو برداشت کرتے رہے۔

منقول ہے کہ شیخ امان پانی پتی کو علماء کے اس بورڈ میں متعدد بار دعوت دی گئی مگر انہوں نے ہر بار شرکت سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ کسی معاملہ میں اگر اہل بیت کی توہین کی جا رہی ہو اور اس میں امان بھی شریک ہو تو اس کا ٹھکانہ جہنم کے سوا اور کچھ نہ ہوگا حالانکہ میری تمنا تو یہ ہے کہ میں آخرت میں خدا کے حضور باعزت طریقے سے پیش ہوں، اس لیے شرکت سے معذور ہوں، ان دونوں بزرگوں کے قتل ہو جانے پر مجھے صدمہ ہے مگر اس کے عوض میں ایک دوسرے سید کی توہین اور قتل اس سے بھی زیادہ مذموم ہے، ان دونوں سیدوں کے قتل کی خبر سن کر میرا دل پارہ پارہ ہو گیا ہے اگر تیسرا خون بھی ہو گیا تو میرا وجود ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا،

سید شاہ محمد سے تو یہ فعل ہرگز سرزد نہیں ہوسکتا، ایسی افعال کا ارتکاب تو ایک چھپی ہوئی مخلوق کرتی ہے چنانچہ سید شاہ محمد جیل خانہ کے اندر ہی وفات پاگئے، ان کی نعش کو پاؤں میں رسیاں باندھ کر لوگوں نے بازار میں گھسیٹا اور پھر دہلی کے قلعہ کے باہر دفن کر دیا۔

منقول ہے کہ آپ کے پاس کچھ مہمان آئے ہوئے تھے جو کھانا کھا رہے تھے ان میں سے کسی نے جمی ہوئی دہی کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے فوراً ہی دہی کا کونڈا مہمانوں کے سامنے لاکر رکھ دیا، ابھی یہ لوگ کھانا کھا رہے تھے کہ ایک عورت روتی ہوئی آئی اور کہنے لگی کہ ابھی ایک سیاہ فام ننگا لڑکا میرا دہی کا جما ہوا کونڈا اٹھا کر آپ کے گھر لایا ہے چنانچہ آپ نے اس عورت کو کچھ دے کر واپس کر دیا۔

کہتے ہیں کہ شاہ محمد کے قبضہ میں جن تھے اور یہ واقعہ اسی کی ایک کڑی ہے اس کے بعد اکثر لوگ آپ کی عقیدت اور محبت سے برگشتہ ہوگئے، شیخ محمد عاشق جو سنبھل کے رہنے والے تھے وہ آپ کے مرید اور خلیفہ تھے، یہ بڑے صاحب حال اور صاحب ذوق بلند ہمت بزرگ تھے اور سخت مجاہدہ اور ریاضت کیا کرتے تھے، شیخ حسن سرمست جو ہرکانو میں رہتے تھے یہ بھی آپ ہی کے مرید تھے۔

مولانا سماء الدین رحمۃ اللہ علیہ

۷۴۹ھ.................۹۰۱ھ

آپ ظاہری اور معنوی علوم کے ماہر تھے، متقی اور پرہیز گار تھے، دنیا کی قطعاً خواہش نہ رکھتے تھے، صرف ضروریات کی حد تک دنیا کی چیزوں کو استعمال کرتے تھے، آپ مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شیخ کبیر رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، کہتے ہیں کہ میر سید شریف جرجانی کے تلمیذ مولانا سناء الدین نے آپ سے علوم کی تحصیل کی تھی ملتان کی خانہ جنگیوں اور خلفشاریوں کی وجہ سے ملتان سے سکونت ترک کر کے کچھ عرصہ رنھو را اور بیانہ وغیرہ میں رہے اور اس کے بعد دہلی میں سکونت پذیر ہوگئے چونکہ عمر بہت زیادہ ہوچکی تھی اس لیے آخری عمر میں آنکھوں کی بینائی ختم ہوگئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے بغیر کسی علاج کے دوبارہ بینائی عطا کر دی تھی۔

منقول ہے کہ آپ اپنے گھر کے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کی تمام مخلوق پر سب سے زیادہ مہربانی یہ ہے کہ مخلوق کو سماء الدین کی آنکھوں میں راہ دیدی ہے، آپ نے شیخ فخر الدین کی مشہور کتاب لمعات کا حاشیہ لکھا ہے۔ جو اس کے معانی کی تشریح و توضیح کے لیے بہت کافی ہے آپ کا ایک اور رسالہ بنام مفتاح الاسرار بھی ہے جس کی اکثر عبارتیں پوری کی پوری شیخ عزیز نسفی کے رسالوں سے نقل کی گئی ہیں، آپ نے ۱۷ جمادی الاول ۹۰۱ ہجری میں وفات پائی، آپ کا مقبرہ دہلی میں شمسی حوض پر ہے جہاں آپ کی اولاد کی قبریں لائنوں اور صفوں میں موجود ہیں۔

منقول ہے کہ آپ نے شیخ عزیز نسفی کے مکتوبات میں سے ایک مکتوب کو مفتاح الاسرار میں اس طرح نقل کیا ہے کہ انسان کے انتہائی معنی میں اہل شریعت اہل حکمت اور اہل وحدت کا اختلاف ہے، اہل شریعت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم بنانے سے کئی ہزار برس پہلے روح کو پیدا کیا اور ہر ایک کے لیے ایک مقام مقرر کر دیا جہاں وہ روح لوٹ کر واپس آئے گی اور رہے گی جیسا کہ ارشاد ہے **مامنا الا له مقام معلوم** یعنی روح جب اپنے مقام ایمان سے جدا ہوتی ہے تو پھر لوٹ کر آسمان اول پر آتی ہے اور روح جبکہ مقام عبادت سے جدائی اختیار کرتی ہے تو وہ دوسرے آسمان کی طرف لوٹتی ہے، اور روح اگر مقام زُہد و تقویٰ سے جدا ہوتی ہے تو تیسرے آسمان پر آجاتی ہے اور جو روح مقام معرفت سے جدا ہوتی ہے تو وہ چوتھے آسمان پر رونق افروز ہو جاتی ہے اور جو روح ولایت کے مقام سے الگ ہوتی ہے تو وہ پانچویں آسمان کی طرف چلی جاتی ہے، اور جو روح مقام نبوت سے ہٹ جاتی ہے تو وہ چھٹے آسمان پر جلوہ فگن ہوتی ہے اور جو روح مقام رسالت سے الگ ہوتی ہے وہ ساتویں آسمان کی طرف گھوم جاتی ہے اور جو روح مقام اولوالعزمی سے جدا ہوتی ہے تو وہ مقام کرسی کی جانب چلی جاتی ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کہ جس نے مقام ختم نبوت سے جدائی اختیار کی ہے وہ عرش کی طرف پرواز کر گئی ہے اور روح جس مقام سے اتری ہے وہیں چڑھ جاتی ہے اور اپنا دائرہ پورا کر لیتی ہے اور یہ کیفیت نو بار واقع ہوتی ہے، لیکن جو شخص ایمان کے مقام تک رسائی نہیں کر پاتا اس کی روح کی پرواز کسی صورت میں بھی آسمان کی طرف نہیں ہوتی کیونکہ یہ مقامات و درجات نہ کسبی ہیں نہ خلقی اور اللہ تعالیٰ اپنی

تخلیق میں کوئی تبدل و تغیر نہیں کرتا، صحیح اور حق راستہ یہ ہے کہ اگر ان مراتب میں سے کوئی مرتبہ اور درجہ بھی کسبی ہوتا تو ممکن تھا کہ کوئی نہ کوئی آج تک اپنے کسب سے اپنے سے اونچے مرتبے تک پہنچ جاتا اور اسی طرح کوئی نہ کوئی مسلمان اپنے کسب و عمل کے ذریعہ مقام نبوت تک بھی رسائی حاصل کر لیتا، حالانکہ کوئی مسلمان آج تک مقام نبوت و رسالت تک نہیں پہنچ سکا۔

اس گروہ کے نزدیک سلوک سے مراد یہ ہے کہ مرنے سے پہلے اپنے مقام بازگشت کا معائنہ کر لیا جائے اور علم یقینی کے بجائے علم مشاہدی حاصل کرے۔ اور انبیاء کی معراج دو قسم کی ہے، ایک معراج روحانی بلا جسد اور دوسری معراج جسمانی مع الروح، اور اولیائے کرام کو صرف ایک ہی قسم کی معراج ہوتی ہے اور وہ معراج روحانی ہے۔

اہل حکمت کہتے ہیں کہ اجسام سے پہلے چونکہ ارواح موجود نہ تھیں اس لیے ان کو اپنا مقام بھی معلوم نہیں اسی لیے دنیا میں آ کر وہ اپنا مقام پیدا کرتی ہیں اجسام سے پہلے بالفعل روح کا موجود ہونا محال اور ناممکنات میں سے ہے کیونکہ روح اگر بالفعل موجود مانی جائے تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک تو یہ کہ ان میں باہمی طور پر فرق ہوگا، دوئم ان میں باہمی فرق مراتب نہیں ہوگا، اگر ان میں کوئی فرق نہیں تو تمام مل کر ایک ہی ہوگی اور یہ ناممکن ہے اور اگر ان میں باہمی افتراق تسلیم کر لیا جائے تو وہ چیزیں جن میں مغائرت ہوتی وہ ایک دوسری کی عین نہیں ہوا کرتیں اس صورت میں ماننا پڑے گا کہ روح مرکب ہے حالانکہ تمام کے نزدیک یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ روح مرکب نہیں پس ثابت ہوا کہ ہر ایک کی روح اس کے جسم کے ساتھ موجود ہے اور جسم سے الگ ہو جانے کے بعد روح باقی رہتی ہے اگر جسم کمال حاصل کر چکا ہے تو روح کی پرواز عالم علوی کی جانب ہوگی بمع عقل و نفس کے اور عقل و نفس ہمیشہ پاک ہوتے ہیں اور کسب و علم نور کے اقتباس میں مصروف رہتے ہیں اور طہارت حاصل کرتے رہتے ہیں سو جس شخص کو عقل و نفس پاکیزہ میسر ہو جائے تو وہ اگر اپنے جسم سے جدائی اختیار کرے تو اس کی عقل اور پاکیزہ نفس اس کو عالم علوی کی طرف کھینچ لے، حالانکہ ایسا بھی کوئی واقعہ آج تک ظہور میں نہیں آیا۔

شفاعت کے معنی یہ ہیں کہ جس آدمی کے اندر جیسی نسبت ہوگی تو اس کی پرواز بھی اسی

نسبت کے مقام کی طرف ہوگی یعنی کسی نے اگر اپنے اندر قمر کی نسبت پیدا کر لی تو وہ اس سے فیضیاب ہو سکتا ہے اور جب اس مہارت تامہ کے ہوتے ہوئے اس کی روح اس سے جدا ہوتی ہے تو اس کا نفس اس کو قمر تک پہنچا دیتا ہے اور اگر کسی نے اس حال میں مفارقت نہ کی اور حالانکہ اس نے علم وطہارت میں کمال حاصل کر لیا تھا یعنی اس کو فلک الافلاک سے نسبت ہوگئی تھی تو وہ فلک الافلاک سے فیوض حاصل کرتا ہے جب اس حالت میں مفارقت کرتا ہے تو اس کا نفس فلک الافلاک کی طرف لوٹ آتا ہے جب آپ نے اول وآخر کو سمجھ لیا تو باقی کو اسی پر قیاس کر لے۔

کہتے ہیں کہ جو کوئی ریاضات اور مجاہدات اقتباس انوار وعلوم کے ذریعہ اپنے نفس کو فلک الافلاک تک پہنچا دیتا ہے تو اس کی روح کی پرواز فلک الافلاک کی طرف ہوگی اور جو شخص ریاضت ومجاہدہ، اقتباس انوار وعلوم نہ کرے تو وہ فلک قمر کے نیچے جہاں دوزخ ہے پڑا رہے گا اور عالم علوی جہاں جنت ہے اس کی طرف ہرگز ہرگز رسائی حاصل نہیں کر سکے گا اور جو کوئی مقام انسانیت تک علم و پاکیزگی کو پہنچائے اور اس عالم صغیر سے عالم کبیر میں چلا جائے تو وہ شخص اللہ کا خلیفہ کہلوانے کا مستحق ہے وہی اکبر اعظم اور جام جہاں نما ہے، اس عالم میں پہنچ کر یہ پاکیزہ عبادت گزار کبھی عقل وادراک کے ذریعہ اور کبھی شعور اور لاشعور ادرات کا کے ذریعہ اللہ سے باتیں کرتا اور اللہ کی باتیں سنتا ہے، اس مقام تک پہنچنے والے کی روح جب جدا ہوتی ہے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ اللہ کی رحمت کے زیر سایہ مسرور وشاداں رہتا ہے اور اللہ کا مقرب کہلاتا ہے اسی کو بہشت کہتے ہیں اور یہ بہشت ایسے ہی کامل بزرگوں کے لیے ہے۔

اہل وحدت کہتے ہیں کہ ترقی وعروج میں آدمی کی کوئی حد مقرر نہیں اگر کوئی مستعد آدمی پوری محنت سے ایک ہزار سال تک بھی ریاضت ومجاہدے کرتا رہے تو ہر آنے والے دن میں وہ ایک نئی اور عجیب کیفیت محسوس کرے گا جو گزشتہ دن اس کو معلوم نہ تھی اس لیے کہ اللہ کے علم وقدرت کی کوئی انتہا نہیں، اہل وحدت کے نزدیک انسان سے بڑھ کر اور کوئی چیز اشرف وباعظمت نہیں، اسی لیے انسان کی بازگشت میدان حشر میں آدمی ہی کے وجود میں ہوگی۔

شیخ عبداللہ بیابانی رحمۃ اللہ علیہ

۸۰۲ھ..............................۹۰۵ھ

آپ مولانا سماء الدین کے فرزند دلبند اور اپنے زمانے کے بڑے متقی بزرگ تھے۔ تمام عمر تجرد میں بسر کی، اگرچہ آپ نے جوانی میں شادی کی تھی لیکن جب دیکھا کہ اس سے خدا کی عبادت میں فرق آتا ہے تو ہنسی خوشی بیوی سے الگ ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ آپ گفتگو کرتے وقت متکلم کا صیغہ استعمال نہ کرتے بلکہ اپنے لیے غائب کا صیغہ استعمال کرتے، مثلاً میں آؤں گا یا میں جاؤں گا کے بجائے وہ آئے گا وہ جائے گا کہتے تھے، ایک عرصہ تک دہلی میں خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں عبادت کرتے رہے، کہتے ہیں کہ آپ ہر نماز میں کپڑے دھوتے اور غسل کیا کرتے تھے، کہتے ہیں اس وقت کے بادشاہ نے سادات میں سے کچھ لوگوں کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا تھا جب آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ بنفس نفیس بادشاہ کے پاس گئے اور کہا کہ یہ لوگ سید ہیں انہیں رہا کر دیا جائے، بادشاہ نے آپ کی بات پر عمل کرنے سے انکار کر دیا، تو آپ نے بادشاہ سے فرمایا کہ جس علاقہ میں تیری بادشاہت ہے وہاں رہنا حرام ہے اس کے بعد دہلی سے مندو چلے گئے، مندو کے بادشاہ نے آپ کو بہت سے تحائف پیش کئے مگر آپ نے ان کو قبول کرنے سے انکار فرما دیا اور کہا کہ ہمیں ان اشیاء کی احتیاج نہیں، البتہ اتنا کر دو کہ فلاں علاقہ کے افسر کو کہہ دو کہ وہ ہمیں فلاں جنگل میں رہنے کی اجازت دے دے اور ہم پر ظلم و ستم نہ کرے، آپ نے مندو کے کئی قصبات میں فرداً فرداً قیام کیا، آپ کا مزار بھی مندو ہی کے ایک گاؤں میں ہے۔

سید کبیر الدین حسن رحمۃ اللہ علیہ

۷۱۵ھ..............................۸۹۶ھ

آپ بڑے سیاح تھے آخر کار اچہ میں سکونت اختیار کی، کہتے ہیں کہ آپ کی ایک سو اسی ۱۸۰ برس کی عمر تھی، آپ سے کرامات اور خوارق عادات بھی رونما ہوا کرتی تھیں آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ آپ نے بہت سے کفار کو مسلمان کیا، جس کو اسلام کی

دعوت دیتے اس میں انکار کرنے کی طاقت نہ رہتی اور وہ بے اختیار اسلام قبول کرلیتا، کافر جوق در جوق آ کر آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتے، یہی تصرف آپ کی اولاد میں بھی تھا لیکن آپ کی بعض اولاد فریب نفس دنیاداری اور بدعتوں وغیرہ میں مبتلا ہوگئی اور اس نے اس آبائی تصرف کے ذریعہ عجیب بدعات کھڑی کرلیں اور اپنے ان افعال شنیعہ کی وجہ سے بدنام ہوگئے، سید کبیر الدین نے ۸۹۶ ہجری میں انتقال کیا، آپ کا مزار اچہ شریف میں ہے۔

شیخ حسام الدین متقی ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

۸۷۸ھ............................۹۶۱ھ

آپ بڑے عالم، زاہد، متقی تھے، خدا کے ارشاد فاتقوا اللہ مااستطعتم کے پیش نظر فاتقوا اللہ حق تقاتہ کے بلند مرتبہ پر پہنچے ہوئے تھے، خراجی زمین میں کاشت کرتے، اور اس کا خراج ادا کیا کرتے تھے، اور آخر کار ان زمینوں پر ایک حادثہ کی وجہ سے ایسا واقعہ پیش آیا کہ زمینیں مخلط ہوگئیں، اور ان کا خراجی ہونا مشتبہ ہوگیا تو اس شبہ کی وجہ سے آپ نے اس زمین کی پیداوار کو کھانا ترک کردیا اور جب شدید بھوک لگتی تو قوت لایموت کے اندازہ سے معمولی سی غذا کھالیا کرتے تھے، اور اسی سختی اور تنگی کے زمانے میں آپ کی وفات ہوگئی، تقویٰ زُہد اور اسلامی شعار ہونے میں آپ اللہ کی نشانی تھے اور ان بزرگوں میں تھے جن کے بارے میں خدا تعالیٰ فرماتے ہیں۔

الآ ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولاھم یحزنون ○ الذین امنوا وکانوا یتقون○

اولیاء اللہ نہ خوفزدہ ہوں گے اور نہ ہی غمگین ہوں گے اور یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لانے کے بعد خدا سے ڈرتے ہیں۔

شیخ علی متقی نے بھی آپ سے اوائل عمر میں اسلامی علوم حاصل کئے اور پاکبازی کا درس لیا۔

منقول ہے کہ شیخ علی متقی فرماتے ہیں کہ ایک دن آپ نے فرمایا کہ اب طبیعت کچھ خراب سی ہے اس کا کیا سبب ہے؟ آپ کا یہ اصول تھا کہ جب باطن میں کچھ تکدر محسوس

کرتے تو اپنی غذا کے متعلق تحقیق وتفتیش کرتے کہ شاید غذا میں کوئی فرق ہو، چنانچہ آپ غذا کی تحقیق کے لیے باورچی خانے گئے اور باورچی سے دریافت کیا کہ آج کھانا کس طرح اور کہاں پکایا گیا تھا؟ باورچی نے تمام باتیں بتلانے کے بعد کہا کہ آج میں نے پڑوسی کے ہاں سے بغیر اجازت آگ لے لی تھی چنانچہ آپ اسی پڑوسی کے گئے جہاں سے آگ آئی تھی اور اس سے معافی مانگی اور کچھ دیکر خوش کردیا۔

نیز شیخ علی متقی فرماتے ہیں کہ آپ کی مجلس سے جاتے وقت ایک آدمی نادانستہ طور پر اپنے سامان میں آپ کا جوتا بھی لے گیا جب اسے معلوم ہوا تو وہ آپ کا جوتا واپس لایا تو آپ نے کہا کہ یہ میرا نہیں ہے مگر اس آدمی نے کہا کہ یہ آپ ہی کا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اچھا اگر آپ مجھے دینا چاہتے ہیں تو اس کی قیمت مجھ سے لے کر جوتا مجھے دیدو مگر وہ اس بات کو مانتا نہ تھا، بالآخر آپ نے اصرار کر کے جوتے کی قیمت اس کو دیدی اور جوتا رکھ لیا اس کے بعد فرمایا کہ میں نے اپنی تمام مملوکہ اشیاء سے حق ملکیت ختم کر رکھا ہے تاکہ اگر کوئی شخص میری چیز استعمال کرے تو وہ اس کے لیے ناجائز نہ ہو۔

کہتے ہیں کہ آپ شیخ بہاؤالدین ملتانی کے مقبرے کے سائے کے نیچے کبھی کھڑے نہ ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ بیت المال کی رقم سے بنایا گیا ہے اور مسلمانوں کا حق اس پر خرچ ہوا ہے اب میرے لیے جائز نہیں کہ میں اس کے سایہ کے نیچے کھڑا ہوں (سبحان اللہ! ایسے ہوتے ہیں اللہ والے، کتنی دقیق نظر اور اتباعِ شریعت کی بھی حد کردی)

آپ کے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام شیخ بایزید تھا، جو نہایت متقی اور مشائخ صفت بزرگ تھے۔

منقول ہے کہ آپ اگر کسی کو مسجد میں گاتے ہوئے دیکھتے تو منع فرمادیتے، آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بڑے پابند تھے اور دوسروں کو بھی اس پر پابندی سے عمل کرنے کا حکم دیا کرتے تھے اور آپ کے صاحبزادے شیخ بایزید کی تو یہ کیفیت تھی کہ مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ کر روتے رہتے تھے، ایک دفعہ شیخ بایزید کو کسی نے ایک روپیہ تحفۃً دیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ کیا چیز ہے اور اس کا کیا کیا جائے گا اس دن کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ روپیہ ایک نقدی سکہ ہے جو لوگوں کے لین دین بیع وشرا وغیرہ کاروبار میں کام آتا ہے۔

شاہ عبداللہ قریشی رحمۃ اللہ علیہ

۱۴۲۰ء......................۱۴۹۹ء

آپ شیخ بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے جس زمانے میں آپ کے آباء واجداد ملتان سے دہلی آئے تو سلطان بہلول نے اپنی دختر اختر کی آپ سے شادی کردی آپ ایک مجذوب بزرگ تھے، ظاہری شان وشوکت کے بھی مالک تھے سلوک کے ابتدائی دور میں آپ نے بے انتہا ریاضت اور انسانی طاقت سے وراء الوریٰ مجاہدے کئے تھے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں سلوک کے ابتدائی مراحل میں، روزانہ کم از کم ایک ہزار رکعت پڑھا کرتا تھا اور تین قرآن ختم کرتا تھا ایک ساعت خدا کی یاد اور اس کے ذکر سے جو فوائد حاصل ہوتے وہ تمام عبادتوں سے زیادہ ہوتے تھے۔

شیخ حاجی عبدالوہاب اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ایک رات میں اپنے شیخ عبداللہ یوسف کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اپنے علوم الٰہی سے بھی مجھے بہرہ یاب فرمایا کرتے تھے اس لیے اس رات جب مجھے مشاہدے کی کیفیت کے آخری مراحل تک پہنچا دیا تو فرمایا کہ یہ علم باتوں کے ذریعہ سینہ میں داخل نہیں کیا جا سکتا البتہ اس کے حاصل کرنے اور سکھانے میں مکمل رشد وہدایت دخیل ہے کیونکہ دل ایک برتن کے مثل ہے جس میں مختلف حالات جمع ہیں اور دنیا میں کوئی بھی دل ایسا نہیں جو احوال کے اعتبار سے ایک دوسرے سے الگ اور متفرق نہ ہو، اسی لیے دو مختلف الحال دل ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اس لیے کہ ہر دل میں دوسرے دل کے علاوہ ایک خاص قسم کی لذت ہے۔

منقول ہے کہ آپ ایک دن اپنے دو منزلہ مکان کی چھت پر کھڑے تھے جو اب بھی آپ کے مقبرے کے برابر موجود ہے اچانک آپ پر وجد کی حالت طاری ہوگئی اور اسی حالت میں مکان کی چھت سے گر گئے لیکن اس کے باوجود کہ مکان دو منزلہ تھا آپ کے کوئی چوٹ وغیرہ نہ لگی۔

کہتے ہیں کہ آپ نے ایک مرتبہ جذبہ وحال کی کیفیت میں ایک بکری کو اٹھا کر زمین پر دے مارا جس سے وہ مرگئی، لوگوں نے آپ سے کہا کہ غریب بکری کو آپ نے خواہ مخواہ

مار دیا، اس کے بعد آپ نے اس مردہ بکری کی پشت پر لات مار کر فرمایا کہ کھڑی ہو جا اور کسی کو بدنام نہ کر، قدرت خداوندی سے وہ مردہ بکری زندہ ہوگئی ایک دن آپ نے وجد کی حالت میں اپنے خادموں سے فرمایا کہ گھر کے اندر جتنا اثاثہ اور سامان واسباب ہے اس کو نکال کر باہر پھینک دو اور گھر کو آگ لگا دو، اس وقت آپ کے چھوٹے بیٹے احمد شاہ آپ کے پاس موجود تھے انہوں نے عرض کیا کہ ابا جی سامان نکالنے میں لوگوں کو تکلیف ہوگی بہتر یہ ہوگا کہ سامان مکان کے اندر ہی رہے اور اس کو آگ لگا دیا جائے تاکہ تمام چیزیں ایک دم جل جائیں اور قصہ تمام ہو جائے، آپ کو اپنے فرزند کی یہ بات پسند آئی۔

آپ کا مزار پرانی دلی میں مشہور ہے لوگ اس کی زیارت کر کے برکت حاصل کرتے ہیں، آپ نے ۲۲ صفر کو انتقال فرمایا۔

شیخ حاجی عبدالوہاب بخاری رحمۃ اللہ علیہ

۸۱۸ھ.............................۹۳۲ھ

آپ سید جلال الدین بخاری بزرگ کی اولاد میں سے تھے جو مخدوم جہانیاں کے دادا تھے، سید جلال الدین بخاری کے دو بیٹے تھے ایک کا نام سید محمود تھا جن کے سید جلال الدین مخدوم جہانیاں بیٹے تھے اور دوسرے بیٹے کا نام سید احمد بزرگ تھا انہی کی اولاد میں سے شیخ عبدالوہاب تھے جو بہت بزرگ اور علم وعمل، حال ومحبت میں کامل تھے، سلوک کے ابتدائی زمانے میں آپ اپنے شیخ استاد اور خسر مولوی صدرالدین بخاری کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے فرمایا اس وقت دنیا میں دو نعمتیں ہیں جو تمام نعمتوں سے افضل واعلیٰ ہیں لیکن لوگ ان کی قدر ومنزلت نہیں جانتے اور ان کے حصول سے بھی غافل ہیں۔

نعمت اول تو یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مدینہ منورہ میں بہ صفت حیات موجود ہے اور لوگ اس سعادت سے فائدہ نہیں اٹھاتے، دوسری نعمت قرآن کریم ہے جو اللہ کا کلام ہے اور خدا تعالیٰ اس کے ذریعہ بغیر کسی واسطہ کے اپنی مخلوق سے کلام کرتے ہیں لیکن لوگ اس نعمت سے بھی غافل ہیں، شیخ کی اتنی بات سننے کے بعد آپ مجلس سے اٹھے اور مدینہ جانے کی اجازت مانگی (اور اجازت ملنے کے بعد) خشکی کے راستے فوراً مدینہ کی

جانب روانہ ہو گئے، مدینہ منورہ پہنچ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضری دینے کے بعد فوراً اپنے وطن مالوف ملتان آ گئے لیکن اس وقت ملتان کی حالت بہت خراب تھی اس لیے سلطان لودھی کے زمانے میں دہلی تشریف لے آئے، سلطان سکندر لودھی آپ کا بہت معتقد تھا اور آپ کی بے انتہا عزت و خاطر و مدارات کرتا تھا۔

آپ کو عبداللہ شاہ قریشی سے اتنی محبت تھی کہ دیکھنے والے یہ سمجھتے تھے کہ گویا آپ فنافی الشیخ ہیں، مولانا روم کو جتنی محبت و عقیدت شاہ شمس تبریز سے تھی اتنی ہی آپ کو اپنے شیخ سے تھی۔ آپ نے دوسری بار دہلی سے سفر کر کے حرمین شریفین کی زیارت کی تھی اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے دہلی واپس تشریف لے آئے آپ نے ۹۳۲ ہجری میں انتقال فرمایا جس کا عدد ''شیخ حاجی'' سے نکلتا ہے، آپ کا مزار دہلی میں شاہ عبداللہ قریشی کے مقبرہ کے قریب ہے۔

آپ نے قرآن کریم کی ایک تفسیر بھی لکھی ہے جس میں اکثر بلکہ تمام قرآن کی تفسیر نبی علیہ السلام کی نعت و توصیف سے کی ہے اور اس میں بہت سے دقائق عشق اور اسرار محبت کو جمع کیا ہے، غالباً آپ نے یہ تفسیر جذبہ حال اور غلبہ استغراق کے وقت کی ہوگی، اسی وجہ سے بعض الفاظ ظاہریہ کی تعبیر کی رعایت نہیں کر سکے، اس کتاب میں سے چند منتخب کردہ باتیں بیان کر دیتا ہوں تاکہ اس عجوبہ کتاب کی حقیقت سب پر واضح ہو جائے سورۂ مریم، کھیٰعص کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اے خدا کے حبیب! جان لیجئے کہ حروف مقطعات خدا کے خزانوں میں سے ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کئے گئے ہیں اور انہیں کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو ان کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اس سورۃ کے ابتدائی لفظ میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے، دوئم یہ کہ کاف سے کن اور ''ہا و یا'' سے ہیا کی طرف اشارہ ہو جو ندا کے لیے آتا ہے اور ع سے عین العبد (حقیقی بندے) کی طرف اور وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات ہو سکتی ہے اور ''ص'' سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کی طرف اشارہ ہو، اس تاویل پر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اے بندے ہو جا ایسی صورت جو اللہ کے جمال سے مزین ہو اور لوگ اس سے استفادہ کریں، اللہ

تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خطاب کیا تھا جبکہ آپ ماں کے بطن میں تھے اور حضرت زکریا علیہ السلام نے آپ کی شفاعت حاصل کرنے کے لیے اذ نادی ربہ نداء خفیا کی صورت میں دعا کی تھی اس لیے کہ تمام انبیاء علیہم السلام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی درخواست کی ہے جیسا کہ ایک دوسری جگہ ہے "یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ و اتیناہ الحکم صبیا وحنانا من لدنا وزکوٰۃ" اور قوت کے معنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو جانا اور والسلام علیہ یوم ولد و یوم یموت و یوم یبعث حیا کا مطلب یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو جس دن کہ آپ کی ولادت ہوتی تھی اور جس دن کہ تمام لوگ مر جائیں گے اور جس دن بعثت عامہ ہوگی اور یہ تفسیر لذیذ ہے مٹھائی، دودھ اور مصری وغیرہ سے بھی، (اسی طرح) واذکر فی الکتاب مریم اذ انتبذت من اھلھا مکاناً شرقیاً پر لکھتے ہیں یاد کیجئے اے مریم کے زوج جنت میں، یعنی اے احمد اے محمد اپنی اس خوبرو اور خوبصورت بیوی کو یاد کیجئے جو آپ کی زوجہ ہے جن کا ذکر تیری کتاب قرآن میں آیا ہے فاتخذت من دونھم حجاباً فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشراً سویا کا ممکن ہے کہ مطلب یہ ہو کہ روح سے نبی علیہ السلام کی روح مراد ہو اور ممکن ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے اس لیے کہا ہو کہ نبی علیہ السلام کو مکمل بشر کی شکل بنا کر مریم علیہا السلام کو دنیا میں دکھا دیا جائے تا کہ وہ آپ کو جب بہشت میں دیکھے تو پہچان لے کہ یہ تو وہی شکل وصورت ہے جو مجھے دنیا میں دکھا دی گئی تھی اور ونادیناہ من جانب الطور الایمن وقربناہ نجیا، اس نداء سے خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے اوصاف بنائے تھے اس لیے کہ نجوی (نجیاً) اسی کو کہتے ہیں جو نبی علیہ السلام کے فضائل ومناقب کو بیان کرے اور لا یسمعون فیھا لغواً ولا سلاماً۔ الآیۃ، ممکن ہے کہ ان کا سلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو اور نبی علیہ السلام کا سلام ان پر اور ولھم رزقھم فیھا بکرۃ وعشیا۔ الآیۃ، ممکن ہے کہ ان کا رزق نبی علیہ السلام کی صحبت ہو اس لیے کہ یہ تمام رزقوں سے افضل و بہتر ہے اور تلک الجنۃ التی نورث من عبادنا من کان تقیا۔ الآیۃ ممکن ہے کہ تقیا سے مراد نبی علیہ السلام ہوں اور نورث سے مراد نبی علیہ السلام ہوں کہ ہم نے ان کو جنت کا وارث بنا دیا اب ان کو اختیار ہے کہ جس کو چاہیں جنت میں آنے دیں اور جس کو چاہیں

روک دیں وہ دنیا اور آخرت کے بادشاہ ہیں انہی کے لیے دنیا، جنت اور مشاہدات ہیں۔ اور وان منکم الا واردھا کان علی ربك حتما مقضیا ۔الآیۃ، اس کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں۔

(۱) کہ تم کو جہنم سے گزرنا ہوگا اور اسی پر تمام مفسرین کا اجماع ہے۔

(۲) یہ کہ درود سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو جہنم کے اردگرد جمع کیا جائے گا۔

(۳) ان کو آگ کے ایک حصہ میں حاضر کیا جائے، یہ صورت تمام صورتوں سے اچھی ہے۔ اس لیے کہ اللہ کا یہ قول وان منکم الا واردھا اپنی عمومیت کی بنا پر نبی علیہ السلام کو بھی شامل ہے اور نبی علیہ السلام کی شان تو یہ ہے کہ اگر آپ دوزخ میں بھی تشریف لے جائیں تو وہ باغ ہو جائے اور آپ کا دوزخ میں داخل ہونا اہل نار کے لیے تو نعمت عظمت ہے کیونکہ جب ابراہیم علیہ السلام آگ میں داخل ہوئے تو آگ آپ کے نور کی برکت سے گلزار بن گئی تو جب نبی علیہ السلام آگ میں داخل ہوں تو جہنم کیسے گلزار نہ بنے، خدا کی قسم، خدا کی قسم، خدا کی قسم اگر نبی علیہ السلام کی ایک نظر بھی جہنم پر پڑ جائے تو وہ اس آیت کا مصداق بن جائے، جنت تجری من تحتھا الانھار اور پھر اس سے اہل نار اسی طرح نعمتیں حاصل کریں جس طرح اہل جنت، جنت سے کرتے ہیں لیکن یہ خوب یاد رکھو کہ آگ اور آگ میں جلنے والے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے محجوب اور محروم کر دیئے گئے ہیں اور ان کو آپ کا ہرگز دیدار نہ ہو سکے گا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے متعلق تصریح کر دی ہے فضرب بینھم بسور لہ باب الآیۃ

(۴) وان منکم الا واردھا میں ایک یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ نبی علیہ السلام کے دیدار کے تمام مشتاقین کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے گا اور جب وہ آپ کے دیدار سے مشرف ہو جائیں گے تو اس کے بعد ان کو اگر اپنی بدکرداریوں کی وجہ سے چند روز کے لیے سزا دی جائے گی تو پھر آپ کی نظر شفقت سے اللہ تعالیٰ ان کو عذاب سے نکال دیں گے لیکن ہمیں اللہ سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ عاشق و معشوق میں جدائی نہیں ڈالے گا، اور والباقیات الصالحات خیر عند ربك ثوابا و خیر مردا ۔الآیہ، کہ باقیات صالحات سے وہ نظریں مراد ہیں جو نبی علیہ السلام کے چہرے پر محبت سے ڈالی جائیں۔

سورۂ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے الا تذکرۃ لمن یخشٰی الآیۃ، اس کلام میں نبی علیہ السلام کے القاب کو بیان کیا گیا لیکن لقب کے اندر محبوب کی ذات مضمر ہوتی ہیں، اس لیے فرمایا ما انزلنا الیك القران لتشقٰی کہ ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ تعب میں پڑ جائیں، پھر فرمایا الا تذکرۃ لمن یخشٰی ، آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی خشیت عطا فرمائی تھی کہ جہان والوں میں سے کسی کو بھی ایسی نہیں دی، اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی نے اپنے محبوب کو طلب کیا اور جب وہ آ گیا تو اس سے ایسا سخت اور زور سے معانقہ کیا کہ محبوب کو اس سے سخت تکلیف ہوئی اور معانقہ کرنے والا اپنے محبوب سے کہتا ہے کہ اے محبوب! میں نے آپ کو اس لیے طلب نہیں کیا تھا کہ آپ کو تکلیف دوں اور حالانکہ اس سے اتنی قوت سے معانقہ کر چکا ہے کہ محبوب بے چارہ اس سے سخت تکلیف وتعب اٹھا چکا ہے لیکن محبوب اگرچہ ظاہری تکلیف کی وجہ سے مفہوم و پریشان ہوگا لیکن باطن میں وہ بڑا خوش اور مسرور ہوگا، اسی لیے خشیت نبی علیہ السلام کو بہت محبوب تھی گویا کہ آپ کو اس سے کوئی تعب ہی نہیں اور فلما اتاھا نودی یا موسٰی انی انا ربك فاخلع نعلیك الآیۃ، جب موسیٰ علیہ السلام آئے تو وہ کلام سلاطین سے خطاب کئے گئے اور ان کو اسی طرح ادب کرنے کا حکم دیا گیا جس طرح بادشاہوں سے ملنے والوں کو دیا جاتا ہے انا ربك میں تو خدا نے سلطنت کا اظہار کیا اور فاخلع میں ادب سے آنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن جب نبی علیہ السلام دیدار الٰہی کے لیے تشریف لے گئے تو ان الفاظ سے یاد کئے گئے السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تو کلیم اور کریم میں شاہانہ گفتگو تھی اور حبیب ومحبوب کے درمیان دوستانہ کلام تھا علاوہ ازیں کلیم خود طالب تھے اور حبیب مطلوب تھے، آپ کے لیے براق کو بھیجا گیا اور آپ کو کسی ماسبق وعدہ کے بغیر نیند سے بیدار کیا گیا۔

سورۂ انبیاء کی آیت لو اردنا ان نتخذ ولدا لا تخذناہ من لدنا ان کنا فاعلین کے اندر بہت اسرار ہیں جن کو اللہ اور رسول کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور ممکن ہے لا تخذناہ من لدنا سے نبی علیہ السلام کی ذات مراد ہو، یعنی اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا گمان ہے کہ عیسیٰ میرے بیٹے ہیں اگر میرے لیے بیٹا ہونا ممکن ہوتا تو اس کے حقدار تو نبی علیہ السلام تھے اس لیے کہ میں نے ان کے نور کو تمام کائنات کی تخلیق سے پہلے بنا

دیا تھا اور وہ بشر ہیں مگر ان کی مثل اور کوئی بشر نہیں اور عیسیٰ علیہ السلام اس کے حقدار نہیں کیونکہ وہ تو خود نبی علیہ السلام کے اتباع کرنے والوں میں سے ہیں لیکن اللہ کی ذات اس چیز سے منزہ ہے جس کو ظالم لوگ کہتے ہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام بھی،

سورۂ حج میں ہے: یا ایھا الذین امنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم فافعلوا الخیر، بھلائی اور خیر تمام تر نبی علیہ السلام کو قولاً، فعلاً، عملاً متابعت کرنے پر منحصر ہے اور متابعت قولی و فعلی تو ممکن ہے کہ کسی اہل اللہ کی متابعت کے بغیر بھی حاصل ہو سکے لیکن متابعت حالیہ تو کسی شیخ کامل کی صحبت اختیار کرنے کے بعد ہی حاصل ہو سکتی ہے اس لیے کہ شیخ نے بھی تو کسی کی صحبت حاصل کی تھی جس سے اس کے اندر بقدر طاقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال میں سے ایک حال پایا جاتا ہے کیونکہ یہ احوال ہی ارواح کی ہدایت ہیں اور یہ ہدایت صحبت اور الفت ہی کے ذریعہ حاصل کی جا سکتی ہے، پھر اس بات کو خوب ذہن نشین کر لیا جائے کہ یہ وراثت بغیر الفت کے نہیں ملتی، اسی لیے کہتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی کسی کامل شیخ کی خدمت میں بہت مدت تک رہے لیکن شیخ اور مرید کے مابین الفت نہ ہو تو شیخ کے احوال مرید میں ہرگز سرایت نہ کریں گے اور اس کے مقابلے میں اگر ایک آدمی کسی شیخ کی خدمت میں ایک ساعت ہی بیٹھ گیا لیکن شیخ اور مرید کے درمیان الفت اور محبت اللہ اس طرح واقع ہوئی کہ دونوں ایک دوسرے پر فریفتہ ہو گئے تو اس وقت شیخ کے باطنی احوال مرید کے باطن پر سرعت کے ساتھ اثر انداز ہوں گے اور بطور وراثت اس کی طرف منتقل ہو جائیں گے، اس صحبت سے اس کی عمر میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے اور جب تک شیخ کی محبت بڑھتی رہے گی اسی قدر اس مرید کے اندر خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا بھی اضافہ ہوتا رہے گا، محبت اکیلی ہے لیکن اس کے پیدا کرنے میں حکمت یہ تھی کہ یہ ایک کے باطن سے دوسرے کے باطن میں سرایت کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے نفس کے ساتھ پیدا کیا جو متافہ رحیمہ، کریمہ ہونے کے علاوہ موصوف ہے اللہ کے جملہ اخلاق کے ساتھ، اور اللہ کے اخلاق میں سے ایک خلق ہے شوق چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے حکایت کے طور پر بیان کرتے ہیں کہ خبردار طویل ہو گیا شوق نیک

لوگوں کا میری ملاقات کے لیے اور مجھے بھی بہت شوق ہے ان سے لقاء کا، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم متخلق تھے اس خلق سے بحد کمال تک اسی لیے وہ اپنے مشتاقین کی طرف بھی مشتاق رہا کرتے تھے اور نبی علیہ السلام کا شوق بہت زیادہ تھا مشتاقین کے شوق کے بہ نسبت، اس لیے کہ ہر ایک کا شوق بقدر مرتبے کے ہوتا ہے، نبی علیہ السلام کی شان بھی رفیع اس لیے اشتیاق الی المشتاقین بہت زیادہ تھا اور یہ طریقہ تا قیام قیامت اللہ کے فضل و کرم سے جاری اور ساری رہے گا، لیکن یہ ضرور خیال رکھیں کہ اس کے ماخذ یہ ہیں۔ صحبت، الفت، خرقہ خلافت صحبت سے ملتا ہے اور صحبت جب مفید ہوگی کہ الفت ہو اور الفت ہوگی تو نعمت ملے گی اور نعمت سے لذت حاصل ہوگی اور لذت سے وصال ہوگا، اور اس کے ثمرات و انواج میں ایسی غیر منتہی زیادتی ہوتی رہے گی جو تقریر و تحریر میں نہیں لائی جا سکتی۔

یہ تفسیر ربیع الثانی 915 ہجری میں شروع کی گئی تھی اور ۱۷ شوال 915 ہجری یعنی چھ ۶ ماہ کچھ دن میں مکمل کر دی گئی۔

شاہ جلال شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

۸۵۸ھ.........۹۴۴ھ

آپ شیخ محمد نور بخش کے مریدوں میں سے تھے جنہوں نے گلشن راز کی شرح لکھی ہے آپ حجاز سے بلاد ہند میں سلطان سکندر کے دور حکومت میں دہلی تشریف لائے آپ بڑے صاحب نظر بزرگ تھے، مولانا روم کی مثنوی آپ کی حرز جان تھی، آپ کا قد درمیانی اور چہرہ نورانی تھا، جس دن دہلی تشریف لائے تھے اس دن کے بعد کبھی بھی آپ کے مطبخ کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی: روٹی اور فیرنی ہر وقت مہمانوں کے لیے تیار رکھتے تھے، ہر آنے والے مہمان کو علاوہ اور کھانوں کے نان اور فیرنی بھی کھلائی جاتی تھی، آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حرم شریف میں ایک مرتبہ ایک درویش سے ایسی بات سنی تھی جو شریعت کے بالکل خلاف تھی، میں نے چاہا کہ اس کو اس جملہ کی سزا دوں، جب اس نے کچھ محسوس کیا تو پہاڑوں کی جانب بھاگنے لگا، میں بھی اس کے پیچھے چلا لیکن وہ ہاتھ نہ آیا، البتہ جب وہ بھاگ رہا تھا تو ایک بار اس نے میری طرف مڑ کر دیکھا اور یہ شعر پڑھا

دست ناپیدا گریباں می کشد　　　من پۓ دست و گریباں می روم

(ایک نامعلوم ہاتھ میرا گریبان کھینچ رہا ہے اور میں اس ہاتھ اور گریبان کے پیچھے بھاگ رہا ہوں)

اس شعر کو سننے کے بعد میں بیہوش اور بے خود ہو کر گر پڑا، دہلی کے سادات بخارا سے بھی آپ کے تعلقات اس طرح ہو گئے تھے کہ آپ نے اپنی دختر نیک اختر کی شادی شیخ مدثر ابن شیخ عبدالوہاب سے کردی تھی، آپ کی وفات ۹۴۴ ہجری میں ہوئی، آپ کا مزار پرانی دلی میں حاجی عبدالوہاب کے مقبرہ کے برابر ہے، اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شاہ احمد شرعی رحمۃ اللہ علیہ

۹۲۷ھ.................................۹۲۸ھ

آپ ترکی النسل اور بلند پایہ عالم ہونے کے ساتھ کامل درویش بھی تھے، بہت ضعیف تھے، چندیری میں قیام پذیر تھے، دیوان کشاف جس میں اہل سنت والجماعۃ پر ازاول تا آخر لعن وطعن ہے اس کے جواب میں آپ نے اشعار کہے ہیں جس کے چند شعر درج ذیل ہیں

وجماعة سموا هوا هم سنة وجماعة حمر لعمری مؤلة

ترجمہ: (یہ جماعت ایسی ہے جس نے اپنی خواہشات کو سنت سمجھ رکھا ہے، مجھے میری عمر کی قسم یہ جماعت گدھوں کی ہے جو ایک دوسرے سے الفت کرتی ہے)

قد شبهره بخلقه فتخوفوا شنع الورىٰ فتستروا بالبلكفة

ترجمہ: (یہ لوگ مخلوق خدا پر عیب لگانے سے خوف نہیں کرتے، دریدہ دہنی میں بڑی جرأت سے کام لیتے ہیں۔)

عجبا لقوم ظالمين تلقبوا بالعدل مافيهم لعمری معرفة

ترجمہ: (تعجب ہے اس ظالم قوم پر جس نے اپنے کو عادل سے ملقب کرلیا ہے حالانکہ اس کے اندر کوئی معرفت نہیں۔)

قد جاء هم من حيث لا يدرونه تعطيل ذات الله مع نفی الصفة

ترجمہ: (یہ لوگ بالکل فرقہ لاادری کی طرح ہیں جو ذات الٰہی سے اس کی صفات علیحدہ کر کے ذات پروردگار کو معطل بنانے پر تل گئے ہیں)

آپ نے ۹۲۸ ہجری میں وفات پائی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بلاد ہند کے اندر جو لوگ

کہتے ہیں کہ ہم ترکی ہیں وہ دراصل آپ کی اولاد میں سے ہیں۔ شیخ عبدالغنی سنپتی جو دہلی کے پرانے لوگوں میں سے ہیں وہ آپ کے شاگرد ہیں، آپ کی کچھ تصانیف اور قلمی نسخے ان کے پاس موجود ہیں۔ شیخ عبدالغنی صاحب اکثر و بیشتر اپنے استاد شاہ احمد شرعی کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ہیں، یہ فرماتے ہیں کہ جب میں پڑھا کرتا تھا اس وقت شاہ احمد شرعی کی عمر چھیانوے ۹۶ برس کی تھی، اس عمر میں آپ ایک دن تیراندازی اور نشانہ بازی کر رہے تھے اور میں بھی آپ کے ہمراہ تھا، آپ نے ایک تیر مارا جو عین نشانہ پر لگا، اس کے بعد مجھ سے فرمایا کہ اگر آپ کہیں تو دوسرا تیر اس تیر کی پوری نوک پر لگا دوں، اس کے بعد آپ نے دو تین تیر اس طرح مارے کہ ہر تیر پہلے تیر کی نوک پر کھڑا ہو جاتا اس کے بعد فرمایا کہ اس طرح تیر ضائع ہو رہے ہیں اور یہ اسراف ہے وگرنہ وہاں سے یہاں تک اسی طرح تیروں کی لائن لگا دیتا۔

کہتے ہیں کہ علم و عمل میں آپ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک عظیم تر نشانی تھے، اپنے عمل کے ذریعہ بادشاہ وقت کو جمعہ کے دن کھینچ لیا کرتے اور اس سے مخلوق خدا کے کام کراتے اور لوگوں کی مشکلات کو دور کراتے، بادشاہ کو اپنے عمل سے اس طرح کھینچتے تھے کہ تسبیح کا ایک دانہ پھراتے تو بادشاہ جنبش میں آ جاتا اور دوسرا دانہ پھیرنے سے وہ آپ کے پاس آنے کا ارادہ کرتا اور تیسرا پھیرنے کے بعد وہ سوار ہو جاتا اسی ہر دانے پر اس کی کیفیت کو بتلاتے رہتے، یہاں تک کہ جتنے دانے اس عمل کے لیے مقرر کر رکھے تھے ان دانوں کے ختم ہو جانے کے بعد بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جایا کرتا تھا۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ وضو کے لیے اپنے کمرے سے باہر گئے کہ اتنے میں ایک شریر لڑکا آپ کے کمرے میں داخل ہوا، اس نے کبھی آپ کو تسبیح کے دانے گھماتے ہوئے دیکھ لیا تھا چنانچہ اس نے آپ کی تسبیح اٹھائی اور جس طرح آپ اس تسبیح کے دانے گھماتے تھے یہ بھی گھمانے لگا، نتیجہ یہ نکلا کہ بادشاہ وقت فوراً چلا آیا، آپ اس وقت غسل خانہ میں تھے بادشاہ کے اچانک خلاف وقت پہنچنے پر بڑے حیران ہوئے پھر تحقیق پر معلوم ہوا کہ آپ کی طرح اس شریر لڑکے نے تسبیح کے دانے گھمائے جس کے اثرات سے بادشاہ حاضر ہو گیا۔

شیخ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ

وفات ھ..................۹۴۴ھ

ابن عفان مندوی دہلوی کے فرزند ارجمند تھے، مریدوں کی اصلاح ہدایت وغیرہ کرتے اور خود بھی ذکر واشغال میں مصروف رہتے، سیر وسیاحت کر کے متعدد نعمتیں حاصل کیں۔ کہتے ہیں کہ نقل ارواح جو تصرفات نفس ناطقہ انسانی کے مرتبوں میں سے ایک مرتبہ ہے آپ کو حاصل تھا، جس کے ذریعہ گزرے ہوئے بہت سے حالات کی خبر دیا کرتے تھے، کہتے ہیں کہ آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مع التجوید قرآن کریم پڑھا تھا اور شیخ عبدالقدوس نے ان سے بالتجوید قرآن پڑھا اور ایک مدت تک ان کی خانقاہ میں رہے، آپ کی وفات ۱۴ محرم الحرام ۹۴۴ ہجری میں ہوئی، آپ کا مقبرہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مقبرے کے عقب میں ہے۔

شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ

۸۵۲ھ..................۹۴۵ھ

آپ شیخ محمد بن شیخ عارف بن شیخ احمد عبدالحق کے مرید تھے، آپ عالم باعمل، صاحب ذوق وحال اور وجد وسماع کے رسیا تھے۔ آپ نے اگرچہ ظاہری بیعت شیخ حور سے کی تھی لیکن دل سے شیخ احمد عبدالحق کے معتقد اور عاشق تھے اور انہی کی روحانیت سے مستفید ہوتے تھے، آپ کی ایک کتاب بنام ''انوار العیون'' ہے جس کے اندر سات فن بیان کئے ہیں، فن اول میں شیخ احمد عبدالحق کے مناقب لکھنے کے ساتھ ساتھ ان سے اپنی غایت درجہ کی عقیدت کا اظہار بھی کیا ہے اور ان کے تذکرہ پر کئی صفحات لکھے ہیں آپ نے ۹۴۵ ہجری میں جان جان آفریں کے سپرد کی، آپ کے مرید اور خلفاء بڑی کثرت سے تھے۔

آپ کے ایک مرید شیخ بھورو تھے جو ابتداً رنگریزی کا پیشہ کرتے تھے پہلے وہ ہندو تھے پھر آپ کے دست فیض رس پر مسلمان ہو کر اپنا پیشہ چھوڑ دیا اور یاد الٰہی میں مصروف ہو کر بلند پایہ کے بزرگ بن گئے، ان کی ۹۸۲ ہجری میں وفات ہوئی۔

شیخ عبدالقدوس کے ایک مرید شیخ عمر دینی بھی تھے وہ اگرچہ آپ کے خلیفہ تھے لیکن ان

کا قلبی رجحان زیادہ تر شیخ عبدالرزاق کی طرف تھا۔

منقول ہے کہ شیخ عبدالرزاق ایک دن شیخ عبدالقدوس سے ملنے کی غرض سے آپ کے پاس آئے اس وقت آپ پر ایک خاص قسم کی حالت طاری تھی، جب ہوش میں آئے تو اپنے تمام مریدوں کو شیخ عبدالرزاق سے ملایا اور شیخ عمر دینی کا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ آپ کا مرید اور آپ کی نظر شفقت کا متمنی ہے، اس کے بعد شیخ عمر دینی اٹھے اور شیخ عبدالرزاق کی غایت درجہ تعظیم و تکریم کی۔

آپ کے ایک خلیفہ شیخ عبدالغفور اعظم پوری بھی تھے جو بڑے صاحب کرامات بزرگ تھے انہوں نے ایک بار نبی علیہ السلام کی خواب میں زیارت کی تو نبی علیہ السلام نے ان کو اس درود شریف کے پڑھنے کا حکم دیا، اللھم صل علیٰ محمد و آلہٖ و اصحابہ بعدد اسمائك الحسنیٰ

آپ کے کئی لڑکے تھے جو سب کے سب عالم باعمل اور اپنے اپنے وقت کے شیخ تھے، ان میں سے ایک شیخ رکن الدین بھی تھے جو بڑے ولی اللہ اور برگزیدہ دربار الٰہی تھے جن کا مسلک فقر و محبت تھا اور تمام عمر اپنے والد محترم کے نقش قدم پر چلتے رہے۔

شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ شیخ عبدالنبی رحمۃ اللہ علیہ تھے جو اسلامی تعلیم حاصل کرنے کے بعد جوانی میں زیارت حرمین سے مشرف ہوئے، مکہ مکرمہ پہنچ کر بعض فقہاء کرام سے تھوڑا سا علم حدیث حاصل کر کے اپنے وطن واپس آئے اور پھر زہد و عشق میں مشہور ہوئے اپنے والد اور چچا صاحبان سے مسئلہ توحید و سماع میں گفتگو کی، آپ کے والد صاحب نے قوالی کے جواز میں ایک کتاب لکھی، آپ نے عدم اباحت توالی میں ایک رسالہ سپرد قلم فرمایا، اس سے اگرچہ آپ کو کافی تکلیف اٹھانی پڑی لیکن یہی رسالہ آپ کی شہرت کا سبب بنا، بادشاہ وقت اس زمانے میں ایک ایسے وزیر اعظم کا طالبگار تھا جو عالم اور دیانتدار ہو چنانچہ بعض اسباب و ذرائع سے آپ ۹۷۱ ہجری میں کرسی وزارت پر جلوہ افروز ہوئے ایام وزارت میں آپ کی مہر میں یہ الفاظ منقوش تھے لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین ٥۔ آپ نے دوران وزارت میں اپنی محنت کی بدولت زیادہ منصب و عزت حاصل کی، آپ نے وزیر اعظم ہوتے ہی ظلم و تشدد کو ختم کیا، اور اچھی طرح سے مال و جاہ

حاصل کیا، بادشاہ وقت کو آپ سے بڑی عقیدت تھی جس کی وجہ سے دوسرے لوگ بادشاہ کی نگاہ میں حقیر نظر آنے لگے اور دوسرے شرفاء کے ساتھ آپ کے مقابلے میں ان کے منصب سے کم معاملہ ہونے لگا، غرضیکہ جو کوئی آپ کی طبیعت کے مطابق نہ ہوتا وہ بادشاہ کے یہاں حصول منصب سے محروم رہتا، کچھ عرصہ کے بعد ۹۸۶ ہجری میں بعض اسباب کی بناء پر مزاج شاہی میں کچھ فرق آ گیا اور آپ عہدۂ وزارت سے معزول ہوگئے، آپ کو اور مولانا عبداللہ سلطان پوری کو جو کہ افغانوں کے دور سے اب تک معزز و مکرم تسلیم کئے گئے تھے جن کا لقب مخدوم الملک تھا اور جو صحیح الرائے، عقلمند اور تجربہ کار مشہور تھے مکہ مکرمہ کی طرف سفر کرنے کا حکم دیدیا گیا اس لیے کہ یہ دونوں باہم دیگر مخالف تھے لیکن اس کے باوجود ان دونوں حضرات کے درمیان راستہ بھر نیز مکہ مکرمہ میں بھی اتفاق کی کوئی صورت پیدا نہ ہوسکی، آخرکار پریشان ہوکر دونوں حضرات مکہ مکرمہ سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے۔

مخدوم الملک نے گجرات کے علاقہ میں پہنچ کر ۹۹۱ ہجری میں داعی اجل کو لبیک کہا اور شیخ عبدالنبی لوٹ کر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے، عرصہ دراز تک جیل میں محبوس رہے اس سے پہلے بادشاہ کی نظر میں آپ جتنے معزز و مکرم تھے اب اتنا ہی ذلیل وخوار اور غیر معتبر ہوئے، وہیں جیل خانہ میں ۹۹۲ ہجری میں انتقال فرمایا۔

شیخ عبدالقدوس نے اپنے رسالہ قدسیہ میں بھوک کے بیان میں لکھا ہے اللہ تعالیٰ نے تم سے کہا ہے کہ بھوک کی دو قسمیں ہیں، سفلی اور علوی، سفلی بھوک تمام حیوانات میں ہے، حیوانی روح جب اس دنیا میں جانوروں کے اندر آکر ان کے جسم کو واضح کرتی ہے یعنی جب حکم الٰہی کے سبب تمام جانور چلنے پھرنے لگتے ہیں، ان میں حرارت بھی پیدا ہوچکتی ہے تو وہ غذا کے محتاج نظر آتے ہیں اور ان کو بھوک پیاس کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ اپنی بھوک پیاس کے ادنیٰ درجہ (سفلی) کی وجہ سے ترقی نہیں کرسکتے غرضیکہ تمام حیوانات اپنے گوناگوں اختلافات جسمانی کے باوجود سفلی بھوک سے متصف ہیں۔

علوی بھوک تمام عام انسانوں میں موجود ہے، انسان جب سمندر محض ہوتا ہے اور عالم غیب سے عالم محبوبیت میں ترقی کرکے عالم جنبش سے عالم بے حسی میں متوجہ ہوتا ہے اس وقت حق کی حقانیت ظاہر ہوتی ہے اور میدان حضرت الٰہی میں تجلی افروزی کی جانب لپکتا ہے

جس کا مطلب اللہ کی احدیت ہے جس کے بیشمار انوار و اسرار، جمال و جلال، کریمی و رحیمی، ستاری و جباری، قدوسی و قہاری و رزاقی و خلاقی، رحمانیت و ربوبیت ہزار در ہزار موج در موج لہریں لیتی ہے۔

نور الٰہی کا رنگ، اضافت روح ولایت اور نبوت و رسالت یہ سب اللہ ہی کے اسماء ہیں جو کہ قد جاء کم من اللہ نور کے مخنت مناظر ظاہر کرتے ہیں اور یہیں سے عالم احدیت کی ابتداء ہوتی ہے، یہ روح انسانی کا مقام ہے اسی کا نام عالم جبروت ہے جو کہ مقام قرب اور عالم معینت کہلاتا ہے یہ اگرچہ مقام تجلی ہے لیکن اس مقام ہمسائیگی کی سطوتوں سے مکمل فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا تو لازماً پھر مقام تجلی میں واپس ہو کر عالم عقول بن جاتا ہے، عالم ملکوت جو ہے وہ روح انسانی کا مقام ہے، یہاں ظہور نفس کی معرفت ظاہر ہوتی ہے اور مقام تقدس و میدان تسبیح و تہلیل سے قریب تر ہو جاتا ہے اور یہی وہ مقام قید و بند ہے جس کے بارے میں ارشاد ہے وما منا الا لہ مقام معلوم، اسی وجہ سے عشق کا مظہر پوری طرح فائدہ حاصل نہیں کرسکتا اور کمال معرفت کا فائدہ جو بروج کے عروج کا انتہائی مقام ہے حاصل نہیں کرتا اور آخر کار مقام تجلی میں واپس ہو کر عالم اجسام میں ظہور پذیر ہو جاتا ہے اور ابتدا و انتہاء میں مظہر انسانیت بن جاتا ہے اور عروجی شان کے مدنظر و ان الی ربک المنتہٰی کے بحر محض اور وجود صرف کی جانب قدم اٹھاتا ہے اور جب جوش سوزش عشق مقام فاجیت میں بحر صفات کا راز بن کر اپنے وجود میں جلوہ گری کرتا ہے تو وہ کم مایہ ہو کر اپنے معلومات کو علم کے حوالہ کر دیتا ہے اور علم اپنے معلومات کے ساتھ بحر صفات بن کر مجاز کو حقیقت، حقیقت کو مجاز، وحدت کو کثرت اور کثرت کو وحدت، غائب کو حاضر اور حاضر کو غائب، صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح، برائی کو اچھائی اور اچھائی کو برائی کر کے میدان وجود میں آتا ہے اور پھر اسوقت الرحمٰن علی العرش استوٰی کا پرچم بلند کرتا ہے، اس کے بعد ایک فریق جنت میں اور دوسرا جہنم میں جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدہ کا نعرہ بلند ہوتا ہے اور دنیا میں ایک شور و فغاں برپا ہوتا ہے جس سے عشاق کانپ جاتے ہیں اور ہر ایک بحسب طاقت مظہر نوعیت الم ٥ ذٰلک الکتاب لا ریب فیہ بن جاتا ہے اور اپنے محبوب و مطلوب کے دامن کو تھام لیتا ہے اور یہی وہ بھوک ہے جو انسانی

معدہ میں فطری طور پر موجود ہے اور یہ آتش دوزخ سے زیادہ تیز وگرم ہے جو کہ کثیف بھوک کو لطیف اور مقید کو مطلق اور انسانیت کو رحمانیت بناتی ہے، اس بھوک کے ذریعہ سے انسان اللہ تک پہنچتا ہے یہ صرف بنی نوع انسان کی خصوصیت ہے دوسرے حیوانات اس سے محروم ہیں کیونکہ وہ سراسر سفلی ہی سفلی ہیں، فرشتے اور روحیں اگر چہ علوی ہیں لیکن بھوک کی آگ سے محروم ہیں اسی لیے وہ اپنے مقام سے ذرہ برابر بھی ترقی نہیں کر سکتے کیونکہ اپنے مقام سے ہلنا آگ کا کام ہے یا پھر درد محبت اور عشق کا خاصہ ہے۔

اب اچھی طرح سن لو کہ بھوک کے تین ۳ درجے ہیں، ایک کو آتش گرسنگی کہتے ہیں جس کی خوراک کھانا و پانی ہے، دوسرے کو آتش درد محبت و عشق کہتے ہیں جس کی غذا خون جگر اور خس و خاشاک ہیں، تیسرے کو آتش محبوب و معشوق کہتے ہیں جس کی غذا حسن و جمال اور اوصاف کمال ہے جیسا کہ ارشاد ہے ان اللہ جمیل ویحب الجمال

عاشق حسن خود است آں بے نظیر　　　حسن خود را خود تما شامی کند

وہ بے مثال و بے نظیر اللہ خود ہی اپنے حسن کا عاشق ہے اور اپنے حسن کا خود ہی تماشا کرتا ہے۔

شیخ امجد دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

۱۴۲۵ء............۱۴۹۹ء

آپ سلطان بہلول کے زمانہ میں خواجہ قطب الدین والحق کے ملازم اور صحبت یافتہ تھے نیز آپ سے روحانی استفادہ کرتے تھے، ایک مرتبہ کسی ضروری کام کے لیے اپنے وطن سے روانہ ہوئے راستے میں دریا پڑا جب اس کی گہرائی میں پہنچے تو ہلاکت کے قریب ہو گئے، اسی لمحہ دریا میں سے ایک آدمی نمودار ہوا جس نے آپ کو ڈوبنے سے بچالیا، وہاں سے گھر واپس ہوئے، پھر کبھی باہر قدم نہیں نکالا اور بلاواسطہ خواجہ قطب الدین سے استفادہ کی نسبت قائم کرلی اور دوسرے لوگوں کو مرید کرنے لگے، آپ کا مقبرہ حوض شمسی پر ہے، اللہ آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

شیخ ادھن دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

۸۶۱ھ ۹۳۴ھ

مصنف کتاب (شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ) کے نانا تھے، آپ کا اصلی نام زین العابدین تھا، اور عرف شیخ ادھن رحمۃ اللہ علیہ تھا، بڑے دانشمند اور عابد و زاہد تھے، بے حد خشوع وخضوع، خاکساری وادب وتہذیب اور وقار ودبدبہ کے بزرگ تھے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کوئی شخص ایسا نہ دیکھا جس کا ظاہر و باطن یکساں ہو، البتہ شیخ ادھن رحمۃ اللہ علیہ جس آداب سے باہر رہتے وہی طریقے گھر میں بھی برتتے تھے، ہمیشہ ذکر الٰہی سے رطب اللسان رہتے تھے چہرہ مبارک نہایت خوبصورت تھا، علم وتقویٰ کے انوار پیشانی پر چمکتے تھے، اکثر و بیشتر روزے سے رہتے تھے اور کھانے میں بہت احتیاط کرتے تھے، سلطان لودھی نے آپ کو اپنا نگراں مقرر کرنا چاہا لیکن آپ نے انکار فرمادیا، آپ مولانا سماع الدین کے مرید تھے اور میاں عبداللہ طلبنی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ حاصل کیا، آپ کی وفات ۹۳۴ ہجری میں ہوئی، حوض شمسی کے مغرب میں آپ کا مقبرہ ہے، اللہ آپ سب پر رحمتیں نازل کرے۔

شیخ یوسف قتال رحمۃ اللہ علیہ

۸۵۵ھ......................۹۳۳ھ

آپ نے بے حد ریاض اور مجاہدے کئے اور کمال حاصل کیا، آپ قاضی جلال الدین لاہوری کے مرید اور انہی کے داماد تھے۔ مشہور ہے کہ سلطان محمد تغلق رحمۃ اللہ علیہ کے بنائے ہوئے پل پر ریاضت کرتے اور مشغول عبادت رہا کرتے تھے، اسی زمانے میں ایک آدمی جس کا نام بھی جلال الدین تھا آپ سے حصول فیض کا خواہشمند تھا ہمیشہ منتظر حکم رہتا تھا، جو کچھ آپ ارشاد فرماتے تھے اس پر عمل کرتا تھا یہاں تک کہ اپنی منزل مقصود پر پہنچ گیا، آپ نے ۹۳۳ ہجری میں وفات پائی او ہفت پل کی عمارت میں آپ کا مقبرہ ہے۔

مولانا شعیب رحمۃ اللہ علیہ

۸۴۹ھ..................۹۳۶ھ

آپ عالم باعمل تھے، سیرت وصورت کے لحاظ سے فرشتہ خصلت تھے اور وعظ ونصیحت میں بے مثال تھے، جب وعظ کہتے اور قرآن شریف کی تلاوت کرتے تو کسی کو طاقت نہ تھی کہ وہاں سے چلا جائے اگرچہ اس کے سر پر بوجھ ہی کیوں نہ ہو وہ برابر کھڑے ہو کر آپ کی تلاوت اور وعظ کو سنتا رہتا، دوران وعظ میں خوشخبری اور عذاب کے مختلف مقامات پر آپ کی حالت خود بخود غیر ہو جاتی، شہر کے بلند پایہ علماء اور مشائخ آپ کے وعظ میں شریک ہوتے تھے شہر کے اکثر و بیشتر باشندے آپ کے شاگرد تھے۔

آپ کے والد مولانا منہاج اپنے بچپن میں لاہور سے حصول علم کی غرض سے دہلی آئے اور زمانہ طالب علمی میں بے حد تکالیف برداشت کرتے رہے، بعد از فراغت سلطان بہلول کے زمانہ میں مفتی شہر مقرر ہوئے اور یہیں دہلی میں سکونت پذیر ہو گئے۔

حکایت ہے کہ مولانا منہاج بعض اوقات دکانوں سے آٹا اور گھی مانگ لاتے اور اسی کا چراغ بنا کر مطالعہ کرتے اور صبح کو اسی کی روٹی پکا کر کھالیا کرتے اور اسی پر اکتفا فرماتے عرصہ دراز تک یہی معمول رہا یہاں تک کہ علم حاصل کر لیا۔

اور ہمارے شیخ (عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ) کے خاندان کی مولانا منہاج سے قریبی رشتہ داری ہے۔

حکایت ہے کہ جس درویش سے شیخ یوسف قتال کو نعمتیں حاصل ہوئی تھیں اس سے پہلے اس نے مولانا شعیب کے پاس آ کر کہا کہ میں تم کو ایک کام بتاتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ اپنا کام یعنی درس و تدریس چھوڑ دو، مولانا شعیب نے فرمایا کہ میں ایک محنتی آدمی ہوں میں نے بڑی کوششوں اور کاوشوں سے علم حاصل کیا ہے اور آخرت کی نجات بھی اسی راہ میں ہے اس کا چھوڑ دینا میری طاقت سے باہر ہے البتہ اور جو کچھ آپ ارشاد فرمائیں گے اس پر عمل کروں گا اور پھر جب آپ کے ارشاد کے موافق شغل و کام مجھ پر غالب آ جائے گا تو یہ تعلیم دینا خود بخود چھوٹ جائے گا۔ اس کے بعد وہ درویش وہاں سے رخصت ہو کر شیخ

یوسف قتال کے پاس گیا اور شیخ یوسف قتال رحمۃ اللہ علیہ سے جو کچھ فرمایا انہوں نے عمل کیا، مولانا شعیب نے ۹۳۶ ہجری میں وفات پائی، آپ کا مزار ملک زین الدین کی خانقاہ کے قریب شمالی جانب واقع ہے اور ملک زین الدین دراصل سلطان سکندر لودھی کے زمانے کے ایک صالح اور سخی بزرگ تھے۔

ملک زین الدین اور وزیر الدین رحمۃ اللہ علیہ

یہ دونوں بھائی شریف خصلت اور صالح تھے ان کے باپ دادا بطور وارثت بادشاہان دہلی کے ملازم تھے ان کے اخلاق کریمہ اور اوصاف حمیدہ لکھنے کے لیے دفاتر درکار ہیں، سلطان سکندر کے چچازاد بھائی خان جہاں کے وکیل تھے، ایک زمانہ میں جبکہ سلطان سکندر کو اپنے چچازاد بھائی سے کچھ کدورت سی پیدا ہوئی، اس نے زمانہ سازی اور برادرانہ تعلق کی بنا پر ظاہر نہیں فرمایا، بارہ ہزار سوار فوج اور حکومت و گورنری وغیرہ انہی کے تفویض میں رہنے دی البتہ ان کے وکیل ملک زین الدین کو خود خفیہ طور سے کہا اور اپنے ہاتھ سے ایک حکمنامہ لکھا کہ خان جہاں کے مال و دولت پر قبضہ کر کے جس طرح چاہو خرچ کرو لیکن خان جہاں کو بالکل خبر نہ ہو اور یہ بھی حکم لکھ بھیجا کہ وکیل زین الدین سے حساب لیا گیا ہے کسی کو ان سے تعرض کا حق نہیں ہے جو کچھ اس سعادت مند کے اختیار میں تھا صدقات و میراث وغیرہ سب کو نیک مقاصد میں صرف کیا کرتے تھے۔

اکثر و بیشتر علماء و صلحاء آپ کو دوست رکھتے تھے اور آپ کی طرف رجوع کرتے تھے، وزیر الدین آپ کے چھوٹے بھائی نے حکومت کی کوئی ملازمت نہیں کی بلکہ اپنے بڑے بھائی کی کفالت میں رہے اور ساری عمر تجرد کی حالت میں بسر کی، اکثر و بیشتر زیارت قبور کے لیے جاتے تھے۔

ملک زین الدین نے دہلی اور اس کے اطراف کے مقبروں اور زیارت گاہوں کی نگرانی اپنے ہاتھ میں لی اور تمام عالموں، صوفیوں اور صالح لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک برقرار رکھ کر ان کو ہمیشہ خوش رکھا۔

سلطان سکندر کا دور خیر و فلاح کا دور تھا آپ کو علماء اور صلحاء اور شریف لوگوں سے لگاؤ تھا یہی وجہ ہے کہ اس دور میں دور دراز کے علماء و صلحاء عرب و عجم سے آ کر یہاں سکونت پذیر

ہوگئے۔ جتنے بزرگوں کا یہاں ذکر آتا ہے اکثر و بیشتر اس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، سلطان سکندر کی تعریفیں حد تقریر و تحریر سے خارج ہے آپ کی فراست بلکہ کرامت سے متعلق واقعات نقل کیے گئے ہیں۔

شعر

گرایں جملہ را سعدی املا کند　　　　مگر دفترے دیگر انشا کند

اگر سعدی رحمۃ اللہ علیہ یہ سب کچھ لکھتے تو ایک بڑا دفتر ہو جاتا۔

سلطان سکندر ۸۹۴ ہجری میں تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوئے اور ۹۲۳ ہجری میں دنیا سے رخصت ہوئے اور (۳۹) سال حکومت کی۔

نقل ہے کہ شیخ زین الدین ہمیشہ کھڑے ہو کر قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے تھے انہوں نے ایک رحل بنائی تھی جس کی اونچائی ان کے سینے تک تھی اس پر قرآن کریم رکھ کر تلاوت کیا کرتے تھے، ساتھ ہی چھت میں ایک رسی لٹکا کر اس کا پھندا اپنے گلے میں ڈال لیا کرتے تھے تاکہ اگر نیند آئے تو رسی ان کا گلہ دبائے اور اس سے وہ سونے نہ پائیں۔

ملک زین الدین وکیل کے تمام ملازم و نوکر آدھی رات کے بعد تہجد کے لیے اٹھتے تھے اس وقت سے لے کر نماز چاشت تک اس کے محل میں کوئی شخص اشارہ کے سوا کوئی بات زبان سے نہیں کہتا تھا اس لیے کہ تمام لوگ ذکر و اذکار میں مشغول ہوتے تھے۔

کہتے ہیں کہ جمعرات کے دن رات کے وقت چانولوں پر تین تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح پر ایصال ثواب کیا کرتے تھے وہ چانول تقریباً کئی من ہوتے تھے جن کی دن کے وقت جمعہ کے روز قبولی پکتی اور غریبوں کو تقسیم کی جاتی تھی۔

یکم ربیع الاول سے بارہ ربیع الاول تک روزانہ ایک ہزار روپے بغرض ایصال ثواب بارگاہ نبوت اس طرح خرچ کیا جاتا کہ روزانہ ایک ہزار روپے اس پر اضافہ کرتے رہتے، یعنی یکم کو ایک ہزار، دوسری تاریخ دو۲ ہزار، تیسری تاریخ تین ہزار، اور بارہویں ربیع الاول کو بارہ ہزار روپے خرچ کرتے تھے، یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جبکہ ارزانی کا زمانہ تھا۔

حکایت ہے کہ ملک زین الدین اور وزیر الدین دونوں بھائی ہر بدھ کے دن غسل کر

کے ختم قرآن شریف کرایا کرتے تھے اور اللہ سے اپنی شہادت کی دعا مانگتے تھے، چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی، شیخ زین الدین کو ان کے نافرمان غلام نے بوقت سحر دودھ میں زہر ملا کر پلا دیا اور شیخ وزیر الدین سلطان ابراہیم کے ساتھ جنگ میں شہید ہوئے، حوض شمسی کے مغربی جانب آپ کا مزار ہے، آپ کی خانقاہ۔ چبوترہ اور مزار کا محل وقوع پر اثر اور بے نظیر ہے، آپ کا مزار حوض شمسی کی دوسری عمارتوں سے زیادہ مشہور ممتاز اور پر رونق ہے، اس وقت بھی آپ کے مقبرہ سے آثار رحمت ظاہر ہیں، اللہ آپ پر اور سب پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

شیخ جمالی رحمۃ اللہ علیہ

۸۴۵ھ..............۹۴۲ھ

آپ مولانا سماء الدین کے مرید اور یکتائے زمانہ جامع اخلاق تھے آپ کا اصلی نام جلال خاں ہے شروع میں جلالی تخلص رکھا تھا لیکن بعد میں اپنے مرشد کے حکم سے جمالی تخلص رکھا، بچپن ہی میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا لیکن اپنی قابلیت اور محنت کی بدولت کمال حاصل کر کے شاعر ہو گئے۔ شاعری کے اقسام منجملہ مثنوی، غزل اور قصیدہ کہتے تھے، آپ کے اشعار سے اہل سخن واقف ہیں، آپ مثنوی اور غزل کی بہ نسبت قصیدہ زیادہ اچھا کہا کرتے تھے۔

خوب سیر و سیاحت کی اور حرمین شریفین کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے اور مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ اور جلال الدین دوانی سے بھی آپ نے ملاقات کی ہے آپ ظاہری اور باطنی طور پر عظمت رکھتے تھے، جلسوں میں شرکت فرماتے تھے اور اپنے عزائم میں بڑے دلیر اور پکے تھے مجلس میں بڑے بڑے لوگوں کو آپ کے سامنے گفتگو کی مجال نہ ہوتی، آپ کی زندگی کا ابتدائی دور سلطان سکندر بن بہلول کے زمانے سے ہے، سلطان بابر کے نزدیک بھی آپ معزز تھے، آپ نے اس کے لیے بھی ایک قصیدہ لکھا ہے جس کا ایک شعر یہ ہے۔

شعر

شاہ دشمن کش ظہیر الدین محمد بابر آنکہ کشور بنگالہ را زالغار کابل بشکند

اسی طرح ہمایوں بادشاہ کی شان میں بھی قصائد لکھے ہیں، آپ کو اپنے مرشد سے بے حد عقیدت تھی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں آپ کا یہ شعر مشہور ہے بعض بزرگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب میں اس شعر کی قبولیت کی بشارت بھی پائی ہے۔

شعر

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتو صفات   تو عین ذات می نگری در تبسمی

قطب صاحب میں آپ نے اپنی زندگی میں اپنا مقبرہ بنایا تھا جہاں زندگی میں رہا کرتے تھے اور وہیں مدفون ہیں۔ آپ نے ۱۰۔ ذی القعدہ ۹۴۲ ہجری میں وفات پائی، یہ وہ سال ہے جب کہ آپ ہمایوں بادشاہ کے ہمراہ گجرات تشریف لے گئے تھے اور وہیں آپ کی روح پرواز ہوئی تھی۔

شیخ جمالی کے دو بیٹے تھے، ایک شیخ عبدالحی جن کا تخلص حیاتی تھا، مکارم اخلاق کا مجموعہ اور بڑے خوبیوں کے بزرگ تھے، اپنے زمانہ میں جامع فضائل اور مرجع شرفاء تھے، شیخ جمال ان سے بڑی محبت کرتے اور دل سے چاہتے تھے۔

فی البدیہہ شعر کہتے اور بکثرت کہتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ اگر شعر گوئی کی قوت کو وہ فکر صحیح اور زمانہ شناسی میں صرف کرتے تو بہت کچھ انوکھی باتیں ان سے ظاہر ہوتیں، سادہ زندگی بسر کرتے اور عجیب وغریب واقعات سناتے تھے ہمیشہ دوستوں کی دلجوئی میں لگے رہتے، چونکہ ہر ایک جماعت کے راز دار تھے اسی لیے مزید شہرت کے مالک ہوئے، عزت اور بزرگی کے باوجود ہر ایک سے بلا تکلف تھے، معمولی سی آمدنی میں بڑے ہی خوش اور مگن رہا کرتے تھے، کسی کو آپ کی کلفت ومحنت ذرہ برابر معلوم نہ ہوتی تھی روزانہ سیر وسیاحت اور شوق وذوق میں رہتے تھے۔ افغانوں کے زمانہ حکومت میں جو کوئی طالب علم، شاعر یا قلندر وغیرہ افغانستان کی سمت سے دہلی آتا تو آپ کے گھر میں قیام کرتا تھا۔ حسن سلوک اور خدمت خلق آپ کی عادت تھی جو آپ کو والد کے ترکہ سے ملی تھی۔ خوب دولت پائی اور تھوڑے ہی دنوں میں اپنے دوستوں پر خرچ کر دی۔ اور جوانی ہی میں جاں بحق ہوئے پیدائش ۹۲۳ ہجری میں ہوئی اور وفات ۹۵۹ ہجری میں ہوئی ہے آپ کی قبر آپ کے والد کے مقبرے کے چبوترے کے باہر ہے۔

سید شاہ میرک جو کہ سید شریف جرجانی کے فرزند تھے عالی نسب سید ہونے کے ساتھ تمام فنون اور نوادرات میں بے مثل تھے انہوں نے بھی شیخ عبدالحی حیاتی کی تاریخ وفات یوں کہی ہے۔

تاریخ وفات

نادر العصر شیخ عبدالحی — کہ بوصفش مرا زبان نہ بود
وقت نزعش بسر رسیدم من — گفتم اے چوں تو در زماں نہ بود
سال تاریخ خویش خود فرما — کہ جزا و درد ایں زباں نہ بود
گفت تاریخ من بود نامم — بندہ وقتے کہ درمیاں نہ بود

اس میں شیخ عبدالحیؒ کے لفظ میں سے لفظ بندہ کا استخراج کیا ہے۔

شیخ جمالی کے بڑے بیٹے شیخ گدائی تھے، بزرگی اور مرتبہ میں اپنے والد کے دوش بدوش تھے، اول و آخر میں ہمیشہ بزرگی و شوکت کے حصول کے دلدادہ رہے، دولت و عزت دنیاوی کے باوجود بڑے برگزیدہ د بزرگ تھے۔

ابتدائی جوانی میں آپ نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ کے مقرب اور اس کے مصاحبوں کے زمرہ میں ملازم تھے، اس کے بعد جب شیر شاہ حملہ کر کے تخت شاہی پر قابض ہوگیا تو آپ چونکہ ہمایوں بادشاہ سے تعلق رکھتے تھے اس لیے اس شہر کو چھوڑ کر گجرات روانہ ہوئے، وہاں سے مع بال بچوں کے ساتھ زیارت حرمین شریفین کا قصد کیا، پھر شہنشاہ وقت جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے دور میں وطن واپس ہوئے خان خاناں محمد بیرم خاں سے چونکہ آپ کے تعلقات تھے اس لیے پھر حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے، اس کے بعد بعض خفیہ حالات اور عشق الٰہی کی وجہ سے تارک الدنیا ہو کر خان خاناں کے مشورہ سے حرمین شریفین روانہ ہوئے، یہ ۹۶۸ ہجری کا واقعہ ہے ابھی آپ راستہ ہی میں تھے کہ بعض دشمنوں نے حملہ کر کے آپ کو سخت تکلیف پہنچائی، جہاں سے لوٹ کر وہ جیسلمیر میں قیام پذیر ہوگئے لیکن کچھ عرصہ بعد دہلی واپس آگئے، اور حکومت کی جانب سے جو پنشن آپ کو ملتی تھی اسی پر قناعت کرتے رہے، اور یہیں دہلی میں مقیم رہے، اگرچہ اس وقت آپ بوڑھے تھے لیکن زندگی کے باقی دن ماہر و نازنینوں کے ساتھ باغوں میں بسر کئے اور پھر جب ۹۷۶ ہجری میں

موت کا پیام آیا تو سب کچھ چھوڑ کر عالم جاودانی کی جانب کوچ کیا۔

سید حسین پائے مناری رحمۃ اللہ علیہ

۸۶۰ھ.................................۹۴۲ھ

آپ بڑے جہاندیدہ اور صاحب صحبت درویش تھے، بڑے جسیم تھے، سلطان سکندر کے زمانے میں مشہد مقدس طوس سے آ کر دہلی میں سکونت پذیر ہو گئے، سلطان کی صحبت خوشگوار نہ آئی اس لیے قلعہ دہلی میں پائے منار کی مسجد میں گوشہ گیر ہو گئے، سلطان کی بعض رئیس زادیاں آپ کی معتقد ہو گئی تھیں، اس لیے ضروری اسباب معیشت کا انتظام ہو گیا اس کے علاوہ اندرون قلعہ کی کچھ زمین پر خود کاشت کرتے تھے اور اس کی آمدنی فقراء پر خرچ کرتے تھے، آپ کے اور شیخ جمالی کے درمیان کچھ ناخوشگواری تھی، شیخ جمالی آپ سے مزاح کرتے اور آپ کی طرف ناشائستہ باتیں منسوب کرتے تھے، ایک دن آپ نے غصہ میں اپنا عضو مخصوص کاٹ کر شیخ جمالی کے پاس بھیج دیا، بعض لوگ اس واقعہ کی تردید بھی کرتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ کا استقاء کی بیماری تھی، چنانچہ بمشورہ اطبا آپ نے آپریشن کرایا اور لوگوں میں یہ بات اس طرح مشہور ہو گئی۔

کہتے ہیں کہ آپ کی ایذا رسانی کے مدنظر شیخ جمالی نے بطور ظرافت یہ شعر کہا ہے۔

شعر

آلت خویش را چو بریدی ! علت پس چگونہ خواہد رفت

باقی حقیقت حال سے اللہ ہی زیادہ واقف ہے آپ نے ۹۴۲ ہجری میں داعی اجل کو لبیک کہا، آپ کا مزار دہلی میں منار شمسی کے پائیں میں ہے اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شیخ یوسف چڑیا کوٹی رحمۃ اللہ علیہ

۸۷۱ھ.................................۹۵۱ھ

مشرب شطاریہ کے درویش تھے آپ کا حلقہ ذکر عجیب وغریب تھا، دوران ذکر عشقیہ اشعار پڑھتے تھے اور وجد میں آتے تھے بڑی شان کے بزرگ تھے، دو۲ واسطوں کے ذریعہ شیخ عبداللہ شطار تک آپ کا سلسلہ ہے، آپ کے والد بزرگوار نے شیخ شطار سے فیض حاصل

کیا تھا، اس وقت بھی آپ کی اولاد علاقہ دوآبہ کے درمیان بعض مواضعات میں موجود ہے، اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شیخ خانو گوالیری رحمۃ اللہ علیہ

۸۴۹ھ.................۹۴۱ھ

آپ اپنے وقت کے مشہور مشائخ میں سے تھے، خواجہ حسین ناگوری کے مرید تھے اور شیخ اسمٰعیل ابن شیخ حسین سرمست سے خرقہ حاصل کیا، حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی محبت روحانی میں غرق تھے، بڑھاپے اور کمزوری اعضاء کے سبب لوگوں کی تعظیم کے لیے کھڑے نہ ہوتے تھے، ایک مرتبہ آپ کے والد صاحب آپ کے پاس گئے ہوئے تھے تو والد صاحب نے دریافت کیا کہ آپ کسی کی تعظیم کے لیے کھڑے نہیں ہوتے اس کا کیا سبب ہے تو آپ نے جواب دیا کہ میں بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہوں اس لیے ہر آنے جانے والے کی تعظیم کے لیے نہیں کھڑا ہو سکتا، بعض کے لیے قیام کرنا اور بعض کے لیے نہ کرنا فقیروں کے شایان شان نہیں ہے اس لیے میں معذور ہوں۔

شیخ نظام نارنولی آپ کے مریدوں میں سے تھے انہوں نے بھی اپنے پیرو مرشد کے اتباع میں بغرض تعظیم کھڑا ہونا ترک کر دیا تھا، اس کے باوجود مقبول عام و خاص اور شہرت کے مالک تھے۔

شیخ نظام کے بھائی شیخ اسمٰعیل بھی آپ ہی کے مرید و خلیفہ تھے بڑے جوانمرد تھے ان کے بھی اکثر مرید ہیں، شیخ اسمٰعیل کے مریدوں میں سے خواجگی وہ بزرگ تھے جن کو شیخ اسمٰعیل نے پختہ درویش بنایا تھا جو بعد میں بیانہ کی ایک مسجد میں گوشہ گیر ہو گئے تھے۔

شیخ منور جن کا مزار آگرہ میں ہے وہ بھی شیخ خانو کے مرید تھے، شیخ خانو ہمیشہ جذب کی حالت میں رہتے تھے ۹۴۱ ہجری میں آپ نے انتقال فرمایا۔

شیخ علاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ

۸۷۲ھ.................۹۴۸ھ

آپ شیخ نور الدین اجودھنی کے فرزند ہیں جو شیخ فرید الدین گنج شکر کی اولاد میں سے

تھے، آپ یکتائے زمانہ، فرشتہ صفت اور ذی اخلاق بزرگ تھے، فطری طور پر آپ مہذب اور مؤدب پیدا ہوئے تھے، درویشوں کے اخلاق و کمالات آپ کی طبیعت میں داخل ہو گئے تھے، بردباری و کرم سخاوت و درگذر کرنے کی صفات آپ میں بدرجہ اتم موجود تھیں، تن پروری اور نفس پرستی سے پرہیز کرتے تھے، اپنے زمانہ میں فرید ثانی کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ کو خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت سے خاص رابطہ اور تعلق تھا۔

حکایت ہے کہ ایک دن ایک درویش نے آ کر کہا کہ میرے پاس تریاق ہے آپ نے جواب میں فرمایا کہ میرے پاس بھی ہے، بعد میں فرمایا اچھا امتحان کریں، چنانچہ ایک چڑیا کو پکڑ کر اس کے حلق میں ایک قطرہ زہر ٹپکایا گیا اسکے بعد شیخ علاؤ الدین نے لنگر خانے میں سے کیک کا ٹکڑا پانی میں بھگویا اور وہ پانی اس چڑیا کے حلق میں ڈالا گیا اسی وقت وہ چڑیا زندہ ہوگئی، آپ ۸۷۲ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۹۴۸ ہجری میں انتقال فرمایا، آپ کا مزار پرانی دہلی کی سرائے میں ہے جہاں آپ کے خاندان کے اکثر بزرگ سکونت پذیر ہیں۔

سید سلطان بھڑ ایچی رحمۃ اللہ علیہ

۸۵۹ھ.................................۹۴۹ھ

والد بزرگوار فرماتے تھے کہ سید سلطان بھڑ ایچی اہل دل، خاکسار اور صاحب ہمت درویش تھے، شیخ علاؤ الدین کے مرید تھے مگر تلقین و ارشاد کا تعلق مشرب شطاریہ سے رکھتے تھے، لباس میں صرف ستر عورت پر اکتفا کرتے اور عام طور پر ننگے سر رہا کرتے کبھی درویشوں کے ساتھ رہتے اور کبھی عالم تنہائی میں رہتے، دینوی رسوم سے آزاد رہا کرتے تھے، ذکر بالجہر زیادہ کرتے تھے، دوران ذکر میں آپ اپنے قلب پر اس زور سے ضرب لگاتے تھے کہ جس طرح صنوبر کی لکڑی چیرتے وقت کٹر کٹر کی آوازیں نکلتی ہیں اسی طرح آپ کے دل سے آوازیں نکلتی تھیں۔

میرے والد صاحب نے فرمایا کہ میں پہلے طلب حق کے سلسلہ میں سلطان بھڑ ایچی کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اس وقت کتابت میں مشغول تھے میں بیٹھے بیٹھے سرنیچا کئے چپکے چپکے ذکر کرنے لگا، تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر میری طرف غصہ سے دیکھنے لگے اور بعد میں

تبسم فرمایا اور مجھے اپنے سینہ سے لگایا اور مہربانی فرمائی، لیکن مجھے حقیقت دریافت کرنے کی جرأت نہ ہوئی، پھر جب میں وہاں سے چلا گیا تو آپ نے خود مجلس میں ذکر کیا کہ آج میرے پاس ایک نوجوان آیا جو قلب سے ذکر کر رہا تھا مجھے غیرت آئی چاہا کہ اس کے دل پر ایک طمانچہ ماروں لیکن میرے پیر و مرشد حاضر ہوئے، فرمایا کہ رحم کا مقام ہے۔

حکایت ہے کہ آپ کو ایک ہندو عورت سے محبت ہوگئی تھی جو آپ کی توجہ کی بدولت مسلمان ہوگئی تھی، اس کے قبیلہ کے لوگوں نے محمد زماں کے یہاں جو ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ کے رشتہ دار تھے، مقدمہ داخل کر دیا، محمد زماں نے آپ کی طرف پیغام بھیجا کہ اس عورت کو گھر سے نکالدو ورنہ تم پر حملہ کروں گا، آپ نے تلوار ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ یہ مسلمان ہوگئی ہے اس کا کافروں کے سپرد کرنا ناجائز ہے، اگر آپ کو لڑائی کا شوق ہے تو جلدی آجایئے، دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا معاملہ فرماتے ہیں، آپ کے اس جواب سے محمد زماں مرعوب ہوگیا اور اپنی حرکت پر شرمندہ ہوا۔

آپ کے مریدوں اور خلفاء میں سے شیخ ابن انبردھ بھی ہیں جو بوڑھے بابرکت اور مجذوب شکل تھے اللہ سب پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

سید علاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ

۹۰۲ھ.................۹۸۷ھ

آپ عالی نسب سید اور صاحب ذوق و حال بزرگ تھے، فن موسیقی میں بھی ماہر تھے، شاعری بھی کرتے تھے، یہ غزل ان کے کلام میں سے ہے۔

غزل

ندانم آں گل خنداں چہ رنگ و بو دارد کہ مرغ ہر چمنے گفتگوئے او دارد

ترجمہ:۔ (نہ معلوم اس گل خنداں کی کیسی رنگ و بو ہے کہ ہر باغیچہ کا مرغ اس کی گفتگو میں مصروف ہے۔)

بجستجوئے نیابد کسے مراد دلی ! کسے مراد بیابد کہ جستجو دارد

ترجمہ:۔ (محض جستجو سے کوئی اپنے دل کا مقصد حاصل نہیں کرسکتا مگر وہ جو اس تلاش

میں ہوں۔)

نشاط بادہ پرستاں بمنتہی بر سید　　　ہنوز ساقی ما بادہ در سبو دارد

ترجمہ:۔(سرمستان شراب اپنے عروج پر پہنچ گئے حالانکہ اب تک ساقی کے پاس سبو میں شراب موجود ہے۔)

حدیثِ عشق تو تنہا نہ من ہمی گویم　　　کہ ہر ہست ازیں گو نہ گفتگو دارد

ترجمہ:۔(آپ کے عشق کی باتیں صرف میں نہیں کرتا بلکہ ہر شخص اس گفتگو میں حصہ لے رہا ہے۔)

متاع دل بکف دلبرے بدہ تو علاء　　　کہ ایں متاع گرانمایہ رانکو دارد

ترجمہ:۔(سامان دل کو کسی محبوب کے حوالہ کر دیتا اے علاء چونکہ وہ اس قیمتی سامان کو خوب پسند کرتا ہے۔)

سید علی رحمۃ اللہ علیہ

۸۲۷ھ............................۹۰۵ھ

ارباب کمال اور صاحبان سکر وجد و حال سے آپ کے گہرے تعلقات تھے ہمیشہ حال اور سرگرمی کی حالت میں رہتے اور مجذوبانہ باتیں کرتے تھے، ہمیشہ کسی خاص لباس میں نہ رہتے بلکہ کبھی تو مشائخین کا لباس پہنتے اور کبھی سپاہیانہ ڈریس زیب تن کرتے، دراصل سوانہ کے سادات میں سے تھے، طلب حق کے لیے سوانہ سے چل کر جونپور آئے جہاں درویشوں کی خدمت کی اور پھر شیخ بہاؤ الدین جونپوری کے مرید ہو گئے، مخصوص مقبولیت اور مخصوص حالت نصیب ہوگئی، رزق کے دروازے آپ پر کھل گئے۔آپ کی چار بیویاں تھیں، اور اکثر لوگوں کو وظیفے دیا کرتے تھے، اپنی آمدنی میں سے نصف اپنی بیویوں کو دیتے، اور باقی نصف کو غریبوں محتاجوں پر خرچ کر دیا کرتے، آپ کی آمدنی مسلسل جاری رہی کبھی بند نہیں ہوئی۔
کہتے ہیں کہ آپ نے چالیس برس تک کسی خادم سے کام کرنے کو نہیں کہا، ایک رات آپ سو گئے تھے کہ یکا یک آنکھ کھلی پیاس کا غلبہ تھا، جو آدمی ہمیشہ آپ کے لیے پانی رکھا کرتا تھا وہ اتفاق سے اس رات رکھنا بھول گیا، آپ نے کئی بار پیاس کی شدت سے پانی تلاش کیا لیکن نہیں ملا، ایک مرتبہ جب پیاس نے بے جان کر دیا تو آپ نے کسی نوکر سے پانی طلب

کرنے کے بجائے اور اس عہد شکنی کے مدنظر جو آپ نے اللہ سے کیا تھا یہ کہا کہ اے موت آ جا، تیرے آنے کا یہی وقت ہے، اس کے بعد پھر حالت اضطراب میں پانی تلاش کرنے لگے اس مرتبہ جب ہاتھ آگے بڑھایا تو پانی کا ایک بھرا ہوا پیالہ ہاتھ میں آیا اس کو پی کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

میرے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں سید علی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے مشرف ہو چکا ہوں اور آپ کی باتیں سن چکا ہوں، ان کی گفتگو میں ذوق و عرفان کا اثر تھا اور ان کی باتوں سے ان کے دل کی گرمی محبت ٹپکتی تھی۔

سید علی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اب تک دنیا دار کے گھر میں قدم نہیں رکھا ہے ہر ایک کو اس کے گھر سے اپنے گھر بلایا ہے اور اپنے کسی نوکر کو بھی اپنے کسی کام کے لیے نہیں بھیجا، فرماتے تھے کہ بعض آدمی ایسے ہیں جو خود تو کسی کے گھر نہیں جاتے لیکن خادم کو بھیج دیتے ہیں یا رقعہ بھیج دیتے ہیں یہ بھی مناسب نہیں ہے چونکہ اس میں اپنی احتیاج کو ظاہر کرنا ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اے علی تم اپنے دروازے پر نقارہ کیوں بجواتے ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نقارہ آپ ہی کی آمد کی اطلاع دہی کے لیے ہے، ورنہ میں کون ہوں، حضور نے ارشاد فرمایا کہ اے علی تم خلقِ خدا کے لیے دعا کرو کیونکہ تمہاری دعا فوراً قبول ہوتی ہے، آپ فرماتے تھے کہ میں فقرا کا خادم ہوں لیکن عصر اور مغرب کے درمیان مجھے معذور سمجھیں اور مجھے میری حالت پر رہنے دیا کریں۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ بھی عجیب قسم کے ہیں جو قوالوں سے کہتے ہیں کہ فلانی چیز اور فلانی غزل پڑھو کیونکہ ہم کو یہ پسند ہے، اور میری کیفیت یہ ہے کہ جو کچھ قوال سناتا ہے مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے اور اسی پر وجد آتا ہے۔ آپ نے ۹۰۵ ہجری میں وفات پائی اور آپ کا مزار جونپور میں ہے۔

شیخ ادھن جونپوری رحمۃ اللہ علیہ

۸۵۶ھ............۹۶۷ھ

آپ شیخ بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ہیں، آپ اپنے وقت کے مشائخ و بزرگ تھے، بڑی عمر والے بابرکت اور عظمت ظاہری کے مالک تھے، آپ کی عمر سو برس سے زیادہ تھی لیکن ذوق و شوق تازہ تھا، ضعف کا یہ عالم تھا کہ جب تک دو آدمی پکڑ کر کھڑا نہ کرتے آپ کھڑے نہ ہو سکتے تھے لیکن جب قوالی سنتے تو دس آدمی بھی آپ کو نہ سنبھال سکتے۔

حکایت ہے کہ شیخ بہاؤ الدین اپنے پیر و مرشد شیخ محمد عیسیٰ کی خدمت کیا کرتے تھے تو اس زمانہ میں شیخ بہاؤ الدین فجر کی نماز تکبیر اولیٰ کے ساتھ پڑھتے تھے اگرچہ آپ کے متعلقین میں سے کوئی انتقال کر جاتا تب بھی تکبیر اولیٰ ان سے فوت نہ ہوتی تھی۔ ایک دن شیخ بہاؤ الدین کا لڑکا انتقال کر گیا تو چونکہ دوسرے لوگ اس وقت موجود نہ تھے یہ خود اس کی تجہیز و تکفین کے سامان میں مشغول ہو گئے، اس وجہ سے تکبیر اولیٰ میں شرکت کے بجائے نماز میں تشہد پڑھتے وقت آ کر شریک ہوئے، شیخ عیسیٰ نے نماز پڑھنے کے بعد شیخ بہاؤ الدین کی طرف کر کے کہا انشاء اللہ اس کے بعد نہیں مرے گا، چنانچہ بعد میں شیخ ادھن پیدا ہوئے اور پیر و مرشد کی دعا کی برکت سے انہوں نے اور ان کی اولاد نے لمبی عمریں پائیں، شیخ ادھن نے ۹۶۷ ہجری میں وفات پائی، جونپور میں آپ کا مزار ہے۔

میاں قاضی خاں رحمۃ اللہ علیہ ظفر آبادی

۸۶۹ھ............۹۷۰ھ

آپ شیخ حسن رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ تھے، راہ طریقت کے صادقین میں سے تھے، صاحب کرامت و استقامت اور اہل حرمت و تقویٰ تھے، زمانہ کے لحاظ سے اگرچہ آپ متاخرین میں سے تھے لیکن صفائی معاملہ کے پیش نظر متقدمین میں شمار ہوتے تھے۔

حکایت ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے تیس سال جان کھپائی اور ریاض کیا تب کہیں نفس کی مکاریوں کا تھوڑا سا علم حاصل ہوا اور یہ معلوم ہو سکا کہ نفس کس طرح ڈاکے ڈالتا ہے اور اس کے مورچے کون کون سے ہیں۔

حکایت ہے کہ شہنشاہ نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ نے آپ سے نذرانہ قبول کرنے کی بار ہا درخواست کی لیکن آپ نے انکار فرما دیا، ایک مرتبہ بادشاہ نے وہ تمام مہریں جو شاہی فرمان پر لگی ہوتی ہیں ایک سادہ کاغذ پر لگا کر آپ کے پاس روانہ کیا تاکہ آپ اس میں جتنے مواضع اور جتنی مقدار رقم کی چاہیں لکھ لیں، لیکن آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں اور بغیر ضرورت مسلمان کا حق دبا لینا جائز نہیں ہے، نیز میں نے اپنے شیخ سے یہ عہد کیا ہے۔

نہ نیم بندۂ غیرے نہ خدائے دگر است　　　از خدا خواہم و زغیر نخواہم بخدا!

اس پر انہوں نے کہا کہ آپ اسے اپنے بیٹوں کو دے دیجئے کیونکہ ان کو ضرورت ہوگی، تو جواب دیا مجھے ان پر حکم چلانے کا کیا حق وہ چاہیں لیں یا نہ لیں، آخر کار جب یہ فرمان آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ عبداللہ کو دیا گیا تو انہوں نے بھی اس کو قبول نہیں کیا اور جواباً کہا بیٹا وہ ہے جو باپ کے نقش قدم پر گامزن رہے جب پدر بزرگوار نے اس کو قبول نہیں کیا تو مجھے بھی لازماً وہی کرنا چاہئے۔

میرے والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ ہم چند آدمی جونپور سے دہلی کی طرف روانہ ہوئے جب مظفر آباد کے قریب پہنچے تو میاں قاضی خاں سے ملاقات کو غنیمت سمجھ کر ان کی خانقاہ میں گئے اور شیخ وقت کے برآمد ہونے کے منتظر تھے کہ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا اور شیخ وقت اپنے دوسرے رفقاء وصوفیوں کے ساتھ خلوت سے نکل کر باہر آئے پھر نماز پڑھنے کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے اور دریافت فرمایا آپ لوگ کہاں سے آرہے ہیں اور کہاں کا ارادہ ہے اور کیا کام کرتے ہیں اور آپ کے اسم گرامی کیا ہیں؟ ہم میں سے ہر ایک نے مختصر جواب دیا، اس کے بعد دسترخوان بچھا اور درویشی کھانا کھلا کر ہم سب کو رخصت کیا۔

میرے والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ میں جونہی آپ کے مکان سے نکلا تو مجھ پر ایک ایسی رقت طاری ہوئی کہ میں اس کی کیفیت بیان نہیں کرسکتا، آپ نے ۱۵۔ سفر ۹۷۰ ہجری میں انتقال فرمایا اور آپ کا مزار ظفر آباد (دہلی) میں ہے۔

شیخ محمد مودود لاری رحمۃ اللہ علیہ

۸۵۷ھ.......................۹۴۲ھ

آپ ماہر علم توحید، رند مشرب تنہا پسند اور اہل تفرید تھے، بڑے بڑے لوگوں سے مقابلے کر چکے تھے، مشرب عالی اور ہمت بلند کے مالک تھے، ۹۰۰ ہجری میں آگرہ آئے، شیخ امان سے بڑے اچھے تعلقات ہو گئے جنہوں نے آپ سے علم توحید حاصل کیا اور فصوص الحکم کو آپ سے پڑھا، جب رات ہو جاتی تو آپ نشہ ذوق و حال میں سرگرم ہو کر شیخ امان سے کہتے دیوانہ! کتاب بند کرو اور ہماری باتیں سنو، پھر اس کے بعد حقائق و اسرار کے واقعات بیان کرتے۔

کہتے ہیں کہ آپ کو بعض نفع رساں علوم کیمیا وغیرہ معلوم تھے، اکثر اوقات آپ شیخ امان سے فرماتے کہ میں میوہ دار درخت ہوں، مجھے ہلاؤ اور پھل چن لو لیکن شیخ امان ہمیشہ یہی جواب دیتے کہ آپ کی علم توحید کی گفتگو میرے لیے ہزار کیمیا سے زیادہ اچھی اور سود مند ہے۔ شیخ امان کی بابت آپ فرمایا کرتے تھے ہمیں ایک جوہر قابل ملا لیکن افسوس یک چشمی ہے، عام گفتگو میں بھی آپ شیخ امان کو کانا ہی کہہ کے مخاطب کیا کرتے تھے، عرصہ تک آگرہ میں مقیم رہے، اس کے بعد شیخ امان کی محبت کی وجہ سے پانی پت جا کر ٹھہر گئے، شیخ امان نے آپ کی ضروریات کا معقول انتظام کر دیا، غرضیکہ آپ نے پانی پت میں انتقال کیا، آپ کی اور شیخ امان کی قبر برابر برابر ہی ہے، اللہ آپ سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

شیخ محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ

۸۳۹ھ.......................۹۴۴ھ

شیخ حسن طاہر کے بڑے صاحبزادے اور اپنے زمانہ کے بڑے عارف تھے، حال صحیح اور مشرب عالی رکھتے تھے، کہتے ہیں کہ جب آپ خلوت سے باہر آتے تو سب لوگ آپ کو دیکھ کر تعجب سے اللہ اکبر کہتے تھے، علم و حال اور مظاہر صوریہ سے متصف تھے، والد کے مسلک کے لحاظ سے چشتی تھے لیکن سلسلہ قادریہ سے زیادہ نسبت رکھتے تھے، سالہا سال حرم مدینہ میں رہ کر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مجاوری کی، یمن کے علاقے میں جو مشائخ

قادریہ موجود تھے، ان سے بیعت کر کے اجازت بیعت لی، حاجی شیخ عبدالوہاب جب دوسری مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت کے لیے گئے تو شیخ محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے ساتھ وطن واپس لائے۔ جونپور میں آپ کی ولادت ہوئی آگرہ میں سکونت پذیر رہے اور دہلی میں ۹۴۴ ہجری میں انتقال فرمایا، جے منڈل میں اپنے والد کے برابر ہی آپ کا مزار ہے۔

کہتے ہیں کہ آپ نماز عصر کے بعد رات کا اس طرح انتظار کرتے تھے جیسے کوئی اپنے محبوب کا انتظار کرتا ہے، رات ہوتے ہی کمرے میں پہنچ جاتے، دروازہ اندر سے بند کر کے چراغ جلاتے اور ذکر الٰہی میں مصروف ہو جاتے، اور بعض اوقات اگر دل چاہتا تو تصوف سے متعلق تصنیف و تالیف کرتے اور جب وہ کتاب پوری ہو جاتی تو اسے نذر آتش کر دیا کرتے یا قینچی سے کاٹ کر اس کے پرزے پرزے کر دیتے، آپ کے بعض رسائل بھی ہیں اور مکتوبات بھی ایک جا جمع کئے گئے ہیں کبھی کبھی اشعار بھی کہتے، آپ کے بعض مرید آپ کو شاہ خیالی بھی کہتے تھے آپ کے مرید بکثرت تھے۔

ہمارے منجھلے چچا شیخ فضل اللہ عرف شیخ منجھو نے بھی آپ سے بیعت کی تھی جو آپ کے آخری مرید تھے۔

شیخ منجھو بڑے صاحب برکت و نعمت اور اوراد و وظائف میں مشغول اپنے پیر کی محبت میں مست رہا کرتے تھے اپنے زمانہ کے ایک مقبول اور صاحب ذوق و حال بزرگ تھے اور برکتیں و نعمتیں ظاہر کیا کرتے تھے۔

شیخ محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں خوب سمجھ لو کہ ایک دنیا ایسی ہے جس کا صرف محسوسات کے ذریعہ معلوم ہونا ممکن ہے۔ قل هو الذی انشأکم وجعل لکم السمع والابصار والافئدة ترجمہ:- (فرما دیجئے پروردگار عالم ہی وہ خالق ہے جس نے تم کو بنایا اور تم کو کان، آنکھ اور دل عنایت کیا۔)

دوسری ایک دنیا وہ ہے جس کو صرف عقل و شعور ہی پہچانتا ہے، عقل وہ نور ہے جسے اللہ تعالیٰ قلب مومن کے سپرد کرتا ہے تاکہ حق و باطل میں امتیاز کر سکے۔

اس کے ماسوا ایک اور دنیا ہے جسے علم کی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون ترجمہ:- (اگر تم صاحب علم نہیں ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لو)

اور ایک دنیا وہ ہے جسے صرف عشق کے ذریعہ معلوم کیا جاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر شان قہاریت رکھتے ہوئے ان کی حفاظت کے لیے محافظ مقرر کر دیئے ہیں۔

اے عزیز! طور حس، طور عقل، طور علم سے بلند اور آگے ایک اور طور ہے جس کو طور عشق کہتے ہیں، اس طور عشق میں وہ وہ چیزیں دکھائی دیتی ہیں جو کسی اور طور میں نہیں ہوتیں۔

عرف من ذاق ۔ اطال شوق الابرار الی لقائی فانا الیھم لا شد شوقا ترجمہ:۔ (جس نے چکھا اس نے معلوم کیا۔ ابرار کو جب مجھ سے ملنے کا شوق بڑھ جاتا ہے تو میں بھی ان سے ملنے کا مشتاق رہتا ہوں۔)

اے جوانمرد! مشتاق کے معنی صورت ہیں اور صورت کے معنی مشتاق ہیں، مولیٰ بندہ کا مشتاق ہے اور بندہ مولیٰ کا مشتاق ہے۔

اشعار

بانگ می آید کہ اے طالب بیا　　جود محتاج گدایاں چوں گدا
جود می جوید گدا یان صنعاف　　ہمچو خوباں کائینہ جوئید صاف

ذات عاشق صفت اور صفت عاشق ذات بن گئی اور حرکت عاشق سکون بن گئی اور سکون عاشق حرکت بن گیا، افعال آثار سے اور آثار افعال سے جدا نہیں ہوتے ہیں اور انکسار خاکساری سے اور خاکساری انکسار سے الگ نہیں ہوتے ہیں، آثار رد افعال مظاہر ذات وصفات ہیں، صفات وکمالات کا تحقق بغیر ذات باری کے ممتنع اور محال ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوائے کوئی اور چیز وجود نہیں رکھتی، بجز صفات کی اور کوئی چیز مشہود نہیں ہے۔

وحدت، مقتضائے ذات ہے اور کثرت مقتضائے صفات۔

اشعار

ایں جملہ صفت کہ کردی اثبات　　می داں ہمہ بے تصرف ذات
اور ابہمہ صفات میخواں !　　لیکن صفتش ہمہ یکے داں

یقین کرلو کہ اللہ تعالیٰ حقیقتاً ذات اور صفات کے اعتبار سے واحد ہے لیکن نسبتوں، اضافتوں، حالات و اعتبارات کے لحاظ سے کثرت پذیر محسوس ہوتا ہے جو باطن سے بے

نمودی کے ساتھ ظہور پذیر ہوئی وہ ذات الٰہی ہے جس کی صفات ظاہری نمود بے بود ہیں اور یہی افعال الٰہی و آثار خداوندی ہیں۔

اشعار

بودے کہ نمود نیست ادرا ذات است وصفت بدان و دریاب
دا نرا کہ نمود است بے بود فعل و اثرے ببیں و بشتاب

اگرچہ عقل وفہم کے مدنظر صفات غیر ذات ہوتی ہیں لیکن باعتبار تحقیق وحصول عین ذات ہیں۔

اشعار

بوداست ونموداست و دگر چیزے حق است ہمہ بود و جہاں جملہ نمود نیست
شوق است بوحدت وزکثرت ہمہ کثرت زنمود آمد و وحدت ہمہ بود ذوق

ہر مظہر اپنے ظاہر کا غیر ہے، ظاہر شے صورت شے ہے اور شیخ اپنی ذات وحقیقت کے لحاظ سے خود مظہر ظاہر نہیں ہے۔

شعر

نہ بینی صورتت در آب ومرآت کہ آں دیگر بود تو دیگر ستی

لیکن مظاہر الٰہی جو ایک دوسرے کے ظاہر و مظہر ہیں آپس میں ایک ہیں، البتہ ان میں جو فرق نظر آتا ہے وہ اطلاق تجرد، یقین وتقید کا فرق ہے جیسے حقیقت انسانی جو اطلاق وتجرد کے لحاظ سے ظاہر ہے اور باعتبار تعین وتقید کے مظہر ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ حقیقت اپنے افراد کا عین ہے چونکہ سب کے سب اس کے مظہر ہیں۔

اشعار

آں نور پاک ظاہر و شخص تو مظہر است باشد میان ظاہر و مظہر دوئی محال
فرقے بجز تقید و اطلاق یافتن ! نتواں میان ظاہر و مظہر بہ ہیچ حال

بعض عارفین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہر ہے باعتبار تقید و تعین جو کہ مقتضی اسماء و صفات ہے اور علی الاطلاق باطن میں ہے اور اس کا تجرد ایسا ہے جس کی ہویت ذات مقتضی ہے اور اس کا انکشاف و انجلاء ہو اس کے تقید و تعین کے اثرات ہیں وہ اپنے تجرد کے لحاظ سے پردۂ اخفا میں ہے وہ اول و آخر اپنے مرتبہ کے لحاظ سے ہے جس کو زمانہ وجگہ سے لگاؤ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ جس نے سب کو پیدا کیا ہے وہ عین کون و مکان ہے۔ انسان نام ہے تمثیل خداوندی کا جو تمام موجودات سے بالا و برتر ہے، تمام کائنات انسانی اس کی شکل میں ظہور پذیر ہیں، انسانی کی دنیا بہت بڑی ہے انسان عالم صغیر ہے، انسان کی وحدت وحدت خداوندی کے لیے دلیل ہے کائنات کا ذرہ ذرہ وحدت حقیقی ہو یا کثرت نسبی، سب کے سب انسان میں دیکھ سکتے ہیں، کوئی بھی نور محض یا ظلمت خالص دکھائی نہیں دیتی ہے اور جو دکھائی دیتی ہے وہ مخلوط ہے نور و ظلمت سے جس کو ہم ضیا و روشنی کہتے ہیں، ہر نیستی کا ظہور ہستی سے مربوط ہے جس کو دنیا کہتے ہیں۔ اور جس ظہور کو اللہ تعالیٰ نے نزول کے ذریعہ اعیان کے ساتھ نسبت دی ہے وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو کامل نورانی ہونے کے ساتھ اپنے اخلاق و وسعت میں بمرتبہ افعال و اسماء صفاتی کے جلوہ گر ہیں اور جبکہ تمام ممکنات بلحاظ ذات معدوم ہیں تو ان کا علم و شعور و ادراک بھی معدوم ہے۔

شعر

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک کہ ادراک است عجز از درک ادراک

افسوس کہ سمجھ میں نہیں آتا کیا کرے اور کہاں سر مارے کہ حق کا پہنچانے والا بغیر حق کے اور کوئی نہیں ہے لا یعرف اللہ غیر اللہ غرضیکہ اہل سلوک کی روش یہ ہے کہ درویش ایسے مقام میں پہنچ جائے کہ ساری اشیاء کو پرتو نور خالق کی تجلی میں فناء کردے اور اپنے آپ کو فقیر حقیقی ثابت کرے جو فنافی اللہ کا ایک خاص مرتبہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان اللہ یا مرکم ان تو دو الامانات الی اھلھا

ہستی ہمیشہ وجود اور ہونے کی طرف مائل رہتی ہے اور نیستی و عدم اپنے محو ہو جانے کی جانب لپکتا ہے۔

شعر

ظہر النور ذوالمنن باشد بطل الزور جان وتن باشد

شاہ عبدالرزاق جھنجھانہ رحمۃ اللہ علیہ

۸۴۲ھ..............................۹۴۹ھ

آپ شیخ محمد حسن کے مرید وخلیفہ تھے اور سلسلہ قادریہ کے مشائخ میں سے تھے۔ صاحب حال وکمال تھے، آپ کی بہت سی کرامتیں اور خوارق عادات مشہور ہیں ابتداء جوانی میں آپ نے علم دین حاصل کیا بعد میں آپ پر عشق ومحبت کا مشرب غالب آیا، اور یہ بے حد ریاض ومجاہدہ کے بعد مرتبہ مشاہدہ پر پہنچ گئے۔

کہتے ہیں کہ آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ سے بے حد نسبت تھی اور آپ بلا واسطہ کے استفادہ حاصل کرتے تھے اور یہ کتنی بڑی بات ہے کہ بغیر واسطہ کے حضرت سے مستفیض ہوں، ہمیشہ مصائب وشدائد میں ثابت قدم رہتے تھے۔

حکایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک سید کسی نواب کے ہاتھوں قید کیا گیا آپ نے جب اس کو قید خانہ میں دیکھا تو بغیر کسی شناسائی کے اس کی ضمانت کر لی اور بعد میں اس سید سے کہا کہ اب تم اس شہر سے کہیں دور چلے جاؤ میں تمہارے بدلے جیل میں بند ہوں گا چنانچہ اس سلسلہ میں آپ پر بے حد مصائب آئے سب کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور کسی پر اپنا حال ظاہر نہیں فرمایا۔ غالباً آپ کے اور شیخ امان پانی پتی کے درمیان توحید الٰہی، اطلاق وجودی اور عینیت وغیریت کے مسائل پر گفتگو ہوئی تھی، شیخ امان پانی پتی اور ان کے دوسرے ساتھی مشائخین نے مسئلہ اطلاق حق کو ایک دوسری صورت سے پیش کیا تھا، چنانچہ شیخ امان کا اس بارے میں ایک رسالہ موسومہ اثبات احدیت بھی ہے، جس کو مخالف لوگ ورائیہ کہتے ہیں جس میں سے انشاء اللہ تعالیٰ کچھ ذکر کروں گا۔

شاہ عبدالرزاق کے مرید وخلیفہ بکثرت تھے جن میں سے سید علی لودھیانہ میں اب بھی موجود ہیں جو بہت بوڑھے ہوگئے ہیں ذکر الٰہی کرتے ہیں صاحب ذوق بزرگ ہیں، شاہ عبدالرزاق کی وفات ۹۴۹ ہجری میں ہوئی، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عینیت اور رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کی ورائیت میں شیخ امان اور شیخ محمد حسن صاحبان سے گفتگو کے بعد اپنے ایک دوست کو خط لکھا ہے وہ نقل کیا جاتا ہے۔

اگرچہ جو حقائق واسرار اس میں مذکور ہیں ان کا اظہار کرنا میں مناسب نہیں سمجھتا ہوں لیکن چونکہ انہوں نے ذکر کیا ہے اس لیے لامحالہ ذکر کرنا پڑتا ہے نیز چونکہ یہ خط مشابہت رکھتا ہے کتاب نفحات الانس سے جو کہ جامع مکتوبات ہے شیخ عبدالرزاق کاشی اور شیخ علاؤ الدین کے، اس لیے کہ شیخ عبدالرزاق کے مجموعہ خطوط کو شیخ امان نے بعد مقابلہ مجموعہ خطوط میں شامل کیا ہے۔ خط یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ شیخ المشائخ شیخ حسین دام حسنہ، وعرفانہ۔ فقیر عبدالرزاق عرض رساں ہے، اے بھائی! اللہ آپ کو معرفت اور محبت نصیب کرے سنئے

معرفت کی دو قسمیں ہیں، استدلالی اور وجدانی

معرفت استدلالی یہ کہ جس نے اللہ کے حسن کی چمک اور یقین کو آسمان وزمین کی اور ان دونوں کی درمیانی اشیاء کی تخلیق میں دیکھا تو اس کو وہ تمام علامات مل گئیں جو اللہ کے صانع وحکیم ہونے کی دلیل ہیں اور یہ تمام تخلیق وصنعت اللہ تعالیٰ کے عرفان کے اثرات دلیلی ہیں اگر یہ معرفت ضروری ہو تو پھر کسی مسلمان کو اس سے بے خبر رہنے کی جسارت ہو ہی نہیں سکتی حالانکہ ایمان کی تکمیل اللہ ورسول اکرم پر ایمان کے ساتھ ہوتی ہے اور اس طرح معرفت عامہ ہر مسلمان کو حاصل ہو جاتی ہے جس میں معرفت حقیقی شامل نہیں ہے۔

شعر

چو آیا تست روشن گشت از ذات　　بگردو ذات او روشن ز آیات

جو لوگ دلیل سے خدا کی معرفت حاصل کرتے ہیں وہ ذات خداوندی ورا، عالم سمجھتے ہیں اور دلائل کی روشنی میں ایمان بالغیب لاتے ہیں۔

شعر

زہے ناداں کہ او خورشید تاباں　　بنور شمع جوید در بیاباں!

اور معرفت حقیقت وجدانی یہ ہے کہ عارف اپنے لباس وجود سے کٹ کر ریاضت و

مجاہدہ دوام ذکر، قلب و زبان کے ذریعہ اپنے شیخ کے اعتماد کے ساتھ مسلک فنا پر گامزن ہو جائے تاکہ اللہ اس کو اپنے احسانات سے سرفراز کر کے اس کو اپنے اسماء سکھا دے اس طرح حق حق کی معرفت کر لیتا ہے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **عرفت ربی بربی** یعنی میں نے اللہ کو اللہ کے ذریعہ پہچانا۔

شعر

رویت حق بحق شہود بود ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ خاصہ حضرت وجود بود!

اس معرفتِ وجدانی کا حاصل یہ ہے کہ تمام موجودات ممکن بنور حق ہیں یعنی اس کی تجلی سے پیدا اور روشن ہوگئی ہیں، اور اللہ کے تجلی کے واسطہ سے تمام اشیاء موجود ہیں، حقیقتاً سوا ذات خداوندی کے کوئی موجود نہیں، اور جتنے بھی موجودات ہیں وہ ذات باری کی وجہ سے ہیں، یہ بات غلط ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ وراء عالم ہیں اور عالم دراء حق سبحانہ وتعالیٰ ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و بالا ہے۔ میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں ہر قسم کی لغزش وخلل اور تفسیر بالرائی سے، بلکہ یہ اللہ کا فضل وعطا ہے، **قال اللہ تعالیٰ: یاایھا الذین امنوا امنوا باللہ** یعنی اے وہ لوگو جو غیب پر ایمان لاچکے ہو اب اللہ کی ملاقات سے کسی شک میں نہ رہو اور ہر متعین چیز میں بے تعین اللہ کا مشاہدہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ مشہود ہے اور ہر مقید و متعین میں اپنے اسماء وصفات کے ساتھ موجود ہے اور اللہ تعالیٰ بظاہر مقید نہیں ہے بلکہ تمام چیزوں سے علیحدہ مطلق موجود ہے۔

شعر

ہمہ عالم جمال حضرت اوست ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ او جمیل و جمال دارد دوست

اے بھائی! اللہ تمہاری عمر دراز کرے اور معرفت کے ساتھ تم کو زندہ رکھے، اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے اور جب کہ اس کا وجود واجب ہے تو اور دوسری چیزوں کا عدم ضروری ہے اور کوئی یہ گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ غیر اور سوا ہے تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ وہ اس سے بھی منزہ و پاک ہے، نیز اس کی جانب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارۃً فرمایا ہے **لاتسبو الدھر فان اللہ ھو الدھر** یعنی زمانہ کو برا نہ کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہے۔

یعنی وجود زمانہ دراصل وجود پروردگار ہے، اور یہ بات نہیں ہے کہ زمانہ سے اللہ تعالیٰ علیحدہ ہو، اللہ تعالیٰ بہت ہی بلند و بالا ہے، اگر جناب والا نہیں سمجھے تو اس سے زیادہ واضح طور پر سنئے یاایھا الذین امنوا امنوا باللہ کا مطلب یہ ہے کہ اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو یعنی تم نے اپنی ہستی و ذات کو اللہ کی جانب منسوب کر کے یقین کرلیا ہے کہ ہم موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حقیقت مستطاب سے تم خطاب کر رہے ہو اور وہ جواب دے رہا ہے کہ تم اس ملک وہاب تک رسائی حاصل کرو، اور اے مسلمانو یعنی اپنی ذات پر یقین کرنے والو، اس چیز پر ایمان لاؤ کہ تمہارا وجود بغیر کسی ضرورت کے اللہ کا وجود ہے اور یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من عرف نفسه فقد عرف ربه اور جبکہ اول و آخر اور ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ ہی ہے تو یہ امر خود ثابت ہو جاتا ہے کہ اے انسان تو اپنی ذات کے اعتبار سے موجود نہیں ہے بلکہ تو اللہ کی ذات کی وجہ سے موجود ہے اور جب اس طرح تم نے اپنی ذات کا عرفان حاصل کرلیا تو تم نے اللہ کی معرفت حاصل کر لی، ورنہ نعوذ باللہ اللہ کی ذات ایک جزوی حقیقت ہوگی جو عالم کے سوا ہوگا اور اللہ اس سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے، ممکن ہے کہ ابھی آپ نے اچھی طرح نہ سمجھا ہو اس لیے وضاحت سے تحریر کرتا ہوں کہ یاایھا الذین امنوا امنوا کا مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو جبکہ تم تمام اشیاء پر ایمان لائے اور تم نے یقین کرلیا کہ تمام اشیاء اپنا مستقل اور الگ وجود رکھتی ہیں اور حقیقت مطلقہ سے دور ہیں تو منجانب اللہ رحمت کا حکم نازل ہوا کہ اشیاء پر نہیں بلکہ اب اللہ پر ایمان لاؤ کیونکہ اعیان معلومہ ہمیشہ معدوم ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وجود کے ساتھ موجود رہتے ہیں اور یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مقصد ہے اللھم ارنا الاشیاء کما ھی یعنی اے اللہ ہم کو اشیاء کی حقیقت سے آگاہ کردے۔

شعر

در نظر عین غیر آب نماند   محو شد قطرہ و حباب نماند

اعیان اس لحاظ سے کہ ممکن ہیں معدوم ہیں اور اعیان وجود ظاہری میں ممکنات کے آثار ہیں، اعیان میں وجود عین حق ہے، اضافت وجود اعیان کی طرف نسبتی اعتباری کے ذریعہ سے ہے، افعال و تاثرات تابع ہیں وجود کے اور اعیان معدوم ہیں اور معدوم نہ فاعل

بن سکتا ہے نہ موثر، بلکہ حقیقت میں موجود اللہ ہے جو واجد ہے اور باعتبار تقید و تعین بصورت عبد موجود ہوتا ہے، یہ بھی ایک شان ذاتی ہے ذات کی شانوں میں سے، اللہ تعالیٰ معبود ہے باعتبار اطلاق، اور اللہ تعالیٰ جو معبود ہے حقیقت عبد سے علیحدہ ہے، حقیقت عبد دراصل خود ذات الٰہی ہے اور اس کی ذات باعتبار کثرت و تعدد کے خلق و عالم ہے، پس عالم قبل ظہور عین حق تھا اور ظہور کے بعد حق عین عالم بن گیا۔

اشعار

بر شکل بتاں رہزن عشاق حق است — لا بلکہ عیاں درمہ آفاق حق است

چیزے نبود زروئے تقید جہاں — واللہ کہ ہماں زجہ اطلاق حق است

اس اعتبار سے کوئی موجود نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور یہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ حجاب وحدانی ہے غیر نہیں ہے اس لیے دراصل کے لیے جائز ہے **انا الحق** اور **سبحان ما اعظم شانی** یعنی میں حق ہوں اور میری شان عظیم ہے، واصل اس طرح وصل کر جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنی صفات سے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو اپنی ذات سے وصل کرتا ہے اس لیے کہ اللہ کی ذات کے سوا کوئی ذات نہیں ہے اور اللہ کے وجود کے سوا کوئی وجود نہیں ہے جیسا کہ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد **لا تسبو االدھر** سے واضح کیا جا چکا ہے۔

اگر اس طرح بھی آپ کی سمجھ میں یہ مسئلہ نہ آیا ہو تو سنئے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا یہ ارشاد بیان فرمایا ہے۔ **یا عبدی موضت فلم تعدنی وسألتك فلم تعطنی** ترجمہ:۔ (اے میرے بندے میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہیں کی اور میں نے سوال کیا تو نے بخشش نہیں کی)

اس ارشاد سے واضح طور پر یہ معلوم ہو گیا کہ مریض کا وجود عین وجود اللہ کا ہے اور سائل کا وجود اللہ کا وجود ہے، اور جب یہ ثابت ہے کہ سائل کا وجود اللہ کا وجود ہے تو لامحالہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام کائنات جواہر و اعراض کا وجود اللہ کا وجود ہے اور جب ایک ذرہ کا سر معلوم ہو تو سارے موجودات کا راز ظاہر ہوتا ہے، موجودات پوشیدہ ہوں یا ظاہر

اگر اس طرح بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آیا تو سنئے اور زیادہ وضاحت سے بیان کرتا ہوں اور وجدان کو کتاب کی طرف مبذول کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتا ہے

الحمد للہ ،جس کی بابت تمام مفسرین نے لکھا ہے کہ الحمد میں الف لام استغراق وکل کے لیے ہے،جس کے معنی یہ ہوئے کہ صحائف کائنات میں ثناء وحمد کی جتنی چیزیں ہیں ان سب کی ثناو محامد ذات واحد ہے، الحمد للہ سے اشارۃً معلوم ہوا کہ اللہ کی ذات کے سوا کوئی ذات موجود نہیں ہے اور ممکن بھی نہیں ہے کہ ذات باری کے بغیر کوئی ذات موجود ہو، غرضیکہ اگر کوئی ذات وراء ذات حق موجود ہو تو اس صورت میں وہ صفات حق سے خالی نہیں ہے اس لیے کہ جو بھی ذات ذات مطلق سے علیحدہ ہو وہ حرکت وسکون فناء و بقاء ابتدا و انتہا سے خالی نہیں ہوتی اور ان کی ذات صفاتِ الٰہی ہے اور پہلے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جملہ صفات صرف اللہ کے لیے ہیں پس یہ ثابت ہوا کہ نہیں ہے کوئی ذات بغیر ذات الٰہی کے، اس سے اور زیادہ وضاحت سے عرض کرتا ہوں قال اللہ تعالیٰ یا ایھا الذین امنوا امنوا باللہ یعنی جو لوگ اللہ پر بدیں طور ایمان لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور تمہارے پہلے سے موجود ہے اپنی تمام صفات کمالیہ سے موصوف ہے لیکن تمہارا غیر نہیں ہے چونکہ نقص و زوال سے پاک ہے بلکہ یہ موصوف تم خود ہو، پس اس طرح ایمان لاؤ کہ تم صفات کمالیہ سے موصوف ہو لیکن اس حیثیت سے کہ تم نہیں ہو جب اس طرح ایمان لاؤ گے تو مومن ہو جاؤ گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود کہا ہے واللہ المؤمن، کسی دیوانہ و یگانہ نے کیا خوب کہا ہے۔

اشعار

بیروں ز حد دو کائنات است دلم	بیروں ز احاطہ جہان است دلم
فارغ ز تقابل صفات۔ است دلم	مرأت تجلیات ذات است دلم

شیخ عبدالرزاق نے اپنے ایک دوسرے رسالہ میں لکھا ہے کہ قریب ترین راہ الٰہی ذکر حق ہے جس کی بہترین صورت یہ ہے کہ قصور شیخ کرے اور جس کو اللہ تعالیٰ تصور شیخ نصیب کرے، اس سے زیادہ بہتر اور کوئی کام نہیں ہے۔

مرید اگر کوئی اور ریاضت نہ کرتا ہو لیکن صرف گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر تصور شیخ کرے تو یہی اس کو اللہ تک پہنچا دیتا ہے، مبتدی کے لیے تصور شیخ ضروری ہے اس لیے کہ عالم الٰہی وہ عالم معنی ہے جس کو دیکھنا ممکن نہیں ہے البتہ صاحب کمال کی صورت زیر نظر رکھنا ضروری ہے کیونکہ انسان کامل کی ذات دراصل اللہ کی ذات ہے اور اس کے کمالات کا مظہر ہے۔

شعر

مظہر تام غیر انساں نیست　　که ہمہ کون را مسخر کرد

انبیاء و اولیاء راحق بداں　　سر مخفی کردہ ام باتو بیاں

مجھ عبدالرزاق کو میرے پیرو مرشد نے اپنے تصور کو چار پایہ ہو کر ہمیشہ نظر رکھنے کا حکم دیا چنانچہ میں تصور شیخ میں ایسا مشغول ہوا کہ ذکر کرنا بالکل چھوڑ دیا، البتہ نماز فرض اور سنت موکدہ ادا کرتا رہا۔

غرضیکہ جو کوئی اپنے شیخ کے تصور میں مشغول ہو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہے اگرچہ کوئی ریاضت نہ کرے، کیونکہ جو صاحب حق اپنے شیخ کی اطاعت کرتے ہوئے ان کے رخ روشن کی نورانیت کو اپنے آئینہ قلب میں درخشاں کریگا تو وہ شیخ کی صفائی باطن کی وجہ سے ان کو خود اپنے اندر پائے گا اور جو فیض و برکات شیخ کو حاصل ہیں وہ اس مرید کو بھی حاصل ہو جائیں گی جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: ماصب اللہ فی شیئا الا وقد صببتہ فی صدر ابن ابی قحافة

ترجمہ:- جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا ہے وہ میں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دل میں ڈال دیا ہے۔

حضرت پیرو مرشد کا تصور مجھ پر اتنا غالب آیا کہ لوگ تو چاند کو دیکھتے تھے اور میں اپنے پیرو مرشد کو دیکھتا تھا اور آخر میں تصور شیخ کا اتنا غلبہ ہوا کہ فقیر کو ہر چیز میں شیخ نظر آتا تھا، دیوار و در شجر و حجر جس چیز کو دیکھتا تو صرف پیرو مرشد کا جمال ہی دکھائی دیتا۔

اشعار

در ہرچہ نظر کردم غیر از تو نمی بینم !　　غیر از تو کسے باشد حقا کہ محال است ایں

در ہرچہ نظر کنم بتحقیق !　　جز نور رخ تو نیست منظور

شیخ امان رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی

۸۷۶ھ.................۹۹۷ھ

آپ کا نام عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ اور امان اللہ لقب تھا لیکن عام طور پر لوگ امان کے

لقب سے زیادہ یاد کرتے تھے، آپ ایک صوفی اور توحید پرست عالم تھے اور شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے متبعین میں سے تھے، جماعت صوفیاء میں بلند مرتبہ رکھتے تھے، مسئلہ توحید کی تقریر میں ماہر تھے توحید کی باتیں صاف صاف بیان کرتے اور کہتے تھے کہ آج اگر عدل و انصاف موجود ہوتا تو میں توحید کو برسر منبر اس طرح وضاحت سے بیان کرتا کہ اس میں کسی کو انکار کی گنجائش نہ رہتی، نیز فرمایا کرتے تھے کہ ابتداً مجھے صرف دو دلیلیں یاد تھیں لیکن اب اللہ کے فضل سے سولہ ۱۶ دلیلیں یاد ہیں، شیخ امان رحمۃ اللہ علیہ نے علم تصوف و توحید میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں ان میں سے ایک کتاب ''اثبات الاحدیت'' ہے جس میں اللہ کے حاکم علی الاطلاق ہونے اور کائنات کے حقائق کو علم الیقین کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے کہ گویا آنکھوں دیکھا ہو، اور علم کے مطابق کامل ذوق کو کلمات محققین واہل توحید کے موافق تحریر کیا ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس اللہ سرہٗ کی کتاب لوائح کی کافی مبسوط تفصیلی شرح لکھی ہے جس کے اول میں نہایت جامع اور مفید ایک مقدمہ لکھا ہے۔

تہذیب اخلاق و عادات میں بلند مقام رکھتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ درویشی میرے نزدیک دو چیزوں میں ہے، ایک خوش اخلاقی اور دوسری محبت اہل بیت، اور محبت کا کامل درجہ یہ ہے کہ محبوب کے متعلقین سے بھی محبت کی جائے، اللہ سے کمال محبت کی نشانی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کی علامت یہ ہے کہ آپ کے اہل بیت سے محبت ہو۔

حکایت ہے کہ اگر آپ کے پڑھتے پڑھاتے آپ کی گلی سے سید زادے کھیلتے کودتے نکلتے تو آپ ہاتھ سے کتاب رکھ کر سیدھے کھڑے ہو جاتے اور جب تک سید زادے موجود رہتے آپ بیٹھتے نہ تھے۔

تصوف میں مشرب ملامتیہ رکھتے تھے، آپ کی مجلس وصحبت میں دنیا کی باتیں کسی کی غیبت اور بے ہودہ گفتگو نہیں ہوتی تھی، اکثر اوقات اشاعت علوم اور ذکر حق میں بسر کرتے تھے اور تصوف کی کتابوں سے مانوس تھے ان کے پڑھانے میں ہمیشہ مشغول رہتے تھے اور فرماتے تھے اے اللہ ہم کو صوفیاء کے اقوال و افعال سے بہرور کر، نیز فرمایا کرتے تھے کہ علم تصوف کا قول عین حال ہے اور کہتے کہ ہر ایک کو کسی خاص چیز کی رغبت ہوتی ہے اور مجھے

کتب تصوف کی رغبت ہے، اگر کوئی طلب گار حق آپ کے پاس آتا تو اس سے فرماتے کچھ پڑھو کیونکہ ہمارا طریقہ یہی ہے اسی وجہ سے لوگوں کا ہجوم آپ کے پاس نہیں ہوتا تھا آپ کی کوئی علیحدہ خانقاہ نہیں تھی، طالبوں کو عشق صورت سے منع کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس میں مبتلا ہونے سے مبتدی کا کام رک جاتا ہے، اپنی آسائش اور خواب وخور کے لیے کوئی چیز اپنے پاس نہ رکھتے تھے، زمین پر لیٹتے تھے اور غذا تھوڑی کھاتے تھے اور ہر حالت میں فقیروں کو سلوک کی تعلیم دیتے تھے۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک درویش حاضر ہوا اور کہا کہ آسمان سے میرے لیے ہزار گائے آئیں جنہیں ابھی ابھی چند مغل ہانک لے گئے ہیں بس آپ کھڑے ہو جائیے اور ان سے میری گائے دلوائیے، حاضرین نے یہ بات سن کر مذاق اڑایا لیکن آپ نے ان کو منع کیا اور فرمایا ہر درویش سے محبت کرنا چاہئے بعد میں آپ نے اس درویش کے لیے کھانا منگوایا وہ کھاپی کر سو گیا اس کا پہلا جذبہ ختم ہو گیا، جب وہ درویش وہاں سے رخصت ہو گیا تو آپ نے اپنے دوستوں سے فرمایا کہ مجذوبوں کو بہت سی چیزیں دکھائی دیتی ہیں جن کا کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جاسکتا، عالم نمود میں سب کچھ موجود ہے۔ کیا تعجب ہے کہ اس نے یہ واقعہ بھی دیکھا ہو۔

کہتے ہیں کہ بعض اوقات آپ کی فرض نمازیں بھی قضا ہو جاتی تھیں کیونکہ آپ اکثر ذکر میں مشغول و منہمک رہتے تھے اور چونکہ علم و حال صداقت و کمال ان کی خاص صفات تھیں اس لیے ان کی طرف کوئی برا خیال نہیں کیا جاسکتا، ساری رات بیدار رہتے اور اسی بیداری میں کئی دفعہ اٹھ کر وضو کرتے پھر وجد کی حالت میں نعرے لگاتے، باقی حقیقت حال اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

حکایت ہے کہ ایک بار شیخ امان کو اس حالت میں دیکھا گیا کہ وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے اور سورۂ فاتحہ میں ایاك نعبد و ایاك نستعین پوری طرح نہ پڑھ سکتے بلکہ اس کو بار بار دہراتے یہاں تک کہ بیہوش ہو کر گر پڑتے، نماز پڑھتے وقت آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا اور قیام کی طاقت نہ رہتی، واللہ اعلم بحقیقت الحال۔

آپ شیخ محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور شیخ مودود لاری کے شاگرد تھے اکثر سلسلوں

سے تعلق رکھتے تھے اور مسلک قادریہ میں دو واسطوں سے نعمت اللہ شاہ ولی تک پہنچتے ہیں، تمام مسلکوں میں سے مسلک قادریہ آپ پر غالب تھا۔

حکایت ہے کہ شیخ امان اپنے دوستوں سے ملنے دہلی آیا کرتے تھے آخری مرتبہ جب دہلی سے جانے لگے تو اپنے دوستوں سے کہا کہ اس مرتبہ لمبا سفر کرنا ہے اس پر آپ کے مخصوص دوست شیخ زکریا اجودھنی نے کہا کہ ہم بھی آپ کے ساتھ سفر میں رہیں گے آپ نے جواب میں فرمایا کہ اگر ظاہری سفر ہوتا تو آپ ساتھ ہوتے لیکن یہ دوسرا سفر ہے اس لیے میں آپ کو اللہ کی حفاظت میں دیکر جا رہا ہوں پھر بعد میں گھر جا کر آپ نے ہر چیز کو دیکھا اور ان سے رخصت ہوئے، قرآن شریف کو کھول کر دیکھا اور فرمایا اے کتاب کریم میں نے تجھ سے استفادہ کر کے بے حد فائدے اٹھائے، اسی طرح کمرہ اور کمرے کی ہر چیز کو وداع کہا اسی حالت میں آپ کو بخار چڑھ گیا تو آپ نے فرمایا بہت سا پانی گرم کرو اور نئے لوٹے لے آؤ تا کہ عمر بھر کے وسوسے دور ہو جائیں۔

گیارہ ربیع الثانی کو غوث الثقلین کا عرس کیا اور کہا کہ غوث پاک سے پہلے قدم اٹھانا درست نہیں چنانچہ اس دن عرس کے لیے جو کھانا پکوایا تھا تقسیم کر دیا۔

بارہ ربیع الثانی کو آپ پر سکرات موت کا غلبہ ہوا تو آپ نے اسی حالت میں کہا مشائخین طریقت کھڑے ہیں اور فتویٰ توحید طلب کر رہے ہیں چنانچہ کلمات توحید آپ کی زبان پر جاری تھے۔ بارہ ۱۲ ربیع الثانی ۹۹۷ ہجری کو آپ نے انتقال فرمایا۔

آپ کے شاگرد معتقد بکثرت ہیں جن میں سے شیخ تاج الدین بن زکریا اجودھنی بھی آپ کے شاگرد تھے جو کہ حسن خلق اور معرفت کتب توحید و تصوف میں آپ کے برابر تھے، اور دوسرے شیخ رکن الدین صاحب ذوق تھے، گفتگوئے توحید اور وجدانیات میں ممتاز تھے، پہلے آپ ہی استفادہ کرتے رہے اور بعد میں شیخ سلیم سیکری کے پاس پہنچے، نیز شیخ حسین چشتی جو کہ خطاطی جودت طبع، شعر گوئی، ذوق و حال میں امتیازی نشان رکھتے تھے ان کا یہ شعر اب تک زندہ جاوید ہے۔

شعر

چنیں کہ بر پر طاؤس قیس را میلے است   مگر درد اثرے پائے ناقہ لیلیٰ است

اورایک شیخ مولانا حسن نقشی ہیں جو کہ خطاطی میں ماہر اور مہر بنانے میں بے نظیر تھے، آپ بڑے بابرکت، سخی، بیدار دل، خوش وقت، خوش خلق، ولی خصلت پاکیزہ دل اور اپنے دوستوں کی بڑی خاطر و مدارات کیا کرتے تھے، آپ شیخ بہلول کے مرید تھے لیکن شیخ امان کی خدمت اور محبت وصحبت کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتے تھے۔

شیخ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ

مجھ مصنف کتاب اخبار الاخیار کے والد ماجد تھے، آپ اپنے پیر و مرشد شیخ امان سے نہایت درجہ محبت و اعتقاد رکھتے تھے، اکثر اوقات ان کے ذکر سے رطب اللسان رہتے تھے اور فرماتے کہ ہمارے پیر و مرشد کسی حالت میں بھی وجد و حال گریہ وزاری اور جوش سے خالی نہیں رہتے تھے، آپ کے تمام دوست احباب آپ سے اس طرح ملتے تھے جس طرح شاگرد اپنے استاد سے ملتے ہیں بخلاف اس کے والد بزرگوار کو آپ سے محبت کے ساتھ ارادت بھی تھی، والد بزرگوار فرماتے تھے کہ میری عمر سات برس کی تھی اس وقت سے مجھ کو درویشوں کا درد طلب اور شوق بندگی ہے، فرماتے تھے کہ میں بہت سے درویشوں کے پاس پہنچا لیکن شیخ امان کے یہاں مقصد پورا ہوا اور پیر و مرشد کے ذریعہ سے جو قلبی لگاؤ حاصل ہوا وہ کسی اور سے میسر نہیں ہوا اس وجہ سے پیر و مرشد نے والد بزرگوار کو اپنی عنایات کے ساتھ مخصوص کر کے خرقہ خلافت پہنا دیا اور پہلے اپنے ہاتھ سے ایک خط لکھا جس میں مسودۂ خلافت اور مختلف اقوام کے علوم بھی تحریر کیۓ اور یہ سب کچھ میرے حوالہ کر دیا نیز والد نے شغل قلب جس کو سجدہ قلب کہتے ہیں آپ سے حاصل کیا اور کتب تصوف سے بعض مقامات جو ضروری تھے راہ تصوف کے لیے شیخ سے پڑھا، میرے والد ماجد نے پہلے کسی سہروردی بزرگ سے بیعت کی تھی لیکن جب شیخ امان کی خدمت میں حاضر ہوۓ تو آپ کی محبت غالب آگئی تو والد ماجد نے عرض کیا کہ میں پہلے بیعت کر چکا ہوں لیکن آپ کی محبت غالب ہے اب بتائیے کیا کیا جاۓ، شیخ امان نے جواب میں فرمایا کہ کوئی پرواہ نہیں ہے اس لیے کہ

ہر انسان کے لیے ضروری ہے کہ اپنے محبوب سے تعلق رکھے اور اس دنیا میں محبت و الفت کا اعتبار صحیح ہے اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اچھا اپنے حالات و تصورات سے کچھ بیان فرمائیے، میں نے جواب میں عرض کیا کہ میرا کوئی حال نہیں ہے، اس لیے میرے تصورات و حالات کیا ہوں گے۔

شیخ نے فرمایا کہ میں نے اس لیے پوچھا تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ آپ کی طبیعت کا میلان کس طرف ہے، میں نے جواب میں عرض کیا کہ مجھے اکثر اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمین سے عرش تک تمام عالم میرے احاطہ میں ہے اور میں سب پر محیط ہوں، شیخ نے فرمایا کہ تمہارے اندر تخم توحید موجود ہے، اس کے بعد شیخ نے میری تربیت کی اور تلقین فرمائی، ایک رات آپ نے مجھے اپنی خاص خلوت گاہ میں طلب فرمایا اور کہا کہ ایک راستہ وہ ہے جس سے دو قدم میں اللہ تک رسائی ہو جاتی ہے اور ایک راستہ وہ ہے جس سے ایک ہی قدم میں اللہ تک پہنچ جاتے ہیں جس کی حقیقت یہ ہے کہ وجود ہو یا عدم۔ رہا عدم جو دراصل کوئی چیز ہی نہیں ہے، اس لیے صرف وجود ہی رہ جاتا ہے اور وجود ہی حق ہے اور اسی راستہ سے ایک قدم میں اللہ تک رسائی ہو جاتی ہے اور اسی کو سجود قلب کہتے ہیں، اس کے بعد فرمایا کہ پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا، آگ میں کودنا یہ سب چیزیں تو آسانی حاصل ہو جاتی ہیں لیکن سجود قلب مشکل سے حاصل ہوتا ہے۔

کتاب کے خاتمہ پر انشاء اللہ تعالیٰ والد ماجد کے حالات و کلمات تحریر کیے جائیں گے اب شیخ امان رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ اثبات احدیت کی کچھ عبارت نقل کرتا ہوں، انہوں نے رسالہ کی ابتداء میں لکھا ہے کہ محققین عرفاء، دور نگاہ رکھنے والے، وحدت وجود کے قائلین اور فائزان سعادت و معرفت و شہود کا ارشاد ہے کہ ہم کو کشف وجدان کے ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقت وجود کا عین ہے اور تمام موجودات کے ساتھ ظاہر و مشہود ہے، بعض صوفیوں نے وحدت الٰہی کو نئے زاویہ نگاہ سے سمجھا اور انوکھے انداز میں بیان کیا ہے۔

صوفیائے کرام کی دو ۲ قسمیں ہیں جن کے نظریات کے نتائج علیحدہ علیحدہ سپرد قلم ہیں تا کہ حق و باطل اور ناقص و کامل میں فرق ہو سکے، جان لو کہ جناب مولانا جلال الدین رومی نے اپنی رباعیات کی شرح میں لکھا ہے کہ بعض قاصروں نے جب محققین سے یہ سنا کہ اللہ

تعالیٰ عین ذات وجود ہے تو یہ مطلب سمجھے کہ اللہ تعالیٰ تمام موجودات کے درمیان جامعیت مشترکہ رکھتا ہے، اور جب انہوں نے علمائے عقلیہ سے یہ سنا کہ اللہ تعالیٰ کلی طور پر موجود نہیں ہے بلکہ ضمن افراد میں موجود ہے تو اس سے یہ معنی اخذ کئے کہ اللہ تعالیٰ موجود نہیں ہے مگر ضمن افراد ممکنات میں اس کا وجود ممکنات کے وجود پر موتوف ہے۔ اس کی صفات کا انحصار ممکنات کی صفات میں ہے یعنی جس طرح ممکنات کا علم ہے اس طرح علم باری تعالیٰ ہے اور یہی حال قدرۃ و دیگر صفات کا ہے جس طرح انسان گفتگو کرتا ہے اسی طرح خدا گفتگو کرتا ہے، غرضیکہ یہ لوگ جہالت اور گمراہی میں ہیں اس کے بعد کہتے ہیں کہ مجھے اس قسم کے لوگوں سے ملاقات کا اتفاق ہوا ہے جب انہوں نے یہ کہا کہ وجود باری تعالیٰ منحصر ہے ضمن وجود کائنات میں، اور اللہ کا علم و کلام منحصر ہے ممکنات کے علم و کلام میں تو میں نے ہمیشہ یہی جواب دیا ہے کہ آپ کے اس قول سے لازم آتا ہے کہ بعض ممکنات حق کو معلوم ہو جائے اور بعض معلوم نہ ہوں جیسے بارش کے قطرات اور ریگستان کے ریت کے ذروں کی تعداد کسی انسان کو معلوم نہیں ہے اور تمہارے دعویٰ کے پیش نظر لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ان سے جاہل رہے اور نیز اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ ممکنات خود بخود پیدا ہو گئے ہیں بغیر موجد کے اس لیے کہ ممکنات کے لیے موجد سوائے حقیقت وجود کے اور کوئی چیز نہیں بن سکتی ہے اور حقیقت وجود کو انہوں نے امر مشترک تسلیم کیا اور جو برا نتیجہ اس سے نکلتا ہے یہ لوگ اس سے بے خبر رہے۔

بعض اس طرح کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تنہا موجود تھا اس کے ساتھ کوئی چیز موجود نہ تھی لیکن صرف اس کی تجلی کی وجہ سے جیتی جاگتی پیدا ہو گئیں اور اللہ ان تمام چیزوں میں حلول کئے ہوئے ہے اور ممکنات کے وجود کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا کوئی مستقل وجود نہیں ہے بلکہ وجود باری تعالیٰ وجود ممکنات میں مخفی ہے، یہ گروہ اس اعتبار سے کہ وجود باری تعالیٰ کو قدیم اور ظہور و بروز سے قبل مستقل مانتا ہے پہلی جماعت سے بہتر ہے، لیکن ظہور و بروز کے بعد دونوں کے خیالات ایک طرح کے ہیں بغیر کسی کمی بیشی کے، یہاں پر بہت سی مباحث ہیں، قبل اس کے ان عقائد کو دلائل عقلیہ و نقلیہ سے غلط ثابت کیا جائے ان کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

ان لوگوں نے جو یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ متعین نہیں ہے ورنہ ذات باری کا متشخص ہونا لازم آتا ہے، یہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ ہر موجود جو کسی وجود سے موجود ہوتا ہے چاہے اس کا وجود حقیقی ہو یا اعتباری، عینی ہو یا علمی، لفظی ہو یا خطابی بغیر تعین کے نہیں ہوتا ہے اس لیے کہ موجود کے لیے تمیز وامتیاز ضروری ہے اور تمیز وامتیاز متلزم ہے تعین کو، پس لامحالہ ہر موجود کے لیے تعین ضروری ہے خواہ تعینات مطلقہ ہو اس طرح پر کہ اس کا تعین شرکت تعینات عالم سے مانع نہ ہو، جیسا کہ حقیقت مطلقہ کہ سارے حقائق عالم کا اصل ہے اور سب پر صادق آتا ہے، اگرچہ فی نفسہٖ متعین ہے خواہ اخص تعینات کے ساتھ ہو، یعنی اس کا تعین شرکت غیر سے مانع ہو جیسے تعین زید وعمر، ان کا تعین سوائے ان کے اور کسی چیز پر صادق نہیں آتا ہے۔ چاہے اعم من وجہ واخص من وجہ کے ساتھ ہو مانند حقائق کلیہ متوسطہ کے کہ وہ حقیقت سے زائد ہوں یا عین حقیقت ہو، راز اس میں یہ ہے کہ ہر موجود جسمی ترکیب ہے اس کا تعین وامتیاز حقیقت سے زائد ہے جیسا کہ مثال کے طور پر اگر موجود قائم بذاتہ ہو تو اس کو جوہر کہتے ہیں اور اگر قائم بذاتہ نہ ہو تو اس کو عرض کہتے ہیں، بلاشک اس کا تعین وامتیاز ان کی حقیقت مشرکہ سے زائد ہے اور وہ موجود جسمی ترکیب نہیں ہے بلکہ واحد بوحدہ حقیقی ہے اس کا تعین عین حقیقت ہے اگر ایسا نہ ہو تو وہ واحد نہیں رہے گا جبکہ وہ واحد ہے پس لامحالہ غیر ذات موجود بنفسہ قائم بذاتہ متعین بنفسہ نہیں ہوتا ہے لیکن وہ ذات جس کو وجود مل جائے اسے اپنی ذات سے تمیز وامتیاز مل جاتا ہے اور وہ قائم بنفسہ ومتعین بذاتہ ہوتا ہے یعنی اس کا وجود عین ذات ہے اور ذات خود بخود متعین ہے اس قسم کا وجود سوائے وجود مطلق اور ذات باری تعالیٰ کے اور کوئی نہیں ہوسکتا ہے، وجود حق تعالیٰ عین ذات باری تعالیٰ ہے اسی طرح تعین بھی عین ذات ہے، اس مقام میں تعین اپنے نفس میں وہی فائدہ دے گا جو تعین خارجی خارج کے اندر فائدہ دیتا ہے۔

محققین علیہم الرحمتہ فرماتے ہیں، یہ ظاہر ہے کہ موجودات متعینہ کا سلسلہ غیر متعین تک پہنچتا ہے، چونکہ ہر متعین مسبوق ہے بلاتعین کے ساتھ اور ہر متعین چاہتا ہے کہ پہلے کوئی غیر متعین ہو اس لیے کہ تعین کے لیے ایک مبداء ومحل کی ضرورت ہے جس کو وہ عارض ہو لامحالہ کوئی غیر متعین ہوگی اور اس غیر متعین کے لیے ضروری ہے قبل عروض تعینات وتقیدات خود بخود موجود ہوتا کہ تعینات کو عارض ہوں، اس لیے کہ یہ قانون ہے کہ ثبوت فرع ہے وجود

مثبت لہ کا، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ماہیات قطع از تعینات و تمیزات سے موجود نہیں ہے تا کہ ان کو کوئی چیز عارض ہو سکے بلکہ ماہیت نام ہے اعراض و تعینات کے لیے چنانچہ اس کو ہم دلائل سے واضح کرتے ہیں کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں جب حقائق موجودات کو تحلیل کیا جاتا ہے تو بجز اعراض کے اور کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی ہے، مثال کے طور پر جب کہا جاتا ہے کہ انسان حیوان ناطق ہے، ناطق و حیوان جسم نامی ہیں جو متحرک بالا رادہ ہیں اور جسم ایک ایسا جوہر ہے جو ابعاد ثلاثہ کو قبول کرتا ہے اور جوہر موجود فے الموضوع ہے اور جوہر کے لیے تحقق و حصول ثابت ہے، اس وقت اس میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ قلیل اعراض میں سے ہے بخلاف اس ذات مبہم کے جو ان میں موجود ہے جیسا ناطق میں مبہم ہے ذات من کہ نطق اور نامی میں ذات من لہ نمو ہے یہ اپنے وجود پر قائم ہے، اگر ایسا نہ ہو تو اعراض اس کے ثابت نہیں ہوتے ہیں حالانکہ یہ سارے کے لیے معروض ہے، لامحالہ یہی ذات مبہم غیر متعین و مطلق اور عین وجود محض اور ذات بحت ہے جو اپنی ذات پر قائم ہے اور اعراض کے لیے مفہوم ہے اور ہر تعین کے ساتھ اس کا علیحدہ ایک نام و احکام و آثار ہے۔

صوفیہ کے نزدیک ذات مبہم موجود خارجی ہے اور مطلق حقیقی ہے اس میں کسی قسم کا تعین و تعدد و تکثر ممکن نہیں ہے ورنہ مسبوق بلا تعین لازم آتا ہے غرضیکہ وجود مطلق نہ کلی ہے نہ جزی، نہ عام ہے نہ خاص نہ واحد ہے نہ کثیر، نہ مطلق ہے نہ مقید بلکہ سارے قیودات سے مطلق ہے حتیٰ کہ قید اطلاق سے بھی، اگر مقید کیا گیا قید اطلاق کے ساتھ تو اس میں ضروری ہے کہ وصف سلبی مراد لی جائے یعنی لابتقید بشیء، اطلاق سے مراد ضد تقید نہ ہو بلکہ مطلق ہو کثرت و وحدت سے اور جمع بین الاطلاق و تقید سے، اس صورت میں نسبت ثبوتیہ اور سلبیہ برابر ہوں گی، اس کو کشف صریح اور ذوق صحیح سے تسلیم کیا جاتا ہے باقی عقل جمع بین اضداد کا منکر ہے اس موجود حقیقی میں سارے اضداد مجتمع ہیں اور ایک دوسرے کے عین ہیں اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ محکوم علیہ نہیں بن سکتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ نسبتوں کا اس کی حقیقت میں کوئی دخل نہیں ہے اگر خارج میں ان کے ذریعہ سے موجود ہوتا ہے جیسا کہ اہل ظاہر نے کہا ہے ماہیات کے متعلق کہ نہ وہ کلی ہیں نہ جزئی اس کا معنی یہ ہیں کہ نسبت کلی و جزئی کو ماہیت میں کوئی دخل نہیں ہے بلکہ یہ نسبت زائد ہے اگر اس کے ساتھ کلی کو اعتبار کیا جائے تو

کلی ہو جائیں گی اور اگر جزئ کو اعتبار کیا جائے تو جزئ ہوگی، اور اگر کسی بھی نسبت کو اعتبار نہ کیا جائے تو موجود جامع بین اضداد ہوگا اس صورت میں نہ وہ اول ہے نہ آخر نہ ظاہر ہے نہ باطن، اول بھی ہے آخر بھی، ظاہر بھی ہے باطن بھی، اول اس جہت سے کہ آخر ہے اور آخر اس جہت سے کہ اول ہے اور ظاہر اس حیثیت سے کہ باطن ہے اور باطن اس وجہ سے ہے کہ ظاہر ہے یہی حال دیگر اضداد کا ہے۔

سوال:- یہ بات مشہور ہے کہ جو چیز خارج میں موجود ہوتی ہے وہ متعین ہوتی ہے اور جو چیز متعین ہوئی وہ مطلق نہیں ہوسکتی اس قاعدہ کے ماتحت ذات باری تعالیٰ خارج کس طرح مطلق ہوسکتی ہے؟

جواب:- مطلق کے وہ معنی مراد نہیں ہیں جو فلسفی کہتے ہیں بلکہ مطلق سے مراد یہ ہے کہ وہ اس قسم کا تعین ہے جو دوسرے تمام تعینات کے منافی نہیں ہے بلکہ جامع ہے سارے تعینات کو جو اسے لاحق ہوتے ہیں مراتب تنزلات میں اور اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ مطلق نے نفسہ متعین نہ ہو ایسے تعین کے ساتھ جو کلیہ و اطلاق سے خارج ہو بلکہ وہ اپنی ذات وحقیقت کے اعتبار سے خارج میں متعین ہے اور دیگر تعینات کے اعتبار سے مطلق ہے، متعین اور مطلق دونوں ہے اور اس کے تعین و اطلاق میں کوئی منافات نہیں ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ کلی طبعی بعض عقلاء کے نزدیک خارج میں موجود ہے اس کے باوجود وہ کلی ہے اور اس کا وجود خارجی کلی ہونے کے لیے منافی نہیں ہے اگرچہ بعض حضرات کے نزدیک وجود خارجی اور کلی ایک دوسرے کے منافی ہیں اس وجہ سے وہ کلی طبعی کو موجود نہیں مانتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وجود مطلق کا تعین مثل تعینات متعینہ نہیں ہے اس لیے کہ تعینات متعینہ کسی اور تعین کے مقابلے میں آتے ہیں اور اس کے ساتھ جمع نہیں ہوتے ہیں، بخلاف تعین وجود مطلق کے کہ اس میں تغایر و تقابل نہیں ہے بلکہ عین ہے تعین علوی و سفلی وصوری و معنوی کا، اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ وجود خارجی اطلاق کے لیے منافی نہیں ہے بلکہ وہی موجود متعینہ خارجیہ مطلق ہے اطلاق حقیقی کے ساتھ، جس سے کہ بہت سے کمالات میں تجلی کر کے اپنے آپ کو صور متعینہ اور موجودات متکثرہ میں نمودار کیا، اس کے ساتھ قبل البروز والی حالت میں جو احدیت تھی وہ بھی باقی ہے، گویا اس میں تعدد صوری ہے، واحدیت معنوی،

اس طرح پر کہ اگر چہ ذات باری تعالیٰ اس حیثیت سے کہ وہ عین ذات ہے آنکھوں سے نظر نہیں آتا ہے لیکن بصیرت فہم سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودات کی نسبت ذات باری تعالیٰ سے باعتبار تمایز وتغایر اس طرح ہے کہ جب موجودات لونیہ میں سے دو صورۃ ہوں گی تو اللہ تیسرا ہے اور جب موجودات تین صورۃ ہوں گی تو باری تعالیٰ چوتھا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں مذکور ہے، **مایکون من نجویٰ ثلاثة الاهو رابعهم ولا خمسة الاهو سادسهم ولا ادنی من ذالك ولا اکثر الاهو معهم**۔ ترجمہ:۔(تین آدمی سرگوشی نہیں کرتے ہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چوتھا ہے اور سرگوشی نہیں کرتے پانچ آدمی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کا چھٹا ہے نہ اس سے کم نہ زیادہ مگر یہ کہ خداوند تعالیٰ ان کے ساتھ ہے۔)

اگر باری تعالیٰ عالم کا غیر نہ ہو تو یہ آیت صحیح نہ ہوگی حالانکہ آیت صحیح ہے تو لامحالہ باری تعالیٰ عالم کا غیر ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ غیریت بحسب حقیقت ممکن نہیں، لامحالہ بحسب تعین وتقید ہوگا، اس صورۃ میں ضروری ہے کہ ذات سبحانہ کے لیے ایک تعین اور افراد عالم کے لیے مستقل تعینات ہوں اور وحدت معنوی اس طرح پر ہے کہ موجودات روحانی وجسمانی کا عین نہ ذات خداوندی ہے یہی حالا ہوتہ کا ہے وہ عین ہے غیر نہیں ہے اگر حق سبحانہ وتعالیٰ کو احدیت ذاتیہ وہویہ عینہ کے لحاظ سے دیکھا جائے تو تمام عالم اس میں پوشیدہ ہے اور وہ عالم کا عین ہے۔

اور اگر حالت ظہور کا لحاظ کیا جائے تو خود باری تعالیٰ ان کی صورتوں میں جلوہ نما ہے دونوں صورتوں میں غیرت کا سوال پیدا نہیں ہوتا ہے بجز اس کے کہ تقید وتعین کا لحاظ کیا جائے۔ غرضیکہ غیریت باعتبار صورت ہے اور عینۃ بلحاظ حقیقت ہے جیسا کہ قرآن شریف میں ہے واللہ من ورائهم محیط، کشف صریح اور ذوق سلیم سے دو حیثیت کو تسلیم کیا گیا اور ان کے لیے علیحدہ علیحدہ احکام وآثار ثابت کیا گیا۔

محققین کاملین اور عارفین مدققین کی معرفت یہ ہے کہ کثرت بالکل ختم ہو جائے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کثرت حقیقی وتغایر نفس الامری کو تسلیم نہ کیا جائے اور تغایر صوری وغیریت اعتباری کو مان لیا جائے تا کہ وحدت وکثرت اپنے اپنے مقامات میں برقرار رہ سکے اور ہر ایک کے لیے احکام وآثار کا ثبوت ہو، یہ لوگ نہ ثبوت عالم کے قائل ہیں جس طرح کہ اہل

ظاہر قائل ہیں اور نہ عدم عالم کے قائل ہیں جیسا کہ اہل باطن مانتے ہیں، بلکہ ثبوت و نفی دونوں کے قائل ہیں نہ کہ عالم کو غیر حق سمجھتے ہیں اور نہ حق سبحانہ کو وراء عالم تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ حکماء متکلمین نے کیا تھا، نہ عالم کو عین ذات حق تعالیٰ کہتے ہیں، نہ حق سبحانہ کو عین عالم بتلاتے ہیں جس طرح کہ اہل توحید نے تسلیم کیا تھا، بلکہ یہ گروہ عالم کو عین ذات و غیر ذات تسلیم کرتا ہے، غرضیکہ یہ لوگ وحدت حقیقی احدیت معنوی کے اعتبار سے عینیت کے قائل ہیں اور بلحاظ تعدد صوری و غیریت اعتباری غیریت ماننے والے ہیں، ان کی عینیت غیریت کی منافی نہیں ہے اور غیریت عینیت کی منافی نہیں ہے، حق سبحانہ و تعالیٰ من وجہ وراء عالم ہے اور من وجہ وراء عالم نہیں ہے نیز عالم بھی من وجہ وراء حق سبحانہ، ہے اور من وجہ عین باری تعالیٰ ہے۔

اس تحقیق کے پیش نظر تم جو چاہو کہو اپنے متعلق، میں خدا ہوں اور خدا میں ہوں اس لیے کہ حقیقت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے اگر چہ اعتباری فرق ہے یہی ہے جمع بین حقیقت العینۃ اور بین غیریۃ الصوریۃ، تم اگر چاہو کہو کہ میں عین ذات باری تعالیٰ ہوں اس لیے کہ میرا کوئی وجود نہیں ہے یہ سب ذات خداوندی ہے کیونکہ وجود مطلق کے سوا اور کوئی وجود نہیں ہے اس صورت میں میرا وجود کس طرح ہوسکتا ہے اور ذات باری تعالیٰ بھی میں ہوں اس لیے کہ اطلاق معدوم ہے اور مظہر میں بجز تقید کے اور کچھ نہیں ہے لھو اللہ تعالیٰ میرا عین کس طرح بن سکتا ہے، اور میرا وجود بھی اللہ کا عین نہیں ہے اگر چہ موجود ہے وہاں پر، چونکہ وہاں اطلاق ہے اور میرا وجود اطلاق سے خالی ہے اور اللہ اختصاص سے پاک ہے اللہ تعالیٰ میرا عین نہیں ہے اگر چہ مجھ میں موجود ہے، چونکہ باری تعالیٰ تقید سے پاک ہے، میں میں ہوں ثبوت تقید کی وجہ سے، اور تو تو ہے ثبوت اطلاق کی وجہ سے، میں تو ہوں باعتبار اتحاد مظہر ظاہر کے ساتھ باطن کے لحاظ سے، اور اللہ میرا وجود ہے باعتبار اتحاد ظاہر مظہر کے ساتھ بلحاظ ظہور، حق سبحانہ کے لیے کمال ہے وراء ان کمال کے اور وہ کمال ذات ہے بشر کی طاقت نہیں کمال باری کا ادراک کر سکے اور اللہ تعالیٰ اول ہے ابد ہے کسی مقام پر رکتا نہیں ہے اس لیے کہ وہ کمال اسمی و ظہور وصفی ہے اگر چہ بجز غیریت کے متحقق نہیں ہوتا ہے لیکن تقید سے بھی پاک ہے اور اس کا انحصار جہت، دن جہت نہیں ہے بلکہ ساری جہات پر محیط ہے، غرضیکہ

اگرچہ اس کمال میں تعدد وتکثر ہے لیکن اجمال ذات بھی مضمر ہے، لامحالہ اللہ تعالیٰ انحصار سے پاک ہے اس لیے کہ انحصار منافی کمال ہے۔

اشعار

من باتو چنانم اے نگا ختنی | کاندر غلطم کہ من توام یا تو منی
نے من منم و نے تو توئی نے تو منی | من ہم منم و ہم تو توئی ہم تو منی

شیخ امان پانی پتی نے اس رسالہ میں بہت کچھ لکھا ہے کہاں تک نقل کیا جائے، میں نے جتنا نقل کیا وہ مسلک سمجھنے کے لیے بہت کافی ہے باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

سید جلال الدین قریشی رحمۃ اللہ علیہ

۹۲۲ھ.............................۹۴۸ھ

ہم نے آپ کی بابت ایسے عجیب وغریب حالات سنے ہیں جو تقریر وتحریر سے خارج ہیں صاحب حال درویش ومجذوب تھے، اکثر وبیشتر ننگے سر اور ننگے پاؤں رہتے، جنگلوں میں گھومتے تھے، صرف بمقدار ستر عورت کپڑا پہنتے تھے، علوم عقلی ونقلی ودرسی میں آپ کو دستگاہ تھی، جب علمی گفتگو کرتے تو تفصیل سے خوب بیان کرتے، جواں سال تھے کسی آدمی یا کسی چیز سے کوئی تعلق نہ رکھتے، باوجود غلبہ حال کے احکام شرعی کے پابند تھے، آپ کی نظر میں کسی دنیادار کی کوئی عزت نہ تھی، آپ جس شہر یا گاؤں میں جاتے تو وہاں کے لوگ آپ کے معتقد ہوتے اور آپ سے بیعت کرنا چاہتے لیکن آپ کسی کو مرید نہ کرتے اور کہتے کہ میرا صرف ایک مرید ہے جس کا نام ہشام ہے اور وہ جنگلوں میں گشت کر رہا ہے۔

کہتے ہیں کہ آپ کو عالم نسبت سے فیض تھا جس کی وجہ سے آپ عربی فارسی اور ہندی میں گفتگو کرتے اور بات میں بات نکالتے تھے اور خوب بیان کرتے تھے جب گفتگو کرتے کرتے جوش میں آتے تو جنگل کی طرف چل دیتے۔

ملا نور محمد نارنولی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مسجد میں محتسبین کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی نماز فجر کا وقت تھا کہ سید جلال الدین قریشی مسجد میں آئے اور صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھ کر نماز کی نیت باندھ لی، لوگوں کو آپ کی یہ حرکت ناگوار معلوم ہوئی، باوجودیکہ نماز کا

وقت تنگ تھا انہوں نے لمبی قرأت پڑھی اور نماز بھی ننگے سر ادا کی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگ ان امور کو بہانہ بنا کر آپ سے لڑنے لگے، آپ نے فقہ کی اتنی روایات بیان کیں کہ تمام لوگ حیران رہ گئے، آخر میں یہ حدیث پڑھی من ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی ومن ذکرنی فی ملاء ذکرته فی ملاء خیر منه ترجمہ:۔(جس نے مجھے تنہائی میں یاد کیا میں بھی اس کو تنہائی میں یاد کرتا ہوں، جس نے مجھے جماعت میں یاد کیا تو میں بھی اس کو ایک جماعت میں یاد کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہے) پھر اس حدیث شریف پر خوب تقریر کی، دوران گفتگو جب جوش زیادہ ہو گیا تو اٹھ کر جنگل کی طرف چل دیئے۔

کہتے ہیں کہ آپ کے ملفوظات کو ایک معتقد نے جمع کر کے کتابی شکل میں آپ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے اس سے وہ کتاب ملفوظات خود اپنے ہاتھ میں لے کر اس کو ایک کنویں میں ڈال دیا۔

آپ محبت میں انتہا درجہ کو پہنچ گئے تھے اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

شعر

حاصل عشقت سہ سخن وبیش نیست — سوختم و سوختم و سوختم!

اور کبھی یہ مصرعہ پڑھتے تھے۔

مصرع

خام بدم پختہ شدم سوختم

قلندری مشرب رکھتے تھے عبادات میں صرف سنت مؤکدہ وفرض پر اکتفا کرتے تھے، فصوص الحکم اور تصوف کی دیگر کتابیں بخوبی یاد تھیں، پانچ سال تک بلاواسطہ آپ نے کتاب علم حقیقت پڑھی ہے، اس پانچ سال کی مدت میں آپ نے کسی آدمی کا چہرہ نہیں دیکھا تھا، درختوں کے پتے کھا کر زندگی بسر کرتے تھے رجال غیب آپ کے استاد تھے آپ کے مجذوب بننے کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کسی آدمی زاد پر عاشق ہو گئے اور اس کے عشق میں آپ پر جذب کی کیفیت طاری ہو گئی اور آپ مجذوب ہو گئے پھر اجمیر شریف کی

جانب روانہ ہوگئے، صحرائے اجمیر میں ایک روحانی صفت شخصیت کو دیکھا جو بے انتہا خوبصورت تھا چنانچہ آپ اس کے پیچھے لگ گئے کسی آدمی نے آپ سے پوچھا کہ وہ خوبصورت شخص کیا خواجہ خضر تھے؟ جواب دیا خضر نہیں تھے، خضر علیہ السلام کے دیدار کی علامت یہ ہے کہ ان کی ملاقات سے پہلے قدرے بارش ہوتی ہے اور وہاں اس وقت بارش نہیں ہوئی بلکہ یہ رجال غیب میں سے تھا جو سات سو پچاس علوم سے واقف تھا۔

سید جلال الدین قریشی فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے پیر حضرت یوسف کی طرح خوبصورت اور حضرت داؤد کے مانند خوش الحان تھے جب میں ان کا مرید ہوا تو انہوں نے فرمایا جاؤ کسی کی خدمت کرو چنانچہ جب میں باہر نکلا تو ایک آدمی نے مجھ سے کہا نوکری کرو گے میں نے جواب میں کہا کروں گا، آخرکار میں اس کے پاس ملازم ہوگیا اور بہت مال و دولت جمع کیا اور پھر پیر کے کہنے سے تمام مال اللہ کے نام پر خرچ کردیا اسی طرح تین مرتبہ دولت جمع کی اور تینوں مرتبہ پیر و مرشد کے حکم پر لٹادی اس کے بعد اس جنگل میں جس کی کسی آدم زاد کو خبر نہیں ہے ایک کمرہ تھا اور کمرہ میں ایک چشمہ تھا۔ میرے پیر و مرشد کمرے میں رہا کرتے تھے اور میں کمرے سے باہر کھڑا تھا صرف نماز کے وقت ملاقات ہوتی تھی پانچ سال تک یہی کیفیت رہی اس عرصہ میں کسی اور آدمی کی صورت بھی نہیں دیکھی ہے اور میرے پیر و مرشد نے مجھے تین سو سے زائد علوم پڑھائے اور اس کے بعد فرمایا کہ اس سے زیادہ تم میں طاقت نہیں ہے۔

ایک دن وہ رجال غیب جس صحرائے اجمیر میں آپ کی ملاقات ہوئی تھی وہ آپ کے سامنے سے گزرا، آپ اس کے پیچھے بھاگے اور بے انتہا دوڑ دھوپ کے بعد بھی اس سے دوبارہ نہ مل سکے، اکثر و بیشتر گریہ و زاری کرتے نعرے لگاتے اور اپنے پیر و مرشد کی یاد میں یہ اشعار پڑھتے۔

اشعار

دریغا مونسِ تنہائی ما　　　دریغا سرمہ بینائی ما

دریغا دولتے رفت از سرِ ما　　　ہمائے برپرید از کشورِ ما

کبھی یہ شعر پڑھتے تھے۔

شعر

من مست مئے عشقم ہشیار نخواہد شد　　　از رندی و قلاشی بیزار نخواہم شد

حکایت ہے کہ ایک دن آپ کے سامنے کیمیا کا ذکر کیا گیا تو آپ نے تھوکا اور کہا تف ہے علم کیمیا پر، آپ کا تھوک تانبے کے برتن میں گرا جس کے گرتے ہی وہ برتن سونے کا بن گیا اور اس کے علاوہ آپ کے اور بھی خوارق عادات سننے میں آئے ہیں۔

تھوڑے دنوں تک دہلی میں قیام پذیر رہے اس کے بعد بیانہ آگرہ اور ان کے گرد و نواح میں بھی اقامت گزیں رہے، آپ نے ۲۵ سال کی عمر میں ۹۴۸ ہجری میں وفات پائی، آپ کا مزار علاقہ مندو کے ایک موضع میں ہے، اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

میر سید ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ

۸۶۵ھ............................۹۵۳ھ

آپ معین عبدالقادر الحسنی الایرجی کے فرزند تھے، آپ ایک بابرکت بزرگ اور کامل فلسفی تھے، آپ علوم عقلی و نقلی رسمی و حقیقی کے فارغ التحصیل تھے ہر علم کی بے انتہا کتابیں مطالعہ کی تھیں اور ان کی تصحیح بھی کی تھی آپ نے مشکل کتابوں کے مشکل مسائل کو اس طرح حل کر دیا تھا کہ معمولی سی قابلیت کا شخص بھی آپ کے حل مشکلات کو پڑھ کر استاد کی مدد کے بغیر بخوبی سمجھ جاتا تھا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ آپ کے زمانے میں اس وقت دہلی میں کوئی شخص علم و دانش میں آپ کے برابر نہ تھا۔

آپ کے انتقال کے بعد آپ کے کتب خانہ سے اتنی زیادہ کتابیں برآمد ہوئیں جو ضبط تحریر سے خارج ہیں اور ان میں سے اکثر آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں اور واقعہ یہ ہے کہ آپ کے جس ہمعصر نے آپ سے استفادہ نہیں کیا اور آپ کی علمی قابلیت کا اقرار نہیں کیا وہ بڑا ہی بے انصاف ہے۔

میر سید ابراہیم کا دستور تھا کہ لوگوں کی جہالت، ناانصافی اور ناقدری کی وجہ سے گوشہ نشین ہو کر مطالعہ کتب اور ان کی تصحیح میں مشغول ہو جاتے تھے، بہت کم لوگوں کو آپ نے پڑھایا اور عام طور پر لوگ آپ سے استفادہ نہ کر سکے، آپ اپنی کتاب بغرض مطالعہ صرف

اس کو دیتے جس کو مخلص سمجھتے، اللہ ہی جانے اس میں کیا حکمت تھی۔

شیخ عبدالعزیز اور دوسرے صوفیاء نے آپ سے علوم تصوف حاصل کئے، اس کے علاوہ دیگر مشائخ اور بزرگ حضرات بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، آپ نے جس طرح دوسرے علوم وفنون پڑھے تھے اسی طرح درویشوں کی بابرکت صحبت، سلسلے مشائخ اور ان کے خانوادوں کی نسبت اور ادواذ کار وظائف و اشغال، دعوات طریق تربیت وارشاد کے کارنامے بھی حاصل کئے تھے، سلسلہ قادریہ کی طرف آپ کو زیادہ نسبت تھی اور شیخ بہاؤ الدین قادری شطاری کے آپ مرید تھے۔

کہتے ہیں کہ شیخ بہاؤ الدین قادری شطاری نے آپ کی خاطر رسالہ شطاریہ تصنیف کیا ہے کہتے ہیں کہ آپ شیخ نظام الدین کے بلاواسطہ مرید تھے اور انہی سے خرقہ حاصل کیا تھا۔ آپ محفل سماع میں شریک نہیں ہوتے تھے، سنا گیا ہے کہ شیخ رکن الدین بن شیخ عبدالقدوس کہتے ہیں کہ میں ایک دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا آج حضرت خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کا عرس ہے اگر آپ مجلس میں شرکت فرمائیں تو مناسب ہوگا، آپ نے جواب میں فرمایا تم چلے جاؤ اور قبر کی زیارت کرو، بعد میں ان کی روحانیت کی طرف متوجہ ہو جایئے اور دیکھئے کہ حضرت خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کیا فرماتے ہیں چنانچہ میں رکن الدین حضرت خواجہ قطب الدین کی قبر پر بیٹھ کر ان کی روحانیت کی طرف متوجہ ہوا، مجلس سماع گرم تھی قوال اور صوفی سب جوش وخروش میں تھے کہ اس وقت خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ رکن الدین سے فرمایا کہ ان بدبختوں نے ہمارا دماغ کھا لیا ہے اور ذہن کو پریشان کر رکھا ہے۔

چنانچہ قطب صاحب کا یہ حکم سن کر میں سید ابراہیم کے پاس آیا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا اب بھی آپ مجھ کو شرکت مجلس سماع سے معذور رکھیں گے یا نہیں؟ میں رکن الدین نے جواباً کہا وہی درست ہے جو آپ فرماتے ہیں اور آپ ہی حق پر ہیں باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

تقریباً ۹۲۰ ہجری میں بزمانہ سلطنت سلطان سکندر آپ دہلی آئے اور ۹۵۳ ہجری میں بزمانہ حکومت اسلام شاہ آپ نے وفات پائی آپ کا مزار سلطان المشائخ حضرت نظام

الدین اولیاء کے اندر اس خانقاہ میں ہے جو حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے پائیں میں واقع ہے، اللہ ان سب لوگوں کی مغفرت کرے اور ان پر رحمتیں نازل کرے۔

سید رفیع الدین صفوی رحمۃ اللہ علیہ

۸۸۱ھ.................۹۵۴ھ

آپ حسب ونسب میں صاحب فضیلت بزرگ تھے، آپ کے آباو اجداد سب کے سب عالم، صالح اور متقی تھے، تفسیر معینی کے مصنف میر معین الدین آپ کے اجداد میں سے تھے جو سالہا سال تک مدینہ منورہ کے مجاور رہے ہیں اور اب تک آپ کی اولاد میں سے بعض مکہ معظمہ میں قیام پذیر ہیں، یہ تفسیر معینی جامع پاکیزہ اور مفید تفسیر ہے، اس کے علاوہ چند رسائل جو جزئی مسائل کے تحقیق میں ہیں سپرد قلم کیے ہیں۔

شیخ صفی الدین کی طرف نسبت کرنے والے اپنے کو سادات صفویہ بتلاتے ہیں یہ بھی آپ کے اجداد میں سے ہیں، غالباً شیخ الحدیث قدوۃ المحققین مولانا جلال الدین محمد دوانی جن کو سادات اسلامیہ کہتے ہیں یہ بھی آپ کے اجداد میں سے تھے اور یہ وہ بزرگ ہیں جن کو روضہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے سلام علیک کا جواب ملا کرتا تھا، غرضیکہ میر سید رفیع الدین صفوی بڑے دانشمند محدث تھے، جود و سخاوت اخلاق اور مہربانیوں کے مجسمہ تھے آپ معقولات میں مولانا جلال الدین کے شاگرد ہیں جو آپ کے آباو اجداد کی بزرگی کے پیش نظر شیراز میں آپ کے گھر آ کر آپ کو پڑھاتے تھے، آپ کو علم حدیث میں شیخ شمس الدین محمد ابن عبدالرحمٰن محقق علم حدیث اور قدوۂ متاخرین سے شرف تلمذ حاصل ہے، کہتے ہیں کہ شیخ سخاوی نے میر سید رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کی آمد سے قبل تقریباً پچاس کتابوں سے روایت کرنے کی اجازت دی تھی جس کے بعد میر سید رفیع الدین نے بالمشافہ حدیث پڑھی اور عرصہ دراز تک شاگرد رہے۔

آپ کا اصلی وطن شیراز تھا اور پیدائش بھی شیراز میں ہوئی ہے اس کے بعد اپنے والدین کے ساتھ حرمین شریفین میں سکونت پذیر ہو گئے پھر سلطان سکندر کے کے زمانے میں گجرات سے دہلی روانہ ہوئے اور سلطان سکندر کو آپ سے بے حد عقیدت تھی اگرچہ آپ کو

مال و دولت بہت ملتا تھا لیکن سب کو اللہ کے راستہ میں لٹا دیتے تھے آخر میں سلطان سکندر کی اجازت سے آگرہ میں مقیم ہوگئے، اب آپ کی نسل میں سے کوئی بھی زندہ نہیں ہے جس کو آپ سے معمولی سی بھی رشتہ داری ہو، آپ کی نسل بالکل ختم ہوگئی ہے ایک فرد بھی زندہ نہ رہا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ آپ نے ۹۵۴ ہجری میں وفات پائی، آپ کا مزار آگرہ میں آپ کے اسی گھر میں ہے جہاں آپ مقیم تھے اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شیخ بہاؤ الدین مفتی آگرہ رحمۃ اللہ علیہ

۶۴۱ھ.......................۶۷۷ھ

آپ نہایت درجہ کے بزرگ، عالم، عامل، معمر متبرک اور دیندار تھے سخاوت اور مسلمانوں کی امداد و اعانت خوب کرتے تھے شیخ بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے، ۶۷۷ ہجری میں آپ نے انتقال فرمایا، آپ کے صاحبزادہ شیخ جنید بھی نیک لوگوں میں سے تھے۔

شیخ حاجی حمید رحمۃ اللہ علیہ

۸۶۵ھ.......................۹۶۷ھ

آپ شاہ قاذن رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے جن کے پیر و مرشد شیخ عبداللہ شطاری تھے آپ نے خوب سیاحت کی، اپنے ساتھ صراحی کے برابر ایک لوٹا رکھتے تھے، ہاتھ میں عصاء کندھے پر جانماز ڈال کر پھرتے تھے اور جسمانی اعتبار سے بہت کمزور تھے، شیخ محمد جن کا لقب غوث تھا اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر آپ سے بیعت ہوئے، کہتے ہیں کہ جب شیخ محمد آپ سے بیعت ہونے کے لیے آئے تو آپ اٹھ کر ان سے بغلگیر ہوئے اور فرمایا غوث! آجاؤ

حاضرین نے دریافت کیا کہ بغیر کسی کمال کے آپ نے ان کو غوث کیوں کہا، آپ نے جواب میں فرمایا اس میں کیا حرج ہے، باپ اپنے بیٹے کا نام شاہ عالم رکھتا ہے۔ آپ اگرچہ حقیقت میں شاہ قاذن کے خلیفہ تھے لیکن جب آپ نے دیکھا کہ لوگوں کا میری طرف رجحان ہے اور اس سے مرشد کے صاحبزادہ شیخ ابوالفتح کو تکلیف ہوتی ہے تو آپ شیخ ابوالفتح

کے پاس پہنچ گئے اوران سے مرید ہوکر خلافت حاصل کی۔

شیخ محمد اپنے شجرۂ ارادت میں شیخ ابوالفتح کا نام نہیں لکھتے تھے جس سے شیخ ابوالفتح کو سخت تکلیف ہوتی تھی، ان شیخ محمد غوث نے برسوں تک کالنجر کے قلعہ میں ریاضت ومجاہدہ اور عبادت الٰہی کی اور کمال حاصل کیا نیز عزت و دولت دنیاوی کے بھی مالک ہوئے۔

نصیرالدین محمد ہمایوں بادشاہ بھی شیخ حاجی حمید کا معتقد ہوگیا تھا، آپ نے ۹۶۷ ہجری میں وفات پائی، آپ کا مزار گوالیار میں ہے۔

آپ کی کتاب معراج نامہ بہت مشہور ہے جس میں علمائے گجرات کے انکار کے قصے درج ہیں اور حقیقت حال اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

شیخ محمد غوث کے بھائی شیخ بہلول سے بھی ہمایوں بادشاہ کو بڑی عقیدت تھی اس لیے یہ بھی اعلیٰ مراتب وعزت وجاہ کے مالک ہوگئے تھے اور جو آخر میں میرزا ہندال کے ہاتھوں شہید ہوئے جس کی قبر قلعہ بیانہ کے دروازہ پر ہے۔

میر سید عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ

۸۵۷ھ.........۹۶۵ھ

آپ سید عبدالحمید سالوری کے فرزند تھے، آپ کے والد بزرگوار عمر رسیدہ اور بابرکت بزرگ تھے۔

نقل ہے کہ آپ اپنے بچپن میں والد بزرگوار کے ساتھ ایک حوض پر نہانے گئے، اچانک حوض میں سے ایک آدمی نمودار ہوا اور آپ کو پکڑ حوض میں لے گیا اور آپ کو غائب کردیا، بہت تلاش کی گئی لیکن آپ نہ ملے، ایک مدت کے بعد آپ اسی حوض میں سے اس طرح نکلے کہ صاحب فیض اور بڑے عالم تھے۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے والد ماجد فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ پڑھا رہے تھے اثناء درس میں ایک مشکل مسئلہ پیش آیا جس کو حل کرنا مشکل ہوگیا، سید عبدالوہاب اپنے ہم عمر لڑکوں میں کھیل رہے تھے انہوں نے دور سے اپنے والد سید عبدالحمید کے دل میں ان مشکلات کے حل بیان کردیے۔

سید عبدالوہاب جب بڑے ہوئے تو درس تدریس اور مطالعہ میں مشغول ہو گئے ایک دن آپ کتب خانہ میں تنہا بیٹھے مطالعہ کر رہے تھے اور آپ کے ارد گرد بہت سی کتابیں رکھی ہوئی تھیں کہ اتنے میں ایک آدمی نے رجال غیب کی شکل میں آکر کہا یہ تنہائی و مطالعہ کتب کیسا؟ اس سے آپ پر ایک کیفیت طاری ہوئی جس کی وجہ سے غیر اختیاری طور پر کتب خانہ سے نکل کھڑے ہوئے اور عبادت و اطاعت الٰہی میں مشغول ہو گئے، ۹۶۵ ہجری میں آپ کی وفات ہوئی ہے اور آپ کا مقبرہ سالورہ شہر میں ہے۔

میر سید عبدالاول رحمۃ اللہ علیہ

۸۳۲ھ............................۹۶۸ھ

آپ علاء الحسنی کے فرزند ارجمند تھے اور میر سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ جن کا مزار گلبرگہ شریف (علاقہ دکن) میں ہے ان کی اولاد میں سے کسی کے مرید تھے، اس کے علاوہ تمام علوم عقلی و نقلی رسمی و حقیقی میں کامل اور بڑے دانشمند تھے، اکثر علوم میں خود بھی کتابیں تصنیف کی ہیں، صحیح بخاری کی شرح فیض الباری بھی آپ ہی نے لکھی ہے، سراجی جو علم فرائض کی کتاب ہے اس کو منظوم کر کے اس پر شرح لکھی ہے، تحقیق نفس و معرفت پر فارسی میں نہایت تحقیق سے ایک کتاب تالیف کی ہے، سفر السعادت کا انتخاب کر کے سیرت پر کچھ کتابیں تصنیف کی ہیں، نیز اکثر کتابوں پر آپ کے شروح و حواشی و تعلیقات موجود ہیں، بہت عمر رسیدہ ہو گئے تھے، آخر میں آپ پر انکساری و عاجزی اور تصوف کا حال غالب ہو گیا تھا اور درسی علوم بہت کچھ بھول گئے تھے، آپ کے کتب خانہ میں ہر قسم کی کتابیں موجود تھیں، آپ کے والد ماجد علاقہ جونپور قصبہ زید پور کے رہنے والے تھے، وہاں سے چل کر دکن کے علاقہ میں سکونت پذیر ہو گئے جہاں آپ کی ولادت ہوئی اور وہیں تعلیم حاصل کر کے کامل ہو گئے، اس کے بعد گجرات گئے جہاں سے زیارت حرمین شریفین کے لیے روانہ ہو گئے اور وہاں سے وطن واپس ہوئے۔ اس کے بعد مخلوق خدا پر مہربان، درویشوں کی محبت میں سرشار، علماء و فضلاء کے سرپرست خانخاناں محمد بیرم خاں شہید کے حکم پر دہلی گئے جس کے بعد تقریباً دو سال تک دہلی میں زندہ رہے ۹۶۸ ہجری میں وفات پائی، اور قلعہ دہلی کے اندر کشک نرور

کے نزدیک قبرستان میں مدفون ہوئے۔

آپ کے رسالہ تحقیق نفس ومعرفت کا کچھ یہ ہے۔

فصل۔ سمجھ لو کہ نفس مشترک لفظی ہے، کبھی اس کو نفس ہی کہتے ہیں اور کبھی ذات و حقیقت الٰہی کہتے ہیں جس کی مثال یہ ہے تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلاَ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ترجمہ:۔(میرے نفس میں جو ہے اسے میں جانتا ہوں اور تمہارے نفس میں جو ہے اس سے میں ناواقف ہوں) کبھی اس نفس کو روح علوی سے تعبیر کرتے ہیں جس کا دوسرا نام نفس ناطقہ ہے کبھی اس کو بخار لطیف سے یاد کرتے ہیں۔ یہ وہ حرارت ہے جو تہ دل سے نکل کر رگوں کے ذریعہ سے تمام جسم میں سرایت کرتی ہے، دو آدمی جو قد وقامت اور لاغری وفربہی میں بالکل برابر ہوں ان میں سے ہر ایک کا ایک ظاہری حصہ ہے جس کو جسم کہتے اور دوسرا باطنی حصہ ہے جس کو نفس کہتے ہیں، بدن کی مثال اس کپڑے کی ہے جو جسم پر ہوتا ہے اور نفس وہ بخار عمودی ہے جو تمام اجزاء لباس میں موجود ہوتا ہے اور لباس کی صورت اختیار کرتا ہے، جان لو کہ آدمی ایک بخاری حیوان ہے جس کی وجہ سے وہ متحرک وحساس ہے اور بھوک پیاس حرص وہوا صفات نفسانی یہ سب انسان کے اندر موجود ہیں، عرف تصوف میں اسی کو نفس کہتے ہیں۔

فصل۔ آیت قرآن کی تفسیر سے متعلق ثم انشاناہ خلقا اخر کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے انسان کو دوبارہ پیدا کیا ارسال روح کے ساتھ جبکہ خالص بناتی تھا، دونوں روحیں ابھی موجود نہ تھیں اور حدیث شریف ثم ارسل اللہ ملکا باربع کلمات کا بھی یہی مطلب ہے، سمجھ لینا چاہئے کہ اول تخیرات حیوانی اور ابتدائی تعلق انسانی ہمیشہ ساتھ ساتھ ظاہر ہوتی ہیں، وجود انسانی بغیر وجود حیوانی کے ممکن نہیں ہے اور اسی طرح وجود حیوانی بغیر وجود انسانی ناممکن ہے اس لیے کہ ایک سو بیس دن کے بعد مضغہ انسانی میں روح ڈالی جاتی ہے تب اسی وقت جنین اپنے مادر کے شکم میں حرکت کرنے لگتا ہے اس سے بھی یہ ثابت ہوا ہے کہ ان دونوں کے درمیان لازم وملزوم کی نسبت موجود ہے۔

فصل۔ روح انسانی جو کہ صاف اور لطیف ہے جسم انسانی سے جو کثیف اور ظلماتی ہے کوئی مناسبت نہیں رکھتی ہے اس لیے روح انسانی نے پہلے روح حیوانی سے جو کہ فی الجملہ

پاکیزہ اور لطیف ہے اپنا تعلق قائم کرلیا اور اسی کی وجہ سے بدن کثیف سے مناسبت ہوگئی پہلے پہل تو روح انسانی اپنے مقام سے فراق کے سبب بہت پریشانی ہوگئی تھی لیکن بعد میں روح حیوانی سے مانوس ہوگئی اور اپنے مقام کو بھول گئی، بعض روحیں اپنے نفس کی تابع ہوکر تنزل اور پستی کی طرف مائل ہوتی ہیں اور بعض روحیں اپنے نفس کو سواری بنا کر ترقی اور کسب کمال کے لیے وسیلہ بناتی ہیں۔

اس لیے محققین مذہب کا قول ہے کہ ارواح مجرد ہیں۔ اعضاء وآلات وغیرہ نہیں رکھتی ہیں جب تک جسم کے ساتھ مرکب نہ ہوں تو ترقی ان کے لیے غیر ممکن ہے۔

فصل – روح علوی عرصہ دراز تک موثر تام اور مبدع کمال الٰہی کے سایہ میں رہی اور روح سفلی اللہ کے جلال و جمال سے دور تھی، چونکہ ان دونوں میں مرد و عورت کی قوتیں موجود تھیں جن کے جوڑے دیئے جانے پر ان کی اولاد کا نام قلب و دل رکھا گیا اسی لیے روح جس میں دو چیزیں ایک نسبت پدری اور دوسری مادری ہے ہمیشہ انقلاب پذیر رہتی ہے، نیز یہ بھی یقین کرلو کہ جو چیز محسوسات کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے وہ نفس ہے اور معقولات کے ذریعہ جو چیز معلوم ہوتی ہے وہ روح ہے اور محسوس و معقول کے مرکب کا نام قلب ہے، اور جو چیزیں کہ حس و عقل کے ذریعہ معلوم نہ ہوں وہ ذات و صفات الٰہی میں، خدا تعالیٰ نے اپنی مہربانیوں سے ایک خاص رحمت کو دل سے متعلق کردیا ہے جس کو سر خفی کہتے ہیں۔ اور ذات الٰہی کا کشف اسی چشم سر خفی کے سبب سے ہوتا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے وفی الخفی انا ترجمہ:- (سر خفی میں ہم ہیں)

احتمال ہے کہ یہ لطائف ہر انسان میں روح علوی کے ساتھ موجود ہوں لیکن نفس کے تاریک پردے اور بری صفات کی وجہ سے مستور ہیں، تزکیہ نفس و تصفیہ قلب کی بدولت جلوہ گر ہوتے ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ تجلی روح کے بعد مجدداً اثر انداز ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جبکہ روح کے کئی مدارج بیان کیے گئے ہیں۔

نیز واقعہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام ارواح کے ابو الارواح، معدن انوار اور منشاء موجودات ہیں اس وجہ سے تمام ارواح بمنزلہ جسم کے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جان ہیں، آپ کو تمام ارواح سے وہی تعلق ہے جو جان کو جسم سے ہوتا ہے۔ نیز

آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو روح علوی، تمام موجودات اور ان کے باہمی تعلقات پر کامل قبضہ و تصرف اور اختیار و اقتدار حاصل ہے، ارباب کشف و شہود نے جو بیان کیا ہے کہ روح انسانی کے اوپر ایک روح قدسی بھی ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ وہ آقائے کائنات کی روح پر فتوح ہے۔

فصل۔ روح انسانی و حیوانی اور قلب یہ تینوں چیزیں ہر ایک جسم میں جزو حقیقی کی طرح موجود ہیں اس کے باوجود ایک جسم دوسرے سے علیحدہ نظر آتا ہے مگر اس میں پوشیدہ و ظاہر حکمت الٰہی یہ ہے کہ ہر روح ایک خاص روح اور فرشتگی کی حیثیت کے ساتھ وحدت و جزئیت کی صفات سے متصف ہو کر اجسام نفوس اور ارواح انسانی سے متعلق رہتی ہے اور ہر ایک میں تصرف کرتی ہے، ایک روح کا بہت سے اجسام کے ساتھ تعلق رکھنے کے بیان کو بآسانی بیان کیا جاسکتا ہے جیسے جسم اور تمام اعضاء اجزاء انسانی کے ساتھ نفس متعلق اور کارفرما رہتا ہے، اس کی مثال یہ فرض کرو کہ ایک نفس جو بہت طاقتور ہے اور وہ جسم کے اندر تصرف کرتے ہوئے گھر کے تمام در و دیوار پر حکمرانی و قبضہ رکھتا ہے وہ اس طرح کہ مشرقی دیوار کو مغرب کی طرف کر دیتا ہے اور مغربی دیوار کو مشرق میں لا کھڑا کرتا ہے، اسی طرح ایک وہ نفس ہے جو اپنی طاقت کے بھروسہ پر تمام شہر پر تصرف کرتا ہے یعنی پورا شہر اس کے اعضاء کی طرح ہو جاتا ہے اس طرح ایک نفس تمام اقلیموں پر بادشاہت کرتا ہے اور ایک نفس وہ ہے جو تمام روئے زمین پر متصرف اور قابض ہے، اور ایک نفس وہ ہے جو تمام عناصر پر، اور ایک نفس تمام عناصر افلاک پر متصرف ہوتا ہے جیسے حضرت جبرائیل کی روح کی جن کا جسم افلاک و عناصر کا مجموعہ ہے اور ساتوں آسمانوں کو احاطہ کئے ہوئے ہے اور ان کا صدر مقام و مستقر سدرۃ المنتہیٰ ہے جو ساتویں آسمان کے اوپر ہے، نیز ثابت ہوتا ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے کنویں میں ڈالا تو فوراً ہی جبرائیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ادرك عبدی ترجمہ:۔ (میرے بندے کو لو) یوسف علیہ السلام ابھی کنویں کی تہ تک نہ پہنچے تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کو ہاتھوں ہاتھ اٹھالیا اور آسانی کے ساتھ کنویں میں اتار دیا اس واقعہ کے پیش نظر جبرائیل علیہ السلام کی بابت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ سات ہزار سال کی مسافت ایک لمحہ میں طے کر کے کنویں میں پہنچے بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ ساتوں آسمان اور

اور ان کے متعلقہ عناصر سب جبرائیل علیہ السلام کے اعضاء ہیں اور دنیا میں وہ اسی طرح تصرف کرنے کی مثال یہ ہے کہ ان کے گلے کے ہار کا ایک موتی گر کر ابھی ان کے سینہ تک نہیں پہنچا تھا کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے پکڑ لیا، یہی حال عزرائیل علیہ السلام کی روح کا ہے کہ عالم بھر کی روحیں ان کے اعضاء و اجزاء ہیں جب وہ روح قبض کرتے ہیں تو گویا وہ اپنے جسم میں تصرف کرتے ہیں، اس نظریہ کے ثبوت سے انبیائے کرام کے معجزات اور اولیاء عظام کے کرامات کا ثبوت ملتا ہے، نبی اور ولی کا نفس جیسا اپنے جسم میں تصرف کرتا ہے اسی طرح خارج میں بھی تصرف کرتا ہے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح تمام عالم کی جان ہے اس لیے آپ سارے عالم میں تصرف کر سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ چاند ایک اشارہ سے دو ٹکڑے ہو گیا، گویا کہ ناخن کے میل کو ناخن سے جدا کیا۔

فصل — جبکہ ساری ارواح و لطائف کا سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پرفتوح پر ختم ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک تمام ارواح کی جان ہے۔ اب صرف ذات پروردگار باقی رہ گئی ہے جس کی حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ہر قسم کی مثال سے پاک اور منزہ ہے وہ رسالت مآب کی جان و روح ہے۔

اشعار

حق جان جہان است جہاں جملہ بدن — افلاک و لطائف چہ قوائے ایں تن
افلاک و عناصر و موالید اعضاء — توحید ہمین است دگر حیلۂ فن

فصل ۔ سمجھنا چاہیے کہ اللہ کی ہستی کو تمام عالم کی ذات سے برابر کی نسبت حاصل ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا آئینہ اور اس کے کمال کا مظہر جمال ہے اس وجہ سے نداء و خطاب کے وقت دل کی طرف متوجہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دل روح حیوانی کا معدن ہے اور دیگر لطائف روح حیوانی سے متعلق ہیں لہذا قلب کی طرف متوجہ ہونے سے جمیع لطائف کی طرف متوجہ ہونا لازم آتا ہے، غرضیکہ توجہ قلبی ہی فتح باب مقدمہ کشف لطائف اور مقصد حاصل کرنے کا سبب ہے اور اسی طرح درجہ بدرجہ انوار و صفات ذات الٰہی کا مکاشفہ ہوتا ہے اسی لیے تو کہتے ہیں کہ قلب صنوبری میں جو روزن ہے اس کے سبب علوم غیبی کا کشف اور مراتب جبروت ولاہوت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

شعر

لشکر حسنت نہ گنجد در زمین و آسماں　　من دریں فکرم کہ اندر سینہ چوں جا کردہٗ

فصل۔ یہاں قلب میں بات اترنی چاہئے کہ شاہی مقام تین ہیں۔

اوّل وہ عالیشان اور وسیع عمارت جہاں تمام فوج حاضر رہتی اور وزراء، ارکان حکومت اور عمال اپنے اپنے مقام پر بیٹھے حکومت کے کام تقرر و معزولی، منع وعطا اور محاسبہ اعمال وغیرہ انجام دیتے ہیں۔

دوسرا مقام وہ ہے جو بادشاہ اپنے مخصوص لوگوں کے ساتھ رہتا ہے، عام آدمیوں اور فوجیوں کو آنے کی اجازت نہیں ہوتی ہے، درباری لوگ اپنی خدمات کے حقوق کے لیے با ادب کھڑے رہتے ہیں اور مختلف قسم کے انعامات و نوازش شاہی سے خوش ہوتے اور قرب شاہی کی حلاوت سے مسرور ہوتے ہیں۔

تیسرا مقام وہ مختصر عمارت ہے جو خاص حرم حریم غیرت اور مقام عصمت وخلوت ہے جہاں بادشاہ خلوت پذیر ہوتا ہے، یہاں خاص و عام میں سے کسی کو بھی آنے کی بالکل اجازت نہیں ہے۔

ظاہر پر باطن کو قیاس کرتے ہوئے شہنشاہ عالم رب متعال کے بھی تین مقام ہیں۔

پہلا مقام عرش عظیم ہے جو محل فیض خاص و عام دیوان خانہ، رزق مومن و کافر، وحوش وطیور مادۂ وجود بقائے کل حیوانات و نباتات۔ اور تمام لطائف و بسیط و مفرد و مرکبات کا مخزن و معدن ہے اور یہ واقعہ ہے کہ عرش تمام دنیا کے اوپر ہے جہاں سے جملہ مخلوق کی مطلب برآری ہوتی ہے اسی لیے تمام آدمی باطنی طور پر بھی اوپر ہی کی جانب متوجہ ہوتے اور سوال و دعا کے وقت اپنا سر آسمان کی جانب کرتے ہیں۔

دوسرا مقام کعبہ شریف ہے جہاں سوائے مؤمنین مخلصین کے اور کوئی حاضر نہیں ہوسکتا ہے اور مومنین کو مختلف قسم کے انعامات سے نوازا جاتا اور ان کے اگلے پچھلے جرائم کو معاف کر کے اللہ کے قرب سے نوازا جاتا ہے اور کفار کو یہاں آنے کی طاقت نہیں ہے۔

تیسرا مقام بندۂ مومن کا دل ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المؤمن ترجمہ:-

(میرا مقام زمین و آسمان نہیں بلکہ میرے مومن بندے کا دل میرا مقام ہے) اور انہی تین مقامات کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اشارۃً بیان کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بسم اللہ میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو اپنی عزت اور وحدت کو قلب مومن کے عرش پر تجلی کرتا ہے الرحمٰن کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ عرش عظیم پر اپنی رحمت کاملہ کے ساتھ متجلی فرمارہا ہے الرحیم کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کعبہ شریف کے عرش پر اپنی خصوصی رحمتوں کو خصوصی مسلمانوں کے لیے مخصوص کرنے کی خاطر تجلی ریز ہے۔

ذکر سہ رکنی جو عام طور پر مشہور ہے کہ قبلہ رو بیٹھ کر تین مرتبہ اللہ اللہ اللہ اوپر سامنے اور دل پر ضرب لگا کر کہتے ہیں اس سے بھی متذکرہ بالا تینوں عرش مراد ہیں، باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

شیخ علی بن حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ

۱۴۸۰ء............................۱۵۶۷ء

آپ کے والد ماجد کا نام عبدالملک ابن قاضی خاں المتقی القادری الشاذلی المدنی چشتی رحمۃ اللہ علیہ ہے، آپ کے آبا واجداد جونپور سے آکر برہان پور میں مقیم ہوگئے، آپ کی ولادت باسعادت برہان پور ہی میں ہوئی ہے، آپ کے والد نے آپ کو آٹھ سال کی عمر میں شاہ باجن چشتی کے پاس لیجا کر مرید کرادیا جو اس زمانہ میں برہان پور میں مقیم تھے اور اس واقعہ کے چند دن بعد آپ کے والد نے وفات پائی، والد بزرگوار کے انتقال کے بعد آپ بلحاظ طبیعت انسانی کچھ عرصہ لذات حسیہ میں مشغول رہے اور نوجوانی کے زمانے ہی میں بمقام مندو ایک بادشاہ کی ملازمت کی اور دنیاوی دولت جمع کی، اسی اثناء میں اللہ کی عنایت اور ہدایت کے جذبے نے اپنی طرف مائل کیا چنانچہ دنیاوی مال وزر اور اس کی بے ثباتی دیکھ کر شیخ عبدالحکیم ابن شاہ باجن کی خدمت میں پہنچے جن سے مشائخ چشت کی خلافت کا خرقہ حاصل کیا اور چونکہ آپ کی فطرت میں تقویٰ و پرہیزگاری کا غلبہ تھا اس لیے ملتان پہنچ کر شیخ حسام الدین متقی کی خدمت کرنے لگے اور ان کی صحبت بابرکت کی بدولت سلوک وطریقت تقویٰ و پرہیزگاری کی نعمتوں سے مالا مال ہوئے نیز انہی کی صحبت میں رہتے ہوئے دوسال

کی مدت میں تفسیر بیضاوی اور عین العلم کا مطالعہ کیا اور تقویٰ و توکل کو اپنا سفر خرچ بنا کر حرمین شریفین کی طرف روانہ ہوئے مکہ معظمہ پہنچ کر شیخ الحدیث شیخ ابوالحسن بکری جو کہ اپنے وقت کے مانے ہوئے ولی اللہ تھے کی خدمت میں رہ کر حاضری کا شرف حاصل کیا اور انہی کے شاگرد ہوئے۔ اور یہ وہ بزرگ ہیں جن سے مشائخ زماں استفادہ کرتے تھے، نیز آپ نے دوسرے مشائخ کی خدمات بھی کیں چنانچہ شیخ محمد بن محمد سخاوی کی خدمت میں رہ کر سلسلہ عالیہ قادریہ کا خرقہ حاصل کیا اور قطب زماں شیخ نورالدین ابوالحسن علی الحسن شاذی سے سلسلہ شاذلیہ کا اور شیخ ابو مدین شعیب مغربی سے سلسلہ مدینہ کا خرقہ حاصل کیا پھر وہیں مکہ مکرمہ میں مقیم ہو گئے اور تمام دنیا کو اپنے انوار اطاعت و مجاہدات اور علمی و عملی فیوضات سے مستفیض کیا، نیز علم تصوف و حدیث میں آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ آپ کی خدمات تصنیف و تالیف دیکھ کر عقل حیران ہوتی ہے اور یقین کہتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی توفیق و برکت ہے جو وہ اس بلند درجہ پر غیب استقامت کے ساتھ ممکن ہوئے۔

آپ نے شیخ جلال الدین سیوطی کی کتاب جمع الجوامع کی احادیث کو حروف تہجی کے تحت جمع کر کے تمام اقوال و افعال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسائل فقہیہ کے طریقہ پر باب وار لکھا ہے، ان کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کتنا کام کیا ہے اور کس خوبی سے انجام دیا ہے، نیز آپ نے ان کتب میں سے احادیثِ مکرر کو چھانٹ کر اس کا انتخاب علیحدہ مرتب کیا۔

کہتے ہیں کہ شیخ ابوالحسن بکری فرماتے تھے کہ علامہ جلال الدین سیوطی نے عالم پر احسان کیا ہے، آپ نے دیگر کتابیں بھی تصنیف کی ہیں جو سالکان طریقت اور طالبان آخرت کے لیے سرمایہ وقت اور مددگار حال ہیں، آپ کی بڑی اور چھوٹی فارسی اور عربی کی کل کتابیں سو ۱۰۰ سے زائد ہیں، آپ کی پہلی مصنفہ کتاب تبیین الطریق ہے جس کی تالیف کے وقت آپ کو غیب سے الہام ہوتا تھا، آپ کی ایک کتاب حکم کبیر ہے جو بے حد مفید اور علم تصوف کا خلاصہ ہے، آپ اپنے ساتھیوں سے کہا کرتے تھے کہ اس کتاب کی عظمت کا یہ حال ہے کہ تصوف کا جو مشکل مسئلہ چاہو اس کا جواب اس کتاب میں دیکھ لو اور تصوف کا جو

مسئلہ لوگ دریافت کریں اس کا جواب اس میں دیکھ کر دیدو۔

آپ اپنی زندگی کے آخری ایام تک کتب احادیث کی تصحیح میں مشغول رہتے تھے حتیٰ کہ باقتضاء بشریت ہل جل نہیں سکتے تھے لیکن تاہم اپنا کام نہیں چھوڑتے تھے کہتے ہیں کہ آپ استنباط و دقائق اور فہم معانی میں ایسے ماہر تھے کہ اس وقت مکہ معظمہ کے بڑے بڑے علماء کے لیے بجز اس کے کہ آپ کی تعریف و تحسین کریں کوئی راستہ نہیں تھا۔

شیخ ابن حجر جو اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم اور فقیہہ تھے وہ پہلے شیخ علی کے استاد بھی تھے لیکن اگر ان کو کسی حدیث کے معنی میں اشکال ہوتا تو آپ سے کسی شخص کے ذریعہ سے دریافت کیا کرتے تھے کہ اس حدیث کو جمع الجوامع کے کس باب میں آپ نے مدون کیا ہے پھر بذریعہ قیاس اس حدیث کا مفہوم معلوم کر لیتے تھے۔

شیخ ابن حجر نے اپنے کو بہت مرتبہ شیخ علی کا شاگرد حقیقی کہا ہے اور آخر میں آپ کے مرید ہو گئے یہاں تک کہ آپ سے خرقہ حاصل کر لیا، غرضیکہ مکہ معظمہ کے دیگر تمام مشائخ کرام اور علماء بھی آپ کے کمالات اور ولایت کے معترف تھے اور آپ کی تکریم و تعظیم میں متفق تھے، چنانچہ آج تک وہاں کے خاص و عام لوگ آپ کو اس طرح یاد کرتے ہیں جس طرح دیگر مشائخ سلف کو یاد کرتے ہیں۔

علمائے ظاہر کو تالیف و تصنیف کتب اور نشر و اشاعت علوم کی جو توفیق و برکت حاصل ہوتی ہے اس کے قطع نظر شیخ علی کے ریاض مجاہدے، کرامتیں خوش اخلاقی عمدہ اوصاف، مزین افعال عمدہ حالات، آداب ظاہری و باطنی، تقویٰ پرہیزگاری وغیرہ جو کچھ بیان کی جاتی ہے وہ آپ ے کمالات باطنی اور حالات حقیقی کی اول دلیل ہے شیخ علی نے اپنے انتقال کے دن شیوخ کی صحبت کے حالات اپنے ایک خط میں تحریر کئے تھے جو یہ ہیں:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ والصلوٰة والسلام علیٰ سیدنا محمد والہ واصحابہ اجمعین بعد حمد و صلوٰة کے یہ فقیر خدا علی بن حسام الدین عرف متقی اس دن جبکہ دنیا سے رخصت ہو کر آخرت کی طرف جا رہا ہے عرض گزار ہے کہ میرے والد بزرگوار نے مجھے بچپن کے زمانے میں شیخ باجن کا مرید بنایا، شیخ باجن قوالیاں سنتے اور وجد و حال میں رہتے تھے میں نے اپنے پیر و مرشد کو اختیار کیا بمقابلے اس قول کے کہ ''جب بچہ

بالغ ہو جاتا ہے تو اس کو اختیار ہے کہ اپنے سابق پیر کو برقرار رکھے یا نہ رکھے، چنانچہ پیرو مرشد اور والد ماجد کی وفات کے بعد شیخ عبدالحکیم بن شیخ باجن قدس اللہ سرہٗ سے خرقہ چشت حاصل کر کے بعد میں ایک ایسے مرشد کی تلاش میں رہا جو مجھے حق کا راستہ دکھائے جس کا کہ میں طلب گار ہوں چنانچہ ملتان پہنچ کر شیخ حسام الدین متقی کی خدمت میں حاضری دی، پھر بعد میں حرمین شریفین پہنچ کر شیخ ابوالحسن بکری کی خدمت میں حاضری دیکر ان کی صحبت سے سرفراز ہوا اور شیخ محمد سخاوی سے سلسلہ قادریہ، شاذلیہ، مدینیہ کے خرقے حاصل کئے، نیز سنا گیا ہے کہ آپ نے بوقت وفات ایک دقعہ کسی مخلص کو دیا، کہ اس کو بعد میں پڑھنا، چنانچہ آپ کے انتقال کے بعد جب اس خط کو پڑھا گیا تو اس میں یہ مضمون تھا، بھائیو! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے، میرے پاس امانت الٰہی تھی، میں نے وہ اہل اور قابل لوگوں کے حوالہ کردی ہے سمجھا جس نے سمجھا۔ فقط والسلام۔

شیخ علی کے شاگرد و خاص اور خلیفہ اور آپ کے کمالات و آثار کے سب سے بڑی نشانی عارف باللہ شیخ کامل عبدالوہاب بن ولی اللہ المحب حنفی متقی قادری جو مرکز دائرہ استقامت، قطب فلک ولایت اور مشائخین وفقراء کے نزدیک متفقہ طور پر یمن سے شام تک علاقہ کے زبردست ولی ہیں، اللہ ان کے علوم سے ہم سب کو مستفید کرے جن کا تذکرہ شیخ علی کے حالات کے بعد ہی قلمبند کیا گیا ہے غرضیکہ ان کی زبانی شیخ علی کے حالات لکھے جارہے ہیں۔

شیخ عبدالوہاب کا بیان ہے کہ شیخ علی جب ملتان میں شیخ حسام الدین کے پاس رہتے تھے اس وقت بھی خلوت گزیں تھے، شیخ حسام الدین کی یہ حالت تھی کہ اپنے سر پر کتابیں اٹھاتے ہوئے آپ کے کمرے کے دروازہ پر آ کر اس طرح اجازت لیتے تھے، حسام الدین حاضر ہے، کیا فرمان ہے، ایک دو دفعہ کہنے کے بعد شیخ علی اگر اپنے کمرے کا دروازہ کھول دیتے تھے تو شیخ حسام الدین اس وقت تک تفسیر بیضاوی پڑھتے پڑھاتے جب تک شیخ علی کے پاس وقت کی گنجائش ہوتی اور اگر شیخ علی اپنے کمرے کا دروازہ نہ کھولتے تو شیخ حسام الدین واپس چلے جاتے تھے، اس کے بعد شیخ علی نے ملتان کے آس پاس ان مقامات کا سفر کرنا شروع کیا جن میں نیک لوگ سکونت پذیر تھے اور جہاں آپ بآسانی عبادت کرسکتے

تھے وہاں چند روز ٹھہرتے تھے۔

آپ حالت سفر میں دو۲ تھیلے اپنے پاس رکھتے تھے، ایک میں کھانے پینے کا سامان ہوتا جیسے چاول، آٹا، دال، گھی، تیل، نمک وغیرہ کھانے پکانے کے برتن اور جنگل سے اپنے ہاتھوں کاٹی ہوئی لکڑیاں بقدر ضرورت رکھا کرتے تھے، دو۲ دن کے سامان کو چار دن تک استعمال کرتے، کبھی مسجد میں نہ ٹھہرتے بلکہ کرایہ کے مکان میں ٹھہرا کرتے تھے چقماق جلا کر آگ سلگاتے تھے اور ایک لوٹا جس میں ایک مشک پانی آتا تھا جو کھانے پکانے وضو اور بشرط ضرورت غسل کے لیے کافی ہوتا اپنی پیٹھ پر لادے رکھتے تھے آپ کا قاعدہ تھا کہ پاک پانی سے پہلے برتن دھوتے پھر خود ہی کھانا پکاتے تھے آپ نے کسی آدمی سے اپنی کوئی خدمت نہیں لی، آپ نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کریں گے نیز اپنے کام میں کسی دوسرے کی مدد نہیں لیں گے، اگر مجبوراً آپ کو شدید ضرورت کام لینے کی پڑ جاتی تو کام کرنے والے کے ہاتھ میں پہلے رقم رکھتے اور بعد کو اس سے کام لیتے، غرضیکہ ایک تھیلے میں خورد نوش کا سامان اور دوسرے میں چند کتابیں رکھتے جو راستہ میں ضروری ہوتی تھیں، غرضیکہ اس صفائی خوش اسلوبی اور سامان کے ساتھ سیر و سیاحت کیا کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص آپ کے ساتھ رہنے یا آپ کی خدمت کرنے کی خواہش کرتا تو آپ اس کی یہ بات قبول نہ کرتے۔

شیخ علی گجرات اس زمانے میں گئے جبکہ وہاں سلطان بہادر کی حکومت تھی وہ آپ کے اوصاف و کمال سن کر آپ کا معتقد ہو گیا اس نے آپ کو گراں قدر انعامات اور کچھ جاگیر دینا چاہی لیکن آپ نے سلطان کی پیشکش قبول نہیں کی، اس زمانے آپ کی کیفیت یہ تھی کہ آپ جدھر جاتے لوگ آپ کے پیچھے آتے اور پروانہ کی طرح اکٹھا ہو جاتے آپ اپنے کمرے کا دروازہ بند رکھتے اور کسی کو اپنے ساتھ نہ بٹھاتے، عالم متقی اور صالح قاضی عبداللہ سندھی جبکہ وہ بغرض روانگی حج اپنے اہل و عیال اور دوسرے اکثر لوگوں کے ساتھ تھوڑے دن کے لیے گجرات میں ٹھہرے ہوئے تھے نیز شیخ علی سے ان کو بھی محبت و الفت اور پکا اعتقاد ہو گیا تھا انہوں نے شیخ علی سے عرض کیا کہ اگر ایک مرتبہ سلطان بہادر کی التماس قبول فرمالیں تو اچھا ہو اگر مرضی نہ ہو تو اس سے گفتگو نہ فرمایئے گا ہم لوگ اس وقت حاضر رہیں گے اور اس کو اپنی

باتوں میں لگائے رکھیں گے اس طرح اس کی آرزو پوری ہو جائے گی اس پر آپ نے جواب دیا کہ بادشاہ کے لباس اور وضع قطع سے غیر اسلامی چیزیں جھلکتی ہیں یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ میں اسے دیکھنے کے بعد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کروں، جس پر ان لوگوں نے عرض کیا ہم خادم حسب موقع جو مناسب سمجھیں گے کہیں گے اور کریں گے لیکن بادشاہ کی خواہش یہ ہے کہ ایک مرتبہ خدمت عالی میں حاضری دیں، غرضیکہ سلطان نے حاضری دی اور شیخ کے معتقدین نے اسے نصیحتیں کیں، اس ملاقات کے دوسرے دن سلطان نے ایک کروڑ روپیہ گجراتی بطور تحفہ شیخ کی خدمت میں روانہ کئے جو آپ نے سب کے سب قاضی عبداللہ کو دیتے ہوئے فرمایا کہ چونکہ بادشاہ کی ملاقات کے تم ذریعہ تھے اس لیے یہ ساری رقم تمہاری ہے، اس کے بعد فرمایا کہ طالبوں اور مریدوں کی تربیت وارشاد ہمارے پیرومرشد اس طرح کیا کرتے کہ اس کی ظاہری حالت کو برقرار رکھتے ہوئے خود ان کے باطن کی تربیت میں لگ جاتے اور اپنی توجہ اور ہمت کے ذریعہ ان طالب علموں اور مریدوں کو راہ سلوک پر گامزن کیا کرتے تھے اور یہ تمام تعلیم وتربیت اس طرح کیا کرتے کہ مریدوں اور طالبوں کو آپ کے عمل کے مطلق اطلاع نہ ہونے پاتی۔

اس خادم (شیخ عبدالوہاب) کی خود یہ حالت ہے کہ ایک عرصہ کے بعد پیرومرشد شیخ علی کی بدیہی حسی تعلیم کا مجھے علوم ہوا کہ اس ذرہ کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ میں نے جب آپ کی خدمت میں حاضری دی تھی تو دو سال تک مجھے بالکل یہ معلوم نہ ہوسکا کہ آپ کس شخص کی جانب متوجہ ہیں اور کس کو کس ذکر وظیفہ اور مجاہدہ وغیرہ کی تعلیم وتلقین فرمارہے ہیں، ہاں البتہ اکثر اوقات ہم لوگوں کو اپنی تالیفات وتصنیفات کی کتابت اور مقابلہ وصحت کا حکم دیا کرتے تھے آپ کا کمال یہ تھا کہ ہر کام کرنے والے کو محسوس ہوتا کہ آپ خود اس کے پاس ہیں اور اس سے کام کرا رہے ہیں غرضیکہ دو ۲ سال بعد مجھے معلوم ہوا کہ میں جہاں تھا اس سے بہت بلند ہو کر اس مقام پر پہنچ گیا ہوں جس کا درجہ خواب وخیال میں بھی محسوس نہیں ہوسکتا تھا۔

پیرومرشد شیخ علی فرمایا کرتے تھے کہ طالب علموں کی تربیت میں مشائخ کرام دو ۲ طریقے استعمال کرتے تھے، ایک یہ کہ مرید میں جو خرابیاں ہیں پہلے ان کو انہی کے ذریعہ

سے دور کراتے تھے بعد میں خود تصرف کرتے یہ طریقہ مریدوں کے لیے زیادہ مشکل ہے۔

مشائخ کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مرید کو اس کی حالت پر چھوڑ کر خود اس کی اصلاح میں مشغول ہو جائے اور آہستہ آہستہ اس میں نورانیت پیدا کرنے کی کوشش کرے جو اس کو مطلوب تک پہنچاتی ہے اور یہ طریقہ مرید پر زیادہ آسان ہے۔

پیر و مرشد شیخ علی اکثر اوقات اشاعت و افادیت علوم اور طالبان علم کی امداد میں مصروف رہتے، کتابوں اور سامان کتابت کی فراہمی میں پوری کوشش کرتے، روشنائی خود بناتے اور ہم لکھنے والوں کو یہی سیاہی استعمال کراتے، عربستان کے علاقہ میں جو کتابیں مفید و کامیاب تھیں ان کی نقلیں کر کے ان شہروں میں روانہ کرتے جہاں وہ کتابیں نہ تھیں اور جن کی وہاں کے باشندوں کو سخت ضرورت تھی۔

پیر و مرشد کی مجلس میں اگر دوسرے لوگ مباحثہ وغیرہ کرتے تو آپ اس بحث میں حصہ لینے کے بجائے خاموش رہا کرتے البتہ خاص مسائل کے تصفیہ میں بقدر ضرورت کچھ ارشاد فرما دیتے، آپ کی مجلس میں اگر کوئی شخص ایسی بات کرتا جس کی نفی و اثبات کی کوئی دلیل نہ ہوتی تو آپ سنتے رہتے اور کچھ نہ کہتے، آپ کتب تصوف کے حقائق و اسرار کو اس طرح حل کرتے جیسا کہ دوسرے مشائخ کا طریقہ تھا، اتنا تناول فرماتے کہ جس سے زیادہ رہ کر عبادت کر سکیں۔

پیر و مرشد کا دستور تھا کہ آپ اپنے لیے جو شوربا پکواتے اس میں سے تھوڑا سا چکھ لیتے باقی سب کا سب اپنے دستر خوان والوں کو دیدیا کرتے۔

پیر و مرشد کے ایک نوکر کا نام کمال تھا جو بڑا بداخلاق اور بے ڈھنگا تھا، وہ ہمیشہ بکواس کیا کرتا اور جو چاہتا کرتا، اس کے باوجود آپ اس کو عزیز رکھتے اور اس کی بداخلاقی کو برداشت کرتے رہتے تھے، ایک دن وہ آپ کے لیے شوربا پکا کر لایا اس میں بے انتہا نمک تھا، آپ نے حسب معمول وہ شوربا چکھا اور یہ کہنے کے بجائے کہ تم نے ایسا خراب اور اتنا نمک کیوں بھر دیا ہے، اس سے صرف اتنا کہا بابا کمال! ادھر آؤ، پھر اس کو اپنے پاس بٹھا کر شوربے کا ایک چمچہ بھر کر دیا اور فرمایا یہ لو یہ کھاؤ اور دیکھو کیسا پکا ہے۔ کمال نے وہ شوربا چکھ کر جو نمک کے زیادہ ہونے سے کڑوا ہو گیا تھا منہ بناتے ہوئے سخت لہجہ میں کہا، ہاں! کچھ نمکین

ہوگیا ہے لیکن بڑے مزے کا ہے، اس میں کوئی خرابی نہیں۔ آپ کھائیے، جس پر آپ نے فرمایا بہت خوب، پھر آپ نے پانی منگوا کر اس میں ڈالا اور وہی تھوڑا سا نوش فرمایا۔ پیرو مرشد کے بڑھاپے کے زمانے میں اس فقیر نے ایک مرتبہ عرض کیا پیرو مرشد! آپ اس ضعیفی میں کتنے نفل پڑھتے ہیں؟

جواب دیا جوانی میں تو بہت زیادہ نفل پڑھا کرتا تھا اب دن کے وقت ذکر خفی و شغل الٰہی کے ساتھ تصنیف کتب میں مشغول رہتا ہوں اور رات کو جبکہ بڑھاپے کی وجہ سے زیادتی پیشاب کی شکایت ہوگئی ہے دس بارہ مرتبہ پیشاب کرنے اٹھتا ہوں اور ہر مرتبہ وضو کر کے حسب توفیق دو۲ دو۲ چار چار نفل ادا کرتا ہوں آپ فرماتے تھے کہ میں اپنی جوانی میں کتابت کی اجرت پر زندگی بسر کرتا تھا اس میں سے بیوہ عورتوں کی مدد کیا کرتا اور باقی اپنی ضروریات پر خرچ کرتا تھا، اور کہیں سے جو کچھ رقم آجاتی وہ اللہ کو قرض دے دیتا، کیونکہ اللہ کو قرض دینے سے بڑی وسعت اور خوش حالی پیدا ہوتی ہے، اور جب کوئی ایسی رقم آپ کے پاس آتی جس کے حلال ہونے کا آپ کو پکا یقین ہوتا تو اس میں سے تھوڑی سی خود بھی خرچ کر لیا کرتے آخر زمانے میں بزرگوں کے عرس میں کھانا کھلانے کے بجائے غریبوں اور محتاجوں کو زر نقد دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجلس طعام اور لوگوں کا اجتماع تکلیف و پریشانی سے خالی نہیں ہے۔

ایک مرتبہ پیرو مرشد کے علاقہ کے کسی وزیر نے آپ کو دعوت دی اور عرض کیا پیرو مرشد غریب خانہ پر تشریف لا کر خادم کو سر بلند و بابرکت فرمائیں تو پیرو مرشد نے جواب دیا، اپنے در دولت پر آنے سے مجھے معذور رکھئے، فقیر یہیں سے دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو برکتیں عنایت کرے لیکن جب اس وزیر نے بہت اصرار کیا تو فرمایا احقر تین شرطوں کے ساتھ حاضر ہوسکتا ہے۔

پہلی شرط یہ ہے کہ جہاں چاہوں گا بیٹھوں گا، آپ کو یہ حق نہیں ہوگا کہ مجھے اوپر نیچے بٹھانے کی کوشش کریں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ یہ کھائیے اور یہ کھائیے پر اصرار نہ کیجئے گا میں جو چاہوں گا کھالوں گا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ جب چاہوں گا آپ کی مجلس سے اٹھ کھڑا ہوں گا آپ اصرار نہ کریں گے کہ چند لمحے اور ٹھہریئے، غرضیکہ اس وزیر نے آپ کی تینوں شرطیں منظور کیں، تو آپ نے فرمایا انشاء اللہ کل آئیں گے چنانچہ دوسرے دن روٹی کے چند ٹکڑے اس تھیلی میں ڈالے جو ہمیشہ اپنی گردن میں لٹکائے رکھتے تھے اور تن تنہا اس وزیر کے محل میں گئے اور دروازے کے قریب بیٹھ گئے حالانکہ وزیر نے شاہانہ طریقہ پر فرش فروش بچھائے تھے اور شاہی نشست کی طرح انتظام کیا تھا، وزیر نے کہا پیرومرشد آپ یہاں نہ بیٹھئے اوپر تشریف رکھئے، پیرومرشد نے جواب دیا کہ شرط یہ ہوئی ہے کہ جہاں جی چاہے گا بیٹھیں گے، چنانچہ وزیر شرط یاد کر کے خاموش ہوگیا، اس کے بعد طرح طرح کے کھانے چنے گئے اور عرض کیا گیا پیرومرشد! بسم اللہ فرمائیے تو آپ نے اپنی تھیلی میں سے چند ٹکڑے نکال کر کھانے لگے، وزیر نے بہت خوشامد کی مگر آپ نے اس کے دسترخوان کی کوئی چیز نہ چکھی اور فرمایا شرط یہ تھی کہ جو کچھ اچھا معلوم ہوگا وہ ہم کھائیں گے، اس کے بعد آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور خدا حافظ کہتے ہوئے فرمایا شرط یہی تھی کہ جب چاہیں گے واپس لوٹیں گے چنانچہ السلام علیکم کہہ کر اس کے محل سے چلے آئے۔

شیخ عبدالوہاب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جبکہ پیرومرشد مکہ معظمہ میں سکونت پذیر تھے دو باپ بیٹے مغرب سے مکہ مکرمہ میں وارد ہوئے جو نہایت درجہ کے عبادت گزار تھے، بیٹا دس یا پندرہ دن کے بعد اور باپ چار یا پانچ دن کے بعد کھانا کھایا کرتے تھے، پیرومرشد ان دونوں کی تعریف سن کر ان سے ملنے کے لیے تیار ہوئے لیکن کمزوری کی وجہ سے پیدل نہ چل سکتے تھے چنانچہ آپ کے کہنے پر ایک تندرست اور قوی ہیکل آدمی آپ کو اپنے کندھوں پر سوار کر کے ان دونوں مغربی بزرگوں کے پاس لے گیا، پیرومرشد کتاب حکم کبیر اور اس خادم کو اپنے ساتھ لیتے گئے، جب ان دونوں مغربی بزرگوں کو معلوم ہوا کہ شہر کے مشہور اور معزز آدمی ملاقات کرنے آرہے ہیں جن کی وجہ سے ہماری شہرت ہو جائے گی اور ہماری عبادت میں خلل پیدا ہوگا تو ان دونوں نے ہماری آمد پر بے التفاتی کا سلوک کیا چنانچہ پیرومرشد نے مجھے خادم (عبدالوہاب) سے کہا دیکھو یہ دونوں کتنی بے رخی سے پیش آرہے ہیں اور اپنے سر کا بوجھ سمجھ کر ہم کو اپنے پاس سے نکالنا چاہتے ہیں اس کے بعد پیرومرشد نے ان دونوں

بزرگوں کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا، ہم نے مشائخین کے چند اقوال جمع کیے ہیں وہ سنئے، چنانچہ پیرومرشد میری جانب متوجہ ہوئے، میں نے چند اقوال سنائے تھے کہ ان دونوں مغربی بزرگوں میں گرمی کے آثار پیدا ہوئے اور ان پر ذوق و وجد کی حالت طاری ہوگئی اس کے بعد ہمیشہ کے لیے یہ بزرگ شیخ کی خدمت میں رہے، آخرکار دونوں نے پیرومرشد سے بیعت کی، اللہ ان پر اور تمام صالحین پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

پیرومرشد متوکل تھے جن کو حصول رزق کے اسباب بغیر کسی واسطہ کے حاصل ہوتے تھے، اکثر مقصد براری کے پیش نظر دیکھا گیا کہ پانی کنویں کی تہہ میں ہے اور پیاسے ہرن اس کی جانب حسرت سے دیکھ رہے ہیں کہ یکایک وہ تہ نشین پانی چڑھ کر کنویں کے من پر سے بہنے لگا جسے ہرن وغیرہ خوب اچھی طرح پی کر لوٹ گئے اور وہ بہتا ہوا پانی ہم لوگوں نے بھی پیا ہے۔

شیخ عبدالوہاب کہتے ہیں کہ پیرومرشد ارشاد فرماتے تھے کہ حلال مال کبھی برباد نہیں اور اگر گم ہو جائے تو پھر مل جاتا ہے، اپنا ایک واقعہ مثال کے طور پر ذکر کرتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ سمندر میں کشتی پر سوار تھے کہ اچانک ایک سخت طوفان آیا جس کی وجہ سے ہماری کشتی ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی، ہم میں سے کئی اشخاص ایک ایک تختہ کے سہارے ساحل پر پہنچے، ہمارے ساتھ جو کتابیں تھیں، بالکل بھیگ گئی تھیں اور چونکہ ہم پیدل سفر کرنے والے تھے اس لیے ہم نے ان کتابوں کو وہیں سرزمین عرب میں دفن کر کے ان پر ایک علامت رکھ دی اور ہم لوگ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے، راستہ میں ہم کو سخت پیاس لگی جیسا کہ مشہور ہے کہ سرزمین عرب میں پانی کا قحط ہے اب وہ منظر ہمارے سامنے آ گیا ساتھیوں نے کہا کہ اب دعا کا وقت ہے میں نے کہا میں دعا کرتا ہوں آپ لوگ آمین کہیں چنانچہ دعا کی برکت سے اتنی بارش ہوئی کہ ہم لوگ خوب سیراب ہوئے اور اپنے اپنے مشکیزے بھر لیے، چند دنوں کے بعد مکہ معظمہ پہنچ گئے، خانہ کعبہ کا طواف وعمرہ کیا، اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی، اسی اثناء میں چند دیہاتی عربوں نے ہمارے پاس آ کر کہا ''ہمارے پاس چند کتابیں ہیں اگر آپ چاہیں تو مول لے سکتے ہیں چنانچہ ہم نے دیکھا کہ وہ ہماری ہی کتابیں تھیں جو ہم دفن کر کے آئے تھے، غرضیکہ ہم نے منہ مانگے دام دیکر وہ کتابیں خرید لیں، بھیگ کر سوکھنے کی

وجہ سے ان کتابوں کے اوراق باہم چپک گئے تھے ہم نے ان کو پھر بھگو کر ایک ایک ورق اس طرح الگ کیا کہ ان میں کوئی حرف تک ضائع نہیں ہوا اور پھر وہ سب قابل استفادہ ہو گئیں۔

شیخ حاجی نظر بدخشانی جو اپنے زمانے کے کامل بزرگ تھے جنہوں نے ماوراء النہر شام اور مصر کے علماء سے تحصیل علوم کے بعد وہاں کے مشائخین سے ریاضت و مجاہدہ کی تلقین حاصل کی تھی، اور حج کے بعد مکہ معظمہ میں بڑے بڑے کام کرنے کے بعد ایک بڑی بزرگ شخصیت کے مالک تھے ظاہر و باطن میں نفس کی تکمیل کر چکے تھے اہل اللہ کہلاتے تھے مجھ فقیر عبدالوہاب کی بھی ان سے ملاقات ہوئی اور میرے خیال میں وہ ولی اللہ تھے یہ بھی میرے پیرومرشد شیخ علی کی محبت و اعتقاد میں غرق اکثر و بیشتر آپ کے پاس خاص طور سے آیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ پیرومرشد کا ایک خصوصی آدمی میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آج شیخ جوان نظر آ رہے ہیں اور عجیب و غریب کیفیت طاری ہے، آپ کو بلا رہے ہیں تعمیل حکم کے پیش نظر احقر حاضر خدمت ہوا دیکھا کہ شیخ اپنی قدیم ہیئت میں ہیں لیکن سکر و بے خودی کے کچھ آثار موجود ہیں مجھے دیکھ کر فرمایا، مرحبا خوش رہو، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ آج ہم پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی کچھ چیزیں خلاف عادت ظاہر ہوئیں تاکہ حاضرین کو زیادہ یقین ہو جائے اور تمکو بھی اس حالت کا مشاہدہ کرانا تھا، اس کے بعد ارشاد فرمایا، عبدالوہاب! تمہارا شمار اہل یقین میں سے ہے تم کو کسی خرق عادت کام دکھانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد اسی حالت میں واپس لوٹ آیا۔

نقل ہے کہ سلطان محمود گجراتی اکثر و بیشتر حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری دیا کرتا تھا لیکن چونکہ غیر مسنون لباس پہنا کرتا تھا اس لیے پیرومرشد شیخ علی اس کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھتے اور اس کی جانب متوجہ نہ ہوتے، ایک دن جبکہ وہ صالحین جیسا لباس زیب تن کر کے آیا تو آپ نے اس کی جانب رضامندی سے دیکھا جس پر سلطان محمود گجراتی نے التماس کی کہ آج پیرومرشد غریب خانہ پر رونق افزا ہوں تاکہ ہم سب لوگ آپ کی روش کے مطابق عمل پیرا ہو سکیں۔

کہتے ہیں کہ سلطان محمود گجراتی کو پانی کے سلسلہ میں بہت وسوسہ آتا تھا اور کسی طرح بھی یہ کیفیت۔ دیگر اس کے دل سے نہ نکلتی تھی چنانچہ حضرت شیخ نے ایک طشت منگوا کر اس میں تین مرتبہ اپنی ٹوپی دھوئی اور ہر دفعہ پانی پھینک دیا، چوتھی مرتبہ اس طشت میں پانی بھر کر فرمایا کہ بابا محمود! یہ پانی بلحاظ شریعت اسلامی بالکل پاک وصاف ہے اس میں کسی قسم کا شک وشبہ کرنا وسوسہ ہے، اور وسوسہ شیطانی کام ہے اب یہ پانی پی لو اور کوئی وسوسہ وشک دل میں نہ لاؤ، چنانچہ پیر و مرشد کے حکم پر سلطان محمود گجراتی نے وہ پانی پی لیا جس کے پیتے ہی سلطان کے دل سے وسوسہ اور شک بالکل دور ہو گیا اور پھر کبھی اس مرض میں مبتلا نہیں ہوا۔

شیخ عبدالوہاب متقی نے شیخ علی کے مختصر حالات پر ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام اتحاف التقی فی فضل شیخ علی متقی رکھا ہے، اس کتاب میں لکھا ہے کہ آفائی پیر و مرشد شیخ علی رحمۃ اللہ علیہ نے ۹۷۵ ہجری میں وفات پائی، اس سے ایک سال پہلے یعنی ۹۷۴ ہجری میں مکہ معظمہ میں آپ کے انتقال کی خبر پھیلی تو مکہ معظمہ کے تمام بڑے بڑے عالم فاضل، پرہیز گار وشیوخ جوق در جوق آپ کے مکان پر آئے لیکن یہاں آکر دیکھا تو آپ بڑے خوش و خرم اور تندرست ہیں بڑے حیران ہوئے، حضرت شیخ نے تبسم فرماتے ہوئے سب سے تکرار توبہ کا حکم فرمایا اور شفاعت کرنے کا وعدہ فرمایا، اس کے بعد فرمایا کہ ہمارے جیسے ایک شخص پر موت طاری ہوئی اور بعد الموت کے حالات دیکھ کر اس نے دربار الٰہی میں عرض کیا مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج دیجئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دنیا میں لوٹا دیا، اب امید ہے کہ وہ کبھی موت کے خوف سے غفلت نہیں کرے گا جس طرح یہ فقیر اپنی موت سے غافل نہیں ہے،

حضرت شیخ مرض موت میں ارشاد فرماتے تھے کہ میں قطب ہوں اور سکرات موت کی شدتیں مقام قطبیت کے لیے ضروری ہیں اور یہ رفع درجات کا ایک ذریعہ ہیں، تم مجھ پر سکرات کے شدائد دیکھ کر اپنے اعتقاد میں کمی نہ کرنا، اس کے بعد اس فقیر سے فرمایا کہ میرے دفن کرنے کے بعد میری روح ایک مقام پر پہنچ جائے گی اور میری صورت مفقود ہو جائے گی لیکن مایوس نہ ہونا اور میری صورت کا تصور پیش نظر رکھنا اور میری قبر کے پاس دعا و ذکر اور تلاوت قرآن کریم جاری رکھنا تا کہ ایک خاص نسبت وہاں سے حاصل کر سکو اس کے بعد تم جہاں جی چاہے چلے جانا اور خوش وخرم رہنا۔

شیخ کی وفات سے دو۲ ماہ قبل جناتوں کے دو۲ گروہ آپ کے پاس آمد و رفت کرنے لگے، ایک گروہ بطریق اعتقاد و محبت، ارادت و الفت آپ کی خدمت میں حاضری دینا اور دینی فوائد حاصل کرتا، نیز تجدید توجہ، اخوت اور رشد و ہدایت حاصل کرتا، اور آپ کی پابوسی کرتا، اور دوسرا گروہ ان جناتوں کا تھا جو آپ سے بغض و عداوت رکھتے اور آپ کا انکار کرتے تھے اور کبھی عیسائیوں فاسقوں اور بدکار لوگوں کی صورتوں میں آتے اور گفتگو نہیں کرتے بلکہ پیرومرشد ان کے نام خط لکھ کر ان کو دیدیا کرتے تھے، ان خطوط میں سے دو خط مجھ فقیر (عبدالوہاب) کے پاس موجود ہیں۔

پہلا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حمد و ثناء کے بعد منجانب کمترین خلق خدا علی بن حسام الدین متقی بنام بزرگ جن۔ سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی، تم عرصہ سے ہمارے پاس آرہے ہو لیکن کچھ گفتگو نہیں کرتے تاکہ معلوم ہو جائے کہ تمہارا مقصد کیا ہے، میرے ساتھیوں میں سے ایک شخص عبدالوہاب ہے، اگر چاہو تو اس کے پاس جا کر اپنا مطلب بیان کرو تاکہ ہم تمہاری امداد کر سکیں، اے اللہ ہم پر حق واضح کر اور حق کی پیروی کی قوت دے اور باطل کو باطل کی صورت میں دکھا اور اس سے محفوظ ہونے کی قوت عطا فرما، یہ خط تمہاری جماعت کے اراکین کے نام ہے۔

دوسرا خط

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے انسانوں اور جناتوں کو صرف اپنی عبادت یعنی اپنے عرفان کے لیے پیدا کیا ہے، اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے، اس بات کو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنے عرفان کے لیے پیدا فرمایا ہے اور تمام علماء و عقلاء اور عارفوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معرفت الٰہی صرف علم و عقل اور حکمت کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتی ہے، جو کوئی خدا تعالیٰ کے بندوں سے سلسلہ گفتگو بند کر لیتا ہے یا عقل کے ذریعہ نیکی و بدی، شرارت و نفع کا علم نہیں رکھتا تو اس کو اللہ کے عرفان کی دولت نہیں ملتی، اس لیے لوگوں سے میل جول میں اپنی گفتگو کے ذریعہ بھی اللہ کی معرفت کے طریقے حاصل کرو اور ہادی و رہنما

شخصیتوں کی فہرست میں اپنے نام درج کراؤ، مجھ پر اللہ کا جو حق تھا وہ میں نے تم تک پہنچا دیا اور میں اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو گیا، میری اس نصیحت پر جس کا جی چاہے عمل کرے، واضح رہے کہ شیخ علی رحمۃ اللہ علیہ پر وفات سے پہلے ایک جذبہ طاری ہو گیا تھا ان کے تمام حرکات وسکنات میں ایک انقلاب رونما تھا، انہوں نے اپنی وفات سے تقریباً تین چار ماہ قبل ماہ صفر ۹۷۵ ہجری کی ایک رات مجھ فقیر سے فرمایا کہ فلانے شاعر کا شعر پڑھو میں نے اپنی فراست کے ذریعہ یہ شعر پڑھا۔

شعر

ہرگز نیاید در نظر نقشے ز رویت خوبتر　　　　شمسے ندانم یا قمر حورے ندانم یا پری

یہ شعر سنتے ہی ان کی کچھ عجیب حالت ہو گئی اور بآواز بلند فرمایا پڑھے جاؤ، پڑھے جاؤ، چنانچہ خادم نے یہ شعر کئی مرتبہ دہرایا، اس اثناء میں انہوں نے بہت سی ادھر تو محبت آمیز باتیں کہیں اور شور انگیز نعرے لگاتے رہے اسی حالت میں ان کا ملازم آیا اور کہا کھانا حاضر ہے، آپ کا دستور تھا کہ آپ کے کھانے کو اتنا باریک کوٹا پیسا جاتا کہ اس کے سب ذرے ایک ذات ہو جاتے اور یہ پہچاننا مشکل ہو جاتا کہ اس غذا میں کون کون سی چیزیں موجود ہیں، چنانچہ آپ نے ملازم سے کہا اس کو پیس کر اتنا باریک کر دو کہ اس کی تمام چیزیں ایک ذات ہو جائیں اور اس میں دوئی نہ رہے، جیسا کہ اس دوہرے میں ہے۔

دوہرا

سن سہیلی پرم کی ماتا　　　　یوں مل رہیے جوں دودھ نباتا

غرضیکہ آپ پر ساری رات عجیب حالت طاری تھی، ہم بھی آپ کے ساتھ ساری رات جاگتے رہے اور آپ رات بھر محبت انگیز کلمات کہتے رہے جو کچھ بھی ذکر کیا گیا ہے مذکورہ رسالہ سے نقل کیا گیا ہے۔

نیز مجھ فقیر حقیر (شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ) سے شیخ علی رضی اللہ عنہ کے یہی مرید شیخ عبدالوہاب کہتے تھے کہ اسی زمانہ قبل از مرگ میں پیر و مرشد شیخ علی رضی اللہ عنہ

ذکر جہر کثرت سے کرتے تھے اور شیخ کی حالت جسمانی یہ تھی کہ نشست و برخاست اور ہلنے جلنے کی سکت نہ رکھتے تھے ذکر کے وقت حضرت شیخ کی حالت یہ ہو جاتی کہ گویا کسی چیز کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کبھی اس کو بھگاتے بھی تھے، اسی حالت میں فرمایا کہ معلا میں قبر بنوالینا چاہئے تاکہ رخصت ہونے سے پہلے منزل مقرر ہو جائے، اس کے بعد فرمایا بس اللہ ہی جانتا ہے کہ کب تک زندہ رہیں گے اور کب دنیا سے رخصت ہوں گے، یہ قبرستان عام مسلمانوں کا ہے مرنے سے پہلے لوگوں پر جگہ تنگ مناسب نہیں ہے، انتقال کے بعد لوگ جہاں چاہیں دفن کر دیں، نیز شیخ ان دنوں مقام قطبیت کے خاص لباس میں آراستہ تھے۔ وفات سے قبل حضرت شیخ نے فرمایا تھا کہ جب تک میری انگشت شہادت متحرک رہے اس وقت تک یقین رکھنا کہ میں زندہ ہوں اور جس وقت میری انگشت شہادت حرکت نہ کرے بلکہ بے حس و حرکت ہو جائے تو سمجھ لینا کہ میری موت واقع ہو چکی ہے، چنانچہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آپ کے انتقال کے بعد جبکہ آپ کے جسم میں کسی قسم کی گرمی تک باقی نہ رہی تھی، آپ کی انگشت شہادت برابر حرکت کر رہی تھی۔

پیرومرشد شیخ علی رحمۃ اللہ علیہ نے صبح سویرے ۲۔ جمادی الثانی ۹۷۵ ہجری میں اس طرح وصال کیا کہ آپ کا سر مبارک مجھ فقیر (عبدالوہاب) کے زانو پر تھا اور آپ کے لبوں پر ذکر الٰہی جاری تھا۔

آپ کی تاریخ وفات قضی نحبہٗ ہے بعض لوگوں نے شیخ مکہ اور متابعت نبی بھی نکالی ہے، آپ ۸۸۵ ہجری میں پیدا ہوئے تھے، پیرومرشد شیخ علی کی ایک کرامت یہ ہے کہ آپ کی وفات کے بارہ چودہ سال بعد آپ کے بھتیجے کے ایک بیٹے سیدی احمد کا انتقال ہوا چنانچہ مکہ معظمہ کے رسم و رواج کے مطابق لوگوں نے کہا کہ سیدی احمد کو کسی ولی اور مشہور بزرگ کی قبر میں پہلے اس طرح رکھا جائے جس طرح امام عبداللہ یافعی کو حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ کی قبر میں رکھا گیا تھا چنانچہ ان کی میت کو شیخ علی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر میں رکھنے کی تجویز منظور کی گئی، جب شیخ علی کی قبر کھودی گئی تو دیکھا کہ آپ کا جسم آپ کے کفن میں جوں کا توں اپنی اصلی خشک حالت میں موجود ہے حالانکہ مکہ معظمہ کی زمین کی یہ حالت ہے کہ تین چار ماہ کی قلیل مدت میں میت بالکل مٹی ہو جاتی ہے اور اس کے جسم کا کوئی اثر نظر

نہیں آتا ہے۔

میں مصنف کتاب اپنے قیام کر کے زمانے میں ہمیشہ شیخ عبدالوہاب سے ملتا رہتا تھا اور ان کے ساتھ شیخ علی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جایا کرتا تھا، ایک روز میں تنہا شیخ علی رضی اللہ عنہ کے مزار پر گیا اور اپنی حالت ان سے بیان کر کے بشارت کا طلب گار ہوا، چنانچہ ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ حضرت شیخ مقام حنفی میں ایک تخت پر بیٹھے ہیں، اور میں ان کے سامنے کھڑا ہوا کہہ رہا ہوں کہ میں آپ کے خلیفہ شیخ عبدالوہاب سے ملتا جلتا ہوں آپ براہ کرم ان سے سفارش کر دیجئے کہ وہ میری جانب متوجہ ہو کر مجھ پر زیادہ سے زیادہ مہربانیاں کریں (اور یہی جملے میں نے آپکے مزار پر کہے تھے) چنانچہ شیخ علی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، انشاء اللہ آپ کا مطلب پورا ہو جائے گا، آپ مطمئن رہیں، والسلام۔

ممالک مغربیہ کے مشہور شیخ شیخ احمد بررزق کی کتاب اصول طریقت کی شیخ نے تشریح کی ہے اور ان کے پورے متن کو اپنی کتاب میں لکھا ہے چنانچہ اس عبارت کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

شیخ احمد بررزق رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ ہمارے اصول طریقت پانچ ہیں، پوشیدہ وعلانیہ اللہ کا خوف وتقویٰ، تمام اقوال وافعال میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ذلت واقبال مندی دونوں حالتوں میں مخلوق الٰہی سے علیحدہ رہنا، کثرت وقلت اور افلاس و دولت مندی کے زمانے میں راضی برضاء الٰہی رہنا، علانیہ اور خفیہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں رجوع رہنا، اس کی تشریح یہ ہے کہ رجوع واستقامت کی بدولت تقویٰ حاصل ہوتا ہے، خوش اخلاقی اور تحفظ کی وجہ سے سنت نبوی کی پیروی نصیب ہوتی ہے۔ توکل وصبر کی بدولت خلوت نصیب ہوتی ہے، قناعت اور اپنا سب کچھ اللہ کے سپرد کر دینے کے بعد راضی برضاء الٰہی کی دولت ہاتھ آتی ہے، تکالیف میں اللہ کے حضور التجائیں اور خوشیوں میں اللہ کے شکر وحمد کی وجہ سے رجوع الی اللہ ہونا حاصل ہوتا ہے اور یہ سب پانچ اصول ہیں، یعنی بلند ہمتی، حرمات الٰہی کی حفاظت، حسن خدمت، پکا ارادہ اور نعمتوں کی عظمت، کیونکہ بلند ہمتی کی وجہ سے مرتبے بلند ہوتے ہیں، اور جو احکام الٰہی کی حرمت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ کرتا ہے اور جو کوئی حسن خدمت سے کام لیتا ہے تو اس کی کرامتیں زیادہ

ہوتی ہیں اور جو پکا ارادہ رکھتا ہے تو اس کی ہدایت و رہنمائی عام ہو جاتی ہے اور جو خدا تعالیٰ کی نعمتوں کی عظمت کرتا ہے تو لوگ اس کو اپنی آنکھوں پر بٹھاتے اور اس کے احسانات کے گن گاتے ہیں، اور لطف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مزید نعمتوں سے مالا مال کرتا ہے۔

معاملات کے بھی پانچ اصول ہیں:- احکام الٰہی پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنا، بصیرت حاصل کرنے کے لیے مشائخ کی خدمت میں رہنا، حفاظت کے لیے تاویلیں چھوڑ دینا، حضوری کی خاطر پابندی سے وظائف پڑھنا، اپنے نفس کو ہر معاملہ میں ذلیل و کمتر کرنا تاکہ خواہشات نفسانی سے آزاد ہو کر سلامتی حاصل ہو جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے،

وان تعدل کل عدل لا یؤخذ منھا

اور ارشاد ہے **وما ابرئُ نفسی ان النفس لا مارۃ بالسوء الا ما رحم ربی**

نفس کی بیماریوں کا جن چیزوں سے علاج کیا جاتا ہے اس کے بھی پانچ اصول ہیں کم کھانا، مصیبتوں کے وقت اللہ سے التجا کرنا، فتنہ و فساد کے مواقع اور شرارت کے مقام سے دور ہٹ جانا، خلوت و جلوت میں ہمیشہ استغفار اور درود و سلام پڑھتے رہنا، اس شخص کو ساتھی بنانا جو احکام الٰہی پر خود گامزن ہو اور دوسروں کو بھی آگاہ کرتا ہو۔

شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت ہے کہ جہاں ثواب کی امید ہے وہاں جاؤ، جہاں گناہ نہ ہو سکنے کا یقین ہو وہاں بیٹھو، اس کے ساتھ رہو جو اطاعت الٰہی کی تلقین کرتا رہتا ہو، اپنے نفس کی اس وقت تعریف کرو جب کہ یقین زیادہ ہو، حسب ضرورت تھوڑا سا کہو۔

اس کے ماسوا شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا ہے۔

جو کوئی تمہیں دنیا داری کی طرف متوجہ کرے تو وہ فریبی ہے، جو تمہیں اچھے کام کرنے کو کہے وہ متقی ہے اور جس نے تم کو خدا تعالیٰ کی راہ بتائی تو گویا اس نے تم کو یقیناً نصیحت کی تقویٰ کو اپنا وطن بناؤ کہ پھر نفس کا ہرج مرج، عیوب، گناہ اور عام چیزوں کا خوف تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

اور میں کہتا ہوں کہ عام چیزوں کا خوف، گناہوں پر اصرار اور عیوب پر خوش ہونا یہ تینوں چیزیں بلاؤں، مصیبتوں اور مشکلات آنے کی جڑیں ہیں، تیز اس زمانہ کے فقیر ان

پانچ چیزوں میں گرفتار ہیں (۱) علم پر اپنی جہالت کو مقدم رکھتے ہیں، (۲) اپنی بکواس پر غرور و ناز کرتے ہیں، (۳) احکام شریعت کی تعمیل نہ کرنے پر دلیر ہیں، (۴) اپنی روش پر مغرور ہیں، (۵) بغیر شرائط کے آمدنی وفتوح کی جلدی کرتے ہیں اس لیے وہ ان پانچ باتوں میں گرفتار ہیں۔ (۱) بدعت کو سنت پر ترجیح دینا، (۲) حق کو چھوڑ کر باطل پر عمل کرنا، (۳) ہر چیز میں خواہشات پر عمل کرنا، (۴) حقائق کے مقابلے میں ناکارہ چیزوں کی طلب، (۵) قول و فعل میں تضاد کا پیدا ہونا۔ اسی سبب سے ان کو عبادت میں وسوسہ آتا ہے۔ فطرت الٰہی سے دور ہو جاتے ہیں، ہر وقت گانے سنتے ہیں، اہل دنیا کے اجتماع کو پسند کرتے ہیں حتیٰ کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی مجلس گرم رکھتے ہیں اور اپنے استدلال میں اہل تصوف کے اقوال و افعال کو پیش کرتے ہیں لیکن اگر حقیقت پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کے جواز کے لیے کچھ اور اسباب ہیں، مثال کے طور پر سماع اس وقت جائز ہے جبکہ سالک مغلوب الحال یا کامل ہو یا یہ کہ سماع سے شرح صدر پید ہو لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اپنے موقع اور محل پر ہو۔

وسولہ کا سبب سنت سے ناواقفیت ہے یا وہ ایک خیال ہے جو عقل میں موجود رہتا ہے، اللہ تعالیٰ سے دور بھاگنا، لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا خصوصاً عالم بدعمل اور جاہل صوفی کے لیے کمسنوں کی صحبت میں رہنا یہ وہ چیزیں ہیں جو دنیا و آخرت میں باعثِ شرم و عار ہیں۔

سیدی ابو مدین رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے جو تمہارے طریقے کے مخالف ہو اس کے ساتھ نہ رہو اگرچہ وہ سات سالہ بچہ ہی ہو کیونکہ ایسا بچہ کسی ایک حالت پر قائم نہیں رہتا، اس کو جو کچھ سکھایا جاتا ہے وہ یا تو اس کو یاد نہیں کرتا یا پھر وہ اسے بھول جاتا ہے، طوائف زادوں اور گانا بجانے والوں سے ہمیشہ بالکل الگ رہو اور یاد رکھو کہ جو کوئی خود کو اللہ والا کہلائے اور اس کی حالت یہ ہو کہ احکام الٰہی کی نافرمانی کرتا ہو، تصنع کرتا، حریص ولالچی ہو، بندوں میں پھوٹ ڈالتا ہو اور امور شریعت کو پوری طرح بجانہ لاتا ہو تو ایسا شخص جھوٹا، لپاٹیا، بہروپیا ہے۔

شیخ کے لیے ضروری ہے کہ اپنے مرید میں پانچ چیزیں پیدا کرے، علم صحیح ذوق صریح، بلند ہمتی، ہر حالت میں خوش رہنا اور بصیرت نافذہ۔ اس کے برعکس جس شخص میں حسب ذیل پانچ چیزیں ہوں گی تو وہ ہرگز شیخ نہیں بن سکتا۔ جہالت، مسلمانوں کی بے حرمتی، لغو اور

بیہودہ کاموں میں مشغول ہونا، خواہشات کی پیروی، بد اخلاقی۔

مرید کو اپنے بھائیوں اور اپنے شیخ کے ساتھ حسب ذیل پانچ امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، تعمیل احکام بموجب اسلام، ممنوعات اسلامیہ سے پرہیز کرنا، اگرچہ اس میں ہلاکت ہو، حاضر اور غائب، زندگی و موت کی حالت میں عزت کرنا، ادائیگی حقوق کی فکر کرنا، اور ہر معاملہ میں نصیحت پر عمل کرنا، اللہ کا شکر ہے کہ اصول مکمل طور پر لکھے گئے ہیں، انہیں دن میں ایک دو مرتبہ ضرور پڑھ لیا کرو، اور ایسا ہی عمل کیا کرو تا کہ یہ تمہارے دل پر منقش ہو جائیں، اللہ کی یاد کرتے رہو اللہ ہم کو اور تم کو اپنی خوشنودی کے مواقع فراہم کرے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

نیز سیدی ابو مدین رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ طریقت کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے، غیر غلط باتوں کو چھوڑ کر اللہ کی حفاظت میں آ کر متقی بن جاؤ، سنت نبوی کی اس طرح تعمیل کرو کہ صحیح احادیث ہی پر کار فرما ہو، مخلوق سے اس طرح الگ رہو کہ کوئی تم پر تہمت نہ لگا سکے، نیز کوئی تم کو محسن کا لقب بھی نہ دے مگر ان معاملات کی حد تک جن کے کرنے کا اللہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے وہ ضرور کرو ہر حالت میں صبر و شکر کرتے ہوئے اسلامی کام کرتے رہو، اللہ کی جانب رجوع رہو جس طرح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ تم اپنی موجودہ حالت و کیفیت کے ساتھ ایسے طرح متقی بنو کہ برائیوں سے دور رہ کر اچھائیاں کرو، مخلوق الٰہی سے خوش اخلاق رہو اور ایثار کو کام میں لاتے رہو، حاکم کے اسلامی حکم کی تعمیل کرو، نماز پڑھو، قربانی کرو، روزے رکھو اور افطار کرو، سفر میں نماز قصر پڑھو تو خدا تعالیٰ تم پر کشادگی کرے گا اور دین و دنیا میں تم کو فلاح و بہبود ہوگی، صلوٰۃ التسبیح پڑھو، باحات پر عمل کرو، جماعت کے ساتھ ذکر کرو، نہ اس حیثیت سے کہ افضل ہے کہ اس لیے کہ اس صورت میں نفس کے لیے سہولت ہے، مردوں اور زندہ لوگوں کی زیارت کیا کرو لیکن اس کو واجب اور سنت مت سمجھو، مومن آدمی سے برکت حاصل کرو بشرطیکہ وہ سنت کے خلاف کوئی کام نہ کرتا ہو، اس کا اقتدار کرو جس کا عمل سنت ہو، اصل بھلائی یہ ہے کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرو اور اپنی حاجت برآوری کے لیے اسی کے دربار میں گڑگڑاؤ، مجھ فقیر کے نزدیک ہر حاجت کے لیے یہی کنجی ہے سارے مقاصد پورے ہوتے ہیں، لوگوں کے فتنہ وفساد سے

حفاظت ہوتی ہے طریقت کے بنیادی اصول بحمد اللہ نہایت وضاحت کے ساتھ ختم ہوئے، درود و سلام ہو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے آل واصحاب پر۔

سیدی شیخ عبدالوہاب المتقی القادری الشاذلی رحمۃ اللہ علیہ

۹۰۲ھ.............................۱۰۰۱ھ

آپ مندو میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد شیخ ولی اللہ مندو کے اکابرین میں سے تھے، حادثات وانقلاب زمانہ کی بدولت مندو سے روانہ ہوکر برہان پور آئے اور یہیں سکونت پذیر ہوئے، برہان پور آکر ماضی کی طرح عزت دار و سربلند ہوئے اور پھر تھوڑے ہی دنوں بعد انتقال کیا اسی زمانہ میں آپ کی والدہ نے آپ کو کمسنی میں چھوڑ کر سفر آخرت اختیار کیا، بچپن ہی کے زمانہ سے اللہ کی توفیق نے آپ کی رفاقت کی ہے آپ نے اسی زمانے سے طلب حق کے لیے فقر و تجرید، سفر و سیاحت عالم اختیار کیا، آپ نے زیادہ تر خواح گجرات، اطراف واکناف علاقہ دکن، سیلون، لنکا اور سراندیپ میں سیاحت کی، آپ کا یہ دستور تھا کہ تین دن سے زیادہ کہیں نہ ٹھہرا کرتے، البتہ تحصیل علم اور مشائخین وصالحین سے استفادہ کے لیے بقدر ضرورت قیام کیا کرتے تھے۔

بیس ۲۰ سال کی عمر کے لگ بھگ جبکہ آپ کی شادی بھی نہ ہوئی تھی مکہ معظمہ پہنچے۔ شیخ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ کی چونکہ آپ کے والد سے شناسائی تھی اس لیے وہ آپ کی مکہ معظمہ میں آمد کی خبر سن کر آپ سے آپ کی قیام گاہ پر ملنے آئے اور بڑی مہربانیاں کرتے ہوئے اپنے ساتھ قیام کرنے کی استدعا کی، پھر جب انہوں نے آپ کی خوشخط تحریر دیکھی تو کہا آپ ضرور بالضرور میرے غریب خانہ پر تشریف لائیں اور ہماری چیزوں کی کتابت کردیں اس پر آپ نے اپنے استغنائے ذاتی اور بے نیازی کو کام میں لاتے ہوئے شیخ علی متقی کی دعوت قیام منظور نہ کی اور کہا دیکھتے ہیں انشاء اللہ نصیب میں کیا ہے؟ لیکن آخر کار شیخ کا فضل و کمال اور استقامت حال دیکھ کر ان کے پاس قیام کرلیا، نیز آپ کو اپنے والد کی یہ نصیحت بھی یاد تھی کہ اگر تمہیں راہ حق کے سلوک کی توفیق ہو تو شیخ علی متقی اور ان جیسے بزرگوں کی صحبت ضرور اختیار کرنا، فلاں فلاں لوگوں کے ساتھ رہنے کی کوشش کرنا، ان بزرگوں کے ساتھ ایک ایسے

کا نام بھی لیا تھا جو دعوت اسمائے الٰہی اور بادشاہوں کے مسخر کرنے میں مشہور تھا، کہ اس شخص سے ہمیشہ پرہیز کرنا، آپ خط نستعلیق بہترین لکھتے تھے، لیکن شیخ علی نے اس وجہ سے کہ قرآن شریف کو خط نسخ میں لکھا جاتا ہے اور یہی صلحاء کی عادت رہی ہے، آپ کو خط نسخ کی مشق کرنے کی طرف اشارہ کیا، چونکہ آپ کو کتابت میں پہلے سے مہارت حاصل تھی اور آپ کے ہاتھ میں لکھنے کی قوت تھی اس لیے تھوڑی سی مدت میں خط نسخ خوب لکھنے لگے، بعد میں شیخ کی تالیفات کی کتابت اور تصحیح و ترتیب میں مصروف ہوئے، آپ نے شیخ کی بے حساب کتابیں لکھی ہیں آپ تیز لکھنے میں اتنے ماہر تھے کہ ایک مرتبہ بارہ ہزار اشعار کو بارہ راتوں میں کتابت کر دی، ایک رات میں ایک ہزار اشعار لکھتے تھے اور دن میں حسب معمول دوسری کتابوں کی تصحیح و ترتیب میں مصروف رہتے تھے، شیخ کی اکثر کتابوں کی تصحیح و ترتیب آپ کے ہاتھ سے ہوئی ہے، جن دنوں مکہ معظمہ میں قحط سالی ہوئی اور شیخ علی بھی دوسروں کی طرح فاقے کرنے لگے تو آپ ایک دوسرے آدمی کے پاس جا کر کتابت کرتے اور اس کی اجرت پر آپ کی اور شیخ کی گزر بسر ہوتی تھی، چونکہ ان دنوں بیگن بہت سستے تھے، اس لیے انہیں خرید کر ان میں تھوڑا سا نمک ڈال کر اچار کے طور پر رکھ دیتے اور یہی روزانہ اپنے شیخ کے ساتھ تناول فرماتے تھے غرضیکہ آپ اپنے پیرومرشد کی اطاعت اور رضامندی میں اتنے منہمک تھے کہ آپ کو فنافی الشیخ کہا جائے تو بجا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شیخ کی ظاہری و باطنی مہربانیوں کے لیے مخصوص ہو گئے اور انوار و اسرار و کمالات سے بہرہ ور ہوئے، اپنے پیر کے کمالات کی صرف مجموعہ ہی نہیں بلکہ پیر کی ذات بن گئے، شیخ علی فرمایا کرتے تھے میں نے راہ خدا میں ایک بھائی پایا جو عبدالوہاب ہے، شیخ عبدالوہاب کا بیان ہے کہ پیرومرشد نے مرید کرتے وقت مجھ سے اقرار لیا کہ مالداری پر فقر کو مقدم رکھنا اور اس اعتقاد پر جمے رہنا چنانچہ اب تک میرا یہی عقیدہ ہے غرضیکہ شیخ کے ہاتھ میں نے ماہ جمادی الاول ۹۶۳ ہجری میں بیعت کی اور ان کی خدمت میں ان کی وفات ۲۔ جمادی الاول ۹۷۵ ہجری تک رہا میں ان کے ساتھ تقریباً بارہ برس رہا اس وقت پیرومرشد کی عمر تقریباً (۶۴) سال ہو گی آپ نے اپنے قیام مکہ معظمہ کے زمانے میں (۴۴) حج کیے اور چوالیسویں حج کے بعد آپ دوسرے سال حج کے لیے مکہ معظمہ سے گجرات آئے، کشتی کے ذریعہ آپ کی آمد میں پندرہ ۱۵ یا سولہ

۱۶ دن اور مکہ کی واپسی کے لیے چالیس دن صرف ہوئے، اس سال بھی آپ نے مکہ واپس ہو کر حج ادا کیا، آپ کی آمد و رفت کا یہ قلیل عرصہ جو کشتی کے ذریعہ طے ہوا آپ کی کرامت تھی۔

شیخ عبدالوہاب اس زمانے میں علم وعمل، حال واتباع، استقامت و تربیت مریدوں کے سلوک اور طالب علموں کی افادیت، امداد اور غریبوں فقیروں پر مہربانی و شفقت، مخلوق الٰہی کی نصیحت و برکت عطائے نورانیت اور تمام نیک کاموں کی تلقین کرنے میں اپنے پیرو مرشد کے حقیقی وارث، اولیں خلیفہ اور صاحب اسرار ہیں۔

اہالیان حرمین، مشائخین ومصروشام نے آپ سے ملاقات کی ہیں اور یہ سب آپ کی ولایت اور علوشان کے قائل ہیں اور ان کا متفقہ بیان ہے کہ شیخ عبدالوہاب دراصل قطب وقت امام ابوالحسن شاذلی کے شاگرد شیخ ابوالعباس مرسی کے قدم بہ قدم گامزن ہیں۔

بعض مشائخین یمن نے اہالیان حرمین کے نام شیخ عبدالوہاب کی تعریف میں لکھا ہے اے اہالیان حرمین! تم میں ایک شمع منجانب اللہ روشن ہے اس سے روشنی حاصل کرو۔

اہل یمن کے صاحب حال عارف ومحقق، شیدائی توحید شیخ سید حاتم ایک مرتبہ شیخ عبدالوہاب سے ملنے کے شوق میں مکہ معظمہ آئے لیکن شیخ عبدالوہاب نے اپنے مکان پر ملنے کی ان کو اجازت نہ دے کر کہلا بھیجا دلوں کی ملاقات ہی زیادہ وقعت رکھتی ہے جسمانی طور پر ملنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے چنانچہ سید حاتم یہ جواب پا کر بخوشی یمن واپس ہو گئے۔

جس سال مکہ معظّمہ سے میں ہندوستان جانے والا تھا بعض یمنیوں نے آ کر کہا کہ سید حاتم اس موسم میں شیخ عبدالوہاب سے ملنے کا ارادہ رکھتے ہیں اسی زمانے میں ایک دن تنہا بیٹھا ہوا حزب البحر کی نقل کر رہا تھا کہ مکہ مکرمہ کے مشہور اور ممتاز بزرگ شیخ علاؤ الدین میرے گھر پر حاضر ہوئے اور پوچھنے لگے یہ کیا لکھ رہے ہو؟ میں نے جواب میں کہا حزب البحر نقل کر رہا ہوں تاکہ کشتی میں اسے پڑھ سکوں، پھر انہوں نے فرمایا کسی سے اجازت لی ہے؟ میں نے کہا شیخ عبدالوہاب متقی سے اجازت لینے کا ارادہ ہے اس پر انہوں نے دریافت کیا کہ کیا تم شیخ عبدالوہاب کو جانتے ہو؟ میں نے کہا تقریباً دو سال سے آپ کی خدمت

کررہا ہوں تو انہوں نے فرمایا مبارک ہو تمہارے حج مقبول ہوئے اور اعمال پسندیدہ ہوئے، میں نے کہا کس وجہ سے آپ تعریف کرتے ہیں؟ جواب دیا اس لیے کہ میرے یمن کے سفر میں وہاں کے مشائخین وفقراء نے متفقہ طور پر کہا کہ شیخ عبدالوہاب مکہ مکرمہ میں اپنے وقت کے قطب ہیں۔

شیخ عبدالوہاب کتب حقائق وتوحید مثلاً فصوص الحکم وغیرہ کے بارے میں توقف کرتے تھے نہ تو اس قسم کی کتابیں پڑھتے پڑھاتے اور نہ ان کی ممانعت کرتے اور دوسرے فقہاء کی طرح کسی کو برا بھلا نہیں کہتے تھے، آپ فرماتے تھے کہ ظاہری و باطنی طور پر اہل سنت و الجماعت کی طرح پہلے اپنا عقیدہ مضبوط کرو پھر جو کتابیں مطالعہ کرنا چاہتے ہو کرلو، ان کتابوں کے مشکل مقامات پر فکر مت کرو، اور اپنے دل میں کوئی خلجان پیدا نہ کرو، ان کتابوں کو دیکھ کر اپنا اعتقاد بنانا مناسب نہیں ہے، ہر شخص کی بات کو ٹھنڈے دل سے سن لو اور اچھی طرح سمجھ لو، جو بات حق نظر آئے اسے اپنی گرہ میں باندھ لو اور باقی کو چھوڑ دو، اگر سمجھ میں نہ آئے تو اس سے قطع نظر کر کے چھوڑ دو، اور اپنے عقیدہ میں خلل مت ڈالو۔

ایک مرتبہ آپ کے سامنے ایک کتاب جس کا نام انسان کامل تھا ذکر کیا گیا، آپ نے فرمایا اس کتاب کو شیخ عبدالکریم جیلی نے جو عدن میں سکونت پذیر تھے اور یمن کے مشائخین میں سے تھے تصنیف کی ہے، اور یہ کتاب ابن عربی کی کتابوں کی طرز پر ہے، پھر شیخ عبدالکریم کی تعریف کرنے لگے، فرمایا انہوں نے قرآن شریف کی ایک تفسیر لکھی ہے جس کی حالت یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تشریح کی (۱۹) جلدیں ہیں، بسم اللہ کے ہر حرف پر ایک بہت بڑی جلد تصنیف کی ہے جس میں سے دو تین جلدیں میری نظر سے بھی گزری ہیں، اور اس میں بڑے بڑے علوم کو عالمانہ طور پر لکھا ہے لیکن درحقیقت زہر کو شکر میں لپیٹ کر پیش کیا ہے، اگر اس کتاب کے مطالعہ سے پرہیز کیا جائے تو بہتر ہے ورنہ اس سے یقیناً مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

آپ فرماتے تھے کہ تصوف کے لیے یہ کوئی شرط نہیں ہے کہ پہلے توحید وجودی کے اعتقاد کو رکھا جائے جیسا کہ فصوص الحکم وغیرہ میں مذکور ہے، بلکہ تصوف کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہمیشہ ریاضت پر عمل کیا جائے اور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہو، اس کے بعد میں

ذوق و حال پیدا ہو کر باطن میں ایک ادراک نمودار ہو جائے، آپ نے فرمایا اگر ایک شخص کلمہ پڑھتا ہے اور نماز روزہ وغیرہ ادا کرتا ہے اس سے اگر حال و ذوق اور ادراک کی چیزیں ظاہر ہوں تو اس کو معذور رکھ کر اس پر لعن وطعن نہ کرے اور اسے ملحدین کی طرف منسوب نہ کرے، برخلاف اس کے جو مسلمان نہ ہو اور ارکان اسلام ادا نہ کرتا ہو وہ اگر توحید وجودی اور اپنے ادراک و ذوق و حال کو بیان کرے تو وہ پکا ملحد اور بے دین ہے، ایسے شخص کی باتوں کا فوراً انکار کر دو، قوالی کی بابت آپ کی یہ حالت تھی کہ کسی مرید کو قوالی سننے کی اجازت نہ دیتے تھے، ایک مرتبہ میں نے کہا کہ ہمارے ملک میں قوالی سننا ایک عام چیز بن گئی ہے اگر کوئی شخص قوالی سننے سے احتراز کرے تو سب لوگ اس کے مخالف اور اس کو برا سمجھتے ہیں اور مشائخین کے حوالہ سے اس پر الزام لگاتے ہیں ایسے موقع پر بتایئے کیا عمل کرنا چاہئے؟ جواب دیا، اگر کبھی اپنے ہم مشرب لوگوں کے ساتھ کوئی غزل قوالی مقررہ شرائط کے ساتھ سن جائے تو حرج نہیں ہے، اس پر میں نے پھر کہا کہ ہندوستان کا قاعدہ یہ ہے کہ مجلس قوالی میں ہر قسم کے لوگ اہل و نااہل، صالح و منافق اکٹھے ہوتے ہیں اور چناں چنیں کرتے ہیں جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا، اس مجلس قوالی کی بابت کیا ارشاد ہے؟ جواب دیا ایسی مجلس قوالی بالکل جائز نہیں، طالب حق کے لیے اس سے پرہیز واجب ہے اور جب کبھی ایسا مسئلہ درپیش ہو تو اس میں کبھی چشم پوشی نہ کرنا۔

شیخ عبدالوہاب اپنے پیرو مرشد کے زمانہ میں اور ان کے بعد بھی ایک عرصہ تک مجرد رہے البتہ جب پچاس سال کی عمر کو پہنچے تو شادی کی اور شادی سے پہلے کتابت یا نذرانہ کے طور پر جو پیسے ملتے تھے وہ سب فقیروں کو تقسیم کر دیا کرتے تھے اور شادی کے بعد اہل و عیال کے حقوق کو مقدم رکھتے تھے تاہم فقیروں کی امداد اور غم خواری کو بھی ملحوظ رکھتے تھے، خصوصاً ہندوستانی فقیروں کے پشت و پناہ تھے ان کے لباس، کھانے پینے کا بندوبست کرتے، جو لوگ مدینہ منورہ زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض سے آتے ان کے اسباب سفر میں پوری امداد فرماتے، میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس زمانہ میں آپ سے زیادہ کوئی شخص علوم شرعیہ کا ماہر موجود نہیں ہے، اگر یہ کہا جائے کہ نعت قاموس آپ کو پوری یاد تھی تو مبالغہ نہ ہوگا، اسی طرح فقہ حدیث اور فلسفہ کی کتابیں بیشتر زبانی یاد تھیں، عربی ادب میں بھی

ماہر تھے، برسوں تک حرم شریف میں ان کتابوں کو پڑھاتے رہے، اب بڑھاپے کی وجہ سے بینائی کمزور ہوگئی اس لیے گوشہ نشین ہیں جو کتابیں نادر و کامیاب اور زیادہ مفید ہیں ان کو منگوا کر ان کی تصحیح کرتے ہیں اور اصل مسئلہ تلاش کر کے ایسے انداز میں لکھ دیتے ہیں کہ جس سے طالب کی کامل تشفی ہو جاتی ہے اور اپنی زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔

آپ فرماتے تھے کہ علم غذا کی طرح ہے جس کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے اور اس کا نفع عام ہے، ذکر دوا کی طرح ہے جس کے ذریعہ علاج کیا جاتا ہے، طالب کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے کاموں سے فرصت نکال کر خلوت میں فراغت دل اور حضور قلب کرے خاص کر رمضان کے آخری عشرے اور بقرعید کے پہلے عشرہ خصوصیت کے ساتھ ذکر و شغل و عبادت کرے اور باقی دنوں میں تحصیل علم میں لگ جائے، لوگوں نے عرض کیا کہ مشائخ تو یہ کہتے آئے ہیں کہ ہمیشہ اور ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہے اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا جو شخص اچھے کام میں مشغول ہے وہ گویا ذکر الٰہی کر رہا ہے، نماز ادا کرنا، تلاوت قرآن پاک، علوم شرعیہ کا پڑھانا اور جتنے بھی اچھے کام ہیں یہ سب ذکر میں داخل ہیں، یہ ہمیشہ کے لیے ہوتے ہیں، جو لوگ پڑھنا پڑھانا اور تمام کاموں کو چھوڑ کر ذکر میں مصروف رہتے ہیں یہ خطرناک بیماری ہے، ہاں جب بیماری سخت ہو تو اس وقت خلوت میں زیادہ سے زیادہ پورے انہماک سے ذکر الٰہی کیا جائے، نیز سلف کا یہی قاعدہ رہا ہے کہ تمام اچھے کام جیسے تہذیب اخلاق، اشاعت علوم اور خدمت خلق وغیرہ میں ہمیشہ لگے رہتے تھے۔

آپ نے فرمایا علم کوئی ایسی چیز نہیں جسے چھوڑ دیا جائے بلکہ یہ وہ نعمت ہے جس کے لیے سچی نیت سے کوشش کی جائے۔

ایک دن کسی فقیر نے آپ سے سوال کیا، نماز پڑھنا بہتر ہے یا ذکر کرنا، آپ نے فرمایا، نماز پڑھنا بہت بڑا کام ہے لیکن بکثرت ذکر الٰہی سے اتصال و اتحاد کی وہ دولت ہاتھ آتی ہے جو آخر کار فنائے وحدت کی صورت اختیار کر لیتی ہے، اس پر لوگوں نے پوچھا کہ فنائے وحدت کے کیا معنی ہیں؟ ارشاد فرمایا وہ ایک لذت ہے جس کا چکھنے سے تعلق ہے اور تمام طلب گاروں کا حقیقی مقصد صرف اسی لذت کا حاصل کرنا ہے جس نے ایک مرتبہ بھی

اپنے عمر میں یہ لذت چکھ لی اس کو پھر تا عمر اس لذت کا ذوق باقی رہتا ہے۔

کچھ لوگوں نے پوچھا کہ درویش جس طرح دعوت حق دیتے ہیں یہ وصول حق کا طریقہ ہے یا نہیں؟ جواب دیا ممکن ہے یہ طریقہ ہو لیکن یہ دعوت دینے والے بڑے بداخلاق اور کج فہم ہوتے ہیں، یہ لوگوں کی ایذا رسانی کو برداشت نہیں کرتے، اور جو آدمی برا ہوتا ہے وہ جلد اپنے عمل کا بدلہ پاتا ہے، دعوت حق دینے والوں کو چاہئے کہ وہ خوش اخلاق اور اذیتیں برداشت کرنے والے ہوں، اور ہمارے پیر و مرشد جو دعوت حق دیتے تھے وہ خوش اخلاق تھے، نیز لوگوں کو ایذا رسانی برداشت کیا کرتے تھے، مجھے دعائے سیفی پڑھنے کی اجازت ملی ہے جس کی سند بہت بڑی ہے چونکہ پیر و مرشد کو دعائے سیفی کی اجازت نہ تھی اس لیے جب انہوں نے مجھے علوم شریعت و طریقت کی اجازت دی تو دعائے سیفی پڑھنے کی مجھ سے اجازت لی، اس کے بعد دعائے سیفی پڑھنے کی مجھ کو اجازت دیدی تاکہ میں ان کی جانب سے مجاز مطلق اور پورا خلیفہ ہو جاؤں۔

پیر و مرشد فرمایا کرتے تھے کہ درویش جو ذکر اور حلقہ وغیرہ کرتے ہیں اگر چہ اس کی سند سنت نبوی سے نہیں ملتی تاہم مشائخ کا یہ عمل مستحسن ہے، ہر وہ کام جس کی بنیاد ذکر الٰہی پر ہو وہ موثر ہوتا ہے اصلی ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے اور باقی اذکار اسی سے لفظی، معنوی، صوری طور پر مستنبط ہیں، آپ فرماتے تھے کہ ذکر میں الفاظ کو پوری طرح اور صحیح طور پر ادا کرنا چاہئے، ذکر لا الٰہ الا اللہ میں حرف لا کو اور الا اللہ میں الا کو کھینچ کر پڑھنا چاہئے، اور حرف ھا کو بخوبی واضح طور پر ادا کیا جائے، غلبہ شوق اور استیلائے ذکر میں پھر الفاظ ذکر جس طرح ادا ہوں درست ہے لیکن پورے الفاظ کی ادائیگی کا خیال و انتظام رکھا جائے۔ مشائخین کو ذکر ارّہ وغیرہ کرتے ہوئے ان کے مریدوں نے دیکھا اور خود اسی طرح ذکر ارّہ کرنے لگے۔ اگر چہ بعض نے اس کی سند بھی حاصل کی ہے۔

ذکر خفی کی بابت فرمایا، جو ذکر آہستہ کیا جائے اس طرح پر کہ برابر والا آدمی نہ سن سکے اس کو ذکر خفی کہتے ہیں، عرض کیا گیا کہ بعض لوگ ذکر خفی کی اس طرح تعریف کرتے ہیں کہ اس میں زبان کو دخل نہ ہو بلکہ قلب کو بھی خبر نہ ہو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا، الگ بات ہے، ذکر خفی کا ادنیٰ مقام یہ ہے کہ ذاکر خود سن لے جیسے غیر جہری نماز۔

اگر دل میں خدا کو یاد کیا جائے تو بہت اچھا ہے لیکن اس پر ذکر کا اطلاق نہیں ہوتا ہے آپ اپنے حالات اور اسرار سے کسی نامحرم کو محروم نہیں کرتے تھے، جلسہ عام میں بقدر ضرورت اکتفا کرتے تھے، مجھے چونکہ آپ سے نور استقامت اور استماع فضائل حاصل ہو چکا تھا اس لیے عرض کیا کہ کبھی کبھی اپنے حالات واخبار سے مستفید فرماتے رہیں چنانچہ آپ کبھی کبھی عجیب وغریب حالات بیان فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ میں نے آپ سے دریافت کیا کہ مشائخ وفقراء اہل یمن وحرمین کہتے ہیں کہ آپ شیخ ابوالعباس مرسی کے قدم بہ قدم گامزن ہیں، اس واقعہ کی کیا حقیقت ہے؟ اس پر مسکراتے ہوئے فرمایا، خدا جانے وہ کیوں کہتے ہیں اور کس وجہ سے کہتے ہیں، اس کے بعد شیخ ابوالعباس مرسی کے مناقب وفضائل بیان کرنے لگے اور فرمایا کہ آپ شیخ ابوالحسن شاذلی کے مرید تھے، شیخ ابن عطاء اللہ آپ کے شاگرد تھے، انہوں نے آپ کی سوانح حیات پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ''لطائف المنن فی مناقب شیخ ابوالعباس وابی الحسن'' ہے۔

شیخ ابوالعباس مرسی ایک بڑے بزرگ آدمی تھے، بادشاہ وقت کو ان سے بدگمانی سی پیدا ہوگئی تھی، اس نے ان کے تقویٰ وپرہیزگاری کا امتحان لینے کی غرض سے ان کو دعوت دی اور دو ۲ طرح کے کھانے پکوائے، ایک تو وہ تھے جو عام طور پر کھائے جاتے ہیں جیسے بکری اور مرغ وغیرہ اور دوسری کچھ حرام چیزیں جیسے کتا اور بلی وغیرہ کے گوشت وغیرہ اور حکم دیا کہ مرغ وغیرہ حاکموں اور فوجیوں وغیرہ کی جانب جو ایک صف میں بیٹھیں گے ان کی جانب بڑھائے جائیں، اور کتا بلی وغیرہ کے گوشت فقیروں اور درویشوں کی طرف رکھے جائیں اور اس کی کسی کو خبر نہ ہونے پائے، رکابیوں میں ایک خاص قسم کی شناخت رکھی تا کہ کھانا ایک دوسرے سے ملنے نہ پائے، شیخ کے دل میں مجلس میں داخل ہونے کے بعد منجانب اللہ یہ بات معلوم ہوئی تو آپ اپنی جگہ سے اٹھے اور آستین چڑھا کر کہنے لگے آج میں مخلوق خدا کی خدمت کروں گا، یہ کہہ کر وہ کھانے جو امراء وحکام کے آگے رکھے گئے تھے فقیروں کی جانب کھسکا دیئے اور درویشوں کے آگے جو کھانے رکھے گئے تھے وہ سب امراء وحکام کے آگے رکھ کر فرمایا، **الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات** ترجمہ:۔ (خراب چیزیں خراب لوگوں کے لیے اور عمدہ چیزیں اچھے

لوگوں کے لیے ہیں) یہ دیکھ کر بادشاہ نے اپنی بدگمانی اور بداعتقادی سے توبہ کی اور فوراً ہی شیخ کے قدموں پر گر پڑا، اتنی حکایت بیان کرنے کے بعد شیخ عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے سکوت فرمایا اور مجھ کو باقی قصہ سننے کا انتظار تھا، چنانچہ سال بھر بعد میرے پوچھے بغیر ایک دن فرمایا کہ گزشتہ سال ہم نے ایک قصہ بیان کیا تھا وہ تمہیں یاد ہوگا جو ادھورا رہ گیا تھا، واقعہ یہ ہے کہ مولانا محمد طاہر یمنی کا ایک ملازم جوان کے پاس سے شیخ ابوالعباس مرسی کی زندگی میں مکہ معظمہ آیا تھا، اور چونکہ مولانا محمد طاہر یمنی کے شیخ ابوالعباس مرسی سے مراسم و تعلقات تھے اس لیے وہ شیخ کی مہمان سرائے میں ٹھہر گئے، اسی درمیان میں وہ بیمار پڑ گیا، میں (عبدالوہاب) کبھی کبھی اس کی عیادت کو جاتا تھا، ایک رات میں نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا جو ارشاد فرما رہے ہیں کہ اے عبدالوہاب! جاؤ اور اس بیمار کی خبر لو اور ثابت قدم رکھو، چنانچہ میں بیدار ہوا اور اس بیمار کے پاس پہنچا، دیکھا کہ اس کا آخری وقت ہے میں اس کے سرہانے بیٹھ گیا اور قرآن پاک اور دوسری دعائیں پڑھنے میں مشغول ہوگیا، اتنے میں اس بیمار نے یہ آیت تلاوت کی ویثبت اللہ الذین بالقول الثابت، پھر جاں بحق ہوگیا، اس کی اس آیت کی تلاوت سے میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو کہ اس کو ثابت قدم رکھو بالکل ثابت پایا، پھر دوسرے دن اس کی قبر پر جا کر فاتحہ پڑھی، میں اس کی قبر کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ میری آنکھ لگ گئی اور اس حالت میں میں نے دیکھا کہ وہ بیٹھا ہوا ہے اور مجھے دیکھ کر میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ تمہاری تثبیت اور ثابت قدم رکھنے کی برکت سے خدا تعالیٰ نے مجھے نزع کے وقت شیطان کے وسوسے نجات دی اور شیخ ابوالعباس مرسی رحمۃ اللہ علیہ کے محل کے پاس جنت میں مجھے جگہ دی ہے، میں نے یہ خواب اپنے شیخ سے بیان کیا، وہ اور ہم سب لوگ خوب روئے، اس کے بعد شیخ عبدالوہاب نے فرمایا کہ یہ قصہ ابھی ادھورا ہے اس کا باقی حصہ یہ ہے کہ میں نے جس بیمار کو خواب میں دیکھا تھا اس نے مجھ سے کہا آئیے ذرا ہمارے گھر کی سیر کیجئے، چنانچہ اس کے گھر کے بیرونی دروازے پر پہنچے پھر اس میں سے گزر کر اندرونی دروازوں میں سے ہوتے ہوئے اس کے گھر میں گئے، دیکھا کہ اس کا یہ گھر ایک بہت بڑا محل ہے جو ہر قسم کے ساز و سامان اور جواہرات سے آراستہ ہے اس میں قیمتی جواہرات اور موتیوں کی پچہ کاری ہے۔ دروازے، در

دریچہ سب قیمتی جواہرات کے ہیں، اور حقیقت میں اس کا یہ محل ایسا تھا جیسا کہ جنت کے اور مکانوں کا حال ہے، پھر تھوڑی دیر بعد میں اس سے رخصت ہو کر باہر آیا، وہ شخص بھی مجھے رخصت کرنے باہر آیا اور وہیں مجھ سے ایک اور آدمی ملا جس کے چہرہ سے کرامت وولایت کے آثار نمودار تھے، اس نے بڑھ کر السلام علیکم کے بعد اپنے گھر چلنے کی آرزو کی، جس پر میں (عبدالوہاب) نے کہا، ہماری آپ کی کوئی شناسائی نہیں ہے میں آپ کے گھر کیسے چل سکتا ہوں جس پر اس نئے شخص نے کہا یہ ضرور ہے کہ ہم میں آپ میں بظاہر کوئی شناسائی نہیں ہے لیکن اتحاد اور یگانگت کی ایک خاص نسبت ہے غرضیکہ اس کے مجبور کرنے پر میں اس کے ساتھ اس کے گھر گیا دیکھا تو اس کا محل بہت زیادہ عمدہ اور جواہر ویاقوت کا بنا ہوا ہے اور پہلے والے شخص سے بھی زیادہ آراستہ وپیراستہ ہے، میں نے ان کا نام دریافت کیا تو جواب دیا، میرا نام ابوالعباس مرسی ہے، انہوں نے اپنی نشست گاہ پر مجھے بٹھایا اور کہا آپ یہاں بیٹھئے، آپ ہمارے جانشین ہیں، غرضیکہ ایک عرصہ بعد وہاں سے باہر نکل کر دیکھا کہ وہیں پیرومرشد شیخ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی محل ہے میں نے ان سے ملاقات کی وہ جہاں بیٹھے تھے اس کے پاس نہریں جاری تھیں، ایک نہر کی جانب اشارہ کر کے فرمایا یہ جامع کبیر ہے، پھر ایک دوسری نہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ جامع صغیر ہے، پھر دوسری نہروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یہ میری فلاں کتاب ہے اور یہ میری فلاں کتاب ہے۔

یہ میرا خواب تھا اور شیخ ابوالعباس مرسی کے متعلق میں یہی جانتا ہوں ممکن ہے کہ شیخ ابو العباس رحمۃ اللہ علیہ مرسی نے اس واقعہ کی فقرائے یمن اور اہالیان حرمین شریفین کو اطلاع دی ہو ورنہ میں نے آج تک کسی فرد سے بیان نہیں کیا، یہ خواب تیس ۳۰ سال بعد صرف تم سے کہہ رہا ہوں اور وہ بھی اس وجہ سے کہ اس خواب کے بیان کی ضرورت پیش آگئی تھی، حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے بارے میں فرمایا کہ ایک مرتبہ میں بچپن کے زمانے میں اپنے والد محترم کے ہمراہ علاقہ مندو کے حادثات اور انقلاب میں کہیں گم ہو گیا اور ہم مارے مارے اس جنگل میں جا پہنچے جہاں کھانے پینے کی کوئی چیز نہ تھی، میں بھوک کی وجہ سے رونے لگا تو والد صاحب نے کہا، تھوڑی دیر صبر کرو کھانا تیار ہے، لیکن ان باتوں سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا، جب رات ہوئی تو شیر و بھیڑیا وغیرہ کے خوف سے ہم نے درخت پر

رات گزاری، صبح کو اٹھ کر دیکھا تو اس درخت کے نیچے میٹھے پانی کا چشمہ پایا، ہم کو دیکھ کر وہیں ایک نورانی بوڑھے نے اپنی بغل سے دو گرم روٹیاں نکال کر ہم کو دیں، اس درخت کے قریب ہی ہم کو ایک گاؤں کی آبادی کے اثرات بھی معلوم ہوئے چنانچہ وہ روٹی کھا کر اور چشمہ کا میٹھا پانی پی کر ہم آبادی کی جانب روانہ ہوئے، گاؤں میں پہنچ کر ہم بہت مسرور ہوئے، پھر اس آدمی اور چشمہ کے دوبارہ دیکھنے کے شوق میں ہم گاؤں سے جب اس درخت کے پاس پہنچے تو وہاں نہ وہ چشمہ تھا اور نہ وہ بوڑھا، ہم حیران و پریشان ہوئے اور آخر کار معلوم ہوا کہ وہ بوڑھا شخص دراصل خواجہ خضر تھے جو ہماری امداد کے لیے وہاں ظاہر ہوئے تھے۔

ایک مرتبہ استدراج کے متعلق ارشاد فرمایا کہ فاسق اور بدعتی بھی ایک قوت وتصرف حاصل کر لیتے ہیں جس کے ذریعہ عوام الناس کو اپنا معتقد بناتے ہیں اور ان کا دل اپنی طرف مائل کرتے ہیں، چنانچہ میرے ساتھ بھی اس قسم کا قصہ پیش آیا ہے، ایک مرتبہ میں (عبدالوہاب) علاقہ ملابار میں اس وقت پہنچا جبکہ عبدالعزیز شافعی وہاں کے قاضی شہر تھے، ان کا دستور تھا کہ وہ مسافروں، درویشوں اور گدڑی پوشوں سے رازداری کی گفتگو کے خواہاں تھے مجھ کو درویشی لباس میں دیکھ کر وہ میرے قریب آبیٹھے دوران گفتگو میں نے پوچھا کیا آپ کے شہر میں کوئی صالح فقیر ہے جس کے ساتھ نشست و برخاست کی جائے تو انہوں نے کہا، ایک اہل باطن ہے شہر والے اس کے معتقد ہیں لیکن وہ بعض ممنوعات الٰہی کو ظاہراً کرتا ہے اس لیے ہمیں پسند نہیں ہے، چنانچہ میں دوسرے دن قاضی صاحب کے بتائے ہوئے پتہ پر پہنچا، دیکھا کہ ایک بلند جگہ وہ بیٹھا ہوا ہے اور دو تین آدمی اس کے ساتھ ہیں اور مردوں عورتوں کا جمگھٹا ہے، مجھے دیکھ کر اس نے خوشی سے مرحبا کہا، تھوڑی دیر بعد شراب کے جام آئے اور دور چلنے لگا، مجھے بھی پینے کا اشارہ کیا، میں نے کہا یہ حرام ہے، اس نے بے انتہا اصرار کیا، لیکن جب میں نے نہ پی تو اس نے کہا اگر نہیں پیتے تو دیکھو میں تمہارے ساتھ کیا کرتا ہوں، غرضیکہ میں اس کے پاس سے رنجیدہ خاطر لوٹا، اپنے دوستوں سے ملک کر بھی میں نے یہ واقعہ بیان نہیں کیا، کھانا تیار تھا لیکن وہ بھی اچھا معلوم نہ دیا، پھر اسی حالت میں سو گیا، خواب میں دیکھا کہ ایک پر بہار باغ ہے جس میں ہر طرح کے میوے لگے ہوئے ہیں،

وہاں دن والا شخص اپنے ہاتھ میں جام شراب لیے آیا اور کہا یہ پی لو، میں تمہیں باغ میں لے آیا ہوں لیکن دن کی طرح میں نے اس وقت بھی جام شراب پینے سے انکار کیا، پھر تھوڑی دیر بعد آنکھ کھل گئی اور میں نے جاگتے ہی لاحول پڑھی، اس کے بعد میں پھر سو گیا اور دوسری مرتبہ بھی یہی خواب دیکھا چنانچہ بیدار ہو کر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں میں نے التجا کی اور مدد چاہی، اب کی تیسری مرتبہ سوتے میں دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دست مبارک میں عصا لیے رونق افروز ہیں اور میں آپ کے روبرو کھڑا ہوں کہ اتنے میں وہی بدعتی شخص پھر آیا، جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عصا اس کی جانب پھینکا اور وہ کتے کی صورت بن کر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بھاگ کھڑا ہوا، اس کے بعد آقائی و مولائی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا، وہ بھاگ گیا اب دوبارہ اس شہر میں نہ آئے گا، چنانچہ خواب سے بیدار ہو کر میں نے وضو کیا اور دو رکعت نماز شکرانہ ادا کر کے اس کے مکان پر پہنچا دیکھا کہ وہاں کوئی پرندہ تک نہیں ہے اور وہ میرے پہنچنے سے پہلے فرار ہو چکا تھا، لوگوں نے دریافت پر کہا کہ تھوڑی دیر پہلے یہ پیر اپنا گھر خالی کر کے اپنا سامان لے کر ایک دو ہو چکا ہے۔

ایک مرتبہ عبادت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا سلوک و جذب کی راہ میں عارف باللہ اپنی نظروں سے عین حقیقت وغیرہ دیکھتے ہیں، سوال کیا گیا کہ کیا بغیر جذب و سلوک کے بھی اللہ تک رسائی ہوتی ہے جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے؟ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا ہمیں بھی ابتدائی زمانے میں ایک واقعہ پیش آیا تھا اس پر غور کر کے بتاؤ کہ یہ کس قسم میں ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ہم احمد نگر (دکن) کے ایک باغ میں بیٹھے ہوئے تھے ہمارے ساتھ اور بھی فقیر تھے کھانا پکانے کی تیاری کر رہے تھے کہ دور سے ایک آدمی آتا دکھائی دیا، میں نے دل میں کہا اگر یہ شخص ہمارے پاس آئے تو اس کو بھی ہم کھانا کھلائیں گے چنانچہ وہ شخص ہمارے پاس آیا میں نے اس سے کہا ذرا بیٹھیے گا کھانا تیار ہو رہا ہے ایک لقمہ کھا لیجیے، میرا اتنا کہنا تھا کہ وہ اس طرح بھاگا جیسے جنگل کا جانور چوکڑیاں بھرتا ہوا دوڑتا ہے، اس کے آنے اور جانے کی ادا میرے دل میں گھر کر گئی چنانچہ میں بھی اس کے پیچھے دوڑا لیکن وہ باغ میں لاپتہ ہو گیا، بہت تلاش کیا لیکن دکھائی نہ دیا آخر میں مایوس ہو کر واپس ہوا تھا کہ ایک

درخت میں ہے۔ جس کی شاخیں زمین پر آ کر اس درخت کے تنہ کو چھپائے ہوئے تھیں اس میں سے مجھے آواز دیکر کہا کیا دیکھ رہے ہو کسے ڈھونڈ رہے ہو، میں نے کہا میں تم ہی کو تلاش کر رہا ہوں تب اس نے مجھے بلا کر اس جھاڑی کے اندر بٹھایا اور کہا کہو اللہ اللہ چنانچہ میں نے یہ اسم اعظم چھ سات مرتبہ کہا ہوگا کہ غیب سے ایک نور دکھائی دیا اور میں خود رفتہ ہو گیا مجھے اپنی سدھ بدھ نہ رہی عقل و شعور جاتے رہے اور مرنے کی سی حالت ہو گئی، اس کے بعد اس مرد حق نے میری گردن اور کان سہلائے تھوڑی دیر کے بعد میرے ہوش ٹھکانے ہوئے لیکن وہاں کی خصوصی حالت سے میں ایسا متاثر ہوا تھا کہ عرصہ تک اپنی اصلی حالت میں نہ آسکا تھا اور بہت دنوں تک میں اپنی ذات میں اس دن کے انوار و برکات کے اثرات محسوس کرتا رہا۔

ایک دن جنگم جوگی کی ریاضت و تصرف کا تذکرہ آپ کے سامنے ہوا تو فرمایا ایام سیاحت میں ہماری بھی ملاقات ایک جوگی سے ہوئی جو بڑی بڑی ریاضتیں کرتا تھا اور عام عادات انسانی کے خلاف مظاہرے کیا کرتا تھا اور مجھ سے کہتا تھا کہ میرے پاس سونے کا ایک قلعہ ہے تم (عبدالوہاب صاحب) اگر میرے ساتھ ریاضت کرو تو میں تم کو اس طلائی قلعہ کے اندر لے جاؤں گا شہر کے مرد و زن اس کے پاس جمع رہتے، ہر قسم کے تحفہ و تحائف سامان اکل و شرب اور زر نقد لاتے لیکن وہ سب کا سب فوراً ہی تقسیم کر دیتا اور خود اس میں سے کوئی چیز اپنے پاس نہ رکھتا، میں نے اس کو مذہب اسلام کی کچھ باتیں سنائیں تو اس نے بڑے شوق سے سنیں، چونکہ اس نے طلائی قلعہ دیکھنے کا کئی بار مجھ سے تذکرہ کیا تھا اس لیے میں نے خاص طور پر اس پر توجہ ڈالی، وہ ایسا ہی مضمحل و پریشان رہا کیونکہ جوگی گری کے کاموں میں میری توجہ کے بعد مشغول ہو جاتا تھا لیکن آخر کار وہ اسلام لایا اور توبہ کر کے میرا مرید ہوا، ایک مرتبہ درویشوں کی ریاضت ترکِ سوال اور غذا سے غیر متعلق رہنے کے سلسلے میں اپنا واقعہ بیان کیا کہ ایک زمانہ میں ہماری غذا کی یہ حالت تھی کہ ہمارا ایک دوست قصائی کے پاس سے ناکارہ ہڈیاں اور گیہوں کے تنکے جو کھیتوں میں پڑے رہتے ہیں لاتا اور انہیں دھو کر دیگچہ میں ابالتا اور ہم دونوں اس شوربے کا ایک ایک پیالہ پی لیا کرتے، لوگوں کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ طرح طرح کے کھانے لانے لگے تو ہم وہاں سے روانہ ہو گئے پھر

ہم نے دستور بنالیا کہ تین دن سے زیادہ کہیں قیام نہیں کرتے تھے۔

شیخ عبدالوہاب کے ایک دوست مجھ عبدالحق سے کہتے تھے ایک مرتبہ قحط کے زمانہ میں شیخ عبدالوہاب اپنے ایک دوست کے ساتھ ایک مسجد میں تھے، ایک کونہ میں یہ اور دوسرے کونہ میں وہ عبادت الٰہی کررہے تھے، دونوں نے طے کرلیا تھا کہ ہم آپس میں گفتگو نہ کریں گے، نیز کسی سے کھانا نہ مانگیں گے، بیس ۲۰ دن تک یہی حالت رہی کہ ان دونوں نے باہم کوئی بات نہیں کی، اور کسی نے کھانا بھی نہیں کھایا اکیسویں دن ایک حلوہ فروش نے ان دونوں کے درمیان کھانا رکھا اور چلا گیا، ان دونوں نے اس میں سے کچھ نہ کھایا، پھر دوسری مرتبہ بھی یہی ہوا یہاں تک کہ تیسری بار اس حلوائی نے اپنے ہاتھ سے لقمے بنا کر دونوں کو کھلائے، یہ اس زمانہ کا قصہ ہے جبکہ شیخ عبدالوہاب مکہ معظمہ میں آئے تھے اور آپ کی عمر تقریباً پندرہ سولہ سال کی ہوگی، آپ اپنی عمر کے بیسویں سال مکہ معظمہ آئے اور شیخ علی متقی کی صحبت میں رہنے لگے۔

ایک مرتبہ اس فقیر عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت کیا کہ باوجود اس ریاضت، حالت ومکاشفہ اور تصرفات جو آپ میں بدرجہ کمال موجود تھے مشائخ کی صحبت میں رہ کر اور کیا چیز حاصل کی؟

جواب میں فرمایا جو کچھ مجھے ملا ہے وہ مشائخ کی صحبت بابرکت کا فیض ہے پھر تھوڑی دیر بعد کہا میرا مذہب اور میری اسلامی شریعت کی بقاء و قیام کا انحصار ہی ان بزرگوں کی برکات پر ہے، ابتدائی زمانہ میں ایسے مختلف حالات پیش آئے کہ میں کہتا خدا ہی جانتا ہے میرا کیا حشر ہوگا اور کس جنگل میں حیران و پریشان پھرونگا لیکن بزرگوں کے طفیل اور ان کی صحبت کی وجہ سے میرا طریقہ دین واسلام مستحکم و مضبوط ہوا اور اصلی کام یہی ہے کہ آخرت کے کام درست ہوجائیں۔

ایک مرتبہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور پیروی کی گفتگو ہوئی تو فرمایا ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ میں سبز گنبد کے اوپر گیا، گنبد شق ہوا اور میں اس دراز میں سے مزار مبارک پر پہنچا اور پھر اس میں سے نکل کر متلاشی ہوا اور اسی قوت کے اثر سے مشرق ومغرب کی ہر چیز سے بلند و بالا ہوگیا ہوں، میں نے یہ خواب پیرومرشد شیخ علی متقی کے زمانے میں

دیکھا تھا جب ان سے اپنا یہ خواب بیان کیا تو انہوں نے یہ تعبیر دی کہ تم پیروی سرور کائنات میں کامل اور آقائی دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مستغرق اور بصفت باقی باللہ رہو گے۔

ایک مرتبہ عمرۂ جعرانہ کا تذکرہ ہوا تو شیخ عبدالوہاب نے کہا مکہ معظمہ سے تقریباً سات میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں جعرانہ ہے جہاں جنگ حنین کی غنیمتیں تقسیم کرنے کے لیے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا تھا، اے عبدالحق! جب تمہارا گزر ادھر سے ہو تو وہاں ضرور عمرہ کرنا، اسی کے قریب وہ پہاڑ ہے جہاں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا تھا، اس جگہ کو ہرگز نہ بھولنا، آپ نے اس مقام کی پوری پوری نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا، اگر تمہاری قسمت میں ہے تو وہاں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال جہاں آرا لازماً حاصل ہوگا، میں وہاں پہنچا تو سو گیا اور خواب میں تھا جتنی دیر میں آنکھ کھلتی اور بند ہوتی ہے اتنی دیر میں میں نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال جہاں آرا دیکھا، دو منٹ یا اس سے بھی کم مدت میں تقریباً میں نے آقائی و مولائی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو سو مرتبہ سے زیادہ دیکھا اور شیخ عبدالوہاب المتقی القادری الشاذلی رحمۃ اللہ علیہ کا دستور تھا کہ اس مقام کا عمرہ کرنے کے لیے ہمیشہ روزہ دار اور پیدل جایا کرتے تھے۔

شیخ عزیز اللہ متوکل رحمۃ اللہ علیہ

۸۱۹ھ............................۹۱۲ھ

آپ شیخ علی متقی کے پیر شیخ باجن کے مرشد تھے، فقر و توکل میں اونچا مقام رکھتے تھے جب رات ہوئی تو ضرورت سے زیادہ جو چیز گھر میں ہوتی وہ سب پڑوسیوں پر تقسیم کرتے یہاں تک کہ وضو کا پانی بھی صرف اتنا ہی رہنے دیتے جو نماز تہجد کے وقت طہارت کے لیے ضروری ہوتا، مالداروں کو اپنی مجلس میں جگہ نہ دیتے تھے۔

ایک دن کسی رئیس نے آپ کے کسی صاحبزادے سے یہ خواہش کی کہ شیخ کی زیارت کرنے کا شوق ہے انہوں نے کہا شوق سے آئیے لیکن شرط یہ ہے کہ جوتوں کے پاس دوسرے فقیروں کے ساتھ آپ بیٹھیں، چنانچہ بعد نماز مغرب جب وہ رئیس آپ کے مکان

پر پہنچا، تو دیکھا گھر میں اندھیرا پڑا ہے اس دن آپ کے پاس اتنا نہ تھا کہ چراغ کا تیل منگواتے، چنانچہ اس رئیس نے آپ کے صاحبزادے سے کہا، میں تیل کے کپے بھجواتا ہوں خرچ کیجئے اور جب ختم ہو جائے مطلع فرمائیے گا اور بھیج دوں گا، دوسرے دن شیخ نے دیکھا کہ گھر میں خوب چراغ روشن ہیں، پوچھا یہ کہاں سے آئے، پھر سارا ماجرا سن کر آپ کو غصہ آیا اور اس رئیس کو کہلوایا کہ آپ آئندہ تیل نہ بھیجیں، اور جتنا تیل گھر میں تھا وہ سب کا سب فقیروں محتاجوں کو بانٹ دیا، آپ کا قیام برہان پور میں تھا آپ کی اکثر اولاد نے احمد آباد کو بھی وطن بنالیا تھا۔

مخدوم جیو قادری رحمۃ اللہ علیہ

۸۳۹ھ..................۱۰۰۰ھ

آپ حیدر آباد دکن کے ضلع بیدر میں رہا کرتے تھے بہت ہی ضعیف دبلے پتلے، عبادت گزار بابرکت عالی ہمت اور عظیم الشان بزرگ تھے، مالداروں کی جانب بالکل متوجہ نہ ہوتے اور عام طور سے لوگوں سے بے نیاز تھے، حضرت شیخ عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، اگرچہ مخدوم جیو قادری میں کمزوری کی وجہ سے کھڑے ہونے کی طاقت نہ تھی لیکن رات کو بڑے دیر تک کھڑے ہو کر نفل پڑھا کرتے تھے، شیخ عبدالوہاب یہ بھی کہتے تھے کہ مخدوم جی قادری ہم سے زیادہ عالم، اسلامی احکام کی تعمیل کرنے والے متقی و پرہیز گار تھے ہم اور وہ ایک عرصہ تک ساتھ رہے، ممکن تھا کہ میں ان کا مرید ہو جاتا لیکن میری قسمت میں تو شیخ علی متقی سے بیعت ہوتا تھا، مخدوم جیو قادری نے ۱۰۰۰ھ کے وسط میں وفات پائی، باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

میاں غیاث رحمۃ اللہ علیہ

۸۹۵ھ..................۹۹۸ھ

علاقہ گجرات کے مشہور شہر بھڑچ میں رہا کرتے تھے اللہ کے خاص بندوں میں سے تھے خیر الناس من ینفع الناس ترجمہ:- (بہترین انسان وہ ہے جو دوسروں کو نفع

پہنچائے) آپ پر صادق تھا۔

کہتے ہیں کہ عوام الناس کی ضرورت کی ہر چیز مثلاً روپیہ پیسہ کپڑے غذائیں دوائیں کتابیں، اسباب و سامان اور آلات وغیرہ سب اپنے گھر میں جمع کر کے رکھتے تھے آپ کا بہترین کارنامہ یہ تھا کہ جس کو جس چیز کی ضرورت ہوتی دیدیا کرتے تھے، اس کے ساتھ آپ زبردست عالم، عامل، متقی اور شریعت کے پیرو تھے۔

سیدی شیخ عبدالوہاب فرماتے تھے کہ بحالت خواب میں نے ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ! اس زمانے میں سب سے اچھا کون شخص ہے تو جواب مرحمت فرمایا، میاں غیاث پھر تمہارے شیخ علی متقی اور پھر محمد طاہر اس زمانہ کے بہترین آدمی ہیں اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمتیں نازل کرے۔

میاں محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ

۸۹۹ھ.................۹۷۹ھ

آپ علاقہ گجرات کے شہر پٹن میں سکونت پذیر تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم وفضل کی نعمتوں سے نوازا تھا، زیارت حرمین سے مشرف ہوگئے تھے اور وہاں کے علماء و مشائخ سے علم حدیث کی تکمیل کی، شیخ علی متقی کی صحبت میں رہ کر ان کے مرید ہوئے، صاحب کرامت و برکت ہوکر وطن واپس آئے اور آپ کی قوم میں جو بدعتیں رائج تھیں وہ ختم کر کے اہل سنت اور بدعتیوں کا فرق اپنی قوم کو سمجھایا، علم حدیث میں بہت سی مفید کتابیں تالیف کی ہیں، ان میں سے آپ کی ایک کتاب مجمع البحار بڑی مشہور ہے جس میں احادیث کی شرح لکھی ہے، آپ کی ایک دوسری کتاب کا نام مغنی ہے جس میں اسماء الرجال کی صحت کی ہے اور راویان حدیث کا مختصر و مفید حال لکھا ہے، اپنی کتابوں کے دیباچوں میں شیخ علی متقی کی بے انتہا تعریف کی ہے، آپ کا دستور تھا کہ اپنے پیرو مرشد کی وصیت کے مطابق اپنے ہاتھ سے روشنائی بنا کر طالب علموں کو مفت دیا کرتے تھے پڑھاتے وقت بھی زبان سے پڑھاتے اور ہاتھ سے سیاہی گھوٹا کرتے اور کہتے ہاتھوں کو بھی کام میں لگا رہنا چاہئے، آپ نے علاقہ گجرات کے بدعتیوں کی بدعتیں چھڑانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی لیکن اسی جماعت

کے افراد نے آپ کو ۹۸۰ ہجری میں شہید کیا، اللہ تعالیٰ آپ کی کوششیں قبول کرے اور مسلمانوں کے لیے اچھے کام کرنے کے عوض میں اچھے بدلے عنایت کرے۔

شیخ عبداللہ و شیخ رحمت اللہ رحمۃ اللہ علیہ

سندھی مدنی یہ دو عزیز مدینہ طیبہ کے فقیہوں اور صوفیاء میں سے تھے جو وہاں سے ہندوستان آئے اور علم حدیث پڑھاتے تھے یہاں کے طالب علم وغیرہ ان دونوں کو شیخین کہتے تھے۔

خواجہ عبدالشہید عبید اللہی فرماتے تھے کہ یہ دونوں شیخین حقیقت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ شیخین کی یاد دلاتے ہیں، یہ دونوں علم و عمل اور تقویٰ کا مجسمہ تھے، ان جیسے اشخاص مدینہ منورہ سے آج تک نہیں آئے، یہ دونوں شیخ علی متقی کے خصوصی دوست اور خلیفہ تھے۔

سلطان روم کی جانب سے جو حاکم مکہ معظمہ میں آتا وہ شیخ علی متقی کی خدمت میں ضرور حاضری دیتا اور آپ کا معتقد ہو جاتا، شیخ علی متقی کی خدمت میں جو کچھ بھی از قسم جنس و مال آتا وہ سب اپنے دوستوں خادموں اور فقیروں کو تقسیم کردیتے اور اس میں سے کوئی چیز ان دونوں شیخین اور شیخ عبدالوہاب کو اس لیے نہ دیتے کہ شاید یہ مال کسب حلال کا نہ ہو۔

شیخ رحمت اللہ کے والد ماجد قاضی عبداللہ بعض حوادثات زمانہ کی وجہ سے سندھ سے ہجرت کر کے اپنے تمام اہل و عیال کے ساتھ زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان مقامات متبرکہ میں رہنے کی غرض سے روانہ ہوئے، دوران سفر کچھ دنوں احمد آباد میں قیام کر کے شیخ علی متقی کی صحبت سے سرفراز ہوئے پھر متبرک مقامات کی زیارت کرتے ہوئے مدینہ میں مقیم ہو گئے مدینہ منورہ پہنچنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد انتقال کر گئے اور یہ شیخ عبداللہ دراصل قاضی عبداللہ کے یار غار اور ساتھی تھے ان کی نشو و نما بھی مدینہ منورہ میں ہوئی تھی انہوں نے عرصہ تک وہاں تعلیم دی تھی، اور عبادت بھی کی تھی، بعض حوادثات کی وجہ سے یہ شیخ عبداللہ وہاں سے ۹۷۷ ہجری کے قریب ہندوستان آئے اور تھوڑے دنوں اپنے آبائی وطن احمد آباد میں مقیم رہے اور عین بیماری کی حالت میں جبکہ قوت حس و حرکت تقریباً مفقود ہو چکی تھی یہ دونوں بزرگ احمد آباد سے مقامات متبرکہ کی طرف روانہ ہوئے اور مکہ معظمہ پہنچنے کے یہ دونوں

بزرگ دنیا سے رخصت ہوئے، اللہ تعالیٰ ان پر اور تمام صالح بندوں پر اپنی رحمتیں فرمائے۔

شیخ حسین رحمۃ اللہ علیہ

۹۱۴ھ.............................۱۰۰۵ھ

آپ شیخ عبدالوہاب کے دوستوں میں سے تھے آپ کو راہ تصوف میں ایک خاص رفتار حاصل تھی اور بے قیدی، بے تکلفی اور ہمت فرمائی میں ایک خاص طریقہ رکھتے تھے، شیخ عبدالوہاب فرماتے تھے کہ یہ شیخ حسین ہمارے رشتہ داروں میں سے تھے اور یہ عجیب حالت اور بلند ہمت کے مالک تھے، معمولی چیزیں خریدتے وقت ان کے پاس جو کچھ ہوتا وہ سب بیچنے والے کو دیدیتے خواہ وہ مظفری ہوتا یا روپیہ اور کبھی نہ سودا چکاتے اور نہ اس کی قیمت کا حساب کرتے۔

شیخ عبدالوہاب فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم دریائے نربدا کو عبور کرنا چاہتے تھے، لیکن دریائے نربدا کے کنارے پر بہت سے لوگ اس لیے جمع تھے کہ نربدا کے بیچ میں ایک شیر اپنی کچھار میں بیٹھ گیا تھا جس کے باعث لوگ دریا میں آنے جانے سے مجبور ہو گئے تھے، یہ دیکھ کر شیخ حسین اپنے ایک ہاتھ میں چاقو لے کر اور دوسرے ہاتھ پر ایک چادر لپیٹ کر کچھار کے اندر گھس گئے اور شیر کو وہاں ٹکڑے ٹکڑے کر کے لوٹ آئے اور لوگوں کے آنے جانے کا راستہ کھول دیا۔

ایک مرتبہ ایک آدمی اونچی جگہ نماز پڑھانے کے لیے کھڑا ہوا، نیت نماز میں اسے وسوسہ آنے لگا اور اس نے نیت کے الفاظ اتنی بار دہرائے کہ مقتدی کچھ پریشان سے ہو گئے جس پر ان شیخ حسین نے اس زور سے اس امام کہ سینہ پر ہاتھ مارا کہ وہ برابر کے پانی میں گر پڑا اور پھر اس کے دل میں کوئی وسوسہ باقی نہیں رہا۔

ایک مرتبہ شیخ حسین سے ایک طالب علم احیاء العلوم پڑھ رہا تھا جس کی زبان میں سخت لکنت تھی، عبادت پڑھتے وقت وہ عاجز اور مضطرب ہوتا تھا شیخ عبدالوہاب کہتے ہیں کہ دل میں آیا کہ اس طالب علم کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جائے جو شیخ حسین رحمۃ اللہ علیہ نے اس امام کے دلی وسواس دور کرنے کے لیے کیا تھا لیکن میں اس وجہ سے خاموش رہا کہ شاید اس

کی ہمت رفتہ رفتہ شیخ حسین کے اثرات قبول کرلے گی۔

شیخ عبدالوہاب فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم شیخ حسین کے ہمراہ میاں غوث سے ملنے گئے، میاں غوث پانی پاک رکھنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے، پانی کے برتن نہایت ہی صاف رکھتے تھے ایسی احتیاط کرتے ہم نے اور کسی کو نہیں دیکھا، میاں غوث کو غصہ بہت آتا تھا، شیخ حسین نے اس کے مٹکے سے ایک آنجورے میں پانی لے کر پیا اور وہ آنجورہ زمین پر رکھ دیا یہ دیکھ کر میاں غوث کو سخت غصہ آیا اور بلند آواز سے کہا، ہائے ہائے تم نے آنجورہ نجس کردیا، ان کا اتنا کہنا ہی تھا کہ شیخ حسین نے آنجورہ زمین پر دے مارا اور کہا اگر آنجورہ ناپاک ہوگیا ہے تو اس کا توڑ دینا ہی اچھا ہے یہ سن کر میاں غوث مسکراتے ہوئے شیخ حسین کی طرف بڑھے اور ان کو گلے لگالیا اس پر حاضرین میں سے کسی کو یہ خیال آیا کہ شیخ حسین نے آنجورہ توڑ کر اسراف کیا ہے یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے اس شبہ کو دور کرنے کے لیے شیخ حسین نے فرمایا امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ جو مٹی کا برتن ناپاک ہو جائے اس کا پاک کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے اس کے توڑ دینے کے سوائے اور کوئی علاج نہیں ہے۔

شیخ عبدالعزیز بن حسن طاہر رحمۃ اللہ علیہ

۸۹۸ھ..............................۹۷۵ھ

میاں قاضی خاں کے خلیفہ اور متاخرین مشائخ چشتیہ کے مشہور بزرگ تھے، علوم شریعت وطریقت کے عالم تھے، بچپن سے عبادت وریاضت اتنی کی کہ مشائخ کے مرتبہ پر پہنچ گئے، بچپن میں جو وظیفہ اور اوقات مقرر کیے تھے وہ آخر عمر تک باقی رکھے۔

مشائخ کی پیروی اور ان کے قواعد اور آداب کی حفاظت میں یکتائے زمانہ تھے، تواضع بردباری، صبر استقامت رضا وتسلیم الٰہی، مخلوق پر شفقت اور فقیروں کی رعایت کرنے میں اپنی مثال آپ تھے، اپنے زمانے میں مشائخ چشت کی یادگار تھے دہلی میں آپ کی وجہ سے سلسلہ ارشاد ومشیخت قائم تھا، قوالی سنتے تھے، کہتے ہیں کہ رحلت کے وقت بھی ذوق وحالت کی کیفیت تھی، آپ نے یہ آیت پڑھ کر انتقال فرمایا، **فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شیء و الیہ ترجعون** ترجمہ:-(پروردگار عالم کے دست قدرت ہی میں تمام چیزوں

کی ملکیت ہے اور اسی کے پاس سب کو جانا ہے۔)

من مصنف کے والد بزرگوار شیخ سیف الدین فرماتے تھے کہ ہم نے شیخ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو جوانی کے عالم میں دیکھا تو ہم رونے لگے کیونکہ ان کے چہرے بشرے سے شوق الٰہی اور غربت ٹپکتی تھی، شیخ عبدالعزیز ۸۹۸ ہجری میں بمقام جونپور پیدا ہوئے، ڈیڑھ سال کے تھے کہ اپنے والد کے ساتھ دہلی آئے اور ۶ جمادی الاخریٰ ۹۷۵ ہجری کو انتقال کیا، آپ کا مزار آپ کی خانقاہ کے صحن میں ہے، میں نے ان کی تاریخ وفات یہ کہی ہے۔

قطعہ تاریخ وفات

شیخ کامل عارف دوراں خود عبدالعزیز — آنکہ می داد اہل دل را مجلسش یاد از بہشت

ہر چہ از اوصاف اہل اللہ در عالم بود — حق تعالیٰ از ازل فطرت بذات او سرشت

یادگار اہل چشت او بود در دوران خود — گشت ازاں تاریخ فوتش یادگار اہل بہشت

شیخ عبدالعزیز کے ایک محترم بیٹے شیخ قطب عالم ہیں، جو عالم فاضل خوش اخلاق خوش سیرت ہیں، صدق و استقامت میں اپنے والد کے سجادہ نشین تھے اکثر و بیشتر اطاعت و عبادت میں مشغول رہتے تھے۔

شیخ عبدالعزیز کے سب سے بڑے خلیفہ شیخ جائیلدہ ہیں جو تمام خلفاء اور مریدوں میں خصوصیت عزت اور راز داری کے مالک ہیں، بعض لوگ انہیں شیخ کا جانشین کہتے ہیں، شیخ کے دوسرے خلیفہ شیخ عبدالغنی بدایونی ہیں جو عالم، عامل صاحب حال و ریاضت و گوشہ نشینی کے باوجود تمام آداب سلوک سے متصف ہیں اور دہلی کے بیچوں بیچ فیروز شاہی عمارت کی مسجد میں بیٹھے اللہ کی عبادت کررہے ہیں ان کے طور طریقہ اور حالات سے استقامت اور قوت کے آثار نمایاں ہیں۔

شیخ جنید حصاری رحمۃ اللہ علیہ

۷۳۹ھ............۹۰۱ھ

آپ شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے اور بوڑھے ہوگئے تھے، ظاہری عظمت و برکت و بزرگی کے مجسمہ تھے آپ فن کتابت میں ماہر تھے، زود نویسی کی

یہ حالت تھی کہ تین دن میں پورا قرآن پاک مع اعراب کتابت کیا کرتے تھے اور یہ آپ کی کرامت تھی، اس کے علاوہ اور بھی خرق عادات آپ سے ظاہر ہوئی ہیں۔

آپ نے بعض رسائل میں دنیا کی نادر اور عجیب چیزیں سپرد قلم کی ہیں جو کہ سمجھ سے باہر ہیں، خدا ہی جانے آپ کا مقصد کیا ہے اور ان کی کیا تاویل کی جاسکتی ہے۔

کہتے کہ آپ کی اولاد میں سے کچھ لوگوں نے آپ کی تصنیفات کی ان انوکھی و نادر چیزوں کے حالات وغیرہ اس لیے کتاب میں سے مٹا دیئے ہیں کہ یہ باتیں لوگوں کی سمجھ سے بہت دور ہیں باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے آپ کی وفات ۹۰۱ ہجری میں ہوئی ہے، آپ کا مزار شہر حصار میں ہے۔

میاں نجم الدین مندوی رحمۃ اللہ علیہ

۸۷۹ھ............................۱۰۱۰ھ

شاہ جیو رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے آپ نے ایک سو تیس ۱۳۰ سال کی عمر پائی، آپ کے والد بزرگوار سلطان غیاث الدین مندوی کے وزیر تھے، آپ عالم و عارف باللہ صاحب حال، دنیاداری سے علیحدہ تھے اور ستر چھپانے کی حد تک لباس پہنتے تھے، آپ کی عمر سات برس کی تھی کہ آپ کے پیرومرشد نے آپ پر توجہ کر کے اپنی جانب کھینچ لیا۔

کہتے ہیں کہ آپ نے احمد آباد میں ایک مردے کو زندہ کیا تھا اور اس واقعہ کے بعد آپ وہاں سے ایسے غائب ہوئے کہ پھر کسی نے آپ کو وہاں نہ دیکھا، چنانچہ احمد آباد سے روانہ ہو کر دہلی آئے، زیادہ تر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر رہتے تھے، خواجہ صاحب کی روحانیت سے اجازت لے کر اجمیر گئے کچھ عرصہ بعد وہیں اجمیر میں انتقال کر گئے۔

کہتے ہیں کہ خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اولاد میں سے کسی سے اس کے خواب میں کہا کہ شاہ نجم الدین کا زمانہ وفات قریب آ گیا ہے ان کو میرے کمرے کے سامنے دفن کرنا چنانچہ میاں نجم الدین کا مزار خواجہ کے گنبد کے پائیں میں ہے۔

شیخ برہان کالپی رحمۃ اللہ علیہ

۹۱۰ھ.......................۱۰۰۰ھ

عبادت الٰہی میں مصروف اور بہت ہی ریاضت کرتے تھے، کہتے ہیں کہ ان کو تصرف اور جلی کشف حاصل تھا، لوگوں میں آپ کے دوہرے بڑے مشہور ہیں جس سے درد حال ٹپکتا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ مہدوی عقائد رکھتے تھے۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے، آپ نے ۱۰۰۰ہجری کے آخری ایام میں وفات پائی۔

شیخ سلیم بن بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ

۸۹۷ھ.......................۹۷۹ھ

شیخ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے، ۸۹۷ہجری میں پیدا ہوئے جوانی کے زمانے میں سپاہیوں جیسا لباس پہنتے تھے اور بے انتہا ریاضت و مجاہدہ کرتے تھے اسی زمانہ میں شادی کرنے سے پہلے موسم سرما میں سفر کا خیال آپ کے دل میں آیا، چنانچہ ۹۳۱ہجری میں زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے، عرب و عجم کے شہروں میں سیر و سیاحت کی، اور وہاں کے مشائخ اور باکمال لوگوں کی صحبتوں سے فیض حاصل کیا اور بڑے بڑے امور سرانجام دیئے، پھر عرصہ دراز کے بعد سیکری کی طرف روانہ ہوئے جہاں آپ کے والد اور بھائی دہلی سے آ کر بعض نوابوں کے ملازم ہوگئے تھے اور سیکری میں مقیم ہوگئے تھے، غرضیکہ آپ سیکری کے ایک پہاڑی غار میں گوشہ نشین ہوئے اور عبادت الٰہی کرنے لگے، نیز آخری ایام حیات تک طے کے روزے رکھے، اور ان چیزوں سے افطار کرتے تھے جن کی خاصیت سرد ہے، جیسے پرانا سرکہ اور ٹھنڈی ترکاریاں وغیرہ، روزانہ ٹھنڈے پانی سے غسل کرتے اور سخت جاڑوں میں بھی ایک باریک کرتہ پہنتے تھے۔

سیکری آنے کے بعد شادی کی اور بال بچوں والے ہوئے، زمانہ کی ترقی کے ساتھ آپ کی حالات و کوائف میں بھی تبدیلی ہوئی اور آپ نے بھی عمارتیں، باغ اور کنویں وغیرہ بنوائے اس کے بعد مسند مشیخت پر رونق افروز ہوگئے، اہل حرمین شریفین کی طرح آپ اول وقت نماز ادا کرتے اور وہ چیزیں جو عوام میں رواج پذیر ہیں اور اسلام میں ناجائز نہیں وہ بھی

کرنے لگے، طلب گاروں اور مریدوں کو ریاضت و مجاہدہ کی تلقین اور رہنمائی کرتے تھے، آپ کی نشست گاہ بالکل امیروں اور حاکموں کی طرح تھی، کسی کو نصیحت اور کسی کو تنبیہ کرتے، آپ کے خدام اور معتقدین اکثر و بیشتر آپ کی کرامت تصرف، کشف کے عجیب و غریب قصے بیان کرتے ہیں، ہیموں ملعون کی ایذا رسانی کے سبب سے آپ دوسری مرتبہ ۹۶۲ ہجری میں حرمین شریفین گئے اور سیر و سیاحت کے بعد ۹۷۶ ہجری میں واپس ہوئے بادشاہ وقت سلطان جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کو آپ سے رابطہ اعتقاد و یگانگت بے انتہا پختہ ہو گیا تھا، چونکہ اس کی اولاد نہ تھی اس لیے وہ شیخ سلیم کی طرف خاص طور پر متوجہ ہوا اور اولاد ہونے کی خواہش کی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کی برکت سے بادشاہ کو اولاد دیدی اور ان شاہزادوں کی تربیت شیخ کے گھر میں ہوتی تھی، اکبر بادشاہ کو آپ کے خاندان سے ظاہری باطنی طور پر اتنی محبت والفت پیدا ہو گئی تھی، اکبر بادشاہ کو آپ کے خاندان سے ظاہری باطنی طور پر اتنی محبت والفت پیدا ہو گئی تھی کہ درمیانی حجابات اٹھ گئے اور تمام متبعین مرد عورت اور بچے بوڑھے سبھی شاہی عنایتوں سے سرفراز ہوئے، آپ نے بحالت اعتکاف ۲۹۔ رمضان ۹۷۹ھ کو اس دنیا سے کوچ کیا، اپنے انتقال سے پہلے ایک روضہ بنانے کی بنیاد ڈالی تھی اسی کے اندر مدفون ہوئے، آپ کی وفات کے بعد اس روضہ کی حاکم وقت نے تعمیر مکمل کی، آپ کے روضہ اور مسجد کی عمارت ایسی اچھی ہے کہ اس جیسی روئے زمین پر شاید ہی کہیں ہو، اس مسجد کی تعمیر کی تاریخ ثانی مسجد الحرام اور روضہ کی خانقاہ اکبر ہے۔

شیخ نظام الدین انیٹھوی رحمۃ اللہ علیہ

۹۰۹ھ.............................۹۸۱ھ

آپ شیخ معروف جونپوری کے مرید تھے جن کے پیر و مرشد مولانا اللہ داد تھے جنہوں نے کافیہ اور ہدایہ کی شرح لکھی ہے۔

آپ صاحب حال مجذوب و سالک تھے، سکر و جذب کی حالت آپ پر غالب تھی ابتدائے سلوک میں بڑی بڑی ریاضتیں کی تھیں، آپ صاحب باطن تھے اور کشف ظاہر میں اونچا مقام رکھتے تھے جو شخص آپ کے پاس گیا اس نے آپ کی کرامتیں اپنی آنکھوں سے

دیکھی ہیں، خود قوالی نہیں سنتے تھے اور اپنے مریدوں کو بھی قوالی سے معنوی و ظاہری پرہیز کرنے کا حکم دیا کرتے اور کہتے اگر باز کی آنکھوں پر پٹی نہ باندھیں اور اس کو شکار کرنے کی ترکیب نہ سکھائیں تو وہ جنگلی چڑیوں کا شکار کرنے لگے اور اس کو جب ٹرینگ دیدیتے ہیں تو وہ کلنگ کا شکار کرتا ہے۔

قوالی کی بابت ارشاد فرماتے تھے کہ مفت اختلاف میں کیوں پڑتے ہو، اگر تقلید کرتے ہو تو سلف اور بزرگوں کی تقلید کیا کرو، اور جب آپ پر حالت طاری ہوتی تو آپ کے جسم میں آگ لگ جاتی اور بعض اوقات خون کے گھونٹ پی کر خاموش رہتے، اور خوب تکلیفیں برداشت کرتے اکثر و بیشتر سلوک کے فضائل بیان کرتے تھے لیکن کبھی کبھی اپنے ہمرازوں کے ساتھ توحید کے حقائق بھی بیان کرتے تھے۔

کہتے ہیں کہ آپ کا یہ دستور تھا کہ صبح صادق ہوتے ہی مسجد میں تشریف لا کر نماز پڑھتے تھے، حسب معمول ایک دن آپ خلوت سے مسجد آئے اور باہر کے صحن میں کھڑے ہو کر فرمایا ہم یہیں نماز پڑھیں گے، ہوسکتا ہے پہلی والی جگہ پر کوئی موذی چیز ہو چنانچہ جب لوگوں نے تحقیق کی تو دیکھا کہ آپ کی بچھی ہوئی جانماز کے ایک کونہ میں سانپ لپٹا ہوا ہے ۹۸۱ ہجری میں آپ نے انتقال کیا۔

شیخ جلال قنوجی قریشی رحمۃ اللہ علیہ

۸۶۱ھ.................................۹۸۸ھ

آپ لَلا کے نام سے مشہور تھے، صاحب حال و ذوق و وجد تھے، اسمائے الٰہی پڑھنے کے ذریعہ آپ کو دست غیب حاصل تھا، آپ اکثر و بیشتر گریہ وزاری کرتے ہوئے فریاد کرتے اور نعرے لگاتے، آپ پر جب جذبہ و حال زیادہ طاری ہوتا تو آپ کی ظاہری وضع بدلجاتی اور آپ گدھے پر سوار ہو کر شہر کی گلیوں میں چکر لگاتے تھے، آپ بہت بوڑھے اور عمر رسیدہ ہوگئے تھے، آپ نے ۹۸۸ ہجری میں وفات پائی۔

شیخ جلال الدین تھانیسری کابلی رحمۃ اللہ علیہ

۸۹۴ھ.......................۹۸۹ھ

آپ شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں اوران کے خلیفہ تھے۔اپنے وقت کے مشہور عالم، عامل صاحب استقامت شیخ کامل تھے، ابتدائی عمر سے زندگی کے آخری ایام تک اطاعت، عبادت، درس، وعظ گوئی، ذکر سماع اور ذوق و حال میں مشغول رہے۔اللہ تعالیٰ نے عمر دراز دی تھی، آداب ونوافل کی حفاظت اور اوراد واوقات کی رعایت میں زندگی کے آخری وقت تک ثابت قدم رہے۔

حکایت ہے اپنے بیٹے کے انتقال کے غم میں ایک مدت تک آپ نے قوالی نہیں سنی اور جب لڑکے کے انتقال کا غم محبت الٰہی میں تبدیل ہوگیا تو پھر قوالی سننے لگے۔آپ کے پیرو مرشد شیخ عبدالقدوس نے آپ کو اکثر خطوط لکھے ہیں اور آپ نے بھی اپنے پیرومرشد کے طرز پر خطوط تحریر کیے ہیں۔آپ نے پچانوے برس کی عمر میں وفات پائی۔

شیخ اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ

۸۵۱ھ.......................۹۸۹ھ

آپ بہت ہی عمر رسیدہ تھے، ملتان سے دہلی آ کر سکونت پذیر ہو گئے تھے، آپ نے بے انتہا سیاحت وسفر کیا اور خوب ریاضت کی، اکثر و بیشتر خاموش رہتے اور بہت ہی کم گفتگو کرتے تھے میں نے بھی آپ کی خدمت میں حاضری دی اور آپ کے طریقہ توجہ وعنایات کو خود دیکھا ہے۔

کہتے ہیں کہ شیخ اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اس انتظار میں ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے کوئی بیٹا عنایت کرے، چنانچہ بڑھاپے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک لڑکا دیا، جس کی پیدائش کے بعد خود انتقال کر گئے، آپ کے انتقال کا واقعہ یہ ہے کہ جمعہ کے دن آپ نے اپنی بیوی سے کہا گھر میں کچھ ہو تو لے آؤ تاکہ خیرات کردوں، انہوں نے جواب دیا تمہارے گھر میں کب کوئی چیز ہوئی ہے جو آج ہوگی، اس پر آپ نے کہا جتنی بھی ہو لے آؤ چنانچہ دو تین سیر غلہ اور ایک پھٹی ہوئی چادر فقیروں کو تقسیم کی، اس کے بعد

کہا سماع کا شوق ہے قوالوں کو بلاؤ، بیوی نے کہا تمہارے پاس ہے کیا جو قوالوں کو دو گے، آپ نے کہا ٹوپی اور یہ چادر جو اوڑھے ہوئے ہوں، پھر اس کے بعد اپنے ہمسایہ کے گھر گئے جہاں قوالی ہو رہی تھی، آپ نے قوالی سنی اور خوب گریہ وزاری کی، جب آپ بے اختیار ہو گئے تو آپ کو گھر لایا گیا، پھر تھوڑی دیر سو گئے پھر اٹھ کر کہا آج جمعہ ہے میں نے غسل نہیں کیا ہے، حجام کو بلایا گیا حجامت بنوائی، نہا دھو کر اپنے دوستوں سے ملاقات کی اور ان کو الوداع کہا، اس کے بعد کہا میں نے آج حسب معمول قرآن پاک کی تلاوت نہیں کی ہے چنانچہ قرآن پاک کی تلاوت کر کے سو گئے اور جان جان آفریں کے حوالہ کی، یہ واقعہ ۹۸۹ ہجری کا ہے۔

شیخ عبدالغفور مانو رحمۃ اللہ علیہ

۸۲۸ھ.............................۹۸۹ھ

جنات کو بلانے کے علم وعمل میں کامل تھے اور اپنے نفس پر پورا قابو رکھتے تھے، ہندوستان وخراسان کی خوب سیر وسیاحت کی، آپ اپنے نانا شیخ شمس الدین کے مرید تھے، ایک مرتبہ جنات اٹھا کر اپنے ملک میں لے گئے جہاں عرصہ تک آپ رہے ادھر آپ کے گھر والوں کو یہ خیال ہوا کہ آپ کہیں سیر وسیاحت کرنے گئے ہیں، آپ جناتوں کو وضع قطع، رہن سہن اور ان کی زمین وغیرہ کو تفصیل سے بیان کرتے تھے اور ان کی زبان بھی کافی تبدیلی ہو گئی تھی، کوئی نیا شخص دیکھ کر کبھی یہ نہیں کہتا کہ آپ ہماری زمین کے باشندے ہیں، آپ بہت زیادہ بوڑھے ہو گئے تھے اور ۹۸۹ ہجری میں انتقال کیا۔

آپ کو عبدالغفور مانو کہنے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ مانو آپ کی محبوبہ کا نام ہے اور وہ کوئی جناتنی تھی یا آدم زاد، آپ کو اس سے اتنی محبت تھی کہ اگر کوئی شخص مانو کا لفظ ٹھیکری پر لکھ کر آگ میں ڈال دیتا تو آپ بے تحاشا آگ میں کود جاتے اور اگر کنویں میں وہ ٹھیکری پھینک دیتا تو آپ اس کنویں میں کود کر پانی کی تہ میں سے اس ٹھیکری کو نکال لاتے تھے۔

شیخ عبدالغفور مانو ہمارے خاندانی عزیز تھے، ایک شخص میرے والد بزرگوار کو آپ کے

پاس دعا کرانے کی سفارش کے لیے بھی لے گیا، چونکہ شیخ عبدالغفور ہمارے رشتہ دار تھے اس لیے ہمارے ہاں کی اکثر بیبیاں کہا کرتی تھیں کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ کوئی شخص باہر سے ہمارے گھر میں آیا اس نے غلہ وغیرہ اٹھایا اور نوکروں کی طرح کام کاج کیا اور پھر وہ آنے والا گھر ہی میں غائب ہو جاتا تھا، کبھی یہ شیخ عبدالغفور مانو اپنے پیرومرشد شیخ شمس الدین کے پاس اپنی پوری جماعت لیے اس طرح آتے کہ کسی کو پتہ نہ چلتا کہ یہ کون لوگ ہیں، اللہ آپ سب پر اپنی رحمتیں کرے۔

مولانا درویش محمد واعظ رحمۃ اللہ علیہ

۸۹۱ھ..................۹۹۷ھ

بڑی ریاضت کرنے والے، عبادت گزار، سالک و عارف اور صورت و سیرت کے لحاظ سے بھی درویش تھے۔ پوری عمر سلوک کی راہ، ریاضت میں گزاری، صاحب ذوق وشوق اور خوشگوار صحبت رہے، بانسری کی آواز پر درد وشورش کا اظہار کرتے اور اتنا روتے تھے کہ بیان نہیں کیا جاسکتا، اصلی وطن ماوراء النہر تھا برسوں حرمین شریفین میں فقر و ریاضت مجاہدہ و عبادت کی زندگی بسر کی افغانوں کے عہد حکومت میں تقریباً ۹۵۵ ہجری میں آپ ہندوستان آئے اور یہاں کے اکثر و بیشتر مشائخین کی صحبت میں رہے پھر دہلی میں فقیروں کی طرح زندگی بزاری اور ۹۹۷ ہجری میں وفات پائی، آپ کا مزار دہلی میں شیخ برہان الدین بلخی کے چبوترے کے پاس ہے، اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

مولانا بحشی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام محمد اور تخلص بحشی تھا، ابتدا میں بڑے آزاد تھے لیکن آخر عمر میں توفیق الٰہی کی بدولت راہ فقر و ریاضت کی نعمت نصیب ہوئی، تیس ۳۰ سال تک مسلسل روزے رکھے اور ریاضت کرتے رہے۔ دہلی میں نظام الدین اولیاء کے قریب رئیس وقت مرزا محمد عزیز نے آپ کے لیے ایک خانقاہ بنوائی تھی آپ اسی میں مشغول عبادت رہا کرتے تھے اور وہیں دفن ہوئے۔

آپ دہلی کی ویرانی گلیوں میں گشت کرتے تھے اور کشف قبور سے متعلق بہت سی

چیزیں آپ سے منقول ہیں، بوقت وفات آپ باخبر اور بیدار دل تھے، اپنے وقت کے جواں سال عالم و فاضل، ادیب و مہذب، مقبول عام و خاص، درویشوں کے معتقد مولانا حسن کشمیری نے آپ کی تاریخ وفات یوں کہی ہے۔

قطعہ تاریخ

فات فی السبت شیخنا بجشی — کہ نبودش نظیر بے شک و ریب

سال تاریخ آں ملک سیرت — فات بجشی ندا رسید زغیب

۹۰۱ھ

بعض مجذوبوں کے حالات بلالحاظ تقدیم وتاخیر

شاہ ابوالغیب بخاری رحمۃ اللہ علیہ

آپ حاجی عبدالوہاب کے فرزند تھے، مستی اور جذبہ و حال میں رہتے تھے، زمانہ طالب علمی میں دوسرے طالب علموں سے درس میں سبقت لے جانے کی خواہش کرتے اور کہتے آپ ہمیشہ پڑھتے رہیں گے اور مجھے اپنی فرصت وقت پر بھروسہ نہیں، خدا ہی جانے کیا حالت ہو، غرضیکہ جلد از جلد آپ نے تمام مروجہ کتابوں پر عبور حاصل کرلیا۔ اس کے بعد آپ پر ایسا جذبہ طاری ہوا کہ سب کاموں سے ہاتھ اٹھالیا۔

حکایت ہے کہ دن بھر آپ کے گھر میں روٹیاں پکتی تھیں اور انگیٹھی گرم رہتی تھی، آپ نے ایک مرتبہ اپنے دونوں پاؤں اس میں رکھ دیئے اور بہت دیر تک اس میں کھڑے رہے لیکن آپ کے پاؤں پر گرمی کا کوئی اثر تک نہیں ہوا۔

حکایت ہے کہ ایک دن اپنے پیر کے پاس گئے اور کہا قسمت میں ہے تو کل پھر آؤں گا، وہاں سے گھر لوٹ کر والدہ سے دریافت کیا کہ اماں جان! آپ جانتی ہیں کہ میں سید ہوں، والدہ نے کہا تم سید تمہارے باپ دادا سید، اس پر آپ نے کہا کہ میں نے باپ دادا کو کب پوچھا یہ بتاؤ کہ میں سید ہوں یا نہیں، اس کے بعد خادم کو بلا کر کہا کہ تم اپنے آقا پر کس طرح روؤ گے، رو کر دکھاؤ چنانچہ اسی روز یا دوسرے روز دنیا سے رخصت ہوئے، باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

میاں معروف رحمۃ اللہ علیہ

مشہور مجذوب تھے اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب شیخ برہان الدین بلخی کے مقبرہ کے پاس والے پرانے گنبد میں رہا کرتے تھے مستی اور حالت جذبے کے باوجود علم تکسیر میں اللہ کی نشانیوں میں سے ایک خاص نشانی تھی، جب شیر شاہ نے دہلی کے قلعہ کو ویران کیا تو آپ اس کو سنتے ہی ایسے غائب ہوئے کہ پھر آپ کا نشان تک

نہیں ملا۔

شیخ علاؤ الدین مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

وفات ھ.................۹۴۷ھ

آپ کو شیخ علاول بلاول بھی کہتے ہیں، کشف حالات اور دلوں کی باتیں ظاہر کرنے میں اللہ کی نشانی تھے، جو کوئی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے ضرور کوئی نہ کوئی آپ کی کرامت دیکھی ابتدائے جوانی میں طالب علم تھے عرصہ تک سامانہ میں رہے طالب علمی کے زمانے میں دہلی میں بھی پڑھا، اس کے بعد جب جذبہ و حال طاری ہوا تو آگرہ چلے گئے، عرصہ تک مجرد رہے، آپ کی کرامتوں کو دیکھ کر لوگوں نے آپ کی خدمت کے لیے نوکر چاکر اور کنیزیں خرید کر دیں، آپ نے بلحاظ فطرت انسانی بعض کے ساتھ شادیاں بھی کیں جن سے کئی اولادیں ہوئیں۔

میرے چچا رزق اللہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اپنے چند لڑکوں کے غائب ہونے سے سخت پریشان تھا، میں ان کی خیریت طلبی کے لیے صدقہ دینا یا قرآن کریم پڑھنا یا کسی اسم الٰہی کا ورد کرنا چاہتا تھا، اسی پریشانی اور تردد میں شیخ علاؤ الدین مجذوب کے پاس گیا تا کہ وہ جو کچھ بتائیں ویسا کروں چنانچہ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے کہا، قرآن کریم سب سے زیادہ بہتر ہے، نیز چچا صاحب فرماتے تھے کہ ایک دن میں نے شیخ علاؤ الدین سے کہا کہ مجھے کوئی شغل بتائیے جسے کرتا رہوں، جواب دیا کہ تمہارے لیے تختہ عشق کافی ہے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں، نیز میرے والد بزرگوار فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میرا ایک دوست مجھ سے بچھڑ گیا مجھے اس سے ملنے کا بہت ہی شوق تھا اور وہ دہلی میں تھا، چنانچہ میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ میں اور میرا دوست دونوں علاول بلاول کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں، میں اپنے دوست کا ہاتھ پکڑ کر شیخ کے قریب آیا اور کہا اس جوان کے ہاتھ چومئے، شیخ نے جواب دیا تم چومو تم اس کے عاشق ہو اللہ قبول کرے گا، دوسرے دن صبح سویرے میں شیخ کے پاس پہنچا دیکھا کہ وہ دروازے پر کھڑے ہوئے ہیں، دور سے مجھے دیکھ کر چیخے اور کہا جاؤ جلدی جاؤ وہ تمہارے مشتاق ہیں خیر دین خیر دین، چنانچہ میں فوراً ہی دہلی کے ارادے سے روانہ

ہوا، میرے ساتھ کوئی خدمت گار وغیرہ نہ تھا جس کے لیے توقف کرتا چنانچہ فرح سرائے میں ٹھہرا، ایک شخص میرے پاس آیا میرے پوچھنے پر اس نے کہا میرا نام خیر دین ہے میں دہلی جانا چاہتا ہوں اور آپ کی خدمت میں رہوں گا، دوسری منزل پر پہنچنے کے بعد ایک دوسرا شخص میرے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میں دہلی چلوں گا اور میرا نام خیر دین ہے، شیخ علاؤ الدین مجذوب نے خیر دین خیر دین دو مرتبہ جو کہا تھا اس کا راز اب معلوم ہوا کہ یہ دونوں خیر دین ہمارے ساتھ رہیں گے ہم جب دہلی پہنچے تو ہمارے اس دوست نے اشتیاق ملاقات کا اظہار کیا اور ہم دونوں مل کر بہت خوش ہوئے آپ کی تاریخ وفات علاؤ الدین مجذوب ۹۴۷ ہے۔

مسعود نخاسی قدس سرہٗ

بدایوں میں ایک مشہور دیوانے تھے، شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ خواجہ زین الدین ساکن مدرسہ معزی نے ایک مرتبہ آپ سے کہا ہمیں کوئی فائدہ والی بات بتائیے، چنانچہ مسعود نخاسی نے کہا، شراب منگاؤ، خواجہ نے اپنے غلام کے ذریعہ شراب منگوا کر آپ کے سامنے رکھ دی، آپ نے فرمایا دریا کے کنارے چل کر پئیں گے، دونوں دریا کے کنارے جا کر بیٹھ گئے، مسعود نخاسی نے خواجہ سے کہا اٹھ کر شراب پلاؤ، خواجہ نے جام بھر کر دیئے، دیوانے نے پئے اور جب مست ہو گیا تو کہا، میں کپڑے اتار کر پانی میں جاؤں گا چنانچہ دریا میں گیا اور وہاں سے نہا دھو کر نکلا اور کہا خواجہ یہ پانچ عادتیں اپنالو،

(۱) ہر ایک کے لیے اپنا دروازہ کھلا رکھو۔

(۲) خندہ پیشانی، کشادہ روئی اور خوش رہنے کا مظاہرہ کرنا۔

(۳) تھوڑا بہت جو کچھ میسر ہو اس میں دریغ نہ کرنا اور دے دینا۔

(۴) اپنا بوجھ کسی پر نہ ڈالنا۔

(۵) لوگوں کے بوجھ کو اٹھانا۔

شیخ حسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

قصبہ ریری کے باشندے تھے لیکن اکثر و بیشتر دہلی میں سیر کیا کرتے تھے اور سلطان

سکندر لودھی پر عاشق تھے کہتے ہیں کہ سلطان نے کئی مرتبہ آپ کو جیل خانہ میں قید کیا مگر دوسرے ہی دن آپ دہلی کے بازاروں میں گشت کرتے دکھائی دیتے۔

ایک دن سلطان اپنے شاہی محل میں بیٹھا ہوا تھا کہ آپ وہاں اچانک آ موجود ہوئے اس پر سلطان نے کہا بغیر اجازت کے یہاں کیوں آئے، جواب دیا میں تم پر عاشق ہوں تمہیں دیکھنے آیا ہوں، سلطان کے پاس انگیٹھی رکھی ہوئی تھی اس نے آپ کی گردن پکڑ کر اس میں رکھ دی کافی دیر تک اسی حالت میں رہے پھر جو سر اٹھایا تو تمام لوگوں نے دیکھا کہ آپ کے چہرے اور گردن وغیرہ پر آگ کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

شیخ حسن بودلہ قدس سرہٗ

وفات.....................۹۶۴ھ

دہلی کے ایک قدیم رئیس کے فرزند تھے بچپن ہی سے مجذوب تھے دنیا کے طور طریقوں سے بے پروا تھے، عجیب وغریب حالت تھی، اکثر اوقات بالکل برہنہ رہتے اور آپ کے عضو مخصوص میں انتشار پیدا نہیں ہوتا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مٹی کا ایک غلہ دیوار میں چپکا ہوا ہے، روپیہ پیسہ اور کپڑے اور جو کچھ آپ کو ملتا وہ سب کا سب حاضرین اور قوالوں کو دیدیا کرتے تھے اس حالت کے باوجود آپ کی ظاہری صورت یہ تھی کہ مجلسوں میں جاتے، ہر ایک کی جانب التفات کرتے اور بڑی دلچسپ گفتگو کرتے، بعض علماء نے خواب میں دیکھا کہ شیخ حسن بودلہ دربار رسالت میں حاضر ہیں اور وضو کرا رہے ہیں، بعض صاحبوں نے بیان کیا کہ ہم نے شیخ حسن بودلہ کو مکہ معظمہ میں دیکھا حالانکہ وہ دہلی میں موجود تھے، آپ نے تقریباً ۹۶۴ ہجری میں وفات پائی، آپ کا مزار دہلی بازار میں خواص خاں کے مقبرے کے پاس ہے یہ خواص خاں شیر شاہ سوری کے دوست تھے اور اپنے وقت کے صالح اور سخی لوگوں میں تھے، بے انتہا صفات کے مالک تھے، شاہ سلیم نے ۹۵۸ ہجری میں آپ کو شہید کیا۔

شیخ عبداللہ ابدال دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ مشہور صاحب حال مجذوب، بزرگ تھے، بازاروں میں رقص کرتے ہوئے چلتے

اور ہندی دوہرے اپنے حال کے مطابق پڑھا کرتے تھے آپ کے ساتھ لوگ دف اور ستار بجاتے ہوئے چلتے تھے۔

حکایت یہ ہے کہ شیخ عبداللہ ابدال سخت بیمار ہوئے، گھر والوں نے آپ کی بغل میں ہاتھ ڈال کر اٹھایا اور آپ کو گھر کی دہلیز پر بٹھا کر اندر آئے پھر تھوڑی دیر میں باہر جا کر دیکھا تو آپ غائب تھے۔

میرے چچا فرمایا کرتے تھے کہ میں گجرات گیا تو وہاں کے لوگوں سے شیخ عبداللہ ابدال کے ہندی کے بہت سے دوہرے سنے، اس پر میں نے کہا کہ وہ یہاں کس وقت آئے وہ تو دہلی میں تھے، لوگوں نے جواباً کہا کہ وہ تو اکثر اوقات گجرات میں رہتے تھے وہ دہلی گئے کب؟

شیخ عبداللہ ابدال ہمارے عزیز تھے اور ہمارے دادا صاحب کے بھانجے ہوتے تھے، اپنے جذبہ مستی کے باوجود جب میرے دادا صاحب کو دیکھتے تو ان کی جانب متوجہ ہو کر کہتے کہ آپ تو ہمارے قریبی عزیز ہیں، اس کے برخلاف اگر دوسرے بھائیوں کو جو کہ مشرب محبت سے اجنبی تھے دیکھتے تو ان کی جانب بالکل متوجہ نہ ہوتے، اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

میاں مونگیر قدس سرہٗ

لاہور کے باشندے تھے، اپنے وقت کے مجذوب نفس گیر اور جذبہ کامل کے مالک تھے، حاجی محمد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں لاہور گیا، اور میرے دوست شیخ حسن بودلہ اپنی محبت کے سبب میرے ساتھ تھے ایک مجلس میں ہم لوگ بیٹھے تھے کہ وہاں اچانک میاں مونگیر آ پہنچے اور شیخ حسن بودلہ کو دیکھ کر کہا، تم یہاں کہاں سے آ گئے؟ تمہیں لاہور سے کیا واسطہ؟ ان کے یہ کہتے ہی شیخ حسن بودلہ گریہ وزاری کرنے لگے اور اتنا زیادہ روتا ہوا ان کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا تھا چنانچہ انہوں نے فوراً ہی وہاں سے بھاگ کر دہلی آ کر دم لیا۔

بابا کپور مجذوب قدس سرہٗ

وفات..............۹۷۹ھ

اصل میں کالپی کے باشندے تھے، ابتداء ہی میں سلوک کے راستہ دیکھ چکے تھے اور راتوں کو کمزور لوگوں کے گھروں میں جاکر ان کے مٹکے بھرتے تھے، آخرکار ایک شخص کے ذریعہ سے آپ کو جذب کی حالت نصیب ہوئی اور گوالیار میں رہنے لگے، فتوح کے دروازے آپ پر کھل گئے اور دنیا والوں کے دل آپ کی طرف مائل ہوگئے۔

حکایت ہے کہ آپ اکثر و بیشتر استغراق کی حالت میں رہا کرتے تھے، ضروریات انسانی کے وقت استغراق میں تھوڑا سا افاقہ ہو جاتا تھا، آپ کا دستور تھا کہ کئی کئی دن بعد تھوڑے سے دانے بطور غذا کھایا کرتے اور ستر چھپانے کی حد تک لباس پہنتے تھے، بعض وقت ذرا سا بھی کپڑا جسم پر نہ رکھتے، عمدہ اور قیمتی لباس جب آپ کو دیا جاتا تو وہ غریبوں کو تقسیم کردیتے، مالداروں سے بہت ہی کم ملاقات کرتے دل کی دنیا سے آپ کا خاص تعلق تھا، آپ کی بہت سی کرامتیں دیکھی گئیں، تصوف میں شاہ مدار کے سلسلہ میں داخل ہوئے، آپ نے بہت سے اسرار بیان کئے ہیں بعض فاضلوں نے آپ کی تاریخ کپور مجذوب نکالی ہے۔

باین مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

اجمیر میں خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر پڑے رہتے تھے، اصل میں مالوہ کے باشندے تھے لیکن اجمیر میں آپ کو جذب کی دولت نصیب ہوئی تھی۔

حکایت ہے کہ شیخ میاں حمزہ فرماتے تھے کہ میں توبہ کرنے کے ابتدائی زمانے میں جب خواجہ معین الدین کی زیارت کرنے کے لیے گیا تو باین مجذوب نے اپنے پاس بیٹھنے والے لوگوں سے کہا میاں آرہے ہیں؟ لوگ یہ سنتے ہی چاروں طرف دیکھنے لگے کہ کیا ہونے والا ہے، چنانچہ دور سے مجھے دیکھ کر کہا وہ دیکھو، میاں آرہے ہیں، جب میں ان کے پاس پہنچا تو فرمایا میرے اور قریب آجاؤ، جب میں ان کے بالکل قریب پہنچ گیا تو میری کمر میں بندھی ہوئی کٹار کو دیکھ کر کہا، یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ ہتھیار ہے اور رسول اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی سنت ہے، اس کے بعد میرے پاس تھوڑی سی رقم تھی وہ نکال لی، تو فرمایا یہ کیا ہے؟ میں نے جواب دیا یہ زادراہ ہے اور یہ بھی سنت ہے، میرے پاس دو کنگھے تھے، میرے دونوں کنگھے نکال کر وہ کنگھا جو سر میں کیا تھا اس کو تو اپنے ہاتھ میں لے کر دھوپ کی جانب چمکایا اور جو کنگھا میں اپنی داڑھی میں کیا کرتا تھا وہ میرے ہاتھ میں دیدیا، چنانچہ ان کے اس اشارے کنایہ پر میں نے فوراً سر منڈواڈالا، اتنے میں شیخ احمد مجد کو اطلاع ہوئی، کہ قاضی کریم الدین کا لڑکا اپنا شہر چھوڑ کر یہاں آیا ہوا ہے تو وہ آئے اور مجھے اپنے گھر مہمان بنا کر لے گئے، اس دعوت میں باین مجذوب بھی شریک ہوئے، انہوں نے تمام دعوتیوں کو اپنے ہاتھ سے ایک ایک نوالہ دیا، جسے سب نے تبرک سمجھا، اس کے بعد انہوں نے اپنے سامنے کی پلیٹ اٹھا کر مجھے دی اور کہا سب کو ایک ایک نوالہ اور میاں کو ساری پلیٹ، اس مجلس دعوت کے بعد سے لوگ مجھے میاں کہنے لگے اور اسی دن سے مجھ پر کامیابی کے دروازے کشادہ ہوگئے۔

حکایت ہے کہ سلطان بہادر شہزادہ اپنے والد شاہ گجرات سے خفا ہو کر اجمیر آیا تو پہلے خواجہ چشت کے مزار پر حاضر ہوا، یہ وہ زمانہ تھا جبکہ اجمیر میں کافروں کی حکومت تھی اور خواجہ کے مزار کو لوگوں نے مندر بنا رکھا تھا اور اس میں بت بھی رکھ لیے تھے، مزار خواجہ پر شہزادہ سلطان بہادر نے منت مانی کہ ''اگر اللہ مجھ کو بادشاہ بنادے تو میں ان کافروں سے اچھی طرح بدلہ لوں گا۔'' میاں باین بھی وہاں موجود تھے، تو انہوں نے اپنی دایہ سے جس کا نام شاداں تھا کہا، ''شاداں! شاداں! اونچا تخت بچھاؤ کیونکہ دریائے مرغ آپہنچا ہے'' میاں باین کی اس بات کو شہزادہ سلطان بہادر نیک فال سمجھ کر الٹے پاؤں واپس ہوا، اور پھر بادشاہ بننے کے بعد اس نے اپنی منت کے موافق اجمیر کے کافروں سے انتقام لیا۔

الہ دین مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

وفات ۹۴۶ھ

نارنول کے باشندے تھے اور صاحب نفس مشہور تھے اکثر اوقات نارنول کے بازاروں میں گھومتے پھرتے تھے، آپ کا مزار بھی نارنول ہی میں ہے، آپ جس جگہ بیٹھ

جاتے وہاں سے کئی کئی دن تک نہ اٹھتے، تنہائی میں خود سے باتیں کیا کرتے کبھی گریہ وزاری کرتے، کبھی ہنستے کبھی اپنے آپ سے لڑتے جھگڑتے، کبھی دوتارہ بجا کر فارسی چٹکلے کہتے، پرانے چیتھڑے پہنتے اور ہاتھ پاؤں میں لوہے کی زنجیریں ڈالے رکھتے، گفتگو میں آپ کا تکیہ کلام یہ تھا، خدایا آؤ، خدایا جاؤ، خدایا بیٹھو اور جس سے گفتگو کرتے یہ تکیہ کلام ضرور استعمال کرتے۔

ملا محمد نارنولی کہا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میری والدہ نے مجھ سے کہا ملا محمد! تم بچپن میں اتنے سخت بیمار ہوئے تھے کہ تمہارے بچنے کی کوئی امید نہ تھی چنانچہ ہمارے محلّہ سے اللہ دین مجذوب گزرا اور اس نے ایک ٹھیکری ایک آدمی کو دے کر ہمارا پتہ بتایا کہ یہ ان کو دے دینا، چنانچہ وہ آدمی ہمارے پاس ان کی دی ہوئی ٹھیکری لایا اور میں نے اس ٹھیکری کا تعویذ بنا کر تمہارے بازو پر باندھ دیا اور اللہ تعالیٰ نے تم کو تندرست کر دیا، اس کے بعد تمہارے والد اللہ دین کو گھر لائے تا کہ اس کو کچھ کھلائیں، اللہ دین نے آ کر کہا، خدایا کوئی چیز گرم، خدایا کوئی چیز ٹھنڈی، خدایا کوئی چیز کھٹی، خدایا کوئی چیز میٹھی، چنانچہ تمہارے والد نے فوراً ہی چاول پکوائے اور شکر دہی خدمت میں پیش کی، اللہ دین وہ کھا کو چلا گیا۔

کہتے ہیں کہ بازار میں کیچڑ ہو گئی تھی، اللہ دین جس کسی کے پاؤں میں کیچڑ لگی دیکھتے تو اس کا پاؤں صاف کر کے خود اپنے پاؤوں میں کیچڑ مل لیتے۔

ملا محمد یہ بھی کہتے تھے کہ ایک روز میں کچھ پیسے نذرانہ کے طور پر لے کر اللہ دین کو تلاش کرنے لگا، سب جگہ ڈھونڈا کہیں نہ ملے، اتفاقاً شہر کے باہر دیکھا کہ گھورے پر ایک آدمی چیتھڑوں میں لپٹا ہوا پڑا ہے، میں نے سمجھا کہ شاید کوئی مردہ ہے لیکن قریب آ کر دیکھا تو وہ چیتھڑے ہلنے لگے تب میں سمجھا کہ کوئی زندہ ہے، پھر اس کے بعد ان چیتھڑوں میں سے اس آدمی نے سر نکال کر کہا خدایا دے دو جو لائے ہو، میں جو کچھ لایا تھا ساری رقم ان کو دے دی، اللہ دین مجذوب نے وہ رقم لے کر کہا، خدایا یہاں گھوڑا ہے واپس ہو جاؤ۔

اللہ دین مجذوب نے پندرہویں شعبان ۹۴۶ ہجری کو صبح صادق کے وقت وفات پائی، آپ کی تاریخ وفات مجذوب صادق ہے۔

شاہ منصور رحمۃ اللہ علیہ

مندو کے کشف ظاہر اور مکمل تصرف رکھنے والے مجذوب تھے

حکایت ہے کہ محمد ہمایوں بادشاہ نے جب گجرات کا رخ کرنا چاہا تو فال لینے شاہ منصور کے پاس بھیجا، جب شاہی آدمی شاہ منصور کے پاس آیا تو آپ نے اس کے ترکش سے ایک تیر نکال کر اس کے پر توڑے اور پھر وہ تیر واپس ترکش میں رکھ دیا، چنانچہ اس نے واپس ہو کر بادشاہ سے ماجرا بیان کیا، جس پر بادشاہ نے کہا یہ اس چیز کی علامت ہے کہ ہم کو گجرات پر فتح نہ ہوگی۔ اور ہماری فوج پریشان ہو جائے گی نیز اس میں اس چیز کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ہماری فوج اگرچہ پریشان اور تتر بتر ہو جائے گی لیکن ہماری ذات کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور ہم سلامتی سے اپنے مقام پر واپس آ جائیں گے۔

حضرت شیخ عبدالوہاب بیان فرماتے تھے کہ برہان پور کے صاحب ولایت شاہ بھکاری کے وضو کا پانی شاہ منصور نے پی لیا تھا تب سے ان کی یہ حالت ہوگئی، میں نے ابتداً جب راہ سلوک میں قدم رکھا تو فال اور نصیحتیں لینے کے لیے شاہ منصور کے پاس گیا، میں ان کے پاس جا کر بیٹھا ہی تھا کہ انہوں نے پوچھا بھاکری پکا سکتے ہو؟ بھاکری عرف عام میں باجرہ کی روٹی کو کہتے ہیں جو عام طور پر فقیر اپنے ہاتھ سے پکا کر کھاتے ہیں اس کے بعد انہوں نے خود کہا کہ بھاکری پکانا مشکل ہے، محنت مشقت کر کے باجرہ لانا، اسے چھٹرنا پیسنا، خمیر کرنا پھر لکڑیاں جمع کرنا چولہا جلانا مشکل ہے یہ نہیں ہو سکتا، اور اگر ممکن ہوا بھی تو سر چہرہ اور بال جل جاتے ہیں، بھاکری پکانا مشکل ہے غرضیکہ یہ الفاظ انہوں نے اپنی ہندی شکستہ زبان میں بار بار کہے، ان کے بار بار کے کہنے پر میں دل میں کہتا تھا کہ انشاء اللہ پکاؤں گا پھر تھوڑی دیر بعد انہوں نے سر اٹھا کر کہا پکا سکتے ہو تو پکاؤ۔ اور اس لفظ کو بھی انہوں نے تقریباً پچاس ساٹھ مرتبہ دہرایا، ان کے اس لفظ کے کہنے پر ہر مرتبہ میری ہمت فقر و تجرید میں تازگی پیدا ہوتی تھی غرضیکہ میں ان کے پاس سے واپس ہوا اور اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

شیخ یوسف رحمۃ اللہ علیہ

لاہور کے ایک مجذوب تھے، بلند قامت، موٹے تازے، باہیبت اور صاحب عظمت پابند اوقات تھے، سر پر بڑا صافہ باندھتے اور سر منڈاتے تھے، صاحب کشف اور کشادہ باطن تھے۔

شیخ کہا کرتے تھے کہ ایک دن میں نے شیخ یوسف کو دیکھا جو لاہور کے نخاس میں کھڑے اونچی باتیں اور عجیب اسرار و رموز بیان کر رہے ہیں، میری بہت سی پوشیدہ باتیں بیان کیں جنہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے دوسرا نہیں جانتا دوسرے دن پھر میں نے ان کے پاس جانے کا ارادہ کیا تاکہ اپنے سفر کے لیے نیک فال لے لوں، تلاش کرنے پر اپنی جگہ نہ ملے چنانچہ میں لوٹ آیا اور میں اپنا پورا ماجرا اپنے ساتھیوں سے بیان ہی کر دیا تھا کہ اچانک وہ وہاں آ گئے اور میری طرف رخ کر کے کہا ہرگز سفر نہ کرنا، مبارک نہیں ہے، وہاں کے آدمیوں نے کہا بارہ سال کے بعد آج یہاں شیخ یوسف رحمۃ اللہ علیہ آئے ہیں، اس سے پہلے وہ کبھی اس جگہ سے نہیں گزرے، اللہ کی آپ پر رحمتیں ہوں۔

سوبھن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

صاحب حال و تصرف ایک مستانہ تھے، قوم کے کوری تھے اور مسلمان ہونے کے بعد مجذوب ہو گئے تھے۔ شیخ علاؤ الدین اجودھنی کی خدمت میں رہے اور عرصہ تک قطب صاحب میں عبادت کرتے رہے، کبھی عرصہ دراز تک فاقہ کشی کرتے تھے اور کبھی منوں کھا کر پوری مشک پانی پی لیتے، کبھی دیکھا گیا کہ چونے کی بھٹی میں پڑے ہوئے چونا کھا رہے ہیں لوگوں نے کہا، آپ یہ کیا کھا رہے ہیں یہ کھانا نہیں ہے تو جواب دیا کیا کروں اس بدقسمت کو کھانے کی بے انتہا حرص ہے اور خاک کے سوائے کسی چیز سے سیر نہیں ہوتا، اللہ آپ پر رحمت کرے۔

چند صالح خواتین

بی بی سارہ رحمۃ اللہ علیہا

شیخ نظام الدین ابوالمؤید کی والدہ تھیں اور متقدمین میں بڑی بزرگ بی بی تھیں۔

حکایت ہے کہ ایک مرتبہ خشک سالی ہوئی، سب لوگوں نے دعا کی مگر بارش نہیں ہوئی، شیخ نظام الدین ابوالمؤید نے اپنی والدہ کے دامن کا تاگہ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا، اے اللہ یہ اس بزرگ خاتون کے دامن کا تاگہ ہے جس پر کبھی کسی نامحرم کی نظر نہیں پڑی، اس کے طفیل میں پانی برسادے، شیخ نے یہ جملہ کہا ہی تھا کہ پانی برسنا شروع ہوا، بی بی سارہ کا مزار پرانی عیدگاہ کے کنارہ پر ہے جس کے سرہانے کی جانب خواجہ قطب الدین کا مزار ہے۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

بی بی فاطمہ سام رحمۃ اللہ علیہا

اپنے زمانہ کی صالحہ، عابدہ اور صبر و شکر کرنے والی بی بی تھیں، بی بی فاطمہ کا تذکرہ شیخ نظام الدین اولیاء اور آپ کے خلفاء کے ملفوظات میں بکثرت موجود ہے۔

کہتے ہیں کہ شیخ نظام الدین اکثر بی بی فاطمہ کے مقبرہ میں مشغول عبادت رہتے تھے۔

شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بی بی فاطمہ سام رحمۃ اللہ علیہا ایک مرد تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی شکل میں بھیجا تھا۔

شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ شیر جب اپنے کچھار سے نکلتا ہے تو کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ نر ہے یا مادہ، انسانوں کو ان سے خوفزدہ ہونا ضروری ہے خواہ وہ نر ہو یا مادہ، پھر اس کے بعد بی بی فاطمہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا وہ نہایت بوڑھی اور صالحہ بی بی تھیں، میں نے خود ان کو دیکھا ہے، بڑی پیاری بی بی تھیں، شیخ فرید الدین گنج شکر اور شیخ نجیب الدین متوکل اور بی بی فاطمہ، منہ بولے بھائی بہن تھے، ہر چیز کے متعلق حسب حال

شعر کہا کرتی تھیں، مجھے ان کے یہ دو مصرعہ یاد ہیں۔

شعر

ہم عشق طلب کنی وہم جاں خواہی ہر دو طلبی و لے میسر نشود !

شیخ نظام الدین فرماتے تھے میں نے بی بی سام کی زبانی خود سنا ہے وہ کہا کرتی تھیں جو کوئی اللہ کے راستہ میں تھوڑی سی روٹی اور پانی کا گلاس کسی کو دیتا ہے تو اللہ اس پر دین و دنیا کی ایسی نعمتیں نچھاور کرتا ہے جو لاکھوں روزے نماز سے بھی نہیں مل سکتیں، میر سید گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ملفوظات میں لکھا ہے کہ شیخ نصیر الدین محمود کی مجلس میں ایک مرتبہ بی بی فاطمہ سام کی تعریف پر بات چل پڑی جس پر شیخ نصیر الدین نے کہا کہ بی بی فاطمہ سام اپنی وفات کے بعد ایک شخص کے خواب میں آئیں اور کہا کہ ایک دن میں دربار خداوندی میں تیزی کے ساتھ جارہی تھی کہ مجھ سے آسمانی فرشتے نے آواز دیکر کہا، کون ہو، ٹھہر جاؤ، کتنی بیبا کی سے جارہی ہو، اور میں نے بھی قسم کھائی کہ جب تک اللہ تعالیٰ خود نہ بلائے گا میں بھی یہیں بیٹھی رہوں گی، کچھ دیر بعد ام المومنین بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا اور بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا دونوں تشریف لائیں، میں ان کے قدموں پر گر پڑی، ان دونوں نے فرمایا، اے فاطمہ سام! آج کیا بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو تمہارے بلانے کے لیے بھیجا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں آپ کی لونڈی ہوں اور اس سے زیادہ میری عزت اور کیا ہوگی کہ آپ مجھے بلانے تشریف لائی ہیں، بات صرف اتنی ہے کہ میں نے قسم کھائی تھی۔ اس کے بعد فرمان الٰہی ہوا، کہ فاطمہ سام سچ کہتی ہے، تم دونوں بیچ میں سے ہٹو، اور اے فاطمہ سام میرے پاس آؤ، کہو کیا چاہتی ہو؟ میں خود آیا ہوں، جس پر میں فاطمہ سام نے عرض کیا اے اللہ! تیرے دربار میں ایسے بے ادب بھی ہیں جو تیرے پاس آنے والوں کو پہنچانتے تک نہیں۔

یہ قصہ بیان کر کے خواب دیکھنے والے نے بلند آواز سے آہ کی اور اپنی قبر میں بیٹھ گیا۔

میر سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ خدمت گار کا گمان یہ ہے کہ حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جانب کنایۃً اشارہ کیا ہے اور رسم قدیم کے موافق لفظ غائب (وہ) لکھا ہے۔

خیر المجالس میں مذکور ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاء نے مولانا حسام الدین سے فرمایا

اے حسام الدین! آج ہم نے ایک ابدال دیکھا، انہوں نے کہا حضور کہاں دیکھا؟ فرمایا آج میں بی بی فاطمہ سام کی زیارت پر گیا جو حوض والے قبرستان میں ہے، وہاں میں نے ایک آدمی دیکھا جو ککڑیوں کی ٹوکری سر پر رکھے حوض کے کنارے پر آیا، اس نے ککڑیوں کا ڈھیر لگا دیا، پھر اس طرح وضو کیا کہ مجھے بے انتہا تعجب ہوا، غرض کہ اس نے وضو کے بعد دو رکعت نماز بڑے سکون سے ادا کیں، مجھے اس کی پُر ذوق نماز پڑھنے پر بھی حیرت ہوئی، اس کے بعد اس نے تین مرتبہ حوض میں ٹوکرا دھویا، پھر درود شریف پڑھ کر ایک ایک کر کے سب ککڑیوں کو دھویا، اس کے بعد اس نے وہ دھلی ہوئی ٹوکری بھی حوض میں تین مرتبہ ڈبو کر نکالی اور کنارہ پر رکھ دی تا کہ اس کا پانی ٹپک جائے، یہ تمام ماجرا دیکھ کر میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنی پگڑی میں سے ایک اشرفی نکال کر ان کو دی لیکن انہوں نے قبول نہیں کی اور کہا مجھے معذور رکھئے، اس پر میں نے کہا آپ دو ۲ آنے کی خاطر اتنی تکالیف اور محنت کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک اشرفی بھجوائی ہے یہ کیوں نہیں لیتے؟ اس پر اس نے کہا بیٹھو تو بتاؤں، چنانچہ ہم دونوں بیٹھ گئے اور اس نے کہنا شروع کیا، میرے والد بھی یہی کام کرتے تھے، میرے بچپن ہی میں ان کا انتقال ہو گیا، اس وقت مجھے دین کے اتنے ہی احکام بتائے گئے تھے کہ میں پنج وقتہ نماز کے قابل ہو گیا تھا، پھر والدہ نے اپنے انتقال کے وقت مجھے اپنے پاس بلا کر کہا، میری گرہ میں ایک چیز رکھی ہے اسے نکالو، میں نے والدہ کی کمر سے وہ گرہ نکال کر ان کو دی تو انہوں نے وہ گرہ کھول کر اس میں سے کچھ روپے نکال کر مجھے دیتے ہوئے کہا یہ میرے دفن کفن وغیرہ کے لیے ہیں، پھر اس گرہ میں کی باقی رقم بیس ۲۰ روپے تھی، یہ بھی مجھے دیتے ہوئے کہا تمہارے والد کی تمام عمر کی کمائی یہی ہے یہ لو، اور باغ جا کر اس میں سے ککڑیاں اور سبزی خرید کر فروخت کرنا اور اسی پر گزر بسر کرنا اور اس کے سوائے کسی دوسرے طریقے سے کوئی چیز نہ لینا اور اسے اپنے استعمال میں لانا، جب اس ککڑی والے شخص نے قصہ پورا سنا دیا تو میں سمجھ گیا کہ یہ ابدال ہے اور ابدال کسی سے کوئی چیز بطور نذر یا تحفہ وغیرہ قبول نہیں کرتے ہیں صرف مزدوری کر کے کھاتے ہیں۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ بی بی فاطمہ سام رحمۃ اللہ علیہ کا مزار قصبہ اندر پت کے علاقہ میں ہے اور مرجع خاص و عام ہے، لیکن میں مؤلف اخبار الاخیار کہتا ہوں کہ بی بی فاطمہ سام

کی قبر اب تک دہلی میں نخاس دروازہ کے اندر ایک کھنڈر میں ہے جس سے عام طور پر لوگ ناواقف ہیں الا ماشاء اللہ۔ بعض لوگ ان کو بی بی شام اور بعض بی بی صائمہ کہتے ہیں یہ دونوں غلط ہیں بلکہ ان کا اصلی نام بی بی فاطمہ سام ہے، اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائیے۔

والدہ شیخ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہا

بہت ہی بزرگ اور بڑی مستجاب الدعوات تھیں۔ حکایت ہے کہ شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ نے جب اجودھن میں سکونت اختیار کر لی تو شیخ نجیب الدین متوکل سے کہا جاؤ ہماری والدہ محترمہ کو دہلی سے لے آؤ شیخ نجیب الدین روانہ دہلی ہوگئے، چنانچہ شیخ گنج شکر کی والدہ کو لا رہے تھے کہ راستہ میں پیاس لگی، آپ ان کو کسی درخت کے سایہ میں بٹھا کر خود پانی کی جستجو میں نکلے، واپس جب آئے تو دیکھا والدہ موجود نہیں ہیں، پریشان ہوگئے اور تمام واقعہ شیخ فرید الدین سے جا کر بیان کر دیا، شیخ فرید الدین نے ایصال ثواب کے لیے کھانا پکوانے کا حکم دیدیا، کچھ عرصہ بعد شیخ نجیب الدین کا اس راستہ سے گزر ہوا، جب اس درخت کے پاس آئے تو خیال آیا کہ شاید والدہ کا کچھ پتہ ملے لیکن اس درخت کے نیچے ان کو کچھ ہڈیاں ملیں جو آدمی کی معلوم ہوتی تھیں انہوں نے ان ہڈیوں کو اٹھا کر اپنے تھیلہ میں ڈال لیا اور دل میں کہا والدہ ماجدہ کو شاید کسی شیر نے مار ڈالا، غرضیکہ وہ ہڈیوں کا تھیلہ لیے شیخ کے پاس آئے، اور پھر پورا ماجرا بیان کیا، اس پر شیخ گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، لاؤ تھیلہ لاؤ، جب وہ تھیلا کھول کر جھٹکا گیا تو اس میں سے ہڈی کا چورا تک نہ نکلا۔

بی بی زلیخا رحمۃ اللہ علیہا

شیخ نظام الدین اولیاء کی والدہ ماجدہ تھیں، شیخ فرمایا کرتے تھے کہ میری والدہ کو اللہ سے خاص تعلق تھا، جب ان کو کوئی ضرورت درپیش ہوتی تو وہ پہلے ہی اس کام کے متعلق خواب دیکھ لیا کرتی تھیں اور اس کام کو انجام دینے میں انہیں اختیار حاصل ہو جاتا تھا، میری خود یہ حالت ہے کہ جب کوئی ضرورت پڑتی ہے تو میں والدہ ماجدہ کے مزار پر جا کر عرض کرتا ہوں اور میرا وہ کام تقریباً ایک ہفتہ کے اندر ہی ہو جاتا ہے اور ایسا بہت کم اتفاق ہوتا ہے کہ اس کے پورا ہونے میں ایک مہینہ لگے، میری والدہ ماجد کو ان کی زندگی میں جب کوئی

ضرورت ہوتی تو وہ پانچ سو مرتبہ درود شریف پڑھ کر اپنا دامن پھیلا کر دعا مانگتی تھیں اور جو چاہتی تھیں مل جاتا تھا، میری والدہ ماجدہ اتنی مقبول بارگاہ تھیں کہ جب ہمارے گھر میں کھانے کو کچھ نہ ہوتا تو فرماتیں آج ہم اللہ کے مہمان ہیں، ان کی اس بات سے مجھے ایک خاص ذوق حاصل ہوا ہی تھا کہ اچانک کوئی آدمی ایک اشرفی کا غلہ ہمارے گھر ڈال گیا اور اتنے دنوں تک چلا کہ میں اس کے ختم نہ ہونے سے تنگ آ گیا اور اس ذوق کا منتظر رہا کہ والدہ ماجدہ فرمائیں آج ہم اللہ کے مہمان ہیں، ان کی اس بات سے مجھے وہ ذوق سکون و چین ملا جسے بیان نہیں کر سکتا۔

حکایت ہے کہ سلطان قطب الدین بن سلطان علاؤ الدین خلجی نے شیخ نظام الدین اولیاء سے جھگڑانا چاہا اور جھگڑنے کا ابتدائی سبب یہ ہوا کہ اس نے قلعہ سیری میں ایک جامع مسجد بنائی اور تمام مشائخین کو حکم دیا کہ وہ جمعہ کی نماز اس جامع مسجد میں پڑھیں شیخ نظام الدین اولیاء کو بھی وہاں آنے کی دعوت دی لیکن آپ نے جانے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے قریب کی مسجد اس کی زیادہ مستحق ہے کہ اس میں نماز پڑھی جائے اس لیے میں یہیں جمعہ پڑھوں گا غرضیکہ آپ مسجد سیری کی جمعہ پڑھنے نہیں گئے دوسری وجہ مخالفت کی یہ ہوئی کہ بادشاہ کا یہ حکم تھا کہ ہر ماہ کی چاند رات کو تمام مشائخین، علماء، رئیس اور معززین شہر نئے چاند کی مبارکباد پیش کرنے بادشاہ کے حضور حاضر ہوتے لیکن شیخ نظام الدین خود نہ جاتے بلکہ اپنی طرف سے اپنے ملازم خاص اقبال کو روانہ کر دیا کرتے تھے، حاسد لوگوں نے یہ بات بھی بادشاہ سے لگا کر اس کو آپ کی دشمنی پر اور ابھارا چنانچہ بادشاہ نے غرور میں آ کر کہا کہ جو کوئی آئندہ مہینہ کی پہلی تاریخ کو نہیں آئے گا ہم اس کو سخت سزا دیں گے، شیخ کو جب یہ معلوم ہوا تو بغیر کچھ کہے ہوئے سیدھے اپنی والدہ کی قبر پر گئے اور دعا کرتے ہوئے کہا کہ اس بادشاہ نے مجھے سزا دینے کا عزم کیا ہے اگر وہ اپنے ارادہ میں کامیاب ہو گیا تو پھر آپ کی زیارت کے لیے کبھی نہ آ سکوں گا، یہ باتیں اپنی والدہ سے ناز و ادا کے ساتھ کر کے اپنے گھر میں آ کر بیٹھ گئے، آئندہ مہینہ کی پہلی تاریخ کو اللہ کے حکم سے بادشاہ پر یہ مصیبت آئی کہ خسرو خاں پروان نے جو کہ مقربین دربار میں سے تھا بادشاہ کو قتل کر کے اس کی لاش محل سے باہر پھینک دی جیسا کہ مشہور ہے۔

حکایت ہے کہ نظام الدین اولیاء فرمایا کرتے تھے کہ جمادی الثانی کی پہلی تاریخ کو میری والدہ دینا سے رخصت ہوئی ہیں، میرا دستور تھا کہ ہر مہینہ کی پہلی تاریخ کو والدہ کے قدموں پر گرتا تھا چنانچہ ایک مرتبہ نوچندی کے دن چاند دیکھ کر میں نے والدہ ماجدہ کی قدم بوسی کی تو فرمایا آئندہ مہینہ میں کس کے قدموں پر سر رکھو گے؟ میں سمجھ گیا کہ اب نہ رہیں گی، میری حالت غیر ہوگئی اور میں رونے لگا، اور روتے ہوئے کہا اماں جان! مجھ غریب بے چارہ کو کس کے سپرد کیجئے گا؟ فرمایا کل صبح بتائیں گے پھر فرمایا، آج رات شیخ نجیب الدین متوکل کے گھر آرام کرو چنانچہ ان کے حکم کے مطابق رات کو شیخ کے گھر میں چلا گیا، شب کے اخیر حصہ میں جبکہ صبح ہونے والی تھی خادم نے آکر کہا کہ بی بی تمہیں بلا رہی ہیں، جب میں حاضر ہوا تو فرمایا کل تم نے ایک بات پوچھی تھی جسے بتانے کا میں نے وعدہ کیا تھا، اب کہتی ہوں پھر میرا سیدھا ہاتھ پکڑ کر کہا اے اللہ! اسے تیرے حوالہ کیا۔ بس اتنا کہا اور جاں بحق ہوگئیں آپ کا روضہ مبارک شیخ نجیب الدین متوکل کے مقبرے کے پاس ہے اسی مقام پر اپنی زندگی میں رہا کرتی تھیں، بی بی نور جہاں پر عام طور پر خواتین بکثرت جاتی ہیں اگر درحقیقت یہ بی بی نور کا مزار ہے تو اس کے عقب ہی والدہ مرحومہ کا مزار واقع ہے اللہ آپ سب پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

بی بی اولیاء رحمۃ اللہ علیہا

اپنے زمانہ کی نیک عورتوں میں سے تھیں، کہتے ہیں کہ چلہ کھینچنے کے لیے آپ چالیس دن تک حجرے میں رہتیں اور ان کے دروازے بند کرایا کرتیں تھیں اور اپنے ساتھ چالیس لونگیں بھی لے جایا کرتی تھیں اور جب چلہ سے باہر نکلتیں تو لوگ دیکھتے کہ آپ نے صرف چند لونگیں کھائی ہیں اور باقی ویسی ہی بچی ہوئی موجود ہیں۔

کہتے ہیں کہ سلطان محمد تغلق بادشاہ آپ کا پکا معتقد تھا، باقی حال اللہ ہی جانتا ہے، آپ کا مزار دہلی میں قلعہ علائی کے باہر واقع ہے، آپ کی بکثرت اولاد ہے جن میں سے ہر ایک عورت کا نام اولیاء ہی ہے۔

نیز آپ کی اولاد میں سے ایک شخص شیخ احمد نہایت پختہ کار تھے جو اکثر و بیشتر مشائخین کے صحبت یافتہ تھے، اللہ آپ دونوں اور سب پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔ آمین۔

تکملہ

یعنی حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندانی حالات

ہمارے جدامجد آغا محمد ترک بخاری سلطان الدین خلجی کے زمانے میں بخارا سے دہلی تشریف لائے چونکہ یہ اپنے قبیلہ کے سردار تھے اس لیے بہت سے ترک جو آپ کے مرید اور رشتہ دار تھے وہ بھی آپ کے ہمراہ بخارا سے دہلی آ گئے، بادشاہ کی نظر عنایت اور ان کی مخلصانہ تربیت کے باعث عزت وشوکت کے بلندترین منصب پر فائز ہوئے۔

سلطان علاؤ الدین خلجی گجرات فتح کرنے کے ارادہ سے نکلا اور اپنے ساتھ چند امیروں اور آپ کو بھی ہمراہ لیا، اور فتح کرنے کے بعد آپ کو وہاں رہنے کا حکم دیا، آخر کار ایک دن آپ کی کسی امیر سے رنجش پیدا ہوگئی جس کی وجہ سے آپ وہاں سے چل کر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے اور پہلے سے زیادہ عزت وعظمت کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔

جب سلطان علاؤ الدین خلجی کی حکومت ختم ہوئی تو ہمارے جدامجد اپنے فرزندوں کے ساتھ جو کہ فضیلت ذاتی اور کسبی کے مالک تھے سلطان قطب الدین اور سلطان محمد تغلق کے زمانے میں بھی لوگوں میں ممتاز نظر آتے تھے۔ اور اس آیت کے مصداق بنے ہوئے تھے المال والبنون زینت الحیوۃ الدنیا ترجمہ:- (مال وفرزند دنیاوی زندگی کی زینت ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو (۱۰۱) نرینہ اولاد دی، ان کے علاوہ آپ کی زندگی میں آپ کے پوتے وغیرہ بھی تھے لیکن کچھ عرصہ کے بعد ہی آپ کے تمام بیٹے بحکم الٰہی انتقال کر گئے صرف ایک بڑا لڑکا ملک معزالدین زندہ رہا، اس حادثہ کی وجہ سے آپ کی آسائش وفراغت سب کی سب رنج وغم سے بدل گئی، آپ نے حکومت کے بلندترین منصب وعزت کو چھوڑ کر سیاہ لباس پہنا اور شیخ صلاح الدین سہروردی کی خانقاہ میں بغرض اعتکاف بیٹھ گئے، ایک عرصہ بعد آپ کو غیبی اشارہ ہوا کہ اہل وعیال کی طرف رجوع کیا جائے، نیز یہ کہ موجودہ فرزند ملک معزالدین کی بکثرت اولاد ہوگی اور تا قیام قیامت وہ باقی رہے گی، اللہ تعالیٰ نے ملک معزالدین کو ان کے سو بھائیوں کی فضیلت، استعداد اور نعمتوں سے مالا مال کیا اور بے

انتہا صلاحیتوں سے نوازا اور اپنے بیٹے ملک موسیٰ کو اپنی دولت وغیرہ حوالہ کر کے ۷۳۹ ہجری میں دنیا سے رخصت ہوئے عیدگاہ شمسی کے عقب میں آپ کا مزار ہے۔

ملک موسیٰ بھی مملکت کے بڑے عہدہ دار اور رئیس وقت تھے ماوراء النہر گئے اور وہاں سے صاحب قرآن امیر تیمور گورگاں کے معزز عہدیدار کے طور پر دہلی تشریف لائے اور اپنے آباواجداد کا سلسلہ تازہ کیا اور دہلی میں سکونت اختیار کی پھر ان کی اولاد میں سے کوئی بھی باہر نہیں گیا۔ ملک موسیٰ کے کئی لڑکے تھے جن میں، ایک کا نام شیخ فروز تھا جو میرے والد کے حقیقی دادا تھے، یہ شیخ فیروز تمام فضائل ظاہری و باطنی سے موصوف تھے اور دینی و کسبی نعمتوں سے مالا مال تھے فن جنگ میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے، جنگی ترکیبوں میں اپنی قوت طبع اور سلیقہ کے لیے بے نظیر تھے علم شاعری، دلیری، سخاوت، ظرافت، لطافت، عشق و محبت اور دیگر صفات حمیدہ میں یکتائے روزگار تھے۔ نیز دولت و حشمت، عزت و عظمت میں شہرۂ آفاق تھے، ہمارے گھر میں شیریں کلامی، ذوق و ظرافت آپ ہی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، آپ سلطان بہلول کے دور خلافت کے ابتدائی زمانہ میں بقید حیات تھے، آپ نے سلطان حسین شرقی کی آمد اور سلطان بہلول سے جنگ کا قصہ نظم کیا ہے جو ہمارے پاس تھا لیکن اس وقت موجود نہیں ہے البتہ اس کے دو شعر یاد ہیں جو سلطان بہلول کو حسین شرقی نے مخاطب کر کے کہے ہیں۔

اشعار

ایا قابض شہر دہلی شنو حیاتت چو خواہی ازیں جابرو
منم قابض ملک مار است ملک خدا داد مارا خدا راست ملک

شیخ فیروز ۸۶۰ ہجری میں بہرائچ گئے تھے جہاں جنگ میں شہادت پائی اور وہیں دفن ہوئے، جنگ میں جاتے وقت آپ کی اہلیہ محترمہ نے کہا کہ امید سے ہوں آپ نے جواب دیا انشاء اللہ بیٹا پیدا ہوگا اور اس سے بکثرت اولاد ہوگی، پیٹ کے فرزند اور تم دونوں کو اللہ کے سپرد کیا، جنگ میں نہ معلوم کیا صورت پیش آئے، غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بیٹا دیا جن کا نام سعد اللہ تھا اور وہ میرے حقیقی دادا تھے یہ بھی اپنے والد محترم کی طرح فضیلت، لطافت، ظرافت، خوش طبعی، عشق و محبت وغیرہ میں ہمہ صفت موصوف تھے، بچپن ... میں آپ کے

چہرے و بشرہ سے رشد و ہدایت اور بزرگی کے آثار نمایاں تھے، علم کی دولت حاصل کرنے کے بعد مصباح العاشقین شیخ محمد منگن رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے جو اپنے زمانہ کے کاملین میں سے تھے جن کا ذکر اس کتاب میں گزر چکا ہے غرضیکہ ان کی خدمت میں رہ کر خوب ریاضت کی اور پیرومرشد کی مہربانیوں کی وجہ سے ان کے خلیفہ بنے، اس کے بعد انہوں نے اپنے بڑے فرزند شیخ رزق اللہ کو بھی شیخ محمد منگن سے بیعت کرائی۔

میرے والد بزرگوار شیخ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہمارے والد ماجد شیخ سعد اللہ ہر وقت ذوق و شوق، ریاضت و مجاہدہ اور فقر و طلب میں فنا تھے، راتوں کو جاگتے اور گریہ وزاری کرتے تھے اور عاشقانہ اشعار پڑھتے تھے ان میں سے امیر خسرو کے یہ شعر مجھے یاد رہ گئے ہیں جو آخیری راتوں میں پڑھا کرتے تھے۔

اشعار

ہمہ شب رودی رہی را کہ مرا صبا نشستہ ہمہ کس نجواب راحت من مبتلا نشستہ

غرض ورای امکاں چہ خیال فاسد است ایں ہوس جمال سلطاں بدل گدا نشستہ

میرے چچا فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے والد بزرگوار سے دریافت کیا ابا جان! کبیر شاعر جو لے سے پڑھا کرتا تھا یہ مسلمان تھا یا کافر؟ فرمایا موحد تھا۔ اس پر میں نے کہا کیا غیر کافر مسلمان اور کافر بھی موحد ہوتا ہے؟ جواب دیا، ابھی یہ سمجھنا مشکل ہے انشاء اللہ آئندہ سمجھ جاؤ گے، غرضیکہ دادا صاحب شیخ سعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بروز جمعہ ۲۲۔ ربیع الاول ۹۲۸ ہجری کو وفات پائی اور اس وقت میرے والد صاحب شیخ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ کی عمر ۸ سال کی تھی والد ماجد فرماتے تھے کہ جب ہمارے والد بزرگوار کا وقت قریب آیا تو مجھے نماز تہجد کے وقت کوٹھے پر لے گئے نماز تہجد پڑھ کر مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا اور کہا، اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے اپنے دوسرے لڑکوں کی تربیت کی اور ان کے حقوق ادا کیے لیکن اس کو یتیم، بیکس چھوڑے جا رہا ہوں ابھی اس کے حقوق ادا کرنا میرے ذمہ تھے اس لیے اس کو تیرے حوالہ کر رہا ہوں، تو ہی اس کا محافظ ہے یہ دعا کر کے فوراً ہی کوٹھے سے اتر آئے۔

غرضیکہ دادا صاحب کے وصال کے بعد میرے والد بزرگوار شیخ سیف الدین رحمۃ اللہ

علیہ میں اپنی ذاتی استعداد اور والد صاحب کی دعا کی برکت سے آثار ترقی نمودار ہونے لگے، آپ نے اپنے بھائیوں کی موجودگی میں اپنی والدہ کی خوب خدمت کی، خرچ کی تنگی اور دیگر موانع کے باوجود تعلیم حاصل کرنے لگے، شاعری، فضیلت، قبولیت، ذوق وشوق، محبت و الفت، خوش طبعی، بے تعلقی، خوش کلامی، حضور قلب، ذکر الٰہی، لطائف وظرائف، باریک بینی اور دوررسی میں یکتائے زمانہ اور ملک کی یادگار ثابت ہوئے۔

شہر والے کہتے تھے کہ دلی ان بھا[illegible] (دہلی) ہے، مقام عقل وتمیز کو پہنچنے کے بعد والد صاحب نے درویشانہ طریقہ اختیار نہیں کیا نیز درویشوں کی خدمت کا انہیں خیال تک نہ ہوا، باوجودیکہ اپنے ہم عصر رئیسوں اور مالداروں سے اپنی کفاف معیشت کے حصول میں ملتے جلتے رہتے تھے لیکن ان میں سے کسی کو بھی آپ کے فقر وغنا کا علم نہ ہوسکا، شہر کے صرف گنے چنے لوگ ہی میرے چچا صاحبان اور والد بزرگوار کے حالات درویشانہ سے واقف تھے، باقی شہر بھر کے تمام لوگ ان کے علم وفضل، سخن فہمی، سخن شناسی، سخن گوئی، خوش مزاجی کی تعریف کرتے اور اسی اعتبار سے ان سے واقف تھے وہاں جو ان کی خلوت کے ساتھی تھے وہ ان کے فقر وغنا سے واقف تھے اور باوجود تمام ظاہری اور باطنی وسیلوں کے دنیا کی شوکت و حشمت کی طرف رخ نہیں کرتے تھے بلکہ تمام ہمت اور پوری نیت کے ساتھ صرف قلب اور باطن کی جانب متوجہ رہتے تھے، قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہمیں دنیا کی طلب مال و دولت کی زیادتی مالداری اور سرمایہ داری کا شوق نہیں ہے کیونکہ ہمارا دلی رجحان صرف محبت الٰہی اور فقر کی طرف ہے، جب نفس کی گفتگو ہوتی ہے تو ادھر دل لگا جاتا ہے، نیز فرماتے تھے کہ مجھے ان لوگوں پر حیرت آتی ہے جو اپنا اعتبار بڑھانے کے لیے لوگوں کے کام کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ لوگوں سے کیا واسطہ، صرف خدا سے وابستہ رہنا چاہئے، فرماتے تھے کہ مجھے سات سال کی عمر سے جس میں ادراک، شعور اور عقل کی ابتداء ہوتی ہے، درد محبت، طلب الٰہی اور معرفت کا شوق دامن گیر تھا اور اسی ذکر وفکر میں عمر بسر ہوئی ہے، نیز فرماتے تھے کہ مجاہدہ اور ریاضت کے زمانے میں میں نے وہ حالات دیکھے ہیں جن کا اظہار نہ کرنا ہی اسرار اور رازداری ہے اور یہی چیز فقیروں کے لیے ضروری ہے۔

فرماتے تھے کہ دنیا کی لذت کی مثال بالکل لذت احتلام کی طرح ہے جو ایک لمحہ بعد

زائل ہو کر اپنی کثافت و کدورت باقی رکھتی ہے، نیز فرماتے تھے ابتدائی زمانہ میں نسبت یادداشت برقرار رکھنے کی کوشش کیا کرتا تھا اور اب یہ حالت ہے کہ ایک لمحہ کے لیے بھی غافل ہونا چاہوں تو یہ بات میرے اختیار میں نہیں ہے، علاوہ ازیں ابتدائی زمانہ میں مجھے اس راہ میں ایسی مشکلات درپیش ہوئیں کہ جان نکلنا باقی رہ گیا تھا اور اتنی وحشت ہوتی تھی کہ اپنی جان دیدی جائے، میں نے اکثر ارادہ کیا کہ کسی کنویں میں کود پڑوں اور اس کشمکش سے نجات پاؤں لیکن پروردگار نے اپنی مہربانی سے مجھ پر معرفت کے دروازے کھول دیئے اور اس حقیر نالائق کو گرانمایہ نعمتوں سے سرفراز فرمایا، آپ فرماتے تھے کہ سالکان تصوف جو نوافل و مستحبات ادا کرتے ہیں میں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے عاجزی، حسرت، ندامت اور نیستی کی نعمت سے سرفراز کیا تھا کاش یہ سب بارگاہ الٰہی میں مقبول ہو جائیں اور یہ جملے آپ نے اس مجلس میں کہے جبکہ مشرب قلندریہ کا آپ کے سامنے تذکرہ ہوا اور آپ سے کہا گیا تھا کہ آپ نے زیادہ سے زیادہ نوافل و مستحبات ادا نہیں کئے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ فرائض کی تکمیل کرتے، دوسرے لوگوں کے رسوم و عادات ناجائز کو ناکارہ فرماتے اور قلب کو اللہ کی جانب مائل کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ میں بذاتہ کچھ نہیں ہوں اور جو کچھ ہوں وہ اسی راہ معرفت کے مشرب کے سبب سے ہوں۔

آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ سے نسبت وارادت تھی اور دوسرے سلسلوں کے ذریعہ بھی اجازت و نسبت حاصل تھی، مشغوئی باطن کی وجہ سے آخری عمر میں سلسلہ نقشبندیہ پر قائم ہو گئے تھے اور زیادہ سے زیادہ آپ پر مشرب توحید غالب تھا۔

فرماتے تھے جب میں بڑے بڑے علماء اور فضلاء کو طلب عزت و جاہ اور کثرت اموال میں لوگوں سے لڑتے ہوئے دیکھتا ہوں تو خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ بہت زیادہ پڑھ کر بہت بڑا آدمی نہ بنا۔

اکثر اوقات احقر سے فرماتے تھے کہ علمی بحثوں میں کسی سے تکرار نہ کرنا اور نہ کسی بھی شخص کو مشقت میں ڈالنا، اور اگر فریق مخالف حقیقت پر ہو تو اس کی بات بلا چون و چرا مان لینا، اور جب تم حقیقت و صداقت پر ہو تو اپنے فریق مخالف کو دو تین مرتبہ سمجھانا تا کہ وہ

صداقت قبول کر لے ورنہ آخر میں اس سے کہو کہ ہمیں یہی بات معلوم ہے جو ہم تم سے کہہ رہے ہیں اور ممکن ہے کہ جو تم کہہ رہے ہو وہ بھی امر واقعہ ہو لیکن اصل نزاعی مسئلہ صداقت و بطلان کا باقی رہ جاتا ہے اور اگر یہ گفتگو تمہارے کسی استاد یا پیر سے ہو تو ان سے اپنی محبت اور خوش اعتقادی کو برقرار رکھو اور کسی صورت میں بھی ان سے جنگ نہ کرو، ان سے تعصب نہ کرو کیونکہ محبت کرنے والوں کا کام ہی یہ ہے کہ وہ محبت سے کام لیں، یاد رہے کہ اساتذہ و مشائخ کی محبت ہی سودمند ہے اور لڑائی جو کی جاتی ہے وہ اپنے نفس کے لیے ہوتی ہے دوستوں سے کوئی نہیں لڑتا۔

آپ فرماتے تھے کہ سالکان طریقت کو چاہئے کہ مشائخ کے اقوال پر اعتماد کرے اور کامل طور پر ان کے احکام پر کاربند رہے اگرچہ اس مسئلہ میں اختلاف رکھتا ہو لیکن اس کی بابت کوئی شک وشبہ نہ کرتے ہوئے پیر و مرشد کے حکم پر آمنا وصدقنا کہے، نیز یہ وہ راستہ ہے کہ اس میں شروع ہی سے پیر و مرشد کے کہے کو بیچون و چرا مانتا رہے۔ ورنہ آگے چل کر اس کے لیے نقصان کا سبب ہوتا ہے، پہلے تو پیر و مرشد کی پیروی واعتقاد میں مشغول رہے اور پھر رفتہ رفتہ ان کی صحبت اور اپنے ذوق وشوق فطرت سلیمہ کے مطابق تحقیق ویقین کے مرتبہ پر فائز ہو جائے۔

فرماتے تھے کہ ابتداً مجھے بھی مسئلہ توحید میں ایک قسم کا تردد تھا، میں اپنے دل میں کہتا تھا کیا اتنے علماء کرام اور مشائخ عظام جو توحید کا اعتقاد رکھتے ہیں یہ سب گمراہی پر ہیں۔ ان بزرگوں کے سامنے میری کیا ہستی ہے، اب حالت یہ ہوگئی ہے کہ لاکھوں حیلے بہانے کروں تب بھی راہ توحید کے بارے میں مجھے کوئی شبہ نہیں ہوتا۔

فرماتے تھے میں جب کسی کی جانب نظر کرتا ہوں تو پہلے اس میں ایک اجمالی بسیط نور کی کیفیت دکھائی دیتی ہے اس کے بعد تفصیلی حالات وکوائف اس شخص کو صورت وشخصیت ظاہر کرتے ہیں۔

آپ کی علالت کے آخری زمانے میں آپ کے ایک دوست تیمارداری کے لیے آئے، آپ نے ان سے فرمایا دوست! جانتے ہو مشاہدہ کی کیا حالت ہے واقعہ یہ ہے کہ اللہ کو مظاہر کونیہ میں اس طرح دیکھتے ہیں جیسے آئینہ میں صورت اس طرح دیکھی جائے کہ آئینہ

درمیان میں نہ رہے اور صورت پیش نظر رہے، فقیروں کی اس دنیا میں دید کی یہی صورت ہے اور آخر میں ان کے دیکھنے کا ایک دوسرا ہی طور ہے۔

طریقت کے کئی راستے ہیں اور صاحبان ہمت نے متفرق راہیں اختیار کر لی ہیں لیکن اصلیت یہ ہے کہ معیت حق کو اس طرح پیش نظر رکھا جائے کہ کسی وقت کسی معاملہ اور کسی چیز میں غیر حق نہ دکھائی دے اور فوراً ہی اس دیدار الٰہی سے خیال منتشر نہ ہو جائے ہاتھ سے دنیا کے کام کرتے رہو اور دل کو یار کی طرف لگائے رکھو۔

شعر

دائم ہمہ جا باہمہ کس درہمہ کار　　　　می دار نہفتہ چشم دل جانب یار

ترجمہ:۔ (ہر جگہ، ہر شخص کے ساتھ اور ہر کام میں اپنے دل کی آنکھوں کو یار کی طرف لگاؤ۔)

اللہ کی معرفت کو اس طرح سمجھنا چاہئے کہ اس نے ہم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے، اس طرز پر عمل کرنے کا اس نے حکم دیا ہے کہ اس کی رویت کو اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دے اور دنیاوی طور پر مطلق اللہ کی پاکیزگی، رویت اور اعتبار دنیا والوں کی آنکھوں میں محفوظ ہے۔

فرماتے تھے جب تک حقیقت کے معنی مثالی طور پر معلوم نہیں ہوتے اس وقت تک شک وشبہ آتا ہی نہیں ہے فرماتے تھے کہ یہ دولت مجھ کو شیخ امان اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہوئی۔

فرماتے تھے کہ میں کتنی ہی کوشش کروں کہ معنی توحید کے سوائے کسی اور صورت ظاہر ہو لیکن اس کا امکان ہی نظر نہیں آتا، وحدت سے کثرت میں آنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے لیکن فطرت سلیم بتاتی ہے کہ یہ صورت بھی فطری طور پر صاحبان فطرت سلیمہ کو میسر ہوتی ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ذوق صحیح اور فہم سلیم عنایت کر دیتا ہے۔

فرماتے تھے کہ حضور و توجہ اور ذکر و اذکار کی حالت بھی غفلت کے منافی اور برعکس ہے حضور و توجہ کی صحیح نسبت حاصل ہو جانے کی علامت یہ ہے کہ خورد و نوش، غضب و نزاع کے وقت بھی ہر ایک شخص سے ہوشیار رہے اور توجہ و حضوری قلب کو کسی قیمت پر ہاتھ سے جانے

نہ دے۔

فرماتے تھے جب چاہو میرا امتحان لے لو کہ میں اس نسبت سے واقف ہوں یا نہیں۔

ایک مرتبہ دو فقیر باہم ایک دوسرے کے حضور قلبی کا امتحان لینا چاہتے تھے چنانچہ وہ دونوں ایک دن ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اور میں وہاں پہنچا تو ان میں سے ایک نے کہا اس آنے والے کو پہچانتے ہو؟ دوسرے نے کہا ہاں وہی ہے جسے تم جانتے ہو ان کے اس سوال و جواب سے مجھے معلوم ہوا کہ آگاہی و حضور قلبی کی گفتگو تھی چنانچہ میں نے اپنے دل میں کہا، میں اپنے بارے میں ان دونوں کے حضوری قلب کا امتحان لوں گا، میں ابھی اس خیال میں تھا کہ ایک نہایت شاندار بارعب بزرگ اچانک اس مجلس میں آگئے ان دونوں میں کسی ایک نے دوسرے سے کہا، ان بزرگ کو جانتے ہو یہ کون ہیں؟ دوسرے نے جواباً کہا بخدا میں ان سے واقف نہیں، اس پر پہلے والے نے کہا یہ بھی وہی شخص ہیں جنہیں تم جانتے ہو اور مقام غفلت میں ہوشیار رہنا نہایت دشوار و مشکل ہے۔

فرماتے تھے خورد و نوش بھی ایک قسم کی غفلت ہے اور شخص ہشیار کا مشاہدہ ہے کہ وہ غذا کی لذت، اس کی آمد لذت کی وجہ اور غذا دینے والے کی لذت سے بھی واقف ہوتا ہے۔

فرماتے تھے کتابت و تحریر کی حالت بھی عجیب مشاہدہ دکھاتی ہے پردہ غیب سے مختلف حروف اپنی متفرق صورتیں خارج سے وجود میں لاتے اور وحدت علم و ارادہ قلبی کی عجیب و غریب مثالی صورتیں وحدت سے کثرت میں ظاہر کرتے ہیں اور اپنے تمثالی و عملی وجود سے احکام و آثار و ماہیت کے ذریعہ علمی صورتیں جلوہ گر کرتے ہیں۔

فرماتے تھے مطابق مقصود تمثالی کی ایک مثال حضرت جبرائیل علیہ السلام کا وحیہ کلبی کی صورت میں نمودار ہونا ہے، یہاں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ جبرائیل اپنی برتری، قدرت، ارادہ کاملہ کے باوجود احکام کی تعمیل کے پیش نظر بصورت افادی جلوہ گری کرتے تھے اور وحیہ کلبی کے مانند جسم و لباس اختیار کر کے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری دیا کرتے تھے اور اسی کے ساتھ وہ اپنی ذات میں بغیر کسی قسم کے تغیر و تبدل اور حلول کے موجود رہا کرتے تھے بحکم الٰہی جبرائیل چاہیں تو ایک ہی وقت میں ہزاروں صورتوں میں ظاہر اور نمودار ہو سکتے ہیں بغیر تشبیہ اسی طرح اللہ تعالیٰ مظاہر صوری و معنوی میں جلوہ گر ہے اور حقیقت بھی

یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام کو اپنے حلقہ میں لیے ہوئے ہیں۔

فرماتے تھے ہمارے شیخ امان اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس جملہ کو بار بار کہتے تھے، اللہ تعالیٰ اپنی وحدت و اطلاق کے باوجود ہر ایک ذرہ میں موجود اور کارفرما ہے، نیز والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ نور کی تقسیم کرنا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا محال ہے، اگر ایک چراغ سے ہزاروں چراغ روشن کریں تو پہلے والے چراغ کی روشنی میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ اسی طرح وجود باری تعالیٰ ہے تمام کا مصدر ہونے کے باوجود اپنی حالت تجرد و اطلاق پر قائم و برقرار ہے۔

فرماتے تھے روحیں کیا چیز ہیں؟ سنو! یہ اللہ کی مہربانیوں اور اس واجب الوجود کے تعینات کے حصے ہیں جو مختلف ماہیتوں میں تقسیم ہوئے ہیں اور یہ تقسیم اس قسم کی نہیں ہے جسے عقل و شعور اپنے دوسرے مقتضیات پر محمول کرے، اس عبارت کو آپ نے پھر ایک اور مثال سے اچھی طرح واضح کر دیا، فرمایا تم نے دیکھا ہوگا کہ بچے ایک ہانڈی میں بہت سے سوراخ کر کے اس میں جلتا ہوا چراغ رکھتے ہیں جس کی روشنی اس ہانڈی کے سوراخوں میں سے نکلتی رہتی ہے اور وہ چراغ اپنی اصلی روشنی برقرار رکھتا ہے جس کی روشنی میں کسی قسم کا تجزیہ تقسیم اور حصے نہیں ہوتے۔ بلاتشبیہ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ کا وجود اپنے اطلاق حقیقی پر باقی قائم و برقرار ہے اور کائناتی ماہیتوں کے روزنوں اور دریچوں سے تاباں و درخشاں ہے۔

فرماتے تھے علماء و مشائخ کا بیان ہے کہ عالم اس سے ہے اور اس پر ہے بلکہ تمام اشیاء اس سے ہیں، زیادہ اچھا کہنا یہ ہے کہ عالم اللہ سے ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ دل کا کام ہے اس کو زبان سے کوئی تعلق نہیں ہے زبان سے صرف وہی کہنا چاہئے جو شریعت کے بالکل موافق ہو اور اظہر بنظر غور دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ عالم اس سے ہے اور یہ سب اس سے ہیں ایک معنی میں ہیں۔

فرماتے تھے اللہ کے سوا کون چیز ہو سکتی ہے اور کیسے ہو سکتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کان اللہ ولم یکن معه شیئا۔ جو چیز عدم سے وجود میں آئی وہ اللہ تعالیٰ کی وجہ سے آئی، اللہ تعالیٰ جیسا تھا ویسا ہی اب بھی ہے یعنی وہ پہلے بھی اللہ تھا اور اب بھی اللہ ہی ہے اور اس کے ساتھ کوئی چیز اس کی شریک نہیں ہے۔

شعر

کجا غیر و کو غیر و کو نقش غیر　　سوئ اللہ واللہ مافی الوجود

ترجمہ:- (کہاں ہے غیر اللہ اور کہاں ہے نقش غیر اللہ، بجز اللہ تعالیٰ کہ وجود میں موجود ہے۔)

فرماتے تھے لوگ ہمارے سامنے اللہ کی بابت کچھ ہی کہیں ہم تو اس سے توحید کے معنی ہی سمجھتے ہیں، عالم کا مخلوق ہونا یا اللہ کا مظہر ہونا ان دونوں جملوں کا مطلب ہمارے نزدیک بالکل ایک ہے۔ اپنی جوانی میں اس قسم کی باتیں کرنے سے ذوق حاصل ہوتا ہے لیکن اب جو کوئی اس طرح کی باتیں کرے تو اس کے منہ پر طمانچہ مارنے کو جی چاہتا ہے تا کہ پھر وہ اللہ کی توحید مطلقیت وموجودگی کے بارے میں کوئی غیر غلط بات نہ کہے۔

فرماتے تھے کہ ان باتوں کے اظہار میں کیا فائدہ ہے بجز شریعت کی بے حرمتی اور اپنا ضرر ہاں اس آدمی کے ساتھ اظہار کرنے میں کوئی خرابی نہیں ہے جو کہ ہمراز اور ہمدم ہو۔

میرے والد بزرگوار اپنی فطرت کے لحاظ سے عشق ومحبت کا مشرب رکھتے تھے انہوں نے فرمایا۔

مصرعہ

کہ ایں لذت بشیر آمد درون باجاں بروں اید

اور ان کی خود بذاتہ یہی کیفیت وحالت تھی، وہ فرماتے تھے کہ میں اپنی پانچ چھ سال کی عمر میں مکتب جایا کرتا جہاں ایک لڑکا میرا ہی ہم عمر تھا، مجھے اس سے بے حد عشق تھا لیکن کیفیت یہ تھی کہ میں اس وقت عشق کی حقیقت سے بالکل بے خبر تھا، میری عمر کا ایک لمحہ بھی عشق بازی کے بغیر نہیں گزرا ہے، اب بھی آتش عشق سے میرا دل کباب ہے، بڑھاپے میں چونکہ عشق بازی باعث رسوائی ہے اس لیے اپنے کو دور رکھتا ہوں۔

والد ماجد فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم قلعہ تغلق آباد کے اوپر بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک ایسے آدمی پر نظر پڑی جس سے ہم کو لگاؤ تھا، اس کو دیکھتے ہی ہم زمین پر گر گئے، اس وقت تو قلعہ پر سے زمین پر گرنے کی چوٹ محسوس نہیں ہوئی لیکن اب بڑھاپے کی وجہ سے ان

چوٹوں کا درد محسوس ہو رہا ہے، میرے والد بزرگوار اور چچا صاحب دونوں جب خلوت میں ہوتے تو ذوق و حال ان پر طاری رہتا، یہ درد آمیز باتیں اور دل آویز واقعات بیان کرتے لیکن اس وقت کسی شخص میں بھی ذوق و حال نظر نہیں آتا ان بزرگوں کی مجلس شروع سے اخیر تک عشق و محبت سے بھرپور رہا کرتی تھی۔

چچا صاحب شیخ رزق اللہ کی مثال اس چنگاری کی طرح تھی جو راکھ میں چھپی ہوتی ہے اور ذرا سی تلاش پر وہ انگارہ بن جاتی ہے۔

والد ماجد اس پانی کی طرح تھے جو ٹپک کر ایک جگہ جمع ہو گیا ہے، ذرا سا ہاتھ لگنے پر بہنے لگے، آپ بہت ہی نرم دل اور سریع التاثیر تھے، جب بھی درد و محبت کی کوئی گفتگو ان کے سامنے کی جاتی تو وہ متاثر ہو کر گریہ وزاری کرنے لگتے تھے، میں نے خیام کی یہ رباعی جب ان کے سامنے پڑی تو ان پر جذب کی کیفیت طاری ہوگئی اور گریہ وزاری کرنے لگے۔ حالانکہ میں اس رباعی کو روزانہ بارہ مرتبہ پڑھتا ہوں۔

رباعی

ایں کوزہ چو من عاشق زارے بودہ است — در بند سر زلف نگارے بودہ است

ایں دست کہ در گردن اومی بینی — دستے است کہ درگردن مارے بودہ است

والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ مجلس سماع میں حال و جذبہ صرف ایک لمحہ کے لیے پیدا ہوتا ہے اور اس وقت عقل و شعور بالکل مقصود ہوتا ہے، اس کی مثال بالکل اس بجلی کی چمک کی طرح ہے جو ایک لمحہ رہ کر ختم ہوتی ہے، غرضیکہ ایک لمحہ کے اثرات سے جو حال، جذبہ، گریہ و تجلی لطیف پیدا ہوتا ہے وہ ایک دو منٹ یا دس گیارہ منٹ تک رہتا ہے اس سے زیادہ اس کی تاثیری قوت اور کیا ہوسکتی ہے؟

فرماتے تھے کہ فقہاء کا یہ کہنا کہ سماع نفاق پیدا کرتا ہے، میری سمجھ سے باہر رہا، نفاق و منافقت کو گانا سننے سے کیا تعلق؟ سماع کے وقت تو خود اپنی ہی خبر نہیں رہتی، اس حالت میں نفاق کی آمیزش کیسے ہوتی ہے؟ اور یہ حال خاص بندگان الٰہی کا ہے کہ وہ اس کی یاد میں محو ہو جاتے ہیں باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

میرے والد بزرگوار اور چچا صاحب قبلہ کی یہ حالت تھی کہ یہ دونوں جب کسی کی جانب

توجہ کرتے یا اس کی تربیت فرماتے اور طلبگار میں ذرا سی بھی قابلیت ہوتی تو وہ متاثر ہو کر اثرات، تربیت اور توجہ قبول کرتے ہوئے لیاقت مآب ہو جاتا، مجھ فقیر کو یقین ہے کہ انہوں نے اپنی محبت والفت کی خاص نظروں اور عنایت فرمائیوں سے جو انسانی طبیعت کا خاصہ ہے مجھے مخصوص فرمایا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ والد بزرگوار کے سامنے میں ایک دن ایک علمی مسئلہ پر گفتگو کر رہا تھا، وہ میری جانب متوجہ تھے، چنانچہ انہوں نے دونوں ہاتھ میرے منہ پر ملتے ہوئے مجھے دعا دی اور فرمایا مجھے تمہارے چہرے پر ایک تجلی اور نور جگمگاتا ہوا دکھائی دیا جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا، اللہ جانتا ہے کہ وہ کیا کیفیت تھی۔

فرماتے تھے کہ مجھے درویشوں کی صحبت سے یہ حال نصیب ہوا ہے کہ ہر آدمی کی حالت کو بتا سکتا ہوں، میں نے آپ کی اس صفت کا بار بار مشاہدہ کیا کہ جس آدمی کے متعلق کوئی بات کہہ دی تو اگرچہ اس وقت اس میں موجود نہ تھی لیکن بعد میں ضرور اس میں نمودار ہوتی تھی، مبالغہ کر کے فرماتے تھے اگر اندھیری رات میں بھی کسی کو ہاتھ لگا کر دیکھوں تو اس کی حقیقت حال بیان کر دوں گا۔

فرماتے تھے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو کسی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا لیکن وہ کسی کو کوئی تکلیف بھی نہیں پہنچاتے۔

فرماتے تھے کچھ لوگ ایسے ہیں جو تصنع، تکلف، منافقت اور دکھاوا کرتے ہیں اور خود کو ایسا ظاہر کرتے ہیں گویا ان کو مخلوق سے کسی قسم کی کوئی طلب نہیں ہے اور حقیقتاً ہونا بھی یہی چاہئے کہ تصنع و تکلف برطرف کر کے تمام مخلوق سے صداقت و الفت کا برتاؤ کیا جائے، انسان کا ظاہر و باطن یکساں ہونا چاہئے اور اصل معاملہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ راستی و راستبازی کا ہے جو ہمیشہ ٹھیک رہنا چاہئے۔

والد بزرگوار نے بہت سی غزلیں، رباعیاں، نظمیں اور قصیدے لکھے لیکن وہ صفحہ قرطاس پر لکھنے نہ پائے تھے کہ انتقال فرما گئے، شہر کا ایک مشہور بدمعاش آپ کے کلام کے صندوقچے اس خیال سے چرا لے گیا کہ ان میں زر نقد ہوگا لیکن محرومی کے سبب تمام مسودات کو راز فاش ہو جانے کے خوف سے نذر آتش کر دیا۔

والد ماجد فرماتے تھے کہ میں جوانی کے عالم میں بعض موقع پر اشعار کہا کرتا تھا اور اس

سے میرا دل خوش ہوتا تھا لیکن شعر گوئی سے مجھ کو مناسبت نہ تھی، یہ ایک دو رسالہ اس فن میں جو نظر آتے ہیں اس کا سبب یہ ہوا کہ ایک دن میں شیخ امان کی خدمت میں حاضر تھا کہ انہوں نے فرمایا معلوم نہیں یہ لوگ جو ہمارے پاس آتے جاتے ہیں کچھ سمجھتے بھی ہیں یا نہیں، ان کو چاہئے کہ کوئی بات پوچھنے میں شرم محسوس نہ کریں، جس پر میں (عبدالحق) نے عرض کیا کہ فقیر کی یہ مجال نہیں جو آپ کے سامنے کچھ کہہ سکے البتہ اگر اجازت ہو تو کچھ لکھ کر خدمت میں پیش کروں، چنانچہ لکھنے کی اجازت مل گئی۔

والد مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ مجھ میں وہ قوت فصاحت و بلاعت نہیں ہے کہ سخن آرائی کا دعویٰ کرسکوں، اس وقت جو کچھ ذہن میں موجود ہے انہیں سپرد قلم کرتا ہوں، والد ماجد کے تحریر کردہ علوم میں سے ایک رسالہ مسمی بہ کاشفات ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ حقیقت مطلقہ کا بلا کم وکیف ادراک تین طرح ہوتا، ایک یہ کہ مرتبہ جمعیت میں بلحاظ شمول و احاطہ اس کا بلا کم کیف اس طرح ادراک ۔ وکہ وہ تمام اشیاء میں جاری و ساری نظر آئے اور یہ وہ حالت ہے جو عین مرتبہ کم و کیف میں نمودار ہوتی ہے، دوسرا یہ کہ حقیقت مطلقہ کو بلا کم و کیف بلحاظ مماثلت دو واسطہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح ادراک کرے کہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ دکھائی دے، اور اس لحاظ سے ہر اس انسان کو جو اپنے ترکیب عنصری کو تحلیل کردے، حقیقت مطلقہ کا ہر چیز کے ذریعہ بخوبی ادراک ہوتا ہے، اگر انسان کے تمام حواس ظاہری و باطنی جنہیں انسان کے اعضائے رئیسہ کہتے ہیں اگر بفرض محال محو و فنا ہو جائیں تب بھی اس کے وجود و جسم کے لحاظ سے اس کو انسان ہی کہتے ہیں اور یہ دوسری بات ہے کہ صاحب عقل و شعوری کو انسانیت نواز انسان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور دراصل جبکہ انسان اپنی خواہشات وغیرہ کو بتصور محویت فنا کردیتا ہے تو بلا کم و کیف حقیقت مطلقہ کا ادراک ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کو یوں بیان فرمایا ہے **ان اللہ خلق ادم علی صورتہ** اور اپنی جامعیت کو **علم ادم الاسمآء کلھا** کے ذریعہ ظاہر کیا ہے، اس کے علاوہ آپ کی ایک مثنوی سلسلۃ الوصال ہے جس میں تقریباً پانچ سو اشعار ہیں جس کے متعلق فرماتے تھے کہ غلبہ شوق کی وجہ سے یہ پوری مثنوی ایک دن میں لکھی اور پھر اس پر نظر ثانی نہیں کی، اگر اس میں کوئی غلطی پائی جائے تو پڑھنے والے اصلاح کرلیں چنانچہ پیرومرشد

شیخ امان اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی مدح میں لکھا ہے۔

اشعار

ہر چہ زمن در سخن آمد یقین — ہست ہم از صحبت آں مرد دیں
ورنہ چہ حدے است کہ رازِ دروں — از دہن چوں منی آید بروں!
من کیم و کیستم و چیستم! — از دم عیسیٰ نفسے زیستم
اوست دریں راہ مرا رہنما — خاک درش چشم مرا توتیا
ہست دل اور بحق آویختہ — آب صفت در ہمہ آمیختہ
دست من و دامن اور بالیقیں — مقصد و مقصود من آں شاہ دیں

عشق رخش ہمدم و ہمساز من
درغمش مونس و ہمراز من

غزل

سازی نمودہ در ہمہ اعیاں چناں عیاں — کز غایت ظہور نہاں است درنہاں
از نام وانشاں کہ تواند نشاں دھد — گویا ہزار نام ونشان ست بے نشان
پیش از ظہور بود وما کان شئی معہ — بعداز ظہور ہست علی ما علیہ کاں!
کون ومکاں بہ پرتو حسن جمال اوست — دیں طرفہ تر نگر کہ نہ کون ست ونے مکان
نزدیک عارفان محقق محقق است — کو عین عالم است ولیکن ورائے آں
گہ روئے پوش ہمچو عروسان جلوہ گر — گہ باہزار شور وشغب جاما دراں
سیفی نجویش نسبت ہستی گمان تست — اے وائے برکسے کہ بماند دریں گماں

اور ایک غزل

ہمائے سدرہ نشینی و مرغ بالائی — زبہر دانہ فتاوی بدام رسوائی!
شراب شوق بکام تو کے رسد از حرص — پری بگر و شکر چو ذباب حلوائی
زدشمنی است کہ نفس تو بہرہ پارہ ناں — بساخت است ترا ہر درائے ہر جائی
مدام درچمن از دست ساقی مہوش — چہ خام مشربی ارباده رانہ پیمائی

لباس بوریا گر پوشی از ریا ندہد　　ہزار مرتبہ بہتر زصوفِ دارائی
بروبمیکدہ سیفی و بنگر از سر ہوش　　کہ عارفانِ خداپند زیر یکتائی

فرماتے تھے کہ سیفی بخاری بہت بلند پایہ شاعر ہیں میں ان کی برابری نہیں کرتا اور میں خود سیفی تخلص رکھنا پسند بھی نہیں کرتا ہوں، چونکہ میرا نام سیف الدین ہے اس لیے بعض دوستوں کے اصرار پر مجبوراً سیفی تخلص رکھا ہے۔

غرضیکہ پدر بزرگوار اپنے بڑھاپے کے زمانے میں جبکہ محویت و فنا کا ان پر غلبہ تھا کھانے پینے پہننے، راحت و آرام، صحبت اور شعر و شاعری وغیرہ سے بالکل علیحدہ ہو گئے تھے، اگر ان کے علاج معالجہ کی کوشش کی جاتی تو فرماتے میں نے آج تک کون سا اچھا کام کیا ہے جو آئندہ کے لیے صحت و تندرستی کی خواہش کروں، میرا وجود و عدم دونوں برابر ہیں، آپ پر خوف الٰہی اتنا غالب ہو گیا تھا کہ کبھی بھی خشیت الٰہی سے فارغ نہ بیٹھتے اور فرماتے میں اپنی ذات میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھتا جس پر ناز کرسکوں اور اس کو دربار الٰہی میں پیش کروں اس کے بعد خوب گریہ وزاری کرتے۔

اگر کوئی شخص آپ کی تسلی کے لیے کہتا کہ خدا کے خوف سے ایک آنسو بھی دوسری عبادتوں سے افضل ہے اور آپ کے تو اس قدر آنسو نکل چکے ہیں، اب نہ روئیے، تو فرماتے کہ حیرانی ہے، میری نگاہ جب اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور استغناء پر پڑتی ہے تو اپنی تمام عبادتیں اور اطاعتیں برباد نظر آتی ہیں خدا ہی جانتا ہے کہ انجام کیسا ہو گا اسی وجہ سے ہر وقت رونے کو جی چاہتا ہے۔

آخر زمانے میں یہ حالت ہو گئی کہ جب میں گھر پر بوقت تلاوت قرآن پاک ان آیات کو بالکل آہستہ پڑھتا جن میں عذاب کا تذکرہ ہے اور اگر کبھی ذرا سی رمق ان کے کان میں آیات عذاب کی پڑ جاتی تو وہ بے انتہا روتے اور جاں بلب ہو جاتے البتہ رحمت و کرم الٰہی کی آیات بوقت تلاوت ذرا بلند آواز سے پڑھتا جس کے سننے سے آپ میں فرحت و تازگی پیدا ہوتی، بیماری کے زمانے میں ایک رات یہ حالت رہی کہ تین گھنٹہ تک وہ بے سدھ رہے پھر رات کے اخیری حصہ میں جب ان کو ذرا ہوش آیا تو میں نے پورے شوق اور خوش الحانی سے قرآن کریم کی تلاوت شروع کی اور جب اس آیت پر پہنچا ان الذین قالوا ربنا

اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ ان لا تخافوا ولا تحزنوا والبشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون ترجمہ:۔ (جولوگ کہتے ہیں کہ اللہ ہی ہمارا مربی، تربیت کرنے والا اور پالنے والا ہے پھر اپنے اس قول پر ثابت قدم رہتے ہیں تو فرشتے ان لوگوں کے پاس آکر کہتے ہیں تم کسی قسم کا خوف وملال نہ کرو تم کو جنت کی خوشخبری دی جاتی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ کیا ہے۔)

مجھ سے یہ آیت سن کر بڑی خوشی ہوتی اور بار بار اس جملہ کو دہراتے رہے کہ بیٹے! رحمت ہو اور سو بار رحمت ہو، اللہ تعالیٰ تمہارے ذوق وشوق اور عمر میں زیادتی کرے تم اپنے نیک اعمال کا بدلہ پاؤ گے۔

چنانچہ آج تک مجھ فقیر عبدالحق کو والد محترم کی یہ دعائیں یاد ہیں اور امید ہے کہ ان کی یہ دعا میرے لیے سرمایہ دارین ثابت ہوگی۔ والد بزرگوار نے انتقال سے تھوڑی دیر پہلے فرمایا وہ اشعار اور دعائیں جو عفو ومغفرت کے لیے مناسب حال ہوں ایک کاغذ پر لکھ کر میرے کفن کے ساتھ رکھ دینا، اور یہ رباعی بھی۔

رباعی

دارم دل کہ غمیں بیامرز و مپرس — صد واقعہ در کمیں بیامرز و مپرس
شرمندہ شوم اگر پرسی عملم ! — اے اکرم الاکرمیں بیامرز و مپرس

اور یہ دو ۲ شعر بھی

قدمت علے الکریم بغیر زاد — من الحسنات والقلب السلیم
تحمل الزاد اقبح کل شیء — اذا کان القدوم علی الکریم

اس کے بعد فرمایا منکر نکیر کے جواب میں لکھو! اللہ میرا رب ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے نبی ہیں اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ میرے شیخ ہیں۔

ایک دن فرمایا ہم کو دنیا سے کوئی تعلق باقی رہا ہے اس کے تیسرے دن عصر کی نماز کے وقت حالت غیر ہوگئی، میں (عبدالحق) اس وقت مسجد میں تھا۔

بلوایا، میں نے آکر دیکھا تو اس وقت آپ میں ایک عجیب قسم کا ذوق وشوق اور تازگی کے آثار تھے جسے تحریر نہیں کرسکتا، چنانچہ فرمایا بابا! اب ہم کو کسی قسم کا رنج وغم نہیں ہے اب تم

عبادت الٰہی میں مصروف ہوکر دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ جلدی ہم کو اپنے یہاں بلالے، میری زندگی بھر کا مقصود ہاتھ آ گیا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہاتھ سے نکل جائے میں (سیف الدین) ہمیشہ یہ دعا کرتا رہتا ہوں کہ اے اللہ تو مجھے اپنی یاد میں مصروف رکھ اور اس دنیا سے شوق و ذوق کے ساتھ لے جا، اللہ کا فضل و کرم ہے اس وقت جمال بامراد نمودار ہے اگر اس حالت میں اللہ تعالیٰ اپنے یہاں بلالے تو ان کا بہت بڑا فضل و کرم ہے، اس حالت میں آپ کے جو دوست واحباب عیادت کے لیے آتے تھے تو آپ ان سے فرماتے تھے کہ دعا کرو اللہ تعالیٰ جلدی خاتمہ بخیر کردے، اگر کوئی کہتا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شفاء اور تندرستی دے تو اس سے ناراض ہوکر کہتے خدا کے لیے یہ نہ کہو بلکہ دعا کرو اللہ جلد مجھے اپنے پاس بلالے، کبھی فرماتے اگر کوئی آدمی دو ۲ تین دن سرائے میں رہے تو عاجز و تنگ ہو جاتا ہے اور میں نے ستر سال اس سرائے دنیا میں بسر کئے ہیں بتاؤ میں غمگین اور ملول کیوں نہ ہوں؟

آپ نے کھانا بالکل ترک کردیا تھا، فرماتے تھے دل ہی نہیں چاہتا کھاؤں کیسے اور کھانے سے کوئی فائدہ بھی نہیں ہے، نیز اس خوف سے بھی نہیں کھاتا کہ اس سے مزید بقائے حیات کا سبب ہو جاتا ہے، یہاں جو گھڑی گزر رہی ہے وہ مصیبت معلوم ہو رہی ہے، میرا دل تو صرف اللہ کی طرف لگایا ہوا ہے، ایک شخص حالت علالت میں گلاب کا پھول آپ کے پاس لایا، آپ نے اسے سونگھ کر درود شریف پڑھا اور فرمایا گلاب کی خوشبو اور درود شریف دونوں بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہوتے ہیں، اور گلاب کا جسم یہاں تم لوگوں کے سامنے موجود رہتا ہے، اس کے بعد حوض سلطان اور اس کے اطراف واکناف کے مقامات اور اپنے اوقات عبادت یاد کر کر کے خوش ہوئے اور فرمایا انشاء اللہ عنقریب ہم پھر ان مقامات کی دل کھول کر آزادی سیر کریں گے آپ پر سکرات کا عالم طاری تھا کسی نے پوچھا کیا دیکھ رہے ہیں؟ فرمایا باغ، نہریں اور سادات بخارا موجود ہیں، انہیں دیکھ رہا ہوں۔

زمانہ علالت میں ایک دن فرمایا حضرت غوث الثقلین کا فرمان آیا ہے، پڑھو کیا لکھا ہے، میں فقیر (عبدالحق) نے عرض کیا کیسا فرمان کون لایا ہے؟ فرمایا ایک صالح وسعادت سند لایا ہے، ذرا ٹھیک پڑھو کیا لکھا ہے؟ ایک دن میں فقیر (عبدالحق) نے آپ کی علالت کے زمانے میں عرض کیا انسان کی عاجزی کیا کوئی عجیب وغریب بات ہے؟ فرمایا

حقیقت عاجزی یہ ہے کہ ضرورت و حاجت جو ماہیت امکانی کے لیے لازمی ہے اس کو وجدان کے ذریعہ معلوم کریں اور ساتھ ہی اس ذوق معنی کا ادراک بھی ہو اس حالت کو عاجزی کہتے ہیں اور یہی انوکھی چیز ہے۔

ایک دن فرمایا بیٹے! خوش الحان حافظ تمہارے دوست ہیں انہیں بلواؤ، کچھ قرآن شریف سنیں گے، اس کے بعد فوراً ہی فرمایا رہنے بھی دو، تم خود ہی دن رات ہمارے پاس بیٹھے قرآن شریف پڑھتے ہو پس یہی بہت کافی ہے، اب کسی بات کی خواہش نہیں یہ عبودیت کا وقت ہے اللہ جب چاہیں گے کسی کو بھیج کر بلالیں گے۔

اسی دن انتقال سے پہلے میں نے سنت طریقہ پر آپ کو تلقین کی اور عرض کیا درویش اس وقت پاس انفاس میں مشغول رہتے ہیں تو آپ نے آنکھیں کھول کر آہستہ سے کہا ہاں "پاس انفاس" اس وقت کارآمد ہوتا ہے کیونکہ تمام اعضائے جسمانی بیکار ہو گئے ہیں اور سانس لینے کی بھی قوت نہیں ہے اس کے بعد آپ نے بلند آواز سے کئی مرتبہ **لا الــــہ الا اللہ محمد رسول اللہ** فرمایا اور خاموش ہو کر دل میں اللہ کی یاد کرنے لگے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دل میں سے کلمہ طیبہ کی آواز آتی ہے اور اس کے چند لمحہ بعد آپ ۲۷۔ شعبان ۹۹۰ ہجری کو رحمت حق سے پیوست ہو گئے بعض لوگوں نے آپ کی تاریخ وفات ولی تحت النقاب بھی نکالی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

خاتمہ کتاب

بندہ کاتب الحروف عبدالحق محدث دہلوی کے ابتدائی حالات میں

پیدائش مؤلف محرم ۹۵۸ ہجری......وفات مؤلف ۱۰۵۲ ہجری

والد ماجد اپنی پیری اور کمزوری کے زمانے میں میری طرف اکثر متوجہ رہتے تھے جوانی ختم ہو جانے اور دوستوں کے انتقال کی وجہ سے وہ ایک مرتبہ سخت بیمار ہوئے اس زمانے میں میری عمر تقریباً چار سال کی تھی، اس وقت میں آپ کی خدمت اور دلدہی کیا کرتا تھا، آپ ہمہ وقت مجھ پر شفقت وعنایت فرمایا کرتے، انہی دنوں جبکہ میں بچہ تھا، صوفیوں کے اقوال سناتے اور شفقت وعنایت فرمایا کرتے اور میری باطنی تربیت کرتے اور میں بھی فطری طور پر ان باتوں کے سننے کا متوالا تھا، وہ باتیں کرتے کرتے خاموش ہو کر بالکل از خود رفتہ ہو جاتے۔

جس زمانے میں میری عمر دو اڑھائی سال کی ہوگی اس وقت کی اکثر باتیں اب تک مجھے یاد ہیں اور یہ وہ باتیں ہیں جو دانشمندوں کی آگاہی کے لیے بے انتہا ضروری اور مفید ہیں غرضیکہ جس زمانے میں پدر بزرگوار کی مہربانیوں کے ظہور کا وقت آیا تو میں تحصیل علوم میں مشغول ہو گیا اور شب وروز ذکر و تذکرہ اور بحث وتکرار میں بسر کرنے لگا اکثر اوقات وہ بذات خود مجھ سے علمی مباحث سنتے اور خوش ہو کر خاص طور پر علم توحید کے مسائل اس طرح سمجھاتے گویا علم شہود اور آنکھوں دیکھی باتیں کر رہے ہیں، جب مقدمات علمی کے لحاظ سے علم شہود وحقیقت کے سمجھنے میں مجھے کچھ شبہ ہو جاتا تو فرماتے اسی قسم کے شکوک وشبہات ان مسائل میں اکثر و بیشتر پیدا ہوتے رہتے ہیں اور انشاء اللہ یہ تمام شبہے آئندہ دور ہو کر تم خود بہ جمال یقینی ان کا مشاہدہ کر لو گے تاہم جہاں تک بھی ہو سکے کوشش کرتے رہو اور ہمیشہ اسی خیال میں رہو کہ مسائل بخوبی از بر ہو جائیں اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے

لنگ ولوک و خفتہ شکل و بے ادب　　سوئے اومی خیزو اور امی طلب

میں نے بغیر حروف تہجی پڑھے پہلے دو تین سپارے قرآن کریم کے اس طرح پڑھے کہ والد ماجد مجھے ایک ایک سبق لکھ کر دیتے اور میں پڑھتا جاتا، اس کے بعد ان کی تربیت وشفقت کا یہ اثر ہوا کہ روزانہ جتنا قرآن کریم پڑھتا وہ ان کو سنا دیا کرتا، چنانچہ اس طرح دو تین مہینہ کے اندر میں نے پورا قرآن کریم پڑھ لیا اور جس طرح معلم صاحبان مدرسہ میں اپنے شاگردوں کو رٹاتے ہیں میں نے رٹا نہیں، والد ماجد نے مجھے فایا قاف تک تختی لکھائی تھی اس کے بعد شاید ایک مہینہ میں مجھے لکھنے پر قدرت حاصل ہوگئی اور میں انشاء لکھنے لگا، اللہ تعالیٰ نے والد ماجد میں یہ اثر و خاصیت رکھی تھی کہ کوئی شخص چاہے کتنا ہی غبی ہو اور ان کی توجہ اور تربیت سے اس غبی شخص میں صلاحیتیں ظاہر ہو جاتی تھیں اور مجھے جو کچھ ملا وہ صرف والد بزرگوار کی توجہ مہربانی کا اثر ہے، اور انہوں نے اپنے پورے حقوق پدری میری تربیت و تعلیم پر صرف فرمائے، بوستاں و گلستان دیوان خواجہ حافظ اور نظم کی مروجہ کتابیں خود پڑھائیں، بچپن سے لے کر قرآن کریم ختم کرنے تک اور اس کے بعد میزان منشعب سے لے کر کافیہ کی بھی خود ہی تعلیم دی، پڑھانے کے زمانے میں اکثر و بیشتر فرمایا کرتے، انشاء اللہ تم جلد عالم بن جاؤ گے، اور اس تصور سے مجھے بڑی مسرت ہوتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ تم کو درجہ کمال عطا کرے گا اور میں تمہارے دائرہ درس وافادیت پر اپنے بڑھاپے میں تکیہ کروں گا، کبھی چند کتابوں کے نام لے کر فرماتے بس یہ کتابیں پڑھ لو، عالم ہو جاؤ گے، فرماتے ہر علم کی تھوڑی تھوڑی کتابیں پڑھو جو تمہارے لیے کافی ہیں اور اس کے بعد انشاء اللہ برکت و سعادت کے دروازے کھل جائیں گے، اور تم تمام علوم بلا تکلف حاصل کرلو گے، والد ماجد کے ان پاکیزہ جملوں نے وہ اثر کیا کہ کتب متداولہ و مروجہ میں نے جلدی جلدی پڑھیں اور کم مدت میں زیادہ سے زیادہ علوم حاصل کئے، علوم کی وسعت سے معلوم ہوتا ہے کہ سالہا سال اور بہت عرصہ تک تعلیم کے حصول میں زندگی بسر ہوئی ہے۔

علوم بخوم میں کافیہ، لب الالباب اور ارشاد وغیرہ کے بعض اوقات ایک نشست میں سولہ سولہ صفحے پڑھ جاتا اور شوق کا یہ حال تھا کہ جب کوئی کتاب حاشیہ والی کتاب مل جاتی تو اسے استاد سے، نہ پڑھتا بلکہ اکثر اوقات اسے خود ہی پڑھ کر سمجھ لیتا، ہاں اگر کوئی مشکل باب

ہوتا تو اسے لازماً استاد کے روبرو پڑھ کر سمجھتا تھا، البتہ اتنا یاد ہے کہ کتاب کی اصل عبارت اس کے حاشیہ کے ذریعہ بخوبی سمجھ لیا کرتا تھا میرے ہاتھ جو کتاب پڑتی، میں اس کے اول و آخر کا لحاظ کیے بغیر اسے کھول کر آخر تک پڑھ لیا کرتا، مطالعہ کو مقدم اور ضروری سمجھتا کیونکہ علم کا حصول میرا نصب العین تھا، بارہ تیرہ سال کی عمر میں شرح شمسیہ اور شرح عقائد نسفی پڑھی اور پندرہ سولہ برس کی عمر میں مختصر معانی اور مطول ختم کی اور لوگوں کے خیال سے میں ۲۰ برس کی عمر میں فلسفہ ادب اور فقہ، حدیث وغیرہ پڑھ چکا تھا، اور اللہ کا احسان و شکر ہے کہ اس کے بعد ایک سال چند دنوں میں قرآن کریم بھی حفظ کیا اور کلام اللہ کی خدمت میں آیا اور وہ قوت پائی جس سے ایک حرف کا شکریہ بھی سو سال میں ادا نہیں کر سکتا، غرضیکہ تمام کتب مروجہ پر میں نے عبور حاصل کیا، پھر ادب، فلسفہ، علم کلام وغیرہ میں مہارت اور پڑھانے کا شوق لیے ماوراء النہر گیا، اور وہاں تحصیل علوم میں اتنا مشغول رہا کہ تعلیم و مطالعہ کتب سے شب و روز میں دو تین گھنٹے کی فرصت ملتی تھی، جب اساتذہ کرام سے درس و دانش کے حق میں اہم بحث کرتا یا مفید بات کہتا تو وہ فرماتے، اے عزیز ہم تم سے استفادہ کرتے ہیں اور تمہارے شکرگزار ہیں، خدا جانے وہ کیا شوق تھا اور وہ کیسی طلب تھی، اگر اتنا ذوق و شوق طلب الٰہی اور باطن کی صفائی کے لیے ہوتا تو نہ معلوم کس مقام پر پہنچتا۔

ایک مرتبہ جبکہ میں کافیہ وغیرہ پڑھا کرتا تھا کہ ہمارے ساتھی طالب علم آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے حصول علم کے بعد کیا کرو گے؟ بعض نے [illegible] جواب دیا کہ ہمارا مقصد معرفت الٰہی ہے، بعض نے اپنی سادگی سے کہا، ہمارا مقصد حصول دنیا ہے، پھر مجھ سے پوچھا، بتاؤ تم کیا کرو گے؟ میں نے کہا مجھے بالکل نہیں معلوم کہ تحصیل علم کے بعد معرفت الٰہی میں مشغول رہوں گا یا دنیا طلبی میں، البتہ فی الحال اتنا معلوم ہے کہ پہلے زمانے کے عقلمندوں اور عالموں نے کیا کہا ہے اور کشف حقیقت و معلومات مسائل میں کون کون سے موتی پروئے ہیں، اس کے بعد جو حالت پیش ہوگی دیکھا جائے گا کہ عیش و عشرت دنیا کی طرف متوجہ ہوں گا یا محبت الٰہی اور طلب آخرت کے راستہ پر گامزن ہوں گا۔

بچپن ہی سے مجھے معلوم نہیں کہ کھیل کود کیا ہوتا ہے اور خواب و راحت، مصاحبت و دوستی اور سیر و تفریح کیا چیز ہے۔

شعر

شب خواب چہ وسکون کدام است　　　خود خواب بعاشقاں حرام است

شوق علم وعمل میں کبھی وقت پر کھانا نہ کھایا اور بروقت آبائی محل میں نہ سویا۔

موسم سرما کی سخت ٹھنڈی ہواؤں اور موسم گرما کی تپتی ہوئی تیز دھوپ میں گھر سے روزانہ دو ۲ مرتبہ مدرسہ جاتا تھا، دوپہر کو گھر آ کر ایک دو نوالے بقائے حیات کی خاطر کھالیتا، عرصہ دراز تک قبل از وقت مدرسہ جا کر ایک دو ۲ پارے چراغ کی روشنی میں تلاوت کرتا، اس پر طرہ یہ کہ گھر پر جتنا وقت ملتا اس میں کوئی لمحہ بیکار نہ بیٹھتا بلکہ مطالعہ کتب، بحث وتکرار میں لگا تار رہتا۔ رات دن پڑھتا نیز رات کے کسی حصہ میں خوشخطی بھی لکھتا۔

میرے والدین رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ فرماتے کہ کسی وقت تو محلہ کے بچوں کے ساتھ کھیل کود کر دل خوش کرلیا کرو اور رات کو آرام سے سویا کرو لیکن میں عرض کرتا کہ کھیل کود سے جب دل خوش کرنا ٹھہرا تو میں اس سے خوش ہوتا ہوں کہ لکھتا پڑھتا رہوں۔

عام طور پر لوگ اپنے بچوں کو اسکول جانے اور پڑھنے کی تاکید کرتے ہیں اس کے برعکس مجھے کھیل کی جانب متوجہ کیا جاتا تھا۔

پڑھتے پڑھتے جب رات کے بارہ بج جاتے تو والد ماجد فرماتے، بابا کیا کر رہے ہو تو میں فوراً ہی لیٹ جاتا تاکہ جھوٹ نہ ہو جائے اور پھر عرض کرتا جی میں سو رہا ہوں فرمایئے ارشاد کیا حکم ہے؟ اس کے بعد پھر پڑھنے لگتا۔ اکثر ایسا ہوا کہ چراغ کی لو سے میرے صافے اور سر کے بالوں میں آگ لگ گئی، اور مجھے اس وقت پتہ چلا جب حرارت میرے دماغ پر پہنچی۔

اشعار

چہ دودہائے چراغ کہ در دماغ نہ رفت　　　کدام بادۂ محنت کہ در ایاغ نہ رفت

کدام خواب وچہ آسائش وکجا آرام　　　چہ خار خار کہ در بستر فراغ نہ رفت

بجیر تم ز دل خود کہ عمر رفت دے　　　زکنجِ غمکدہ ہرگز بصحنِ باغ نہ رفت

تحصیل علم کے شوق اور محنت کے باوجود نماز، وظیفے، شب بیداری، مناجات وغیرہ

میں فطری طور پر بچپن ہی سے اتنا مشغول تھا کہ لوگ حیرت کرتے تھے۔ اب بھی اللہ کے فضل وکرم سے شب خیزی کا شوق ہے اور مجھے اس راہ سے کافی نعمتیں ملی ہیں اور اس وقت پہلے سے بھی زیادہ محنت و ریاضت اور تعلیم و افادہ میں مشغول ہوں، تعلیم و افادہ نہیں کہنا چاہئے بلکہ تعلیم واستفادہ کہنا اچھا ہے، گوشہ تنہائی میں پڑا ہوں دنیا کے نیک و بد سے مجھے کوئی واسطہ نہیں ہے، نیز لوگوں کی دوستی و دشمنی سے میرا دل خالی ہے اور نحوی جملوں زید وعمر کے قصوں سے علیحدہ ہوں۔

رباعی

صد شکر کہ باہیچ کسم کارے نیست ۔۔۔ وازمن بدل ہیچکس آزارے نیست

گر بردل دشمناں من بارے نیست ۔۔۔ بر خاطر دوستان من بارے نیست

پروردگار عالم نے جس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا میرے بس میں نہیں اس نے مجھ غریب کو اپنے ذوق وشوق کی اس حالت سے مخصوص اور مالا مال کیا ہے کہ میرا دل اور میرا تمام وقت صرف اس کے حضور میں مشغول رہتا ہے اور لوگوں کے میل جول وغیرہ سے الگ ہوں، میں اپنے خیال میں مگن ہوں اگرچہ وہ رازہائے سربستہ کا سراہی ہو یا مالیخولیا لیکن یہ مقطعہ میرے حالات کا آئینہ دار ہے۔

حقی کجا وصحبت کس کز خیال دوست ۔۔۔ دارم بخود چو مردم دیوانہ عالمے

بحکم والد ماجد کہ ''ملائے خشک و ناہموار نہ بنا'' میں بچپن ہی سے ہمیشہ عشق ومحبت کا دم بھرتا ہوں اور غم خواری و دردمندی کی راہ چلتا ہوں۔

شعر

بیدرد نہ ایم ہرگز از عشق ۔۔۔ دائم دل درد ناک داریم

امید ہے کہ صاحب قدم کی بدولت میرا دل کارفرمائی کرے اور اصل کام یہ ہے کہ نفس کو بیکار کردیا جائے میں بیکار نہ رہوں۔ اور میں اپنا جی اس طرح خوش کروں کہ کام کے آغاز یا اس کے دوران میں جن چیزوں کے ذریعہ قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور دل کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں وہ تمام وقتیں میرے سامنے آئیں۔ اور پھر پردۂ غیب سے میری دستگیری ہو اور

کارخانہ نفس وشیطان پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ غلبہ پا کر مجھے گوشہ نشین بنادے اور دوسروں سے میں اپنی روزی طلب کرنے کے بجائے صرف اللہ ہی سے ہر چیز کا طلبگار ہو جاؤں۔

ایک عرصہ تک عقل کی معارضت اور وہم کی مزاحمت سے مجھے توحید کی حقیقت سمجھ میں نہ آئی جو کہ طالبان حقیقت کے لیے اولین شرط ہے آخر کار جب مخلوق کے مشوروں سے مقصد براری نہ ہوئی تو مجبوراً اللہ ہی سے طلب خیر کی، اور اس طلب میں عقل کی گتھیاں سلجھائیں تاکہ دیوانگی کا ساتھ نہ چھوٹے۔

شعر

زیں خرد بیگانہ می باید شدن
دست در دیوانگی باید زدن

غرضیکہ راحت وآرام کے حصول اور خطرات ووسواس کے زوال کے بعد جس کا نتیجہ مایوسی ہوا کرتا ہے میں تمام امور سے ہاتھ دھو کر اور لوگوں سے آنکھیں بند کر کے در دل پر اس انتظار میں بیٹھ گیا کہ اب کیا ہوتا ہے اور کونسی راہ کھلتی ہے چنانچہ جس نے دربار الٰہی میں توبہ کی وہ مایوس نہ رہا اور جس نے اللہ کے حضور التجا کی وہ کامیاب ہوا" کے احکام کے پیش نظر اچانک بیکسوں کے چارہ گر اور آوارہ لوگوں کے رہنما نے مجھے اپنی طرف بلایا اور خانماں برباد کی گردن میں زنجیر شوق ڈال کر اپنی گھر کی جانب کھینچ لیا اور مجھ گم کردہ راہ کو منزل مقصود تک پہنچا دیا یعنی اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار فیض آثار میں پہنچا دیا اور ان کی نوازشات سے سرفراز ہوا۔

شعر

حاشا وان یحرم الراجی مکانه
او یرجع البحار منه غیر محترم

مجھ فقیر حقیر کو حضرت خبیر وبشیر ونذیر صلی اللہ علیہ وسلم کے انعامات واکرامات سے جو کچھ بشارت ملی ہے وہ بیان سے باہر ہے اور یقین ہے کہ یہ آثار وانوار نیک لوگوں کے لیے انشاء اللہ ضامن وکفیل ہوں گے۔

اگرچہ میں اپنی کمزوریوں کی وجہ سے اس قابل نہیں ہوں کہ اپنا مطلب حاصل کر سکوں لیکن امید قوی ہے اور پائے یقین مضبوط ہے کہ کشتی نوح میں بیٹھا ہوا ہوں اور انشاء اللہ

ساحل نجات پر پہنچ جاؤں گا اور وہاں پہنچ کر جمال الٰہی سے مسرور ہوں گا اور جو کوئی دنیاوی کشتی میں بیٹھ کر سرکشیاں اور غرور کرے تو وہ اس کا بھی یقین کرلے کہ آتش دوزخ کے طوفان سے اس کو ہرگز ہرگز نجات نہیں مل سکے گی۔

میرا مرکز اعتماد ان صاحب قدم پر ہے جو مالک رقاب اولیاء ہیں اور کوئی رہرو ایسا نہیں جو ان کی خدمت میں اپنے سر کے بل نہ جائے اور ان کے قدموں پر اپنا سر نہ رکھے اور یہ سب کچھ خود ان ہی کی سرفرازی ہے، ان کی صفت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ قدم بدقدم گامزن رہے بلکہ سرور عالم ہی کی طرح قدم بہ قدم چلتے رہے اور سعادت اسی کو ملی جس نے آپ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور بہر نوع آپ کے احکام کی تعمیل کی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وحضرت علی رضی اللہ عنہ کی وراثت سے تمام بزرگوں کو جو کچھ ملا وہ صرف خلف صادق کے حصہ میں آیا اور یہ کتنی بڑی دولت ہے، اگرچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث بکثرت تھے لیکن جو کچھ خلف صادق کو ملا وہ کسی اور کو نہ مل سکا۔ دولت و مال میں تمام ورثاء کو برابر مقررہ حصہ ملتا ہے لیکن وراثت حال وکیف میں ایک کو دوسرے کے برابر حصہ نہیں ملا کرتا، کیونکہ حال وکیف اور مراتب وہ دولت ہے جس کے مستحق ہی کو یہ دولت دی جاتی ہے، اگر دوسرے لوگ قطب ہیں تو یہ خلف صادق قطب الاقطاب ہیں، اگر دوسرے سلطان ہیں تو یہ خلف صادق شہنشاہ سلاطین ہیں اور آپ کا اسم گرامی حضرت شیخ سید سلطان محی الدین عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہے جنہوں نے دین اسلام کو دوبارہ زندہ کیا اور طریقہ کفار کو یکسر ختم کردیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی فرمایا ہے الشیخ یحیی ویمیت۔

شیخ کے مقام کا اس سے بھی اندازہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ جو حی وقیوم ہے اس نے ہم کو اسلام عنایت فرمایا اور غوث الثقلین نے اس کو دوبارہ زندہ کیا، چنانچہ میں بیکس ومحتاج بھی ان ہی کی پناہ کا طلب گار اور ان ہی کا درباری غلام ہوں، مجھ پر ان کی عنایت وکرم ہے اور ان کی مہربانیوں کے بغیر کوئی فریادرس نہیں ہے۔

مناجات

غوث اعظم دلیل راہ یقیں — کن یقیں رہبر اکابر دیں
شیخ دارین و ہادیٔ ثقلین — زبدۂ آل سیدی کونین!
بادشاہ ممالک قربت — راہ نور و مسالک قربت
اوست در جملہ اولیاء ممتاز — جو پیمبر در انبیاء ممتاز
اولیاء بند باش از دل و جاں — قدم او بگر دن ایشاں
وصف تعریف اور زمن نہ نکوست — خود کراماتِ او معرف اوست
من کہ پرور دۂ نوال ویم — عاجز از مدحت کمال ویم
ہمہ دم غرق بحر احسانم — اے فدائے درش دل و جانم
در دو عالم باوست امیدم — ہست بادے امید جاویدم

امید ہے کہ اگر کبھی راہ سے بھٹک جاؤں تو وہ رہبری کریں اور اگر ٹھوکر کھاؤں تو وہ مجھے سنبھال لیں، کیونکہ انہوں نے اپنے دوستوں کی بشارت دی ہے اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے ایک رجسٹر بنادیا ہے جس میں قیامت تک ہونے والے مریدوں کا نام لکھا ہوا ہے، نیز حکم الٰہی ہو چکا ہے کہ میں نے ان سب کی بخشش کردی ہے اور ان کے تمام گناہ معاف کردیئے ہیں، کاش میرا نام بھی آپ کے مریدوں کے رجسٹر میں ہو ایسی صورت میں مجھے کیا غم ہے کیونکہ میری حسب مرضی کام پورا ہو گیا ہے، میں نامراد بھی حضرت غوث الثقلین کا مرید بن گیا ہوں، قبول کرنا یا انکار کردینا یہ ان کے ہاتھ میں ہے میں ان کے خواہشمندوں میں ہوں اور ان کا چاہنا یہ ان کے اختیار میں ہے، حقیقی طور پر مرید ہوتا یہ مجھ مجازی آدمی سے کیسے ہوسکتا تھا، کسی بے نمازی کے درود شریف پڑھتے رہنے سے ہمیشہ فائدے نہیں ملا کرتے ہیں، چونکہ میں نے خود کو ان کی جانب منسوب کرلیا ہے اور انہی کی بارگاہ میں پناہ کا طالب گار ہوں لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ جبکہ ازل سے یہ سعادت میری قسمت میں تھی تو لازماً ابد تک میرے ساتھ ہی رہے گی اور میری حالت یہ ہے کہ جس زمانے میں مجھے عقل و شعور نہ تھا اس زمانے سے میں اپنے لوح دل پر آپ کا اسم گرامی لکھتا ہوں۔

شعر

مابعشق تو نہ امروز گرفتار شدیم　　　　که گرفتاریٔ ما با تو ز روز ازل است

ان کا جذبہ محبت خود ہی مجھے کھینچ رہا ہے جس کی مجھ میں سکت نہیں اور انکا کرشمہ عنایت خود ہی مجھے مخاطب کر رہا ہے جس کا مجھے عقل وشعور تک نہیں ہے۔

شعر

ہنوز از دم ہستی اثر نبود مرا　　　　که جذب عشق تو از خویش می ربود مرا

یہ آپ ہی کا فیض باطن ہے جس نے میرے ظاہر و باطن کو محفوظ رکھا ہے اور اول سے آخر تک بچائے رکھا ہے، والد ماجد بھی آپ ہی کے در کی خاک تھے، اور اسی نسبت کے زیر اثر تربیت دیتے اور تقویت پہنچاتے تھے، وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اس بادشاہ عالم کی جناب بغیر کسی وسیلہ کے بڑھنا چاہا لیکن وسیلہ کے بغیر کوششیں رائیگاں ہوئیں مجھے اکثر و بیشتر بشارت ہوئی کہ وابتغوا الیہ الوسیلہ اور اس فضیلت کے حاصل کرنے کے لیے جس وسیلہ ونسبت کی ضرورت ہے وہ سلسلہ ارادت ہے، میں نے بہت کوشش کی تھی کہ کسی سے باطنی طور پر اسلامی نسبت قائم کروں اور قرابت جسمانی کو رشتہ روحانی سے منسلک کروں اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنی پوری زندگی اس کے قدموں میں گزاروں، چنانچہ آخرکار میری سچی نیت نے کام کیا اور میرا درخت مراد بارآور ہوا اور جس طرح یرزقہ من حیث لایحتسب ۔ اللہ تعالیٰ بغیر شان وگمان کے رزق پہنچا دیتا ہے بالکل اس طرح اللہ تعالیٰ نے میرے پاس اس عیسےٰ نفس کو بھیجا جس کی ہر سانس میں آسمان معرفت کے دسترخوان بچھتے اور عیش ونشاط کے جمگھٹے ہوتے، وہ موسیٰ علیہ السلام مقام تھے جن کا جمال آتشِ شجر وحدت کا طلوع تھا اور طور حقیقی کی درخشانی ان کا نور تھا وہ باقی رہنے والے دوست، جس کے رخسار زیبا میں باغوں کی بہار اور باغ ملت اسلامیہ کے پھول کھلے ہوئے تھے، وہ مصطفیٰ جمال جن کا چہرہ نمکدان خوان انا املح تھا اور ان کی زبان قرآن کی بہترین فصاحت واضح کرتی تھی، وہ مرتضی کمال تھے جن کا دل دروازہ شہر علم اور ان کے ضمیر پر دروازہ اسرار و کشف کھلے ہوئے تھے وہ حسن صورت جو خلق عظیم کی وراثت کے مرتبہ اور مسلمانوں پر مہربانی کے مرتبہ پر فائز

تھے، وہ حسین سیرت تھے جو آیت تطہیر اور مودت قربیٰ کے مصداق تھے ان کا اسم گرامی زین العابدین و امام الصادقین سید تقی نقی علوی، علی المہدی حضرت کلیم اللہ تھا جو محبوب حبیب خدا تھے۔

رباعی

احمد خوئے کہ عالمے بندۂ اوست — یوسف روئے کہ ماہ شرمندۂ اوست
عیسیٰ نفسے کہ جان و دل زندۂ اوست — موسیٰ کہ لقائے دوست خواہندہ اوست

قرآن کریم میں جو صفت آئی ہے وہ آپ پر صادق آتی ہے اور آپ کی حالت کے عین مطابق ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو موسیٰ علیہ السلام کا دل دیا گیا ہے مگر آپ دراصل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ ہیں۔

رباعی

اے دیدہ بیا بقائے منظور بہ بیں — آں جبہہ و آں جمال و آں نور بہ بیں
در وادیٔ ایمن محبت بگذر! — ہم موسیٰ و ہم درخت و ہم طور بہ بیں

آپ حمیدہ صفات جانشین حامد و وارث مقام محمود ہیں اور ایسے حامد و حمد کرنے والے ہیں کہ آپ کی تعریف و توصیف میں زبان سے بے اختیار نا قابل شمار تعریف نکلتی ہے، غرضیکہ یہ آفتاب دولت دنیا و دیں جب طلوع ہوا تو میں نے یقین کرلیا کہ یہ میرے ہی مقدر میں ہے اور جونہی ان کے جمال جہاں نما سے آنکھیں روشن ہوئیں تو دل میں کچھ اور ہی نور و سرور جلوہ گر ہوا، پہلی ہی ملاقات میں دل ہاتھوں سے جاتا رہا اور میں ان کے قدموں پر گر پڑا۔

شعر

مدتے بود کہ مشتاق لقایت بودم — لا جرم روئے ترا دیدم و از جا رفتم

کچھ عرصہ کے بعد میں نے اپنی کیفیت عرض کرنے کی جسارت کی لیکن میرے عرض کرنے سے پہلے ہی انہوں نے اپنے صفائے باطن کے ذریعہ میرے حالات معلوم کرلیے تھے اور میرا مطلب و مقصود سمجھ گئے تھے لیکن میری صداقت کی بھوک پیاس کی تفتیش و تحقیق کی

خاطر پھر میرے حالات دریافت فرماتے ہوئے کہا، اے پیاسے سنو! ہم تم سب ایک ہی نہر کے پیاسے ہیں اور ایک ہی دریا کی نہریں ہیں، مجھے یقین ہے کہ تم سمندر کے طلب گار بن کر میرے پاس آئے ہو اور میری حالت یہ ہے کہ میں بھی دوسروں کی طرح خود کو دریا کی ایک نہر کہتا ہوں، تم جس نہر کو زیادہ شیریں اور اس کے پانی کو زیادہ صاف شفاف سمجھو اس کی طلب میں کوشش کرنا اور اگر یہ نہیں چاہتے کہ اپنے اختیار کو کام میں لاؤ اور صرف امتحان مدنظر ہو تو پھر خود کو سمندر کے حوالہ کر دو اور اس کی توجہ کے منتظر رہو تا کہ وہ تمہیں جس راہ سے چاہے بلائے اور جہاں چاہے پہنچا دے، اس جملہ کو سن کر میں نے ایک چیخ لگائی اور عرض کیا کہ میں حیران و پریشان ساحل حیرت پر پڑا ہوا ہوں سمندر کو مجھ سے کیا واسطہ۔ ہے جو میری آواز سنے، اور اس کو کیا پڑا ہے جو میری چیخ و پکار پر کان دھرے، میں نے خود کو آپ کے حوالہ کر دیا ہے، اب آپ جہاں چاہیں پہنچا دیجئے، ارشاد فرمایا، مایوس نہ ہو تم کو سمندر سے خاص واسطہ و تعلق ہے، اور بفرض محال اگر کوئی شناسائی نہ ہو تب بھی وہ دریائے رحمت تمام پر محیط ہے چاہے کوئی چھوٹا ہو یا بڑا۔ ناقص ہو یا کامل، یاد رکھو! وہ ضرورت کے وقت فریاد رسی کرتا ہے اور تنگی کے زمانے میں دستگیری کرتا ہے۔

غرضیکہ میں آپ کے اشاروں پر تیزی سے گامزن ہو گیا اور پہلی ہی رات میں میرا مطلب حاصل ہوا، چنانچہ بے اختیار ہو کر بغیر کسی توقف کے میں نے ان کی بیعت کر لی اور ان کی خدمت کرنے لگا، یہ ۶۔ شوال ۹۸۵ ہجری کا واقعہ ہے اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، علاوہ ازیں ایک اور سعادت اور عظیم ترین نعمت حاصل ہوئی جس کو ظاہر کئے بغیر صبر نہیں کر سکتا، اگرچہ وہ راز ہائے سربستہ ہیں جن کو چھپایا ہی جاتا ہے۔

مصرعہ

لیکن از شوق حکایت بزباں می آید

سنئے! جب سعادت ازلی نے مجھے یہ نعمت ابدی سرفراز فرمائی تو میں ہمیشہ اسی اشتیاق میں رہا کہ میرے مقصود کی مجھے بشارت مل جائے تا کہ تسلی و اطمینان کے ساتھ راہ سلوک میں تیزی سے آگے قدم بڑھاؤں اور اگر طلب فرقت کی سوزش ہے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ کتنی بڑی آرزو ہے اور مقصد کتنا عظیم الشان ہے۔

شعر

من ووصال تو ہیہات بس عجب ہوس است ہمیں کہ نام توام برزباں رودنہ بس است

ہمیشہ اسی خیال میں رات دن کاٹ رہا تھا کبھی راتوں کو اس لیے بیدار رہتا کہ بارقہ جمال نظر آئے اور دن کو یہی جستجو رہتی کہ خواب وخیال ہی میں اس کے وصال کی نشانی مل جائے۔

قطعہ

اگر تو وعدہ وصلم دہی بہ بیداری حرام باد سر خود اگر بخواب آرم
دگر بخواب نمائی جمال خود یکدم بروز حشر نخواہم کہ سرز خواب آرم

اور یہ حالت اس وقت تک رہی جبکہ عقل کا پردہ اور طلب کی خواہش درمیان سے اٹھ گئی اور اللہ کے فضل وکرم نے اپنا کام کردکھایا، مجھ غریب کو براہ راست اپنی چوکھٹ پر پہنچا دیا اور ان بیداریوں کے نتیجہ میں وہ خواب دیکھا جو ہزار بیداریوں سے بہتر وبرتر ہے۔

شعر

بخیالے زتو راضی دبخوابے خوشنود حاصل از وصل تو خوابی وخیالے دارم

یہ اس واقعہ کا اجمالی ذکر ہے جس کو زبان قلم سے ادا ہی نہیں کیا جا سکتا۔

شعر

حقا بیان شوق بپایاں نمی رسد کو تاہ ساز قصہ درد دراز را

اب مجھ فقیر کی درگاہ رب العزت میں ایک مناجات ہے اور ایک حاجت ہے جسے میں اس کی بارگاہ میں پیش کررہا ہوں جس میں سے چند جملے ان اوراق میں لکھ رہا ہوں تا کہ جب چاہوں انہیں پڑھ کر اپنا دل خوش کرلوں، اور اگر کسی دوسرے شخص کی بھی میری ہی جیسی حالت ہو تو وہ بھی اس سے اپنا وقت خوش کر سکے اور عین ممکن ہے کہ وہ میرے لیے بھی دعا کرے جو حصول مقصد کا سبب بن سکے، اور اللہ تعالیٰ قریب ومجیب ہے۔

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

اے اللہ تو میرے ساتھ وہی سلوک کر جو ایک کریم و محسن آقا اپنے کمزور مجرم نوکر کے ساتھ کیا کرتا ہے اور وہ سلوک نہ کر جو ایک منصف و بااقتدار حاکم اپنے مفسد و عیار و بدکار ڈاکوؤں کے ساتھ کرتا ہے۔

اے پروردگار! اگر تو ہم کمزوروں کے ساتھ انصاف کرے گا تو ہم تیرے حضور اپنی عاجزی اور پیمانہ صبر کو پیش کریں گے اگرچہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی، لیکن کیا کریں سوائے عاجزی کے ہمارے پاس اور کیا ہے، اے اللہ تو نے اپنے بندوں کو پیدا ہی اس طرح کیا ہے کہ اپنا ہی نفع چاہتے ہیں، مخلوق میں یہ خصلت تو نے ہی بخشی ہے جس کے استعداد قابلیت اور ماہیت بیان کرنے کی ہم میں سکت نہیں ہے، اے اللہ! ہم نے قرآن کریم میں پڑھا ہے اور تیرے حبیب پاک نے ہمیں بتایا ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے فنا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا، اے اللہ! تو نے اپنا یہ فرمان ہمارے دل نشین کر دیا ہے، ''مجھ سے مانگو، میں قبول کروں گا'' اے اللہ! تیری صفت حی و کریم ہے، تو اپنی تخلیق میں تبدیلی نہیں کرتا اور جو کچھ ہونے والا ہے اسے تیرا قلم لکھ کر خشک ہو گیا، تیرے افعال کی بابت کسی میں تجھ سے وجہ معلوم کرنے کی کوئی قوت نہیں ہے اور تیری بارگاہ میں کوئی بات بدلی نہیں جاتی، تو بڑا ہی رحیم و کریم ہے، اگر تو نے انسان میں فاعل ہونے کی قدرت رکھی ہے اور اسے شرط اولین قرار دیا ہے تو اس بیمار کا قیامت تک علاج نہیں ہو سکتا، اے پروردگار تیرے ہی لیے یہ امر سزاوار ہے کہ تیرے دربار میں کوئی دردمند نہ رہے گا، اے اللہ! تو ہم پر رحم کر، کرم کر۔

اے اللہ! ہم کو اطمینان قلب نصیب فرما کیونکہ اس کے سوا کوئی اور چیز مفید نہیں اور وہ کشادگی اور فارغ البالی دے جس کے ذریعہ دنیا اور آخرت کے تمام مقصود پورے ہو جائیں، استغفر اللہ! مجھے ان باتوں سے کیا مطلب، میں تو نہایت کمزور فقیر بھیک منگا ہوں،

مجھے یقین کی قوت عنایت کر اور وہ سرمایہ دے کہ پھر مخلوق کی حاجت نہ رہے اور ایسی بخشش کر کہ میرا ظاہر و باطن آباد ہو جائے۔

اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میرے دل میں کتنی امدیں اور آرزوئیں ہیں اور ساتھ ہی مجھے اپنی کمزوری اور بے بسی کا یقین بھی ہے، میں اپنا کوئی نصب العین مقرر نہیں کر سکتا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ میرے مقصد کے خلاف ہی میں فائدہ ہو لیکن آخرت کے درجات جو مقرر ہیں ان کا آرزومند ہوں، کبھی دل میں خیال آتا ہے کہ یہ خواہش بھی طریقہ بندگی سے دور ہے، بندہ کو کوئی آرزو نہ کرنا چاہئے لیکن یہ بہت بڑی بات ہے اور حقیقت یہ ہے کہ بندہ سراسر عاجز، آرزومند ہے، اے اللہ! مجھے یقین ہے کہ تمام دنیاوی خواہشوں کے درمیان موت حائل ہے جو بالکل ہیچ ہے اسی لیے میں تجھ سے رضامندی کا طلب گار ہوں، تیرے راستے میں ثابت قدمی، حق پرستی، قوت یقین اور شک وشبہ کو زائل کرنے کے لیے عقل وشعور کا خواہشمند ہوں، مرنے کی محبت دے تاکہ دنیا سے کوچ کرنا دشوار معلوم نہ ہو، فقیروں کی محبت عنایت کرتا کہ موت سے الفت ہو سکے۔

اے اللہ! اسباب وسامان جمع کرنے کی قوت نہیں اور بغیر کسی سامان کے کوئی کام نہیں ہوتا، مجھ غریب کے کام بغیر سبب کے پورے کر اور اگر بغیر سبب کے نہیں کرنا چاہتا تو اسباب آسان کر دے۔

یا مفتح الابواب اور یا مسبب الاسباب، ہمارے لیے سامان فراہم کر دے جن کے حاصل کرنے کی ہم میں سکت نہیں ہے، اے اللہ تو جانتا ہے کہ میرے کاموں کی بنیاد کی تکمیل کی امید نظر نہیں آتی، صرف تیرے ہی دربار سے امیدوار ہوں کہ تو اپنے خاص لوگوں کے وسیلہ سے بغیر کسی انسانی کوشش کے پورا کر دے۔ اے اللہ! اگر مخلوق کے متوقعہ خیالات پورے نہ ہوں تو اپنی بے صبری اور بے طاقتی سے ہلاک ہو جائیں گے، اے اللہ! وہ حالات پیدا کر جو دل کی گرہ کھول دیں، دل باغ باغ ہو جائے اور دلوں کو فراغت نصیب ہو، اے سب سے زیادہ رحم وکرم کرنے والے جنات اور انسانوں کی دستگیری کرنے والے، اور اے بہترین مددگار اللہ تعالیٰ! تو ہی مدد کر، اے اللہ ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے لیکن اس سے پہلے بشارت دیدے تاکہ دل خوش ہو جائے اور تکلیفیں دور ہو کر یقین کی دولت مل جائے، اے

اللہ! تمام دنیاوی کام ہمارے لیے آسان کردے اور ان کے وجود و عدم کو یکساں کر دے اے اللہ! تو دنیا کو میرا مقصودِ اعلیٰ نہ بنا، دنیا میں گرفتار نہ رکھ، دنیاوی علم و تعلیم میں ہم کو مقید نہ کر، ان لوگوں کو ہم پر مسلط نہ کر جو کہ ہم پر رحم نہیں کرتے ہیں۔ اے اللہ! میں نے تجھی پر بھروسہ کیا ہے اور تیرے ہی دربار میں عاجزانہ دعا کر رہا ہوں۔

اے اللہ توکل کے معنی سمجھ میں جب آتے ہیں کہ تیرے کمال معرفت اور شہود کا علم ہو، معرفت و شہود ایک مقام ہے کہ جس کی ہم ناقص اور ناکارہ طلب نہیں کر سکتے مجھ جیسا اندھا بے دست و پا تنہا اس جنگل میں پڑا ہوا ہے جسے مصیبتیں گھیرے ہوئے ہیں، اے اللہ میں اندھا بے اختیار اور مجبور تیرے دربار میں فریاد کر رہا ہوں، اب تو ہی دستگیری کر اور فریاد رس بن جا۔ اگر بفرض محال دستگیری نہیں کی جاسکتی تو میں اندھا، استغاثہ و گریہ وزاری کے سوائے کیسے صبر کرسکتا ہوں۔

اے اللہ! بندہ اگر تجھ سے دور ہے تو کیا؟ تو خود تو پاس ہے، ہماری فریاد رسی فرما۔ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ اسباب و سامان فراہم ہونے سے پہلے میرے دل میں کیسی کیسی امیدیں تھیں لیکن اب سامان پر نظر پڑتی ہے تو پرانے خیالات میں کوتاہی نظر آتی ہے اور قدم ہمت سست ہو جاتا ہے۔

اے پروردگار! ہماری پرانی امیدیں نئے سرے سے نئی کر دے اور بجھے ہوئے دل میں تازگی دیدے، جو چیز دینے کے قابل نہیں اس کی خواہش ہمارے دل سے دور کر دے اور جو چیز دینے کے قابل ہے اس کے لیے ہمت دے تاکہ کوشش کریں اور یقین عنایت کر تاکہ وقت سے پہلے جلدی نہ کریں۔

اے اللہ! جوانی میں جہالت اور فطرت کی وجہ سے ہر طرح دنیا لینے کی فکر تھی اب آخرت کا غم ہے، دنیا اور آخرت کا غم یکجا ہو گیا ہے، دنیا اس طرح عنایت کر جس سے دین میں کوئی خلل اور خرابی پیدا نہ ہوسکے اور دل سے آخرت کا غم نہ نکلے اور آخرت کا غم اس طرح عنایت فرما کہ آخرت کے غم کے سوائے کوئی اور غم نہ ہو اور میں اپنے سینہ کو اپنے ناخنوں سے نہ چھیلوں۔

اے اللہ! میرے کاموں میں ترقی دے اور تنزل و ذلت ہم سے دور کر دے اے اللہ

تیری رضامندی درکار ہے جس طرح چاہے اپنی خوشنودی سے ہمیں مالا مال کردے، اگر کبھی ہم اپنی جلد بازی اور طبیعت کے میلان کی وجہ سے کوئی ایسی چیز طلب کریں جو ظاہر میں مفید اور باطن میں مضر ہو تو ہماری مدد کر اور جسے تو پسند کرتا ہے اس کی توفیق دے اور جسے تو ناپسند کرتا ہے اس سے دور رکھ، اے اللہ تجھ پر ہر کام آسان ہے، آسان کیا معنی بلکہ ہر قسم کی نعمت جس کا تصور کیا جاسکتا ہے وہ تو نے اپنے بندوں کو عنایت کی ہے، دنیاوی عزت، شان و شوکت، عظمت و رفعت، مذہب و ملت، علم و ہدایت، حق و معرفت اور قرب و کرامت سب ہی تو نے اپنے بندوں کو دیئے ہیں، میں کس چیز سے مایوس ہوں اور کیوں مایوس ہوں البتہ مشیت تیرے ہاتھ میں ہے جس کو جتنا چاہتا ہے دیتا ہے خواہش دراصل تیری ہی خواہش ہے، مجھے یقین ہے کہ تیری خواہش کے بغیر کسی انسان میں کوئی خواہش پیدا ہی نہیں ہوتی اور کوئی فائدہ بھی نہیں دیتی اس پر بھی انسان بے چارہ مجبور ہے۔ وہ اپنی خواہشات پر صبر نہیں کرسکتا اور آرزو بھرا دل تیرے حضور پیش کرتا ہے۔

اے اللہ! میں تیرے قرآن کریم اور تیرے محبوب کی سنت کے وسیلہ سے دعا کررہا ہوں تو میری دعا قبول فرما۔

اے اللہ! میں جب دعا کی قبولیت کی شرطوں کو دیکھتا ہوں تو مایوس ہو جاتا ہوں اور دعا کرنے میں سستی کرتا ہوں لیکن اگر تیرا یہی آخری فیصلہ ہے کہ بغیر شرائط دعا کے تو کوئی دعا قبول نہیں کرتا، تو مجھے شرائط دعا کی جلد از جلد توفیق عنایت کر اور پھر میری دعائیں قبول فرمالے اور میرے جرائم پر نظر کئے بغیر گوہر مقصود سے میرا دامن بھر دے۔

اے اللہ! جب تک تو میرے مطلوب کی بشارت دلیل اور یقین سے عنایت نہیں کرے گا اس وقت تک تیرا یہ کمترین بندہ تیرے دربار میں اسی طرح چیخ و پکار اور گریہ وزاری کرتا رہے گا کیونکہ روئے بغیر دل کو قرار ہی نہیں آتا، اور اگر میری دعائیں تیری بارگاہ میں قبول نہ ہوئیں تو پھر افسوس ہی افسوس اور مایوسی ہی مایوسی ہوگی۔

اے اللہ! تو مجیب الدعوات ہے ہماری دعائیں قبول کر اور تو ہی کریم و رحیم ہے اس لیے اپنے ذلیل بندے کی عاجزی قبول فرمالے۔

اے اللہ! نفس و شیطان کے خوف سے میرے اوقات کو تشویش سے بچا جب نفس و

شیطان غلبہ کرے تو اس وقت قرآن کریم تلاوت کرنے کی توفیق دے تاکہ تلاوت کلام پاک کے ذریعہ تمام رنج وغم دور ہو کر قلبی راحت میسر ہوتی رہے۔

اے اللہ اپنے کلام سے الفت ومحبت عنایت کرتا کہ اس میں مستغرق رہوں اور تیرے ذکر کے علاوہ ہر چیز سے دست بردار ہو جاؤں۔

اے اللہ! میرے غم کی کیفیت وحقیقت تیرے سوا کوئی نہیں جانتا، میں جس سے اپنی مشکلات بیان کرتا ہوں، وہ حقیقت حال پر غور کیے بغیر وہ بات کہتا ہے جو میرے لیے کارآمد نہیں اور میرے درد کا علاج نہیں، نیز اکثر لوگ میری تکالیف سن کر کچھ دوسری غرض سمجھتے ہیں۔

اے اللہ! تو میری حقیقی حالت، میری غرض، میرے مقصد، میرے مطلب اور میری نیت سے خوبی واقف ہے، میں اپنی سچی نیت کا تو دعویٰ نہیں کرتا کیونکہ تجھ سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے، اس پر بھی میں اپنی سچی نیت اور اچھے اعمال کا تجھ رحیم وکریم سے سوال کر رہا ہوں۔

اے اللہ! میرا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جسے آپ کے دربار میں پیش کرنے کے لائق سمجھوں، میرے تمام اعمال میں فسادنیت موجود رہتی ہے، البتہ مجھ حقیر فقیر کا ایک عمل صرف تیری ذات پاک کی عنایت کی وجہ سے بہت شاندار ہے اور وہ یہ ہے کہ مجلس میلاد کے موقع پر میں کھڑے ہو کر سلام پڑھتا ہوں اور نہایت ہی عاجزی وانکساری محبت وخلوص کے ساتھ تیرے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجتا رہا ہوں۔

اے اللہ! وہ کونسا مقام ہے جہاں میلاد مبارک سے زیادہ تیری خیر وبرکت کا نزول ہوتا ہے؟ اس لیے اے ارحم الراحمین مجھے پکا یقین ہے کہ میرا یہ عمل کبھی بیکار نہ جائے گا بلکہ یقیناً تیری بارگاہ میں قبول ہوگا اور جو کوئی درود وسلام پڑھے اور اس کے ذریعہ دعا کرے وہ کبھی مسترد نہیں ہو سکتی۔

اے اللہ! میرے شوق طلب کو اور زیادہ کر اور صداقت کی پیاس زیادہ بڑھا تو نے جو نعمتیں دی ہیں انہیں نہ چھین اور رزق دیا ہے وہ واپس نہ لے تو نے جو بشارت دی ہے اسے پر اثر بنا، کیونکہ تو ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ! میری خواہش ہے کہ ہر لمحہ ایک نئے طرز سے

تیرے دربار میں سوالی بن کر حاضری دوں اور جو کچھ دل میں ہے وہ زبان پر لاؤں، تو نے میرے دل میں اپنا جو درد رکھ دیا ہے اسے مجھ سے زیادہ تو ہی خوب جانتا ہے اور انجام کار جو چیز میرے دل میں نہیں سماتی اس سے بھی تو ہی اچھی طرح واقف ہے۔

اے اللہ! میں اپنی گریہ وزاری سے تجھ پر کوئی حکم نہیں چلاتا بلکہ جو کچھ عرض کر رہا ہوں وہ سب عاجزی، خاکساری، بے بسی اور مجبوری ہے کیونکہ انسان کو کمزور فطرت عطا کی گئی ہے۔

اے اللہ! نیک لوگ چلے گئے اور جوانمرد رخصت ہوگئے، اب وہ زمانہ آیا ہے، جس میں نیک بن کر رہنا دشوار ہوگیا ہے بلکہ نیکی کا تصور بھی محال ہے لیکن اگر تو قوت دیدے اور تائید فرمادے تو ہر مشکل کام آسان ہے، اے اللہ! جو تھوڑے سے نیک لوگ باقی ہیں ان کی حفاظت فرما تاکہ وہ نیکی پھیلاتے رہیں، ان کی نیکی سے نیکی کی مزید شاخیں اور پھل پیدا کر، ہماری امیدوں کو شاخ در شاخ اور ہمارے دلوں کو اس طرح باغ باغ بنادے جیسا تو نے شجرۂ طیبہ کی جڑ مضبوط کر کے اس کی شاخیں آسمانوں میں پھیلا دی ہیں جن کے پھل تیرے احکام کے بموجب نیک لوگ کھا رہے ہیں۔

آخر میں دعا ہے اے اللہ! تمام تعریف تیرے ہی لیے ہے تو تمام جہانوں کا رب ہے میں نے اپنا کام تیرے سپرد کردیا ہے اور تو اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

شعر

سپردم بتو مایہ خویش را — تو دانی حساب کم و بیش را

اور درود وسلام ہو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کے آل واصحاب پر اور سب نیک لوگوں پر، آمین ثم آمین۔

اب میں اپنے نعتیہ قصیدہ پر یہ کلام ختم کرنا چاہتا ہوں تاکہ انجام بخیر ہو، یہ قصیدہ اگرچہ ہندوستان میں لکھا گیا ہے لیکن مدینہ طیبہ کی زیارت کی سعادت حاصل کرنے پر سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں پڑھا گیا اور شرف قبولیت حاصل کر کے میرے مقاصد کے حصول کا سبب بنا، اس پر بھی اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

قصیدہ نعتیہ

بیا اے دل دے از ہستی خود ترک دعویٰ کن / میفگن چشم برصورت نظر در عین معنی کن

فگندی چوں نظر در عین معنی بعد ازاں ایدل / چو عنقا از سر عزت بقاف فقر ماویٰ کن

ز چاک سینہ ہر دم صد نوائے درد دل بشنو / بدیں قانون الفت ترک بزم اہلِ دنیا کن

چوزیں دار فنا قصد سفر سوئے دگر داری / چرا غافل نشینی اے دل اسبابش مہیا کن

بعد خون جگر در زیراں کش تو سن نفست / بدیں ساں راہ راحل گیر و قصد راہ عقبیٰ کن

پس آنگہ برسر کوئے فنا نہ پائے استغنا / وجود خویش را گم در شہود نور مولےٰ کن

اگر خواہی تماشائے جمال شاہد معنی / نخست ایں چشم صورت بین بہ میل عشق اعمیٰ کن

بشاگردی در آ در مکتب جاں پس بلوح دل / بتعلیم و بیر عشق حرف شوق املا کن

مبند اے خفتہ دل چشم تماشا سر فرد مفگن / بعین عبرت آخر سیر صنع حق تعالیٰ کن

چہ حاجت کز پے خلوت روی در کنج تنہائی / بیاد دوست خود را از خیال غیر تنہا کن

بیا در انجمن خلوت گزیں واز رہ دیگر / بچشم دل جمال دوست را ہر دم تماشا کن

بسرش غیر را محرم مگر داں بلکہ در خلوت / چناں پوشیدہ کن ذکرش کہ از دل نیز اخفا کن

چو نفی ماسوی کردی چہ دل کو جاں ہمہ ہیچند / ولیلت کل شیء ہالک الا وجہ را کن

چو فرق واضح آمد درمیان مہلک و ہالک / ہلاکو نیستی را حکم بر ہر چیز حالا کن

کش از پرکار الا خط عدم بر صفحۂ عالم / بساں دائرہ آنرا محیط جملہ اشیاء کن

پس انگہ نقطہ ذاتست کا مدمرکز ہستی / بروں زیں دائرہ آں نقطہ اثابت بہ الا کن

بروں از روئے صورت وزرہ معنی دروں آتش / میان نقطہ و آں دائرہ غیریت افنا کن

ہماں نقطہ تحرک کر دو آمد دائرہ پیدا / مثال از بہر ایں از نقطہ جوالہ پیدا کن

چو بینی نور مطلق خویشتن را درمیاں ناری / ہوالحق از انا الحق بعد ازیں مختار اولیٰ کن

مسمی واحد و اسمائے او از حد و عد بیروں / بہرا سے شہود نور ذات آں مسمّیٰ کن

در اسمائے حقیقی شد مسمی عین ہر اسمے / عجب مشکل حدیث است ایں بگوش وہوش اصغا کن

معمائیست مشکل در حساب عاقلاں وحدت / بتحصیل کمال نفس حل ایں معما کن

کمال نفس وہم تہذیب اخلاقت بدست آید / اگر ایں راہوس داری بنائے شرع برپا کن

حقیقت از شریعت نیست بیش عارفاں بیردں — مثال آں بکشتی سازو شبہ آں بدریا کن
بریں کشتی نشیں تا بگذری زیں بحر بے پایاں — نہ چوں فرعون، خودرا غرق بحر کفر اغوا کن
زباں مکشا بنا فرمودۂ شارع سخن ایں است — پئے اسمائے توفیقی زبان عجز گویا کن!
وہاں راقفل خاموشی نہ وسر بستہ دار آں، در — کلید امرش اور دن در سر بستہ را داکن !
وگر خواہی زباں بکشائی ددر راہ سخن پوئی — ثنائے بادشاہ یثرب و سلطان بطحا کن
سریر آرائے ملک آفرینش احمد مرسل — کہ پیش از دے نشد در ملک ہستی کارفرما کن
بشد تابر سر منشور عالم خاتم حکمش — زدیوان ازل آمد برآں منشور طغرا کن
بیان قربت اوقاب قوسین است او ادنیٰ — بمقدار علوء قدر او ایں نیز ادنےٰ کن!
قیاس رتبہ و مقدار فضل از انبیاء تادے — زقطرہ تا بدریا زذرہ تابہ بیضا کن
حبیب اللہ بود او انبیاء راداں محبّ اللہ — قیاس کار از اسری بعید وجاء موسیٰ کن
بخود میرفت موسیٰ لیکن اوری حق بخود بروش — زرفتن تابہ بردں فہم فرق اشکارا کن
چو خود بر دندا ورا درحق او قدرائَ گفتند — بموسیٰ لن ترانی فہم تفضیلش ازیں جا کن
خطاب باعتاب ان تولیتم اگر خواندی — بایں والی دولا قدر ملک دیں تو لا کن
اگر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری — بدر گاہش بیا و ہرچہ می خواہی تمنا کن
بیا اے دل قدم نہ برسر کوئے وفا دانگہ — زراہ صدق جاں را خاک راہ آں کف پا کن
سروتن رابراہ جلوہ آں سروبا لاکش — دل وجاں رافدائے حسن آں رخسار زیبا کن
ثنائش گودلے چوں نیست ایفائش زتوممکن — بایں یک بیت مدحش راعلیٰ الاجمال ایفا کن
مخواہ اورا خدا از بہر امر شرع و حفظ دیں — دگر ہر وصف کش میخواہی اندر مدحش املا کن
چواز انشاء تفصیل صفاتش عاجزی ایدل — بیاد عرض و حال خویش برخدامش انشا کن
خرابم درغم ہجر جمالت یا رسول اللہ — جمال خود نما رحمے بجان زارشیدا کن
اسیران تو جاں دادند در ہجرلب لعلت — وہاں بکشا واز راہ کرم احیائی موتی کن
جہاں تاریک شد از ظلمت ظلم سیہ کاراں — بیاد عالمے را روشن از نور تجلا کن
زیاں کاراں بہ بازار ہوا سودائے زردارند — شکست و رونق وگرمی ایں بازار وسودا کن
ہمہ بے ہمتان دہر بخل آئین خو کردند — بلطف امعاں مبین واز کرم احیائے محیا کن

زظلم ظالماں شور است وغوغا ہر طرف آخر ۔۔۔ بعدل درافت خود برطرف ایں شور وغوغا کن
بسنگ سیم وزر جاہل گرانبار است از عالم ۔۔۔ بمیزان عدالت قدر ہر یک راہویدا کن
بصدیقؓ صداقت پیشہ فرماتا قدوم آرد ۔۔۔ طریق صدق و آئین وفارا بازپیدا کن
عمرؓ راباز بنشاں برسریر معدلت آئیں ۔۔۔ بدیں آئیں میان خلق رسم عدل احیا کن
ہمہ کس راست از عجب وتکبر دعویٰ اندرسر ۔۔۔ زسر فرست عثمانؓ را وقطع امر شوراکن
بدفع حیلہ ایں روبہاں بفرست شیر حق ۔۔۔ بفرمائش کہ قلع باغیاں وقمع اعدا کن
بزور بازوئے خیبر کشا بنیاد جہل افگن ۔۔۔ رواج رونق بازار علم و کار تقویٰ کن
وگرنائی تو بایاں راں، بظلم آباد ایں دنیا ۔۔۔ بدفع ظالماں حکم نیابت رابہ عیسیٰ کن
بہر صورت کہ باشد یا رسول اللہ کرم فرما ۔۔۔ بلطف خود سر و سامان جمع بے سر و پا کن
محب آل و اصحاب تو ام کار من حیراں ۔۔۔ بلطف خویش ہم امروز وہم در روز فردا کن
بیاحقی مدہ تصدیع خدام جنابش را ۔۔۔ کہ احوال تو معلوم است اظہارش مکن یا کن

بقسمت باش راضی دم مزن الا بشکر حق
سکونت ورز و تسکین دل خود از قسمنا کن

تمت بالخیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب **اخبار الاخیار** مکمل ہوئی لیکن حقیقتاً اس وقت پایہ تکمیل کو پہنچے گی جبکہ زبدۃ المقربین، قطب الاقطاب، فضیلت مآب، مظہر تجلیات الٰہی، مصدر برکات نامتناہی امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ حالات تحریر کیے جائیں۔

مجھ مصنف کو آخری عمر میں آپ سے نسبت حاصل ہوئی اس لیے آپ مقدم ترین کاملین وسابق ترین واصلین الی اللہ کا تذکرہ اس کتاب کے آخر میں ہی زیادہ مناسب ہے اور اگر حقیقت پر نظر کی جائے تو اول و آخر سب ایک ہی چیز ہے، میرا آپ سے رجوع ہونا ثقہ حضرات کی زبانی بھی مشہور بات ہے جیسا کہ کتاب کے آخر میں انشاءاللہ بیان ہوگا۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش ۹۷۱ .... وفات ۱۰۳۴ھ

آپ کا سلسلہ نسب (۲۸) واسطوں کے ذریعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، ۹۷۱ ہجری میں آپ پیدا ہوئے، بہت قلیل عرصہ میں علوم عقلی و نقلی سے فراغت حاصل کی اور اپنے والد بزرگوار سے سلسلہ چشتیہ قادریہ سہروردیہ اور کبرویہ کی اجازت حاصل کی، پھر حجاز تشریف لے گئے جہاں سے واپسی پر دہلی آئے اور یہاں حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی اور عرصہ تک ان کی صحبت میں رہے لیکن صرف دو ۲ ماہ اور چند دنوں کی خدمت کے بعد سلسلہ نقشبندیہ کی مکمل تعلیم و اجازت لی، چنانچہ خواجہ صاحب نے اپنے ایک دوست کو لکھا ہے کہ سرہند میں ایک بہت بڑے عالم و عامل ہیں جن کا نام شیخ احمد ہے انہوں نے چند روز میرے پاس نشست و برخاست کی جس میں میں نے ان کے عجیب عجیب

حالات دیکھے ہیں اور ان کے اوقات واعمال صالحہ کے پیش نظر یقین ہے کہ وہ عنقریب ایسا روشن آفتاب ہوکر چمکیں گے کہ جس سے ساری دنیا جگمگا جائے گی۔

نیز خواجہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ شیخ احمد ایسے آفتاب ہیں جن کے سایہ میں ہم جیسے ہزاروں تارے چھپے ہوئے ہیں۔

غرضیکہ خواجہ محمد باقی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے مناقب وفضائل بکثرت تحریر فرمائے ہیں جن میں سے چند پر اکتفا کرتا ہوں۔

فرماتے ہیں کہ دہلی آنے کے بعد تھوڑے ہی دنوں میں آپ کی عالمگیر شہرت ہوگئی اور آپ کے آستانہ پر صاحبان علم وکمال کا مجمع رہنے لگا۔ مشائخ زمانہ آپ کے معتقد اور اکابرین وقت آپ سے عاجزانہ طور پر ملتے تھے، آپ کی وجہ سے تانبا سونا بنا اور ذرے آفتاب کہلائے، آپ کی بابرکت ذات اللہ تعالیٰ کی نشانی اور اس کی خاص نعمت تھی علماء کرام اور صوفیائے عظام کے درمیان ایک ہزار سال سے جو نزاع وتکرار تھی وہ آپ نے صاف کرائی اور احادیث کے موافق ان دونوں کو ملا دیا، جیسا کہ مشہور کتاب حضرات القدس میں ہے کہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب جمع الجوامع میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''میری امت میں ایک ایسا شخص ہوگا جسے لوگ صلۃ کہیں گے اور اس کی سفارش سے اتنے اتنے اشخاص جنت میں جائیں گے۔'' اور یہ اشارہ آپ ہی کی طرف ہے کیونکہ آپ ہی نے علماء وصوفیہ کا باہمی تنازعہ ختم کرایا اور آپ ہی نے مسئلہ وحدت الوجود کی جانب دونوں کو ایک راہ پر لگایا چنانچہ اس تحریر کے بعد آپ نے خود تحریر کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے بحرین کے درمیان مجھے صلہ بنایا ہے۔

آپ لوگوں کے اندرونی اور قلبی حالات سے واقفیت رکھتے، پوشیدہ باتیں بتاتے اس عالم تکوینی میں تصرف دکھاتے، غرضیکہ آپ کے خوارق عادات جو کتابوں میں تحریر ہیں وہ سات سو سے زیادہ ہیں اور ان تحریر شدہ کے ماسوا اور بھی بہت کراماتیں ہیں، چونکہ حکم ہے اگر سب نہیں پاسکتے تو سب کو ترک بھی نہ کرو، اس لیے چند خوارق حوالہ قلم کیے جاتے ہیں۔

۱۔ کہتے ہیں کہ آپ سفر میں تھے اور ہوا سخت گرم تھی دوستوں کے اصرار پر آپ نے

بارش کی دعا کی تو فوراً ہی صاف آسمان پر بادل آیا اور بارش ہوگئی۔

۲- ایک آدمی نے عرض کیا میں اس سال پھر حج کرنے جا رہا ہوں، آپ نے جواباً کہا، میدان عرفات میں تم مجھے دکھائی نہیں دیتے، اگرچہ تم کئی بار حج کے ارادہ سے گئے لیکن حج کرنا تم کو نصیب نہ ہوا۔

۳- آپ کے ایک مرید جان محمد کا بیان ہے کہ ایک شام حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے میرے ہاتھ میں ایک جوز دیا اور فرمایا حافظ باغ میں چند درویش مقیم ہیں، ان میں ایک شخص چیچک رو ہے جاؤ اور اس کو جوز دیکر اپنے ساتھ لیتے آؤ، غرضیکہ آپ کے بتائے ہوئے پتہ پر میں پہنچا دیکھا کہ چند قلندر جمع ہیں اور ان کے قریب ہی ایک چیچک رو فقیر بیٹھا ہے اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا، حضرت شیخ نے تم کو میرے پاس بھیجا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! اور پھر جوز دیتے ہوئے حضرت شیخ کا پیغام پہنچایا، اس پر اس فقیر نے کہا، ہم کو بلایا ہے اور خود نہیں آئے، غرضیکہ وہ فقیر میرے ساتھ حضرت شیخ کے پاس آیا، حضرت شیخ نے مجھ جان محمد سے قہوہ منگوایا، میں قہوہ لایا تو آپ نے فرمایا، پہلے ان درویش کو دو، میں نے جو اس درویش کی جانب دیکھا تو وہاں خود آپ کو بیٹھا پایا اور انہوں نے فرمایا کہ پہلے حضرت شیخ کو دو، غرضیکہ میں نے جدھر رُخ کیا حضرت شیخ ہی کو جلوہ گستر پایا۔

ان درویش نے مجھ جان محمد کی بابت حضرت شیخ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا، یہ جان محمد فلاں قلندر کے فرزند ہیں، اس پر اس درویش نے کہا وہ تو ہمارے دوست تھے، اب یہ جان محمد کس سلسلہ میں بیعت ہے، حضرت شیخ نے فرمایا سلسلہ قادریہ میں، جس پر اس درویش نے کہا میں سفارش کرتا ہوں کہ ان کو حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچا دو، چنانچہ حضرت شیخ نے اٹھ کر قطب تارے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا، جان محمد! تم قطب تارہ پہچانتے ہو، خوب غور کر کے بتاؤ یہی ہے یا دوسرا ہے، چنانچہ میں نے دیکھا کہ قطب تارہ میں سے ایک شخص کالا لبادہ اوڑھے تیز رفتاری کے ساتھ حضرت شیخ کے پاس آیا، پھر حضرت شیخ نے مجھ جان محمد سے فرمایا لو حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضری دو، اس کے بعد حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ پھر قطب تارہ کی جانب متوجہ ہوئے اور غائب ہوگئے، اس واقعہ کے بعد مسجد میں اس درویش نے مجھ سے کہا، حضرت غوث اعظم

رضی اللہ عنہ سے تم نے ملاقات کی؟ میں نے کہا جی ہاں،

حضرت شیخ کے الہامات و مبشرات بھی بکثرت ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے میں نے تمہیں اور اس شخص کو جس نے تمہیں بالواسطہ یا بغیر واسطہ قیامت تک وسیلہ بنایا بخش دیا ہے۔

الحاصل جو کوئی حضرت شیخ کے تفصیلی حالات، کشف الہامات اور مبشرات وغیرہ دیکھنا چاہے وہ آپ کی تصنیفات حضرات القدس، برکات احمدیہ، معارف جدیدہ اور حقائق نادرہ وغیرہ کا مطالعہ کرے جو آپ کے نورانی قلم سے لکھی گئی ہیں آپ وہ آفتاب تھے جن سے منکروں کی آنکھیں چوندھیاتی ہیں اور حاسدوں کے دل اندھے ہو جاتے ہیں، یہ معارف و حقائق اور ہدایات وارشاد جو سنے اور دیکھے جارہے ہیں یہ اس ذات والاصفات کے ہیں جو علی علی کہتے تھے، آپ مجدد ہیں، سو سال کے بعد کے مجدد نہیں بلکہ حضرت علی کے ہزار سال کے بعد والے مجدد ہیں، اور یہ فرق کوئی معمولی فرق نہیں بلکہ بہت بڑا فرق ہے کاش تم لوگ اس سے واقفیت حاصل کرلو۔

آپ کے حسن اخلاق، عمدہ سیرت کی بابت مختصراً عرض ہے کہ صبر تحمل رضا و تسلیم اور ہر شخص کی تعظیم، مخلوق الٰہی پر شفقت، ان کے ساتھ صلہ رحمی، حاجتمندوں کی امداد، السلام علیکم کرنے میں سبقت، آہستہ و نرم گفتگو آپ کی سیرت و خصلت تھی، آپ کا مسلک قرآن کریم وحدیث شریف تھا، اور آپ کی یہ ایک فضیلت دوسری تمام فضیلتوں سے سبقت لے گئی ہے۔

مختصر یہ کہ آپ اپنا کارخانہ ارشاد طلاب اپنے بیٹوں کے حوالہ کر کے خلوت نشین ہوگئے تھے اور خلوت سے جلوت میں بہت کم آیا کرتے، وفات سے بہت پہلے سے اشاروں میں اپنی وفات کو کہا کرتے تھے، ایک دن صاف فرمایا مجھے بتایا گیا ہے کہ چودہ پندرہ دن میں ۱۲۔ محرم ۱۰۳۴ ہجری سے پہلے انتقال کروں گا، چنانچہ آپ نے منگل کے دن صبح کے وقت جبکہ ذرا سا سورج نکلا تھا سرورِ عالم کی عمر شریف کی مانند (۶۳) سال کی عمر میں اس دنیا سے بہشت جاوداں کی جانب کوچ کیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، آپ کے انتقال، غسل اور اس کے بعد کے واقعات میں جو عجیب و غریب چیزیں دیکھنے میں آئیں وہ کتاب مقامات میں ناظرین ملاحظہ کر سکتے ہیں (میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ

باقی باللہ کے مرید و خلیفہ شیخ حسام الدین کو ایک خط لکھا ہے) اس خط کے اظہار کا پہلے تذکرہ کیا گیا ہے چنانچہ اس وعدہ کو اب آخر میں پورا کیا ہے۔

مجھ فقیر عبدالحق کو حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے جو صفائی باطن عنایت فرمائی ہوے وہ بے حد و شمار ہے۔ حضرت شیخ نے ہمارے درمیان کوئی پردہ بشریت و حجاب باقی نہیں رکھا' آپ نے طریقت' انصاف اور عقلی تمیز جو بزرگوں کا خاصہ ہے۔ اس دنیا کے اندر میرے باطن میں بطریقہ ذوق' وجدان و غلبہ کے پوری طرح جاگزیں کر دیا جس کے اظہار سے زبان عاجز ہے' تمام تعریفیں اور پاکیزگی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو دلوں کو بدلتا اور حالات درست کرتا ہے۔ بعض لوگ شاید اس کو دور کی بات سمجھیں لیکن میں نہیں جانتا کہ اب میری کیا حالت ہے اور کیا طریقہ ہے۔

لاکھو درود و سلام ہوں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر' آپ کے آل و اصحاب پر اور تمام صالحین پر' اے ارحم الراحمین تو ہم سب پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔ آمین۔

تمت

ہماری چند دیگر مطبوعات